

فَلَحْ اَلْعَظَمُ

حضرت عمر بن العاص رضی

اس الوالعزم اور بہادر سپہ سالار کی مفصل اور مکمل
سوانح حیات، جس نے صرف چار ہزار قلیل فوج کے ساتھ مصر
جیسے عظیم ملک پر حملہ کر کے اُسے فتح کیا اور پھر نہایت شان و
شوکت کے ساتھ اُس پر حکومت کی، اور جو عرب کا بہترین مدبر
بہترین سیاستداں اور بہترین جنرل تھا۔

مترجم
شیخ محمد احمد پانی پتی

مؤلف
محمد فرج مصری

نفیس کیڈی

بلاس اسٹریٹ، کراچی

قیمت:- بارہ روپیہ

جُمْلَہ حُقُوق طَبَاعَت و اشاعت ذَاتِی

بِحَق چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندی
مالک

نفیس اکیڈمی و مسعود پبلشنگ ہاؤس

پلاسٹک اسٹریٹ کراچی

محفوظ ہیں

طبع اول: ————— نومبر ۱۹۶۲ء

باہتمام محمد رشید منیجر نفیس اکیڈمی
کراچی میں طبع ہوئی

کتاب ہذا اور اس کا مصنف

مصر کے عظیم الشان فاتح اور حضور اکرم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عمرو بن العاص کی عربی ادب و ادب میں متعدد مختصر اور طویل سوانح عمریوں لکھی جا چکی ہیں۔ اگر یہ عربی کتاب جس کا اردو ترجمہ تادمین کرام کی خدمت میں پہنچایا جا رہا ہے اس سلسلے سے خصوصیت رکھتا ہے کہ وہ اس بزرگ صحابی کی تمام شائع شدہ سوانح عمریوں میں سب سے زیادہ مدلل اور سب سے زیادہ مفصل ہے۔ آج تک اس "فاتح اعظم" کی اس سے بہتر سوانح عمری نہیں لکھی گئی۔ اس بے نظیر کتاب کا مصنف مصر کا مشہور انشا پرداز اور مورخ محمد فرج ہے۔ جس نے یہ محققانہ تالیف عرصہ دراز کی تلاش و تحقیق کے بعد سپاس عربی، انگریزی اور فرانسیسی کتب سے اخذ و انتخاب کر کے مرتب کی ہے۔ کتاب بڑی تقطیع کے ۲۱۲ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ مصر کے دو بڑے فاضل حضرات احمد نجیب ہاشم وزیر تعلیم متحدہ عرب جمہوریہ اور احمد الشرباصی نے اس کے پیش لفظ اور دیباچے لکھے ہیں۔ مولف نے کتاب کو مصر کے آمر مطلق جمال عبدالناصر کے نام موصول کیا ہے۔ اور کتاب کا نام عمرو بن العاص "رکھا ہے۔ ۱۰ سے ۳۶۹ھ میں "دار الفکر عربی" نے بڑے اہتمام اور نفاسات کے ساتھ قاهرہ سے شائع کیا۔ محمد فرج کی مصنفہ دیگر کتب کی فہرست یہ ہے۔

- (۱) الجبقریۃ العسکریۃ فی غزوات الرسول (۱) سیرتہ اللہ خالد (۲) اسلام والحرب کی اسلام (۳) جبابہ حرب
- (۴) محمد الحارث (۵) نہایت طاغیہ (۶) الاشراعات (۷) ہفتہ الجلاء (۸) بطولۃ وفاء (۹) هذه الحیاة (۱۰) قلب محمد
- (۱۱) احادیث فی الحرب (۱۲) تباؤۃ الحرب العرب فی العراق والاشام (۱۳) تباؤۃ الحرب العرب فی مصر وشمالی افریقیہ۔

حضرت عمرو بن العاص کی سوانح عمریاں

(میرے علم کے مطابق حضرت عمرو بن العاص کی عربی اور اردو میں اب تک کسی نے سوانح عمریاں لکھی ہیں)

۱۔ عربی

- ۱۔ ابن العاص از عباس محمود العقاد
- ۲۔ تالیف عمرو بن العاص از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی
- ۳۔ عمرو بن العاص فاتح مصر از عبدالسلام المشرقی
- ۴۔ عمرو بن العاص از محمد فرج

۲۔ اردو

- ۱۔ حیات عمرو بن العاص از مولوی سید حیدر الدین سلیم پانی پتی
- ۲۔ سیرۃ عمرو بن العاص از مولانا محمد اسلم جیراج پوری
- ۳۔ فاتح مصر از شیخ محمود احمد عرفانی
- ۴۔ عمرو بن العاص تالیف حسن ابراہیم حسن ترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی
- ۵۔ فاتح اعظم عمرو بن العاص تالیف محمد فرج ترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی

شجرہ کتاب فاتح اعظم عمرو بن العاص

باب الاول	باب الثانی	باب الثالث	باب الرابع
اجاہلیت سے اسلام تک	عمرو میدان جہاد میں	عمرو مع الخلفاء	عمرو بحیثیت آدمی سیاست
۱۔ زمانہ جاہلیت میں	جنگ ذات السلاسل	مع ابی بکرؓ	معنی قیادت
۲۔ آغوش اسلام میں	حروب الردۃ	مع عمر فاروقؓ	ایمان و یقین
	جنگ ثانیہ شام و فلسطین	مع عثمانؓ و المنوینؓ	قائد کی شخصیت
	فتح مصر	مع علیؓ ابن ابی طالب	لشکر کا انتظام
	فتوحات برتہ و طرابلس	مع معاویہؓ بن ابی سفیان	عمرو بن العاص کی بساط سیاست
	عمرو بن العاص کے اصول جنگ		

فہرست مضامین فاتح اعظم عمرو بن العاص

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۱	۱۔ سفر حبشہ		
۵۲	۲۔ سفر مصر	۱۹	مترجم کتاب تہذیب محمد احمد پانی پتی
۵۴	عمرو بن العاص اور اسلام	۲۱	پیش لفظ راز احمد نجیب ہاشم وزیر تعلیم عربیہ
۶۵	۳۔ زمانہ اسلام	۲۳	کچھ کتاب ہذا کے متعلق (راحمہ الشرباصی)
۷۰	عرب اور اسلام		مقدمہ مولف (راحمہ فرج)
۷۰	اسلام کے متعلق عمرو بن العاص کا موقف		
۷۲	عمرو بن العاص حبشہ میں		باب اول
۷۳	عمرو بن العاص کا قبول اسلام	۳۳	عمرو بن العاص بحالت کفر سے قبول اسلام تک
۸۱	انہدام سوادع	۳۴	۱۔ زمانہ جاہلیت اور حالت کفر
۸۲	عمرو بن العاص ملک عمان میں	۳۵	قبیلہ وغافل
۸۴	عمرو بن العاص کی جیفر سے بات چیت	۳۶	مسلحہ فب
۸۸	دونوں بھائیوں کا قبول اسلام	۳۶	والد (عاص بن وائل)
۸۸	زکوٰۃ کی تحصیل	۳۱	والدہ (سلمیٰ بنت حرط)
		۳۴	ولادت
۹۱	باب دوم	۳۵	عہد شباب
۹۱	عمرو بن العاص میدان جنگ میں	۳۶	فضاحت و بلاغت اور کلمات حکمت آمیز
۹۲	۱۔ جنگ ذات السلاسل	۳۷	حلیہ
۹۴	عمرو بن العاص کی طرف سے ملک کی درخواست	۳۸	عادات و خصال
۹۴	مسکد قیادت	۵۰	شغل تجارت
۹۶	جنگ	۵۱	عمرو بن العاص کے سفر

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۱۸	۷۔ لشکر کی حفاظت کا خاص طور پر انتظام کرنا چاہیئے		جنگی اصول جو جنگ ذات اسلحہ کے موقع پر اختیار کیے گئے۔
۱۱۹	۸۔ قائد کو دشمن کے تمام حالات کا علم ہونا چاہیئے		۲۔ جنگ ہائے مرتدین
۱۱۹	۹۔ اسلام کی راہ میں اپنی جان کی کوئی قیمت نہیں سمجھنی چاہیئے۔ اور شہادت کا جذبہ ہر وقت دل میں موجود رہنا چاہیئے۔	۱۰۴	فقہ ارتداد
	۱۱۔ عمرو بن العاص فلسطین میں فلسطین کی جانب کوچ	۱۰۵	عمرو بن العاص کی گفتگو فرہ بن ہبیر سے
۱۱۹	۱۲۔ ردیوں سے مسلمانوں کی پہلی مدد بھڑ	۱۰۸	شام اور فلسطین کی جنگیں
۱۱۹	۱۳۔ ردیوں سے مسلمانوں کی دوسری جنگ	۱۱۰	عراق میں مسلمانوں کی پیش قدمی
۱۲۰	۱۴۔ عمرو بن العاص یرموک میں	۱۱۱	شام کی جانب حضرت ابو بکر صدیق کی توجہ
۱۲۱	۱۵۔ عمرو بن العاص دمشق میں	۱۱۲	شام بھیجنے کے لئے چار لشکروں کی تشکیل
۱۲۴	۱۶۔ عمرو بن العاص اجنادین میں	۱۱۳	حضرت ابو بکر صدیق کی نصائح عمرو بن العاص کو
۱۳۰	قیساریہ کی فتح	۱۱۴	حضرت ابو بکر صدیق کی نصائح کا تحریر یہ
۱۳۱	غزوہ کا محاصرہ	۱۱۶	۱۔ لڑائی کے دوران میں فوجوں کے سپہ سالاروں کے درمیان کامل تعاون ہونا چاہیئے۔
۱۳۲	ارطوبوں سے مقابلے کی تیاری	۱۱۷	۲۔ فوجی کمانڈروں کو آپس میں برابر صلاح و مشورے کرتے رہنا چاہیئے۔
۱۳۳	عمرو بن العاص اور ارطوبوں کی باہمی گفتگو	۱۱۸	۳۔ دوران جنگ میں سپہ سالار کو اللہ کی مدد و نصرت پر کامل ایمان ہونا چاہیئے۔
۱۳۵	عمرو بن العاص کی عقل مندی	۱۱۹	۴۔ فوجی کمانڈروں کو جنگ پر بھیجنے سے پہلے ان کی صلاحیتوں کا پورا اندازہ کر لینا چاہیئے۔
۱۳۷	فتح اجنادین		۵۔ سپہ سالار اور لشکر کے درمیان گہرا تعلق اور مضبوط رابطہ قائم رہنا چاہیئے۔
۱۳۸	فتح بیت المقدس	۱۱۸	۶۔ قائد کو اپنا نیک نمونہ فوج کے سامنے پیش کرنا چاہیئے۔
۱۴۲	قسطنطین بن قزل کا فرار اور قیساریہ کی فتح		
۱۴۵	جنگ ہائے شام و فلسطین میں حضرت عمرو بن العاص کی کامیابی کے اسباب		
۱۵۰	شام و فلسطین سے دوحی اعداد کا خاتمہ		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۸۴	۲۔ جنگ ام ذنین	۱۵۱	فتح مصر
۱۸۴	جنگ کی تیاری	۱۵۲	فوج کشی سے پہلے
۱۸۵	حضرت عمرو بن العاص کی تدابیر	۱۵۳	۱۔ دعوت اسلام کے بارے میں فارسیوں کا رویہ
۱۸۶	۴۔ فیوم کی طرف پیش قدمی	۱۵۴	۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں
۱۸۸	۱۔ امدادی فوج کی آمد	۱۵۶	۲۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں
۱۸۹	۵۔ معرکہ بلید پولیس	۱۵۸	۳۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں
۱۸۹	بلید پولیس کی تاریخ	۱۵۹	۴۔ مصر میں مذہبی ظلم و ستم
۱۹۰	۱۔ امدادی فوج	۱۶۵	۳۔ مصر پر فوج کشی کا ارادہ
۱۹۱	حضرت زبیر بن عوام کی آمد	۱۶۶	۴۔ عرب اور مصر کے باہمی تعلقات
۱۹۲	جنگی تیاری	۱۶۹	۱۔ تجارتی تعلقات
۱۹۲	دشمن کے مقابلے میں جنگی تدابیر	۱۷۰	۲۔ سیاسی تعلقات
۱۹۵	آغاز جنگ اور رومیوں کی شکست	۱۷۱	۳۔ مذہبی تعلقات
۱۹۵	جنگ کے بعد پیش آنے والے واقعات	۱۷۳	۲۔ فتوحات مصر کا پہلا مرحلہ
۱۹۶	مصر کی ابتدائی جنگوں سے اخذ کردہ بعض اہم امور	۱۷۴	۱۔ جنگ الفراء
۱۹۶	دشمن کے مقابلے میں حضرت عمرو بن العاص کی تدابیر	۱۷۴	الفراء کی جانب پیش قدمی
۱۹۶	۱۔ فوجوں کی فرائض	۱۷۷	رومیوں کی تیاری
۱۹۸	۲۔ محاصرہ	۱۷۸	جنگ
۱۹۸	۳۔ دشمن کی سر زمین سے اقصیت	۱۸۱	جنگ میں رومیوں کا طریق کار
۲۰۰	۴۔ ناکہانی حملہ	۱۸۲	جنگ الفراء کے نتائج
۲۰۱	۵۔ لڑائی میں پہل	۱۸۳	الفراء کی فتح کے بعد
۲۰۱	۶۔ نقل و حرکت میں بھرتی	۱۸۴	۴۔ جنگ بلیدس
۲۰۲	۷۔ فوج کی سلامتی کا خیال	۱۸۴	بلیدس کی جانب پیش قدمی
۲۰۳	۸۔ عزم و استقلال	۱۸۴	مصر میں فوج کی جانب سے صلح کی کوشش
۲۰۴	رومیوں کے موقف پر ایک نظر	۱۸۵	جنگ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۳۰	۹۔ شب خون اور سلامتی افواج	۲۰۶	وہ غلطیاں جن کے ردی ترکیب ہوئے
۲۳۰	۱۰۔ عمرو بن العاص کی ایک غلطی	۲۰۹	۳۔ فتح باطنیوں
۲۳۳	۱۱۔ اسکندریہ اور ساحلی علاقہ کی فتوحات	۲۱۰	۱۔ عام توقف
۲۳۴	عربی توقف	۲۱۱	۲۔ میدان جنگ کا جغرافیہ
۲۳۴	ردی توقف	۲۱۲	۳۔ ردی محاذ
۲۳۵	پیش قدمی	۲۱۳	۴۔ عربی محاذ
۲۳۵	طرز روش	۲۱۳	۵۔ قلعہ کا استحکام
۲۳۵	تقیہ	۲۱۳	۶۔ محاصرہ
۲۳۶	کوم شریک	۲۱۳	۷۔ صلح کی بات چیت
۲۳۶	کریون	۲۱۹	۸۔ ہمت
۲۳۹	فتح اسکندریہ	۲۲۰	۹۔ مقابلے
۲۳۹	اسکندریہ کی تاریخ	۲۲۲	۱۰۔ صلح مقدس
۲۴۱	محاذ جنگ	۲۲۳	۱۱۔ صلح کا خاتمہ
۲۴۲	فریقین کے آلات جنگ	۲۲۳	۱۲۔ رومیوں کے حملے
۲۴۲	محاذ کا جائزہ	۲۲۶	۱۳۔ سمندری جنگ
۲۴۳	نقشہ جنگ	۲۲۶	۱۴۔ واقعات سے اخذ کردہ نتائج
۲۴۳	مسلمانوں کا شہر میں داخلہ اور سپاہی	۲۲۶	۱۔ محاصرہ
۲۴۴	ایک عجیب واقعہ	۲۲۸	۲۔ قیادت
۲۴۴	اس واقعہ کے متعلق دوسری روایت	۲۲۸	۳۔ باطنی اسباب
۲۴۵	ایک اور جھڑپ	۲۲۸	۴۔ نصب العین کی حفاظت
۲۴۵	سر پہ غمرو	۲۲۸	۵۔ قبول صلح
۲۴۶	اسکندریہ کا اندرونی خلفشار	۲۲۹	۶۔ طبعی اسباب
۲۴۶	قیرم کی دالسی	۲۲۹	۷۔ داخلی اسباب
۲۴۶	شہنشاہِ روم	۲۲۹	۸۔ مذہب میدان جنگ میں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۷۷	۵۔ اخلاقی طاقت	۲۴۸	بابلیوں کی طرف
۲۷۸	۶۔ تدبیر ملکی (پالیسی)	۲۴۸	صلح
۲۸۰	اسکندریہ کی بازیابی	۲۵۰	کیا مصر بڑھتی تھی فتح کیا گیا؟
۲۸۱	اسکندریہ سے رومیوں کو دعوت	۲۵۱	صلح کے بعد:-
۲۸۱	شاہ روم کی رائے	۲۵۱	۱۔ خلیفۃ المسلمین کو خوش خبری
۲۸۲	حملہ	۲۵۳	۲۔ اعلان صلح
۲۸۲	عمرو بن العاص کی بھالی	۲۵۳	۳۔ تعمیر مضبوط
۲۸۵	عمرو بن العاص دوبارہ اسکندریہ میں	۲۵۵	۴۔ خلیج تراخان
۲۸۵	نبیائین کا معاملہ	۲۵۶	۵۔ شیبی مصر
۲۸۷	۵۔ فتوحات بلاد افریقیہ و بلاد النوبہ	۲۵۷	۶۔ تنیس اور شطا
۲۸۸	۱۔ فتح بقرہ	۲۵۹	۷۔ قیرس کی موت
۲۸۸	جنگ کی تیاری	۲۵۹	۸۔ مہلت کا خاتمہ
۲۸۸	عقبہ کی مہم	۲۶۰	۹۔ نبیائین کی واپسی
۲۹۰	پیش قدمی	۲۶۲	۱۰۔ شہری آڑ دیال
۲۹۱	برد کب فتح ہوا	۲۶۳	۱۱۔ ملکیت زمین میں مساوات
۲۹۲	اہل بقرہ	۲۶۳	۱۲۔ فوجی مصارف
۲۹۴	پیش قدمی	۲۶۴	۱۳۔ نظام محاصل
۲۹۶	۲۔ فتح طرابلس	۲۶۶	۱۴۔ عروس نیل کی کہانی
۲۹۶	عمومی حالات	۲۶۸	۱۵۔ اسکندریہ کا کتب خانہ
۲۹۹	فتح سہرت	۲۷۲	نتائج ماخوذہ
۲۹۹	فتح بجدہ	۲۷۳	۱۔ نظم و ضبط
۳۰۰	شہر طرابلس	۲۷۴	۲۔ قائد کی شخصیت میدان جنگ میں
۳۰۱	محاصرہ طرابلس	۲۷۶	۳۔ حملہ
۳۰۳	ابن عبد الحکیم کی روایت	۲۷۷	۴۔ فوج کا بچاؤ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۳۸	۱۔ خلیفہ ابوبکرؓ کے ساتھ	۳۰۴	فصیل طرابلس کا انہدام
۳۴۳	۲۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب کے ساتھ	۳۰۵	۳۔ فتح شمالی افریقیہ
۳۴۴	عاص اور عمرؓ	۳۰۵	فتح صبرات
۳۴۶	مصر میں	۳۰۸	فتح شروسیہ
۳۴۶	برقا اور طرابلس میں	۳۰۸	فتح ودان
۳۴۶	مصر کی اصلاح اور خوش حالی	۳۱۰	خلیفہ کی راست
۳۵۰	خراج کا تقبیہ	۳۱۱	عمرؓ کی واپسی
۳۵۹	۲۔ حضرت عثمان بن عفان کے ساتھ	۳۱۲	نتائج ماخوذہ
۳۶۰	انتخاب عثمان	۳۱۲	۱۔ ملک اور فوج کی حفاظت
۳۶۱	حضرت عثمان اور عمرو بن العاص	۳۱۲	۲۔ اچانک حملہ اور سازداری
۳۶۲	معزولی کی تاریخ	۳۱۳	۴۔ علاقہ نوبہ کی فتح
۳۶۳	معزولی کے بعد	۳۱۵	۶۔ عمرو بن العاص کے اصول حرب
۳۶۳	عمرؓ کے ساتھ ایک بات	۳۱۸	۱۔ جاسوسی
۳۶۹	۴۔ حضرت علی اور حضرت معاویہؓ کے ساتھ	۳۲۰	۶۔ بھرتی
۳۶۹	خلافت علی	۳۲۲	۳۔ چھاپہ
۳۶۹	مسلمانوں کی تقسیم	۳۲۴	۴۔ حملہ
۳۶۲	عمرؓ کا موقف	۳۲۵	۵۔ محاصرہ
۳۶۷	مشورے	۳۲۶	۶۔ حفظ فوج
۳۶۷	عمرؓ و شام میں	۳۲۹	۷۔ باطنی قوت
۳۶۷	لبن دین	۳۳۱	عمومی عوامل کی قسمیں
۳۶۹	صفین	۳۳۱	۱۔ نفع یا لعین کی حدیث کا یقین
۳۸۰	صلح	۳۳۳	۲۔ اطاعت اور نفاذی
۳۸۰	جنگ		باب سوم
۳۸۱	عمرؓ کی تدبیر	۳۳۶	عمرو بن العاص خلفاء کے ساتھ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۸۲	۷۔ محبت اور وفاداری	۳۸۲	دفعہ نذر
۳۸۱	۸۔ کارپروازی	۳۸۳	ابو بکر اشعری
۳۸۳	۹۔ فوج کا انتظام	۳۸۵	دس فقرے
۳۸۵	۱۰۔ ضروریات فوج	۳۸۶	دفعہ
۳۸۶	۱۱۔ فوج کی سلامتی	۳۸۶	تحکیم (نالی فیصلہ)
۳۸۸	۱۲۔ چھوٹے قائد	۳۸۹	عمر کی بر شیباری
۳۸۹	۱۳۔ علقم بن حکیم	۳۹۳	۵۔ وفات تک
۳۸۹	۱۴۔ مسروق الحلی	۳۹۴	برہہ بن بعد
۳۸۹	۱۵۔ ابی ایوب الحلی	۳۹۴	مسکدہ نشاۃ
۳۹۰	۱۶۔ خار جہ بن حذافہ	۳۹۵	بدلولی
۳۹۰	۱۷۔ عباد بن صامت	۳۹۶	ایسے کو تیار
۳۹۰	۱۸۔ زبیر بن العوام	۳۹۷	عمر کی وفات
۳۹۱	۱۹۔ شریک	۳۹۹	مرنے کے بعد
۳۹۱	۲۰۔ الکب بن نائمہ		
۳۹۱	۲۱۔ وردان		
۳۹۱	۲۲۔ سلمہ بن محمد	۳۹۱	باب چہارم
۳۹۲	۲۳۔ عبداللہ بن حذافہ		عمر اور قیادت
۳۹۲	۲۴۔ عمر بن وہب	۳۹۲	قیادت کے معنی
۳۹۲	۲۵۔ عقبہ بن عامر	۳۹۵	۱۔ ایمان
۳۹۲	۲۶۔ عقبہ بن نافع	۳۹۸	۲۔ شخصیت
۳۹۲	۲۷۔ عبداللہ بن زبیر	۳۹۲	۱۔ بھروسہ
۳۹۲	۲۸۔ بسر بن ابی ارطام	۳۹۳	۲۔ مشکل پسندی
۳۹۲	۲۹۔ سیامت اور نعم و فرامت	۳۹۴	۳۔ عملی نمونہ
۳۹۲	۳۰۔ اخذ کتاب	۳۹۶	۴۔ دور بینی
		۳۹۷	۵۔ قوت فیصلہ
			۶۔ بے نفسی

ممتاز سیاست دان و عظیم القدر سپہ سالار

حضرت عمرو بن العاصؓ

(از محمد اقبال ریلیہ گاہندری)

حضرت عمرو بن العاص اسلام کی وہ عظیم شخصیت ہیں جن کا تذکرہ کئے بغیر اسلام کی تاریخ مکمل ہو ہی نہیں سکتی۔ اُن کا شمار اسلام کے صفِ اول کے سپہ سالاروں اور سیاست دانوں میں ہوتا ہے۔ کافی عرصہ اسلام کی مخالفت میں صرف کرنے کے بعد حبِ عرب کا یہ ”عظیم ترین انسان“ حلقہ گموش اسلام ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی عزت افزائی کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور غزوات السلاسل کی قیادت اُن کے سپرد کی، حضرت عمرو بن العاص کی عظمت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی بھی ان کی فوج میں شامل تھے۔ جنگ یرموک میں جب رومیوں کی افواج زہرہ قلیل التعداد مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کو تیار تھیں، عمرو بن العاص کی تدبیر سے مسلمانوں کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔ مصر کی فتح کا خیال سب سے پہلے ان ہی کے ذہن میں آیا اور ان ہی کو اسلامی فوج کا سپہ سالار بنا کر اس عظیم مہم پر روانہ کیا گیا۔ پانچ ہزار سپاہیوں کی مدد سے مصر کا کونہ، کونہ فتح کر لینا ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جس پر امت مسلمہ جس قدر بھی فخر کرے کم ہے۔ جنگ صفین کے موقع پر جب کہ امیر معاویہؓ کی فوجیں شکست سے دوچار تھیں عمرو بن العاص ہی کے ذہن رسا میں وہ تدبیر آئی جس نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ اسلام کی تبلیغ جس دل نشین انداز میں کرتے تھے وہ ان ہی کا حصہ تھا۔ غرض حضرت عمرو بن العاص مجمع الصفات انسان تھے۔ وہ بہت بڑے سپہ سالار تھے، بلند پایہ سیاست دان تھے اور ان سب سے بڑھ کر اسلام کے بے لوث

مبلغ تھے۔

مصر کے ایک فاضل محمد فرج نے حال ہی میں ان کی سوانح مرتب کی ہے جس میں ان تمام کارناموں کا تفصیلی بیان ہے۔ جو حضرت عمرو بن العاص نے اپنے زمانہ میں سرانجام دیئے۔ انھوں نے اس موضوع پر قدیم و جدید کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ اور یہ یقین سے کہا جاسکتا ہے۔ کہ اس عظیم الشان سہ سالہ اور بلند پایہ صحابی کے متعلق اب تک جو کتابیں لکھی گئی ہیں محمد فرج کی کتاب ان سب میں سب سے زیادہ وسیع ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ شیخ محمد پانی پتی نے کیا ہے اور ترجمہ پراصل کا گمان ہوتا ہے۔ شیخ محمد امجد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہت نوری کردہ اس ترجمہ کو مکمل کر سکتے۔ بقیہ حصہ کا ترجمہ مرحوم کے والد شیخ محمد اسمعیل صاحب پانی پتی نے مکمل کیا۔ اور کتاب کی ترتیب و تہذیب میں بہت محنت کی۔ جس کے لئے ادارہ 'نفیس اکیڈمی' ان کا شکر گزار ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

شیخ محمد احمد پانی پتی

مترجم کتاب ہذا

میرزا کلیجہ محمد احمد کو مرحوم لکھتے ہوئے شوق ہوتا ہے، مگر انہیں یہ ایسی حقیقت ہے جسے پتھر کا کلیجہ کر کے میں نے برداشت کیا اور کر رہا ہوں۔ میرے مرحوم فرزند نے صرف ۲۲ برس کی عمر پائی اور مر کر گھر ہی کو نہیں دل کو بھی ہمیشہ کے لئے سونا کر گیا۔ اچھے اخلاق، عمدہ عادات، رحم و ہمدردی، شرم و حیا، امانت و دیانت، غفور و دگرگوز، انکساری و سادگی، طمساری و عہمان نوازی، تواضع و خاکساری، احسان و سلوک، شفقت و رحمت اور نیکی و پارسائی وغیرہ صفات حسنہ اُس کی فطرت میں، اخل تھیں۔ اُس کے دوست اُن کو یاد کر کے ہمیشہ غلین ہو جایا کریں گے۔ جس سداوندی کے ساتھ اس نے اپنے بوڑھے ماں باپ کی خدمت کی، اُس کا نہایت گہرا نقش مرتے دم تک ہم دونوں کے دلوں پر رہے گا۔ دنیاداری و پرہیزگاری میں وہ اپنا نظیر آپ تھا۔ قوی کاموں میں وہ بڑے ذوق و شوق سے حصہ لیتا اور مذہبی امور کی بجائے آدمی میں اُسے دلی سکون ملتا تھا۔ اپنی پسندیدہ عادات کے باعث وہ ہم میں سے بہتوں کے لئے ایک نمونہ تھا۔ چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا ادب، دشمنوں سے نیک سلوک، دوستوں سے مدارات، غریبوں سے ہمدردی، ہمسایوں سے محبت، جانوروں سے پیار وغیرہ صفات اُس کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھیں۔ اسوہ حب اور کھیل تماشاؤں سے وہ ہمیشہ الگ رہا۔ اس کا محبوب ترین مشغلہ کتب بینی اور مصحف نویسی تھا۔ اُس نے اپنی مختصر سی زندگی میں باوجود ہمیشہ بیمار، مضطرب اور کمزور رہنے کے نہایت مستعدی سے ادب و علم اور سچائی کی ایسی بیش بہا خدمت انجام دی جو اُس کے نام کو عزت کے ساتھ زندہ رکھے گی۔ اس نے عربی و فارسی کے موجودہ تمام مشہور ادیبوں اور مورخوں کی بہترین تخلیقات کو ایسی خبری و روانی اور سلاست و دلچسپی کے ساتھ اردو کاسٹین جامہ پہنایا کہ تمام ملک میں اُس کی کوئی دوسری نظیر موجود نہیں۔ اُس نے مترجمہ کتابوں پر ایسے دقیق اور پراز معلومات حواشی لکھے جن کو دیکھ کر پوچھنا جیسے شخص کو کبھی نکھنا پڑا کہ مترجم مصنف (محمد حسین سکری ڈیپارٹمنٹ) سے بھی زیادہ صاحب بصیرت ہے۔ ملانار میں احمد جعفری نے تحریر فرمایا کہ محمد احمد کے بعض تراجم پر تو رشک کرنے کو دل چاہتا ہے۔ رسالہ نقوش کے مدیر نے کہا کہ جو کلام محمد احمد نے صرف چھ سات برس کی عمر میں کیا، دوسرے تلواریں کی عمر میں بھی نہ کر سکتے۔ بہت سے اخبارات نے اُس کی

مترجمہ کتابوں پر رپویہ کرتے ہوئے لکھا کہ ترجمہ اتنا شستہ، شائستہ، رواں اور سلیس ہے کہ ترجمہ معلوم ہی نہیں کرتا۔ جو فیہر بنی ولطافت اس کے ترجموں میں پائی جاتی ہے۔ وہ زبان پر اُس کی حیرت انگیز قدرت کا زندہ ثبوت ہے، وہ اگرچہ خود مر گیا، مگر اپنے پیچھے جو ہمیشہ بے انتہا نیت اور خواہم چھوڑ گیا ہے وہ اُس کے نام کو مرنے نہیں دیں گے۔ ایڈیٹر نقوش قیام پاکستان کے بعد محمد احمد بیلا شخص تھا جس نے یہاں کے اردو داں اصحاب کو عربی کے تاریخی جواہر پاروں سے روشناس کرایا اور اعلیٰ پایہ کا بہترین لٹریچر اپنی یادگار چھوڑا۔ وہ ۱۹۲۲ء تک پشاور میں پیدا ہوا، ۱۹۲۵ء میں لاہور منتقل ہو کر نہایت تباہ حالت میں لٹل لٹاکر پاکستان پہنچا، اور مولوی ناضل اور ایف۔ اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد نہایت انہماک کے ساتھ اسلام، ادب اور علم کی خدمت میں مصروف ہو گیا اور صرف چھ سات برس کی محنت میں اُس نے زیادہ کتابیں لکھیں جو مختلف ناشرین نے شائع کیں۔ اُسے ترجمہ سے عشق تھا اور اسی عشق میں اُس نے اپنی جان دی، اس کی مسلسل بیماری اور کمزوری کے پیش نظر اُس کے معالج محمد علی حکیم فیروز اسلمی صاحب نے نہایت پر زور طریقہ پر اُسے لکھنے پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔ مگر اُسے ترجمہ کا جنون تھا اور اسی جنون میں رات کے ایک ایک بجے تک بیٹھا فاتح اعظم محمد بن العاص کا ترجمہ کرتا رہا۔ جس کا سلسلہ مرنے سے دو دن پہلے تک چلتا رہا۔ اور بالآخر ۹ جنوری ۱۹۶۲ء کو علم و ادب کا یہ شہیدانی ماں باپ کو بسکتا ہیوی کو بلکتا، بھائی کو روتا اور دوستوں کو تاسف کرتا ہوا چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گیا، اس کی وفات پر پاکستان ہندوستان، انڈونیشیا، انگلستان اور افریقہ کے مختلف ممالک سے دو سو سے زیادہ خطوط اور تارقریت کے آئے، پاکستان و ہندوستان کے متعدد اخبارات و رسائل نے اُس کے متعلق ادارے لکھے جن میں اُس کی وفات کو المناک علمی حادثہ اور قومی نقصان قرار دیا، اور اس کے ادبی اور علمی کارناموں کو بڑی تفصیل سے بیان کیا۔ افسوس

یہ بھول اپنی لطافت کی داو پازہ سکا
کھلا ضرور مگر کھل کے مسکرا نہ سکا

خاکسار نگین و سحرین
محمد اسماعیل پانی پتی

مورخہ ۲۸ اگست ۱۹۶۲ء

رام گلی نمبر ۳ - لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

(از احمد نجیب ہاشمی وزیر تعلیم عرب جمہوریہ)

عمر بن العاصؓ عرب کے وہ بطل جلیل تھے جن کو اپنی گونا گوں صلاحیتوں کے باعث تاریخ اسلام میں بہت بلند مقام حاصل ہے۔ گہرے غور و فکر، دور رس نظر، بے پایاں علم اور استنباط محکم میں بہت کم انسان ان کے ہم پلہ تھے۔ اس عظیم شخصیت کے حالات پر جس قدر بھی غور کیا جائے، اسی قدر اس کی عبقریت کے نئے نئے پہلو نظر کے سامنے آتے جاتے ہیں۔ بعض مخصوص سیاسی حالات کے باعث ان کے حالات زندگی میں کئی بڑے بڑے مختلف مؤرخین نے ایک دوسرے سے مختلف ماسٹہ اختیار کیا ہے۔ تاہم ان کی ذاتی عظمت، سیاسی بصیرت اور قیادت کی اعلیٰ صلاحیت سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے۔

بعض اصحاب کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی کتاب پر مقدمہ لکھتے ہیں تو تصنیف اور صاحب تصنیف کی مدح و ثنا کے بل باندھ دیتے ہیں اور کتاب کی خصوصیات اور کمیزات بیان کرتے ہوئے مقررہ ادبی حدود کو بھی پار کر جاتے ہیں۔ لیکن بالعموم اس کا نتیجہ مؤلف اور خود مقدمہ نویس کے حق میں اچھا نہیں ہوتا کیونکہ تاریخ کرام جب کتاب کو پڑھتے ہیں تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کی تعریف میں کس قدر بے جا سے کام لیا گیا ہے۔ اس طرح تصنیف کی قدر و قیمت ان کی نظروں میں کم ہو جاتی ہے۔ اور وہ بہت بے وفائی سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اسی امر کے پیش نظر میں اپنے مقدمہ میں اس کتاب کی تعریف و توصیف اور اور مصنف کی مدح و ثنا میں مبالغہ سے کام نہ لوں گا۔ بلکہ ناظرین کرام کو موقعہ دلوں گا کہ وہ کتاب کو پڑھ کر اس کے مباحث سے آگاہی حاصل کریں اور پھر کوئی رائے قائم کریں۔ تاہم مجھے اس بات کا یقین ہے کہ یہ کتاب انہیں بالوں نہ کرے گی اور ان کی توقعات پر پوری اترے گی۔

حضرت عمر بن العاصؓ کی زندگی کے متعدد واقعات انسان پر حیرت و استعجاب کی کیفیت ظاہر کر دیتے ہیں۔ اس کتاب سے ان تمام واقعات کا تفصیلی علم ہو سکے گا۔ میں ان واقعات کی نشان دہی کر کے قارئین کے لئے تن آسانی کا سامان بہم پہنچانا نہیں چاہتا۔ وہ خود کتاب کا مطالعہ کر کے حضرت عمر بن العاصؓ کی حیرت انگیز زندگی کے تمام پہلوؤں سے آگاہی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس طرح انہیں

اس محنت کا اندازہ بھی ہو جائے گا جو معرفت نے اس کتاب کی تالیف کے سلسلہ میں برداشت کی ہے۔
 معرفت کتاب ہذا کے معلق میں اس قدر کہنا کافی سمجھتا ہوں کہ انہوں نے تاریخ اسلام کے متعدد
 اہم موضوعات پر خامہ فرسائی کر کے عالم اسلام کی بہت بڑی خدمت سرانجام دی ہے۔ مجھے اُمید ہے
 کہ آئندہ بھی اس مفید سلسلہ کو جاری رکھیں گے۔ اور نئے نئے مباحث کو سامنے لا کر لوگوں کے علم میں
 گراں قدر اضافہ کا موجب بنیں گے۔

احمد نجیب ہاشمی

کچھ کتابوں کے متعلق

(از احمد الشرباصی)

حکیم محرم کی صبیح کو میں نے اس عظیم اسلامی سپر سالار اور فاتح مصر کے حالات پڑھنے شروع کئے جسے تاریخ میں عمرو بن العاص کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جنہیں متحدہ عرب جمہوریہ کے مایہ ناز فرزند اور شہزادہ اہل قلم استاد محمد فرج نے تالیف کیا ہے۔

تاریخ اسلام اور مشہور اسلامی شخصیتوں کے بارے میں استاد موصوف کی یہ پہلی کتاب نہیں ہے۔ یہ دراصل اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو موصوف نے تاریخ اسلام کے مختلف مباحث کے متعلق کچھ عرصے شروع کر رکھا ہے اور جس کے تحت وہ اب تک متعدد کتب مثلاً "محمد المحارب" "جہاد حبیب" "العنقرۃ العسكرية فی غزوات الرسول" اور "سيف الله خالد وغيره" تحریر کر چکے ہیں۔

تاریخی موضوعات پر ظلم اٹھانا ہر اہل قلم کے بس کی چیز نہیں۔ کیونکہ اس کے لئے موضوع سے کامل واقفیت، تمام متعلقہ واقعات پر گہری نظر، کامل غیر جانبداری اور ذاتی خیالات و افکار سے علیحدگی از بس ضروری ہے۔ حقائق کو واضح کرنے کی بجائے اپنے ذاتی خیالات و افکار کے زیر اثر واقعات کو سچ کر کے پیش کرنا اور انہیں لوگوں میں پھیلا کر ان کے ذہنوں کو ناثر کرنا اتنی عظیم مذہبی بددیانتی ہے جس کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا اور جس کی جواب دہی انہیں قیامت کے روز خدا تعالیٰ کے حضور یقیناً کرنی ہوگی۔

مختلف کتابوں نے ایک ایسی شخصیت کا انتخاب کیا ہے جو اختلافات کا محور ہے اور لوگوں نے اس کی شخصیت کے متعلق بہت کچھ خامہ فرسائی کی ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے لئے علیحدہ راستہ اختیار کیا ہے اور متضاد خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس حالت میں جبکہ روایات میں خطرناک اختلافات پائے جاتے ہیں اور ایک روایت دوسری روایت کے بالکل

خلافت نظر آتی ہے۔ ان کا تجربہ کر کے صحیح واقعات کو پیش کرنا جو سے شیر لانے سے کم نہیں۔ اس کتاب کو تالیف کرنے وقت مولف نے ایک خاردار وادی میں قدم رکھا ہے۔ جہاں ہر قدم پر چھاڑیاں ان کا راستہ روکے کھڑی نظر آتی ہیں۔ مگر قارئین مطالعہ کے بعد خود محسوس کریں گے کہ مولف کس طرح ان خساردار چھاڑیوں سے اپنا دامن بچا کر باہر نکلا ہے۔ اور کس طرح تمام مشکلات کو عبور کر کے اس نے اپنا راستہ صاف کیا ہے۔ عمرو بن العاص جن کے بارے میں یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اسلام کے بطل جلیل، بہت بڑے مدبر انتہائی زیرک اور فطین انسان اور بحر سیاست کے شہور تھے۔ وائائی اور عقلمندی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچنے کا انہیں خاص ملکہ تھا۔ میدان جنگ میں کوئی چیز انہیں آگے بڑھنے سے روک سکتی تھی۔ دشمن سے مقابلہ کرنے کا ڈھنگ انہیں خوب آتا تھا۔ اہل اہل اور قہادت کے وہ دلدادہ تھے۔ اور ہر قسم پر اسے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ نہایت مستقل مزاج اور امان سے کے بڑے پتے تھے۔ جس چیز کا عزم کر لیتے تھے اسے حاصل کر کے چھوڑتے تھے۔ ان کے دشمنوں کو بھی ان کی اعلیٰ صلاحیتوں کا اعتراف تھا۔ چنانچہ رومی لشکر کے سپہ سالار اڑطون نے ان کے متعلق کہا تھا۔ عمرو بن العاص عقلمند ترین انسان ہیں میں نے ان جیسا زیرک شخص اور کوئی نہیں دیکھا۔

حضرت عمرو بن العاص میں صبر و استقلال کا ادھ بے حد تھا۔ جو راستہ اپنے لئے اختیار کر لیتے تھے سخت مشکلات کے باوجود بھی اسے ترک نہ کرتے تھے۔ غزوہ غمر کے بعد جو راستے ایک رتبہ قائم کر لیتے تھے اُسے کبھی تبدیل نہ کرتے تھے۔ تردد اور تامل سے انہیں سخت نفرت تھی جو کام کرنا چاہتے تھے فوراً کر ڈالتے تھے اور اسے تاخیر میں کبھی نہ ڈالتے تھے۔ ذکاوت و فطانت میں انہیں کمال حاصل تھا۔ اس کی روشنی میں فتح مصر کے وقت نظر آتی ہے۔ حضرت عمرؓ کو مصر پر فوج کشی کا مشورہ حضرت عمرو بن العاص ہی نے دیا تھا۔ اور اس غرض کے لئے خود اپنے آپ کو پیش کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے بہت کچھ تردد اور تامل کے بعد اس کی اجازت دی۔ جس پر حضرت عمرو بن العاص فوج لے کر چل کھڑے ہوئے۔ بعد میں حضرت عمرؓ کی رائے بدل گئی اور انہیں خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی فوج ایک وسیع و عریض ملک میں داخل ہو کر ہلاکت سے دوچار نہ ہو جائے۔ اسی خدشہ کے پیش نظر انہوں نے ایک قاصد کے ہاتھ عمرو بن العاص کو خط بھیجا کہ اگر ابھی تک وہ سرزمین مصر میں داخل نہ ہوئے، ہوں تو واپس آجائیں یہ

مل یہ اس لئے تحریر فرمایا کہ مصر کی سرزمین میں داخل ہو کر واپس لوٹنا مسلمانوں کے قوی و قار کے خلاف تھا۔ (محمد احمد)

قاصد رنج کے مقام پر حضرت عمر بن العاص سے ملا اور انہیں بتایا کہ وہ ان کے نام امیر المومنین کا ایک خط لے کر آیا ہے۔ حضرت عمر بن العاص نے اپنی ذکاوت سے خط کا معنوں کا پتہ لیا۔ انہوں نے قاصد کو مختلف باتوں میں لگائے رکھا اور اس سے اس وقت تک خط خلیا جب تک لشکر کوچ کرنا سزا سرزمین مصر میں داخل نہ ہو گیا۔ سرزمین مصر میں پہنچ کر انہوں نے قاصد کے ہاتھ سے خط لے کر چاک کیا اس میں لکھا تھا۔

اگر میرا یہ خط تمہیں مصر میں داخل ہونے سے پہلے مل جائے تو واپس مدینہ آ جاؤ۔
لیکن اگر حدود مصر میں داخل ہونے کے بعد ملے تو اللہ کا نام لے کر چلتے چلے جاؤ۔ میں تمہاری مدد کے لئے فوجیں روانہ کر رہا ہوں گا۔

خط پڑھ کر حضرت عمر بن العاص نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے پوچھا کہ اب ہم کس مقام پر ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ ہم سرزمین مصر میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس پر انہوں نے فوج کے سامنے خلیفۃ المسلمین کا خط پڑھ کر سنایا اور لشکر کو آگے بڑھنے کی تلقین کی۔ اسی مختصر فوج کے ساتھ انہوں نے مصر کو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک فتح کر لیا اور تمام سرزمین کو اسلام کی روشنی سے منور کر دیا۔ مؤلف کتاب ہذا نے حضرت عمر بن العاص کی شخصیت پر غیر جانبدارانہ بحث کی ہے۔ انہوں نے ان کی خوبیاں بھی بیان کی ہیں اور کمزوریاں بھی ایک ایک کر کے گنوائی ہیں۔ تاہم انہوں نے اعتدال اور احتیاط کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ خوبیاں بیان کرتے وقت مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا۔ صرف وہی خوبیاں بیان کی ہیں جو ان میں درحقیقت پائی جاتی تھیں اور کمزوریاں بیان کرتے وقت مخالفانہ اور معاندانہ رویہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ ایک محتاط ناقد کا انداز اختیار کیا ہے۔

جیسا کہ سب کو علم ہے حضرت عمر بن العاص کے تاج کم اور مخالف زیادہ ہیں۔ امیر معاویہ سے تعلقات اور جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے خلاف نبرد آزما ہونے کے باعث آج تک ان کی مخالفت میں بہت کچھ کہا جاتا رہا ہے۔ اگر یہ مخالفت صحیح خطوط پر ہوتی اور صرف ان کمزوریوں کا بیان کیا جاتا جو ان میں درحقیقت پائی جاتی تھیں تو یہ بات چنداں قابل اعتراض نہ تھی لیکن انہوں نے اس امر کا ہے کہ مخالفین نے ان کے خلاف معاندانہ اور متعصبانہ رویہ اختیار کیا اور ان کی جانب اس قسم کی باتیں بھی منسوب کر دیں جو ان میں سرے سے موجود ہی نہیں۔

ان حالات میں اگر کوئی شخص غیر جانبدارانہ حیثیت سے حضرت عمر بن العاص کے حالات زندگی پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس کے انداز بیان میں نہ معاندانہ غلو پایا جاتا ہے اور نہ معاندانہ تنقید تو

ایسا شخص عمر بن العاص کے ماحول اور دشمنوں دلوں کی جانب سے تعریف کا مستحق ہے۔ ہم سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود حقیقی مانتے ہیں۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا رسول۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اطاعت ہمارا جد و ایمان ہے۔ آپ کی طرح آپ کے پاک و مطہر اہل بیت کی محبت بھی ہمارے دل کی عزیز ہے۔ لیکن ساتھ ہی صحابہ کرام اور السابقون الاولون کی عزت و تکریم کرنا بھی ہمارا فرض ہے۔ ان لوگوں نے اسلام کی وہ خدمات سر انجام دی ہیں جو بعد میں آنے والے کسی دور کے لوگوں سے بھی ممکن نہ ہو سکیں۔ ان خدمات کا ادنیٰ تقاضا یہ ہے کہ ہم ان پر بدگمانی کرنے اور ان پر سب و شتم کرنے سے اپنے آپ کو سختی کے ساتھ روکیں۔ اور ان کے آپس کے تنازعات اور مناقشات کی اصل حقیقت کو حوالہ بخدا کر دیں کیونکہ وہی اصل حقیقت کو سب سے بہتر جانتا ہے صحابہ کرام کے جو محاسن ہمیں معلوم ہیں ہمارا فرض ہے کہ وسیع پیمانے پر ان کی اشاعت کریں تاکہ ہم اور ہماری نسلیں اپنے اسلاف کی قربانیوں سے آگاہ ہو کر ان کے اندر بھی خدمت دین کا جذبہ پیدا کریں اور ان کے کارنامے ہمارے اندر زیادہ سے زیادہ دلور پیدا کرنے کا باعث ہوں، لیکن اگر کوئی ایسی بات نظر آئے جسے قبول کرنے کے لئے ہمارے دل تیار نہ ہوں یا ہم اس کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے ہوں۔ تو اگر ہم اس کی پوری تاویل کر سکیں تو تاویل کر لیں بصورت دیگر اسے بالکل فراموش کر دیں۔ کیونکہ ایسی باتوں کی کریم اور جستجو سے کوئی فائدہ مرتبہ ہونے کی بجائے ذہن پر زنگ لگ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ صحابہ کی تفصیل سے فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے۔ لہذا ہم اپنے ادوات کو مفید کا محل میں صرف کرنے کی بجائے اپنے آپ کو ایسے جھگڑوں میں کیوں الجھائیں جو فائدہ مند ہونے کی بجائے سخت محنت و رمل اور نئے نئے فتنے برپا کرنے کا باعث ہیں۔

حضرت عمر بن العاص کی یہ سوانح حیات اسی صحیح اصول اور اسی نیک مقصد کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔

اس سے قبل عبدالوہاب النجار، حسن ابراہیم حسن، محمد حسین مکیلی، رفیق اعظم عباس محمود العقاد اور عبدالسلام العشری اپنی کتابوں میں حضرت عمر بن العاص کا تفصیلی ذکر کر چکے ہیں اور بعض نے قرآن کے متعلق مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔ لیکن ان سب میں استاذ محمد فرج کی کتاب ایک جگہ گاہ حثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے ایک نئے انداز بیان سے ان کے حالات پر روشنی ڈالی ہے۔ دیگر مؤلفین کے برعکس انہیں اس حقیقت کا احساس تھا کہ عمر بن العاص کا تعلق ایک مخصوص معاشرے سے تھا

اور اس معاشرے نے ان کی شخصیت پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ ان کے تمام اعمال و افکار میں اس معاشرے کے اثرات کارفرما نظر آتے ہیں۔ مؤلف کتاب ہڈاتے اس میں منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ اس طرح بعض ان لوگوں کے اعمال و اقوال کا ذکر بھی کتاب میں آگیا ہے۔ جن کا حضرت عمرو بن العاص سے کسی طرح کا تعلق تھا۔ مگر دیگر مؤلفین نے اس امر کو نظر انداز کر دیا ہے۔

مؤلف نے سب سے پہلے عمرو بن العاص کی جاہلی اور قبل از اسلام زندگی کا حال بیان کیا ہے اور اس دور کا ایک تفصیلی نقشہ ہمارے سامنے کھینچ دیا ہے۔ اس نقشہ سے ہمیں ان محرکات کا بخوبی علم ہو سکتا ہے جو حضرت عمرو بن العاص کی آنسو زندگی پر ہمارا اندازہ ہوتے۔

مؤلف نے آپ کی عسکری زندگی پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے اس پہلو پر میر حاصل بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ بحیثیت ایک سپہ سالار حضرت عمرو بن العاص کا مرتبہ کس قدر بلند تھا۔ اور انہیں فزون جنگ پر کس قدر عبور حاصل تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی زندگی کا یہ پہلو دیگر تمام پہلوؤں سے زیادہ لائق اعتنا ہے۔ مؤلف نے ہر اس جنگ کا، جس میں حضرت عمرو بن العاص نے حصہ لیا۔ بیان کر کے بتایا ہے کہ اس جنگ میں فتح یا ہار ہونے کے لئے انہوں نے کیا کیا طریقے استعمال کئے۔ اور کن کن احتیاطوں سے کام لیا۔ اس پر اکتفا نہ کرتے ہوئے مؤلف نے ایک علیحدہ باب میں بھی ان تمام طریقوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے جو اس عظیم سپہ سالار جنگوں کے دوران میں اختیار کئے اور جن سے کام لے کر اس نے اپنے سے بہت زیادہ طاقتور دشمنوں پر فتح حاصل کی۔

اس کے بعد مؤلف نے ایک نازک بحث کا آغاز کیا ہے اور وہ ہے خلفاء کے ساتھ حضرت عمرو بن العاص کے تعلقات کا سلسلہ۔ اسلام کی تاریخ کا یہ دور بڑے بڑے انقلابات سے پُر ہے اس عہد میں مرتدین کے فتنے برپا ہوئے۔ دشمنان اسلام کے ساتھ خونریز جنگیں ہوئیں۔ فتوحات کا لانا اتنا ہی سلسلہ شروع ہوا۔ مفتوحہ ملکوں میں پرانے نظام کی جگہ نیا نظام قائم ہوا۔ خانہ جنگیاں برپا ہوئیں۔ حضرت عمرو بن العاص کا ان تمام انقلابات و واقعات سے گہرا تعلق رہا۔ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد سے لے کر خلیفہ رابع حضرت علی بن ابی طالبؓ تک تمام خلفاء سے ان کا کسی نہ کسی حیثیت میں رابطہ قائم رہا۔ مختلف احوال میں انہیں مختلف حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ کبھی تو انہیں خلیفہ کی خوشنودی حاصل رہی کبھی نکتہ چینی اور کڑے محاسبہ کو برداشت کرنا پڑا۔ اور کبھی آزادی اور مطلق العنانی کا دور گزرا۔ مؤلف نے ان تمام واقعات و حالات کو تفصیلی طور اور کامل

دیانت داری سے ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔

آخر میں مولف نے ایک اور فنی موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔ اس نے قیادت کے عنوان کے تحت سیادت و قیادت کے اصول و قواعد بیان کئے ہیں۔ اور انہیں حضرت عمرو بن العاص کی شخصیت پر چسپاں کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ان میں قیادت کی خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں اور وہ اس کے ہر طرح اہل تھے مولف نے اس کتاب کی تالیف کے دوران میں تاریخ نویسی کے قدیم و جدید دونوں اصولوں کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس نے ہمارے اسلاف اور موجودہ زمانہ کے فوجی ماہروں کے اختیار کردہ طریقوں کا موازنہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ جن اصولوں کو آج کے فوجی جرنیل اعلیٰ فوجی تربیت گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اختیار کرتے ہیں۔ انہیں آج سے چودہ سو سال قبل عرب کے بادشاہوں نے اختیار کر کے اپنے دشمنوں پر فتح حاصل کی تھی۔ اس نے اس جنگی روح پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ جو لڑائیوں کے دوران میں تمام مسلمانوں پر مستولی رہی اور جسے دیکھ کر ان کی مخالفت سلطنتوں کے چھلے چھوٹ گئے۔

مولف نے اس کتاب کی تالیف میں جہاں قدیم ماخذوں سے استفادہ کیا ہے وہاں جدید کتابوں سے بھی استفادہ کرنے میں کوئی تاثر نہیں کیا۔ چنانچہ جہاں اس نے طبری، ابن اثیر، ابن عساکر، واقدی، سیوطی، مسعودی، نویری، المدنی، طبری کی کتابوں سے کما حقہ استفادہ کیا ہے۔ وہاں حبیب مصنفین مثلاً آلوسی، رفیع العظم، محمد حسین بیگلر، عباس محمود العقاد، حسن ابراہیم حسن، مؤنس اور غنوی نیز مستشرقین مثلاً بلکر، ولیم میور، واشنگٹن اردنگ، کوٹل اور فونل وغیرہم کی کتابوں کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ اور ان کی آراء کو اپنی کتابوں میں درج کر کے ان پر غیر جانبدارانہ اور دیانتدارانہ تنقید کی ہے۔ جو بات قبول کرنے کے لائق تھی اسے قبول کر لیا ہے اور جو بات رد کرنے کے لائق تھی اسے رد کر دیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب ایک مفید تاریخی دستاویز بن گئی ہے۔ مولف ہم سب کے شکریے کے مستحق ہیں جنہوں نے ایسی قابل قدر کتاب ہمارے سامنے پیش کر کے ہمارے اسلاف کے روشن کارناموں کو ہمارے سامنے پیش کیا۔

مقدمہ مؤلف

عالم اسلام کی عظیم الشان شخصیتوں میں سے ایک خاص شخصیت حضرت عمرو بن العاص کی بھی ہے اس عظیم انسان کے حالات زندگی لکھنے کی تحریک مجھے ۱۹۴۷ء میں ہوئی۔ جب میں نے بعض مشہور شخصیتوں کے متعلق مضامین لکھنے کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ ان مشاہیر میں حضرت عمرو بن العاص کا نام بھی شامل تھا۔ میرے ایک دوست نے جو ایک بڑے موثر اخبار کے مدیر تھے، عمرو بن العاص والاضمونی اپنے اخبار میں شائع کرنے کے لئے لے لیا۔ جب میں نے اپنی کتاب ”جبابرة حرب“ لکھی تو اس میں بھی ایک پورا باب حضرت عمرو بن العاص کے لئے مخصوص کیا۔ تاہم ان دونوں مضامین میں جنگ کی قلت کے باعث جو کچھ میں حضرت عمرو بن العاص کے متعلق لکھنا چاہتا تھا وہ نہ لکھ سکا۔ اسی وقت سے میں نے آپ کے متعلق ایک مستقل اور مفصل کتاب لکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

حضرت عمرو بن العاص کا شمار ان عظیم شخصیتوں میں ہوتا ہے جنہوں نے عرب اور اسلام کی پیش بہادری سرانجام دی ہیں۔ وہ اپنی گونا گوں صفات کے لحاظ سے اپنی قوم میں منفرد حیثیت کے مالک تھے۔ سیاست، حکمت، عقل و دانش اور قیادت میں ان کا جواب نہ تھا۔ میدان جنگ اور میدان سیاست دونوں میں انہوں نے اپنی کامل صلاحیتوں کا ثبوت دیا۔ زمانہ جاہلیت میں کفار قریش نے انہیں نجاشی کے دربار میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ اور اسلام لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبائل عرب میں اسلام کی تبلیغ کے لئے روانہ کیا۔ حالت کفر میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف متعدد جنگوں میں حصہ لیا اور اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے فلسطین، شام، مصر اور شمالی افریقہ میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ یہاں تک کہ ان کا شمار مسلمانوں کے بڑے بڑے سپہ سالاروں میں ہونے لگا۔

ایک ممتاز سیاست دان اور عظیم القدر سپہ سالار ہونے کے علاوہ حضرت عمرو بن العاص کی حیثیت ایک مصلح، معلم، مبلغ اور حاکم کی بھی تھی۔ اور ان سب حیثیتوں میں انہوں نے جو کام سرانجام دیئے وہ اپنی

جگہ نمایاں اور شاندار میں اور اُن سے اُن کی حیرت انگیز قابلیتوں اور گوناگوں صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے ان ہی لیاقتوں کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے خلفاء نے انہیں بلند ترین مناصب سے نوازا اور وہ مملکت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔

حضرت عمرو بن العاص کی شخصیت ایک ممتاز ذریعہ شخصیت ہے۔ کیونکہ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے اختلافات کے موقع پر انہوں نے جو سیاست اختیار کی اس کے باعث مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے اور ان کے درمیان اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا ہر فرقہ انہیں اپنے مخصوص زاویہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس لحاظ سے اور بھی ضروری ہے کہ ان کی شخصیت کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے۔ اس غرض کے لئے میں نے کثیر مواد اکٹھا کیا اور اسے بار بار پڑھا تاکہ میں کسی صحیح نتیجے پر پہنچ سکوں۔

میں نے اپنی کتاب میں حضرت عمرو بن العاص کی زندگی کے ایک ایسے پہلو پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی ہے جسے دوسرے مؤرخین نے قابل اعتناء نہیں سمجھا۔ اور وہ ہے ان کی زندگی کا عسکری پہلو۔ حالانکہ ایک عظیم الشان قائد کی سوانح حیات بیان کرتے وقت اس اہم پہلو کو قطعاً نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ بعد میں نے اس پہلو پر اس لئے بھی خصوصیت سے زور دیا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص کی جنگیں اصول و قواعد کے لحاظ سے آج کل کی جنگوں سے کسی طرح مختلف نہیں تھیں۔ آج کل کی فوجی اکیڈمیوں میں بڑے بڑے کیشن یافتہ افسرین کو جن فنون کی تعلیم دی جاتی ہے ان فنون سے عمرو بن العاص پورے طور پر واقف تھے حالانکہ انہوں نے کسی جنگی مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ بائیں اس کتاب کو پڑھ کر تادمین کو معلوم ہو سکے گا کہ حضرت عمرو بن العاص فوجی کی قیادت، جنگی تیاری اور میدان جنگ میں دشمن سے مقابلہ میں آج کل کے جنگی سپہ سالاروں سے کسی طرح کم نہ تھے اور ان کی زندگی کے حربی پہلو پر بحث نہ کر کے مؤرخین نے ان کے ساتھ بڑی نا انصافی سے کام لیا ہے۔ اس بیان سے میری اس محنت کا اندازہ بھی ہو سکے گا جو اس عظیم الشان سپہ سالار کے نمایاں شان سوانح حیات بیان کرنے میں میں نے اٹھائی ہے۔

اس ضمن میں میں عالی مرتبت جناب احمد نجیب اشتم وزیر تربیت و تعلیم متحدہ عرب جمہوریہ اور جناب استاذ احمد الشرباصی صدر جمعیت شبان المسلمین کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنی بے انتہا مصروفیتوں کے باوجود اس کتاب پر مقدمے تحریر فرماتے اور اس طرح اپنی علم پروری کا ثبوت دیا۔

آخر میں میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہماری غلطیوں کو دور فرمائے اور ہمارا حیات میں
اپنے خالص بھن و خوبی سرانجام دینے کے لئے ہمیں عزم اور توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم اپنے
اسلاف کے صحیح جانشین ثابت ہو سکیں :

محمد فرج

باب اول

عمرو بن العاص

حالت کفر سے قبول اسلام تک

(۱) دور جاہلیت اور حالت کفر

- قبیلہ و خاندان
- ولادت، عہد شباب، شغل تجارت اور میریاست
- عمرو بن العاص اور اسلام

(۲) زمانہ اسلام

- عرب اور اسلام
- عمرو بن العاص حبشہ میں
- عمرو بن العاص کا قبول اسلام
- سواغ بت کا انہدام
- عمرو بن العاص مملکت عمان میں

قبیلہ و خاندان | حضرت عمرو بن العاص کے حالات شروع کرنے سے پہلے ان کے قبیلہ اور خاندان کا مختصر سا حال بیان کرنا ضروری ہے۔

جس قبیلہ خاندان اور ماحول میں کوئی شخص پرورش پاتا ہے اس کا اثر اس کے اعمال و افکار اور اخلاق و عادات پر ضرور پڑتا ہے۔ لہذا کسی نامہر شخص کے سوانحی حالات اور کارناموں پر نظر ڈالنے سے قبل اس کے ماحول کا جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے۔

حضرت عمرو بن العاص مکہ کے مشہور قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنو سہم سے تعلق رکھتے تھے۔ قریش کا یہ قبیلہ متعدد خاندانوں پر مشتمل تھا جن میں قلت و کثرت، طاقت و قوت اور شرف و عزت کے لحاظ سے کافی تفاوت پایا جاتا تھا۔ قریش کے جو خاندان جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں شرف و عزت کے لحاظ سے ممتاز سمجھے جاتے تھے وہ دس تھے (۱) بنو ہاشم (۲) بنو ابیہ (۳) بنو نوفل (۴) بنو عبد الدار (۵) بنو اسد (۶) بنو تیم (۷) بنو مخزوم (۸) بنو عدی (۹) بنو جح (۱۰) بنو سہم بنو سہم کو جہاں ایک طرف تعداد کی کثرت اور دولت و ثروت کی فراوانی کے لحاظ سے قریش میں امتیاز حاصل تھا وہاں دوسری جانب سیاسی لحاظ سے بھی وہ مکہ میں ایک بلند ترین حیثیت کے مالک اور شہر کے نظم و نسق میں دوسرے معزز قبائل کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔ خانہ کعبہ میں بتوں پر جو کثرت چڑھا دیے چڑھتے تھے وہ بھی سب کے سب بنو سہم کے پاس جمع ہوتے تھے۔ ان دوسرے قبائل کے باعث بنو سہم بعض مخصوص صفات سے بہرہ ور تھے۔ مثلاً جو کام وہ

۱۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ بنو سہم بن عمرو بن العاص بن کعب بن لوئی بن غالب بن قریش
۲۔ عہد جاہلیت میں شرعی نظم و نسق کی مثالیں کیفیت کا تو میں علم نہیں البتہ آنا ضرور جانتے ہیں کہ اہل عرب اجتماعی نظم و نسق سے تعلق رکھنے والے اسم گھم بڑے بڑے قبائل میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ بنو سہم کے سپرد تھا کام تھا۔ اہل مکہ کے مابین یا اہل مکہ اور باہر سے آنے والوں کے درمیان جو تنازعات اور مشاغل فیہا ملاحت پیدا ہوتے سہتے تھے وہ تصفیہ کے لیے بنو سہم کے پاس آتے تھے۔

۳۔ اہل عرب بتوں اور عیدوں پر جو چڑھائے چڑھتے تھے۔ ان کی حیثیت آج کل کے اوقاف کی جیسی تھی۔ بنو سہم ان اوقاف اور اموال کے نگران تھے۔

اپنے ہاتھ میں بیٹھے تھے اسے بڑے غور و فکر اور پوری احتیاط کے ساتھ سرانجام دیتے تھے۔ تنازعات کے تصفیہ کے وقت انہیں معاملہ ہی کو کام میں لانا اور نازک محاطات کو سمجھاتے وقت انہیں مختلف طریقوں سے کام سے کر لوگوں کے مشغول جذبات کو ٹھنڈا کرنا پڑتا تھا۔ اس طرح ان میں عقلندی، سیاست، حلم اور عدل و انصاف کی صفات پیدا ہوئی تھیں۔ سخاوت اور مہمان نوازی میں وہ لوگ پیش پیش تھے ادب اور شہرے بھی انہیں کافی لگاؤ تھا۔ غرض گوناگوں صفات کے باعث بنو ہبہم کا قبیلہ تمام عرب میں ممتاز حیثیت کا حامل تھا اور اسے عز و حرمت کا وہ بلند مقام حاصل تھا جو بہت کم قبائل کو میسر تھا۔

یوں تو اس قبیلے کے بیشتر لوگ اعلیٰ صفات سے منصف تھے۔ لیکن اس کے چند افراد کو خصوصیت سے نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ قیس بن عدی کا نام عز و شرف میں ضرب المثل تھا۔ چنانچہ کہا جاتا تھا کہ نہ فی العنقا قیس بن عدی یعنی فلاں شخص عز و شرف میں قیس بن عدی کی مانند ہے۔ حارث بن سعید بن ہبہم مہمان نوازی اور سخاوت میں مشہور تھا اور عبداللہ بن زبیری بن قیس بن عدی کا شمار قریش کے بلند پایہ شعراء میں ہوتا تھا۔ فتح مکہ سے قبل اس نے مسلمانوں کی سمت ہجوئیں کہی تھیں لہٰذا سلسلہ نسب | زبیدی نے قاموس کی شرح میں حضرت عمرو بن العاص کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا ہے۔ عمرو بن العاص بن وائل بن ہشام بن ہبہم بن عمرو بن حصی بن کعب بن لؤئی بن غالب والد العاص بن وائل | ان کے باپ عاص بن وائل کو زمانہ جاہلیت میں بڑی عزت و شہرت حاصل تھی۔ اس کا شمار عرب جاہلیت کے بڑے بڑے سرداروں اور اعیان و شرافت میں ہوتا تھا۔ وہ بنی ہبہم کا سب سے بڑا شخص اور حرب النجار الثانی میں فوج کا سپہ سالار تھا لہٰذا صاحب قاموس نے اسے قریش کے حکام میں شمار کیا ہے۔

میدانی نے بھی اپنی کتاب مجمع الامثال میں لکھا ہے کہ عاص بن وائل قریش کے حکام میں سے تھا۔ ابن کلبی نے اس کے متعلق لکھا ہے عاص قریش کے حکام میں سے تھا۔ اس نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو اس وقت پناہ دی تھی جب آپ اسلام لائے تھے۔ زبیر بن بکر نے اس ذیل میں ایک لمبا قصہ بیان کر کے لکھا ہے جب حضرت عمرؓ اسلام آئے اور مشرکین قریش نے حبیب محمدؐ کو بھی اذیتیں اور تکلیفیں دینی شروع کیں تو اس وقت عاص آئے اور اس نے مشرکین کو آپؐ پر ظلم و ستم کرنے سے دکا

اس نے ان سے کہا۔

آپ آدمی نے اپنی مرضی سے اپنے لئے ایک لاسہ اختیار کر لیا ہے تم کیوں اس میں غل ہوتے ہو؟
چنانچہ عاص کے سمجھانے پر مشرکین نے حضرت قحط کو ستانا چھوڑ دیا۔
عاص کا شمار مکہ کے بڑے بڑے رؤساء میں ہوتا تھا۔ وہ ایک شہور تاجر تھا اور اس کے کارندے بین
سے چمڑا اور حبشہ سے خوشبویات لے کر شام جاتے تھے اور شام سے کشمش اور انجیر لاکر بین اور حبشہ میں فروخت
کرتے تھے۔

عاص کی زندگی ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا لیکن وہ نہ صرف یہ
کہ آپ پر ایمان نہ لایا بلکہ آپ کی راہ میں سنگ گراں بن کر حائل ہو گیا۔ وہ اسلام کے شدید دشمنوں میں
سے تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو اس کی زبان دہرا لیلیٰ اور اغواؤں سے بے حد
تکلیف پہنچتی تھی۔

ہجرت نبوی کے ایک ماہ بعد پچاسی برس کی عمر میں بحالت کفر اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی لعنت
اور ایذا رسانی میں آخر وقت تک کمی نہ آئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹوں قاسم اور عبد اللہ کے فوت ہونے پر عاص نے کہا تھا ان محمد
ابنوں (یعنی محمد کا نام لیا کوئی باقی نہیں رہا)۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (اِنَّ شَانِئَكَ
هُوَ الْاَبْتَنُ) یعنی اے محمد! تیرے دشمن ہی کا مالک کوئی باقی نہیں رہے گا۔

۱۔ زبیر بن بکاد کی روایت کے بموجب اہل کی موت ہجرت سے پہلے ہی ہو گئی تھی۔

۲۔ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۹

۳۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ عاص بن داحل نے یہ فقرہ قاسم کے منہ پر کہا تھا۔ لیکن ابن اسحاق کے بیان کے بموجب
عاص کی زبان سے یہ فقرہ اس وقت نکلا تھا جب قاسم کے مرنے کے بعد عبد اللہ بھی فوت ہو گئے۔ اکثر مروجین نے ابن اسحاق کی
کی بیان کردہ روایت کو اختیار کیا ہے۔ ہم بھی ابن اسحاق ہی کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔

۴۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ تمہارے ساتھ ابتر ہو گئے۔

۵۔ یہ آیت سورہ کوثر کی ہے، شانائت کے معنی تجھ سے بغض و عداوت رکھنے والے اور نفرت کرنے والے کے ہیں۔

اور ابتر اس شخص کو کہتے ہیں جس کا اثر و نفوذ باقی نہ رہے اور نہ اس کے مرنے کے بعد لوگ اچھے نام سے اسے یاد کریں اور اس
طرح اس کا ذکر یا نکل محو جائے۔ گویا آیت کے معنی یہ ہیں کہ اے رسول جو لوگ تجھ سے نفرت کرتے ہیں عنقریب لوگوں کے
دول سے ان کی یاد تک محو ہو جائے گی اور ان کا سارا اثر ختم ہو جائے گا۔

حضرت عمرو بن العاص کو اپنے باپ پر بہت ناز تھا۔ حتیٰ کہ وہ حضرت عمرؓ بن خطاب اور حضرت عثمانؓ جیسے جلیل القدر خلفاء کے مقابل پر بھی اپنے باپ پر فخر کا اظہار کرنے سے نہ سہجکتے تھے۔ چنانچہ جن زمانے میں حضرت عمرو بن العاص مصر کے گورنر تھے تو حضرت عمرؓ نے چند رپوروں کی بنا پر ایک شخص کو اس شخص کے لیے مقرر کیا کہ وہ عمرو بن العاص کے پاس جا کر اموال خراج کی حساب بھی کرے اور حساب کرنے کے بعد ان کے پاس جس قدر زائد مال نکلے اسے ان سے لے کر بیت المال میں داخل کر دے۔ جب حضرت عمرؓ کا ایسی حضرت عمرو بن العاص کے پاس پہنچا اور خلیفہ کے حکم سے اُسے آگاہ کیا تو انہیں طیش آگیا اور اسی حالت غضب میں پیغام بر سے کہنے لگے :-

قبح الله ما ناعى بن العاص لعن بن الخطاب فيه عامل والله اني لا اعرى الخطاب
يحمل فوق رأسه حزمة من الخطب وعلى ابنه مثلها وما منهما الا في ثمره
لا تباغ ما سغبه والله ما كان العاص بن داود يرضى ان يلبس الدباج مؤسداً
بالذهب..... لعن

’عمرو بن العاص کے لئے یہ بدترین زمانہ ہے جبکہ عمرؓ بن خطاب اُس کے حاکم ہیں۔ خدا کی قسم! مجھے خوب یاد ہے کہ خطاب اور اس کے بیٹے اپنے سروں پر ایندھن کے گٹھے اٹھا کر مکہ میں لایا کرتے تھے جبکہ میرا پاپ سونے کے ٹن لگے ہوئے دیباچ کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا.....“

جب حضرت عثمانؓ نے انہیں مصر کی ولایت سے معزول کیا اور وہ مدینہ آئے تو حضرت امیر المومنین نے انہیں اپنے حضور میں بلایا اور فرمایا :-

’میں نے تمہیں بعض کوتاہیوں اور لوگوں کی شکایات کے باعث معزول کیا ہے۔‘

حضرت عمرو بن العاص یہ سن کر بولے :-

’میں حضرت عمرؓ کے زمانہ سے مصر کا حاکم تھا۔ اور وہ آخر وقت تک مجھ سے خوش رہے۔‘

اس پر دونوں میں کچھ ٹکراہٹ ہونے لگی اور بالآخر حضرت عمرو بن العاص نے یہ کہہ کر باہر آنے کا ارادہ کیا :-

سہ بعض روایات میں آتا ہے کہ عمرو بن العاص نے کہنے کو تو یہ بات کہ دی لیکن پھر انہیں اندیشہ پیدا ہوا کہ اس طرح لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ اس لئے انہوں نے حضرت عمرؓ کے ایلی کو قسم دلا کر اس سے یہ بات کہی کہ وہ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرے۔

میں نے اپنے باپ عاص بن وائل اور تمہارے باپ عفان دونوں کو دیکھا ہے۔ خدا کی قسم عاص عفان سے بہتر تھا۔

حضرت عثمانؓ نے اس کا صرف یہ جواب دیا۔ مالنا ولذا کہ الجاہلیۃ یعنی ہمیں جاہلیت کی باتوں کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

عاص کے دوڑ کے تھے۔ عمرو اور ہشامؓ۔ عمرو بن العاص اپنے بھائی ہشام سے بڑے تھے۔ عاص بن وائل کی زندگی میں ایک مرتبہ ایسا واقعہ ظہور پذیر ہوا جسے تاریخ عرب میں زبردست شہرت حاصل ہوئی۔ اس واقعہ کا تعلق چونکہ عاص سے تھا۔ اس لئے یہاں درج کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ عاص نے مین کے قبیلہ بنو زبید کے ایک شخص سے جو عمرو کی غرض سے کہ آیا تھا کچھ سامان خریدا لیکن قیمت کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے لگا۔ آخر جب قیمت وصول ہونے کی تمام تدابیر ناکام رہیں اور مینی کا پیارا صبر لبریز ہو گیا تو وہ ایسے وقت جبل ابو قیس پر چڑھا جبکہ قریش مجلس لگا کر صحن کعبہ میں بیٹھے تھے اور باؤاز بلند ان اشعار میں اپنی مظلومیت کا اعلان کرنے لگا۔

”اے لوگو! تم اس مظلوم شخص کی مدد کے لیے کیوں آگے نہیں بڑھتے جو اپنے وطن اور قبیلے سے لوگوں دور چلا ہے اور جس پر تمہارے ہی قبیلے کے ایک فرد نے ظلم کیا ہے۔ عجیب بات ہے کہ اہل مکہ حرم میں رہنے کے باعث ہر قسم کی باز پرس سے آزاد ہیں۔ لیکن حرم کے اندر اگر کچھ جیسے کسی اجنبی شخص پر ظلم دسم ڈھایا جائے اور اسے دھوکا دیا جائے تو اس کے حالی زار پر کوئی توجہ نہیں کی جاتی اور اس کے دل اور عزت کی حرمت کو علی الاعلان توڑا جاتا ہے۔

یہ شخص کہ جب لوگوں نے اُس شخص کو بلایا اور اُس سے اُس کی مظلومیت کی داستان سنی تو انہیں اس بات پر بے حد غصہ آیا کہ ایک سربراہ اور وہ شخص نے خانہ کعبہ کی زیارت کی خاطر آنے والے شخص پر زیادتی کی ہے۔ چنانچہ قریش کے تمام قبائل۔ ماسوا بنو سہم۔ مکہ کے ایک نہایت معزز فرد عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور وہاں یہ عہد کیا کہ اگر وہ کسی مظلوم شخص کو بے کسی

سے ہشام اپنے بھائی عمرو سے بہت پہلے کہ ہی میں مسلمان ہو گئے تھے اور انہیں ہاجرین ہی سے تھے انہوں نے جنگ یرموک میں شہادت پائی۔

لے اس واقعہ کو زبیر بن بکاء نے بیان کیا ہے۔

کی حالت میں دیکھیں گے تو بے یار و مددگار نہ چھوڑیں گے بلکہ اس کے ساتھ مل کر ظالم سے اس کے ظلم کا بدلہ لیں گے۔ یہ عہد کرنے کے بعد وہ ابنِ جعدعان کے گھر سے نکل کر کعبہ میں آئے تاکہ اپنے بتوں کو بھی وہ اس معاہدہ کا گواہ بنالیں۔ یہ معاہدہ تاریخ میں حلف الفضول کے نام سے مشہور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس معاہدہ میں شریک تھے اور آپ کو اس کا اس درجہ پاس تھا کہ نبوت لانے کے بعد آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں عبد اللہ بن جعدعان کے گھر میں ایک ایسے معاہدے میں شریک تھا کہ اگر اس کے بدلے مجھے شریخِ اودنٹ بھی دیے جائیں تو بھی میں انہیں قبول نہ کروں؟ اس معاہدے سے عمرو بن العاص کو جو اس وقت چودہ برس کے تھے) بے حد صدمہ ہوا کیونکہ ان کے خیال میں دراصل یہ معاہدہ نبیہم کو زک پہنچانے اور ان کے اقتدار کو ختم کرنے کے لئے عمل میں لایا گیا تھا۔ چنانچہ اس کے باوجود میں ان کے اور ابن جعدعان کے درمیان طویل گفتگو بھی ہوئی جو ہم کتاب عمرو بن العاص - فتح مصر، مؤلفہ استاد عبدالسلام القشیری سے لے کر یہاں درج کیے ہیں۔ ابن جعدعان: عمرو بن العاص! کیا تم نے بھی اس زبیدی کی آواز سنی تھی جس نے جبلِ ابوقیس کی چوٹی پر چڑھ کر بلند آواز سے لوگوں کو اپنی مظلومیت کی دردناک داستان سنائی تھی؟ ہم نے خاص تمہارے باپ کے ساتھ برائی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں کیا بلکہ ہم نے ظالموں کے خلاف معاہدہ کیا ہے۔

عمرو بن العاص: فلین تم عاص سے کچھ پوچھے بغیر زبیدی کی مدد پر آمادہ ہو گئے۔ یہ کیوں؟ ابن جعدعان: عمرو بن العاص! کس شخص میں یہ جرات ہے کہ تمہارے باپ سے کوئی جواب طلبی کر سکے؟ اس کا تو یہ خیال ہے کہ دنیا صرف اُس کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ صرف اسی کی بات سنی جائے اور کسی شخص کو حق حاصل نہیں ہے کہ اس کی رائے کی مخالفت کرے۔ عمرو بن العاص: ابن جعدعان! اگر ایسا بھی ہوتا ہے کہ میرے والد کی رائے درست بھی ثابت ہوتی ہے۔

ابن جعدعان: عمرو بن العاص! ہمیں تمہارے والد کی ذکاوت و غلطانت سے انکار نہیں ہے لیکن ظلم کرنے سے نہیں کوئی قائلہ پہنچ سکتا ہے اور نہ اسے۔ وہ بہت بڑا تاج ہے۔ اور تاجر کو سب سے بڑھ کر امانت اور سچائی کا حامل ہونا چاہیئے۔ اے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا چاہیئے۔ نہ یہ کہ انہیں اپنے سے نفرت دلائی جائے۔ صرف تمہارے باپ ہی پر منحصر نہیں۔ ہم

بھی تاجر آدمی ہیں اور سامان تجارت لے کر مختلف علاقوں اور ملکوں میں پھرتے رہتے ہیں۔ کیا تمہیں یہ بات منظور ہے کہ زبید یا کوئی اور قبیلہ قریش کے تجارتی قافلوں سے اس بے انصافی کا انتقام لے؟ کیا تم یہ بات چاہتے ہو کہ عرب حج کے ارکان اور زیارت بیت اللہ سے رک جائیں؟ عمر بن العاص! عمار باپ یقیناً ظالم تھا اور اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔

عمر بن العاص! سب کچھ سہی۔ مگر قریش کو یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ حقیقت حال سے طاقت ہونے سے پہلے میرے والد کے خلاف محاذ قائم کرتے۔ اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ عاص ظالم تھا تب بھی ہمیں اس سے نرمی کا سلوک کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ لمبا اوقات نرمی سے وہ مشکلات حل ہو جاتی ہیں جو نیز دل اور تلواروں سے حل نہیں ہو سکتیں۔ تم نے یہ معاہدہ کر کے جو ہم کو ذلیل کرنا چاہا ہے اور یہ چیز کسی برداشت نہیں کی جائے گی۔

والدہ (سلمیٰ بنت حرملہ) حضرت عمر بن العاص کی والدہ کا نام سلمیٰ بنت حرملہ تھا اور وہ ایک قحطانی قبیلہ قضاعہ کی شاخ بنو عذرہ سے تعلق رکھتی تھی۔ ذاکدوں نے قبیلہ پر حملہ کیا اور اسے قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گئے اور سوق عکاظ میں ناکہ بن مغیرہ کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ ناکہ سے اسے عبد اللہ بن حذافہ نے خرید لیا اور عاص بن عائش کو ہدیہ دے دیا۔

سیرۃ حلبیہ میں مذکور ہے کہ سلمیٰ سے چار اشخاص ہم بستر رہے ہیں (۱) عاص بن داؤد (۲) ابولہب (۳) امیر بن خلف اور (۴) ابوسنیان بن حرب۔

جب عمر بن العاص پیدا ہوئے تو سلمیٰ ان کے باپ عاص کے پاس تھی۔ جب اسی سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ میں نے عاص کو اس لیے اختیار کیا کہ وہ میری بیٹیوں پر بہت کچھ خرچ کرتا ہے۔

۱۔ اس قبیلے کا شجرہ نصب یہ ہے۔

بنو عذرہ بن معد بن ندریم بن زید بن لیث بن سعد بن اسلم بن الحوائی بن قضاہ بنو عذرہ کی رہائش یومہ سے دس یوم کے فاصلہ پر تھی۔

۲۔ بعض قبائل عرب میں یہ طریقہ تھا کہ کسی کئی مرد ایک عورت سے ہم بستی کرتے تھے۔ درود عورتوں میں سب کی بیوی کہلاتی تھی۔ حضرت عائشہؓ بھی عہد جاہلیت کے نکاحوں کا حلال بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں: بعض اوقات کئی آدمی جن کی تعداد دس سے کم ہوتی تھی ایک ہی عورت سے ہم بستی کرتے تھے۔ جب وہ عورت حاملہ ہو جاتی تھی تو وہ عورت ان سب کو بلا بھیجتی تھی اور کہتی تھی تمہیں معلوم ہے کہ مجھے حمل ٹھہر گیا ہے۔ میرے بطن سے جو بچہ پیدا ہو گا وہ تم میں سے (باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت عمرو بن العاص سلمیٰ سے اپنے آپ کو مذہب کرتے ہوئے بہت شرمندگی محسوس کرتے تھے۔ کیونکہ سلمیٰ کا واقعہ ان کے مخالفین کے ہاتھ میں بڑا ہتھیار تھا اور ان کے حاسد جابجا اس امر کا تذکرہ کر کے انہیں بدنام کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ امارت مصر کے زمانہ میں ایک آدمی نے عین اس وقت جبکہ وہ منہ پر چڑھ کر خطبہ دے رہے تھے، ان سے یہ سوال پوچھ لیا کہ اسے امیر آپ کی والدہ کو ان تھیں۔ انہوں نے جواب دیا:-

”میری والدہ نابالغہ بنت عبداللہ تھیں۔ ایک مرتبہ قبیلے پر بعض بددعویٰ نے ڈاکہ ڈالا اور انہیں پکڑ کر لے گئے۔ موقع عکاظ میں انہیں عبداللہ بن جدعان نے خرید لیا، انہوں نے انہیں میرے والدہ عاص بن دہشل کو دے دیا اور ان سے ادا ہوئی۔

خبر دے اپنی کتاب کالیں لکھا ہے۔

”ایک مرتبہ حضرت عمرو بن العاص سے ان کی والدہ کے متعلق سوال کیا گیا لیکن وہ ٹال گئے۔ بعد میں جب وہ مصر کے گورنر ہو گئے تو وہی شخص ان کے پاس آیا اور دوبارہ یہی سوال کیا کہ میں امیر کی والدہ کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا:-

”وہ قبیلہ عنزہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کا نام لیلیٰ تھا اور لقب نابالغہ“

ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں لکھا ہے:-

”ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت عمرو بن العاص سے پوچھا کہ آپ افضل ہیں یا آپ کے (موتیے)

(تفسیر حاشیہ صفحہ ۴۱) غلام کا ذکر ہوگا۔ باعومہ اس شخص کو بچہ کا باپ ٹھہراتی تھی جو اسے سب سے زیادہ پسند

پڑتا تھا اور یہ شخص بچے کا باپ ہونے سے انکار نہ کر سکتا تھا۔ بخاری جلد ۱۵ صفحہ ۱۵۳۔ باب من قال لا نکاح الا بونی“

کتاب بدیع الادب فی معرفۃ احوال العرب جلد ۱ صفحہ ۱۴ میں بھی حضرت عائشہ کے اس بیان کی تائید کی گئی ہے۔

سہ الکامل فی اللغة والادب صفحہ ۱۴۴

۴۔ حضرت عمرو بن العاص کا یہ قول کہ ان کی والدہ بنو عنزہ سے تعلق رکھتی تھیں اس روایت کے

مخالف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ وہ بنو عنزہ میں سے تھیں۔ قبیلہ عنزہ قبیلہ اسد بن ربیعہ کی ایک شاخ تھا

وہ وہ عراق میں انبار سے تین منزل کے فاصلے پر عین القمر میں آباد تھا۔

کھانی ہشام؟ انہوں نے جواب دیا۔

ہشام کو محمد پر چار باتوں میں فضیلت حاصل ہے، (۱) ان کی والدہ ہشام بن مغیرہ کی لڑکی تھیں۔ (۲) وہ میری والدہ عنزیہ (۳) وہ میرے والد کو میری نسبت زیادہ محبوب تھے (۴) انہوں نے مجھ سے پہلے اسلام قبول کیا (۵) انہیں شہادت کا شرف حاصل ہوا اور میں اس سعادت سے محروم رہا۔ (۶) ان کی والدہ کے متعلق بعض کتابوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ مکہ کی ایک پیشہ دروغت تھیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امیر معاویہؓ کی مجلس میں حضرت عمرو بن العاصؓ نے اردی بنت حارث بن عبدالمطلب کے متعلق کچھ ناروا باتیں کہیں اس پر اردی سے نہ رہا گیا اور وہ بولیں۔

”اے ابن نافعہ! تم میرے سامنے بولنے کی جرأت کرتے ہو حالانکہ تمہاری والدہ مکہ کی مشہور پیشہ دروغت تھیں۔ اپنی حد کے اندر رہو اور اپنی انذات پہچانو۔ جب و نسب کے لحاظ سے قریش میں تمہارا کوئی مقام نہیں۔ قریش کے پانچ آدمی تمہارے باپ پر نے کے دعویدار تھے۔ ہر شخص یہ کہتا تھا کہ میں تمہارا باپ ہوں۔ آخر کار جب تمہاری والدہ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا یہ پانچوں میرے ساتھ ہم بستر ہوئے تھے اس لئے اس معاملہ کا فیصلہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ لڑکا مشکل و صورت میں ان پانچوں میں سے جس کے ساتھ زیادہ مشابہ ہو اسی کو اس کا باپ قرار دیا جائے۔ چونکہ عاص بن وائل کے ساتھ تمہاری شبیہ کسی حد تک ملتی تھی۔ اس لئے تمہارا نسب اس کے ساتھ ملا دیا گیا۔“

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کی والدہ کی جانب کتابوں میں جو کچھ غریب کیا گیا ہے اور غلامی کے نتیجے میں اسے جن ذلتوں کا سامنا کرنا پڑا اس میں اسے کوئی دخل نہ تھا۔ اس زمانہ میں لڑائیاں اور ڈاکوں کے دوران میں جو عورتیں اور مرد قیدی بنائے جاتے تھے ان کی حیثیت لونڈی غلاموں کی

سے ہشام بن عاصؓ کی والدہ ہشام بن مغیرہ کی بیٹی تھی۔ وہ قریش کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور حضرت عمرو بن العاصؓ کی والدہ کی طرح لونڈی نہ تھیں۔ وہ اپنے خاوند کی بے حد چہیتی تھیں۔ حتیٰ کہ اس نے اپنے بیٹے کا نام اپنے والد کے نام پر ہشام رکھ دیا جو قبائلی عرب میں ایک نرالی بات تھی۔ لیکن عاصؓ نے اس محبت کی وجہ سے جو اسے اپنی بیوی سے تھی اسی پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

سے کتاب المعارف ص ۹

ہوتی تھی۔ بعض اوقات بڑے بڑے معزز خاندان کی عورتیں محاربین کے ہاتھوں میں پڑ جاتی تھیں اور وہ انہیں لونڈی بنا کر بیچ ڈالتے تھے۔ ان کے مالک ان سے جس قسم کا سلوک چاہتے تھے کرتے تھے۔ وہ مظلوم عورتیں بالکل بے بس ہوتی تھیں اور کچھ نہ کر سکتی تھیں۔ حضرت عمرو بن العاص کی والدہ بھی قیدی بن کر آئی تھی اور دوسری لونڈیوں کی طرح وہ بھی بے بس تھی۔ اس لیے اس کے ساتھ جو سلوک ہوتا تھا۔ اس میں اس کی کوئی خطانہ تھی۔ وہ اپنی مرضی سے پانچ مردوں کے ساتھ ہم بستر نہ ہوتی تھی۔ بلکہ اسے ایسا کرنے کے لیے مجبور کیا گیا تھا۔ لہذا اس پر کسی قسم کا الزام قائم نہیں کیا جاسکتا۔

ولادت مورخین میں حضرت عمرو بن العاص کے زمانہ ولادت کے بارے میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔

ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص حضرت عمر بن خطاب (فارق اعظم) سے سات سال بڑے تھے۔ اور آپ کی وفات حضرت عمرؓ کی وفات کے میں برس بعد ہوئی۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص کی عمر نوے برس کی ہوئی۔

ابن قتیبہؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ ۳۲ھ میں تتر سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

واقعی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطابؓ نے تریسٹھ برس کی عمر میں وفات پائی تھی۔ اس لحاظ سے آپ کا سن ولادت ۵۸ھ (۲۴ قبل ہجرت) بنتا ہے۔ چونکہ حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت عمر بن خطابؓ سے سات سال بڑے تھے اس لئے ان کا سن ولادت ۵۵ھ (۲۱ قبل ہجرت) ماننا پڑے گا۔

عجلی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے ننانوے برس کی عمر پائی۔ ابوالمحسن نے بھی ان کی عمر ننانوے ہی سال لکھی ہے۔ نو دی نے ان کی عمر ستر ہی بتائی ہے۔

۱۔ کتاب الامارۃ فی تمییز الصحابہ جلد ۵ صفحہ ۳

۲۔ عاقدی اور ابن حجر نے بھی اسی روایت کی تائید کی ہے۔

۳۔ کتاب المعاد صفحہ ۹

۴۔ بعض روایات میں ہے کہ ان کا انتقال ۳۲ھ میں ہوا اور بعض روایات میں ان کا سن وفات

۳۵ھ بتایا گیا ہے

۵۔ کتاب الامارۃ فی تمییز الصحابہ جلد ۵

۶۔ کتاب النجوم الزاہرۃ فی لوک مصرہ القاهرہ

الفرز بٹرنے اپنی کتاب *The Arab conquest of Egypt* (عربوں کی فتح مصر میں لودی کے قول کو ترجیح دی ہے اور لکھا ہے کہ اگر عمرو بن العاص کی عمر اسی برس مانی جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مصر پر چڑھائی کے وقت وہ چھیاسٹھ سال کے تھے۔ حالانکہ اس عمر میں بالعموم انسانی قویٰ اخطاط پذیر ہو جاتے ہیں اور جنگوں کی صعوبتیں برداشت کرنے کے قلعاً ناقابل ہوتے ہیں۔ لیکن بٹرن کی یہ ترجیح درست نہیں کیونکہ جنگوں کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے کئی ایسے مشہور سپہ سالاروں کا حال معلوم ہوگا جنہوں نے ساٹھ سال سے بھی زیادہ کی عمر میں بڑے بڑے کاربائے نمایاں سرانجام دیے وہ بے دھڑک میدان جنگ میں کود کر دشمنوں سے مقابلہ کیا اور پیرائہ سالی کے باوجود بڑے بڑے نازک موقعوں پر عظیم الشان لشکروں کی قیادت کی۔

مندرجہ بالا تمام روایات پر غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص نے اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔

عہدہ شہاب | حضرت عمرو بن العاص نے عرب کے ایک بڑے گھرانے میں پرورش پائی اور جوانی کا زمانہ مکہ کے شرفاء کے لڑکوں کے ساتھ گزارا۔ اگرچہ اس عہد میں بچوں کو تعلیم دینے کا رواج نہ تھا لیکن حضرت عمرو بن العاص نے باقاعدہ لکھنا پڑھنا سیکھا۔ اور اس میں کافی مہارت حاصل کی۔ ان کی طبیعت شعر گوئی کی طرف بھی مائل تھی۔ ان سے بہت سے عمدہ اشعار مروی ہیں انہوں نے شعر و شاعری کا مستند محض دل بہلانے اور عقل کو صقل کرنے کے لئے اختیار کیا تھا۔ دوسرے شاعروں کی طرح مدح و ذم اور قصائد و ہجویات کے ذریعہ پیسہ کمایا یا حراعت کو بدنام کرنا ان کا مقصد تھا۔ امیر معاویہ نے ایک بار ان سے عبداللہ بن ہاشم بن عقبہ بن مالک بن ابی وقاص کے بارے میں مشورہ کیا۔ عبداللہ کے باپ ہاشم جنگ صغین کے موقع پر حضرت علیؑ کی حمایت میں امیر معاویہ سے لڑ چکے تھے۔ حضرت عمرو بن العاص نے مشورہ دیا کہ عبداللہ کو قتل کر دیا جائے لیکن امیر معاویہ نے درگزر سے کام لیا۔ اس پر حضرت عمرو بن العاص نے ناراض ہو کر چند اشعار کہے جن کا ترجمہ یہ ہے

”میں نے آپ کو درست مشورہ دیا لیکن آپ نے میرے مشورے کو ٹھکرا دیا۔ حالانکہ آپ چاہتے تو بہت آسانی سے ابن ہاشم کو قتل کر سکتے تھے۔ اے معاویہ! کیا اس کا باپ درہی نہیں جس نے اس روز ہمارے دشمنوں کی مدد کی جب بڑے بڑے سردار موت کے گھاٹ اتارے جا رہے تھے۔ وہ صغین میں ہم سے بے جگری سے لڑا جہاں ہمارے ہوشیار میدان جنگ ایک جھیل کی شکل میں تبدیل ہو گیا تھا یہ اسی شخص کا بیٹا ہے اور قطعی اپنے باپ سے مشابہ۔ یقیناً آپ کو اس کے معاملہ میں ایک دن عفو و رحم

کے بدلے ندامت سے دو چار ہونا پڑے گا"۔
فصاحت و بلاغت اور کلمات حکمت آمیز | فصاحت و بلاغت میں بھی حضرت عمرو بن العاص کا پایہ بلند تھا۔ ادبیات عرب میں ان کے متعدد جملہ پایہ اقوال اور علم و حکمت سے پُر جملے منقول ہیں۔
 ابن عساکر بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے امیر معاویہؓ سے کہا۔

"نیک شخص اس وقت حمد کرتا ہے جب وہ بھوکا ہوتا ہے اور مکینہ اس وقت حمد کرتا ہے جب اس کا پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اس لیے نیک آدمی کی بھوک دور کرو اور مکینہ کو قابو میں رکھو۔"
 شام کلبی روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے پوچھا کہ سب سے زیادہ مینع شخص کون ہے؟ آپ نے جواب دیا جس کی رائے اس کی خواہشات انسانی کے اُلٹ ہو۔ انہوں نے پھر پوچھا سب سے زیادہ سخی کون ہے؟
 آپ نے جواب دیا جو شخص اپنی دنیا اپنے دین کی بہتری میں خرچ کرے؟ انہوں نے تیسری بار پوچھا سب سے زیادہ شجاع کون ہے؟ آپ نے جواب دیا "جو شخص اپنے علم سے ہمالت پر غالب آجائے۔"

مہرونے اپنی کتاب کامل میں لکھا ہے:-

"ایک مرتبہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے عبد الملک بن مروان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے امیر معاویہؓ سے کہا میں نے تین باتیں اختیار کر رکھی ہیں اور تین باتوں کو ترک کر رکھا ہے۔ جو باتیں اختیار کر رکھی ہیں وہ یہ ہیں (۱) میں لوگوں کے دل ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتا ہوں (۲) ہر شخص کی بات کان دھر کر سنتا ہوں (۳) جب کسی امر میں اختلاف پیدا ہو جائے تو جو امر زیادہ سہل ہوتا ہے اسے اختیار کرتا ہوں۔ جن باتوں کو ترک کر دیا ہے وہ یہ ہیں (۱) جھگڑے سے ہمیشہ پرہیز کرتا ہوں (۲) کینے کی صحبت کبھی اختیار نہیں کرتا (۳) ہر ایسی بات سے بچتا ہوں جس کے متعلق مجھے بعد میں عذر و معذرت پیش کرنی پڑے۔ میری مثال اس شعر جیسی ہے:-

نَقُلْتُ لَهُ تَجَنَّبْ كُلَّ شَيْءٍ كَيْتَابُ عَلِيكَ رَأَى الْخُرْ حُضْرُ

میں نے اس سے کہا، تو ہر ایسی چیز سے پرہیز کر جس کی وجہ سے بعد میں تجھ پر عیب لگایا جائے یا درکھ کر شریف آدمی ہمیشہ وہی کام کرتا ہے جو فی الواقع شرفاء کو زیب دیتے ہیں؟

عصر کی امدت کے زمانے میں ایک مرتبہ وہ ایسے فخر پر سوار ہوئے جو بے حد بڑھا چکا تھا۔ لگلی نے ان سے کہا آپ امیر ہیں۔ اس کے باوجود ایسے فخر پر سوار ہوتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا جب تک جانور میرا بوجھ اٹھاتا رہے، جب تک میری محبوبہ سے غرض اخلاقی اور حسن سلوک سے پیش آتی رہے اور جب تک دوست میرے راز کی حفاظت کرتا رہے اس وقت تک میں ان تینوں سے نہیں ہٹتا۔

الکتا جھوٹے اخلاق میں سے ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا:-

”اگر میں اپنا راز اپنے مٹنے والے کے سامنے ظاہر کر دوں اور وہ اس کو ظاہر کر دے تو اسے اس کا حق ہے اور اس وقت قابلِ ملامت میں ہوں گا نہ کہ وہ۔“

لوگوں نے دریافت کیا ”یہ کیونکر؟“

انہوں نے فرمایا:-

”اپنے راز کی حفاظت کی ذمہ داری سب سے زیادہ مجھ پر عائد ہوتی ہے۔“

ایک مرتبہ فرمایا:-

”عقل وہ نہیں جو خیر و شر کی تمیز رکھتا ہو، بلکہ عقلمند وہ ہے جو یہ جانتا ہو کہ دو برابریوں میں سے کونسی نسبت کم بری ہے۔“

حلیہ | حضرت عمرو بن العاص کا قد چھوٹا تھا لیکن اعضاء بہت مضبوط تھے اور ان کا جسم ہر قسم کی محنت و مشقت برداشت کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ ان کی پیشانی کشادہ اور آنکھیں سیاہ اور بولی سختیں۔ داڑھی پر سیاہ خضاب لگاتے تھے۔ چہرہ بڑا شاندار تھا اور بشرے سے سرداری اور سیاہوت کے آثار ظاہر ہوتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھ کر فرمایا تھا کہ ابو عبد اللہ کا چہرہ تو واقعی کسی سردار کا معلوم ہوتا ہے۔ ان کی وقت حافظہ بڑی تیز تھی۔ عزم دار اور سے کے دھنی تھے۔ نوے سال کی عمر میں بھی جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کر لیتے تھے تو اسے پورا کر کے چھوڑتے تھے بلکہ

ظہر نے اپنی کتاب میں النجوم الزاہرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص ہلکے تھے اور ان میں صرف یہی عیب تھا۔ لیکن خود کتاب النجوم الزاہرہ میں اس قسم کا کوئی عیب بیان نہیں ہوا بلکہ اس میں

صلہ اصل کتاب میں ابن عبد اللہ لکھا ہوا ہے جو صریح غلط ہے (محمد احمد)

سے یہ اوصاف ابن قتیبہ۔ ابن خلکان اور ابوالحسن کی کتابوں سے لے کر بیان کئے گئے ہیں۔

ہر لحاظ سے ان کی تعریف ہی کی گئی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ عمرو بن العاص اپنی حاضرجوابی، جودت فہم اور فصیح و بلیغ تقریر و دل کی وجہ سے مشہور تھے۔ البتہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک بار کسی ہکٹے شخص کو باتیں کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اس شخص کو اور عمرو بن العاص کو ایک ہی فرشتے نے گھڑا ہے۔ لیکن اس قول سے بوضاحت یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمرو بن العاص بھی ہکٹے تھے۔ ہو سکتا ہے حضرت عمرؓ نے اس ہکٹے شخص کی کسی اور صفت کی وجہ سے اسے عمرو بن العاص سے تشبیہ دی ہو۔

عادات و خصائل | حضرت عمرو بن العاص ابتداء ہی سے سرداری اور قیادت کے خواہش مند تھے۔ لوگوں کو راست وہ خود کرایا کرتے تھے اور آخر وقت تک اُن کا یہی معمول رہا۔

مال و دولت سے انہیں بے حد محبت تھی۔ ان کے حب مال کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ان کے بڑھاپے کے زمانے میں جبکہ بالعموم اس قسم کی خواہشات دب جایا کرتی ہیں۔ ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ان سے پوچھا اے عمرو بن العاص! تمہاری کوئی خواہش ایسی بھی ہے جو ابھی تک پوری نہیں ہوئی؟ انہوں نے جواب دیا ہاں! میری خواہش ہے کہ میں مال کو زمین میں بولے اور اس کے نتیجہ میں زمین سے جو پودا نکلے اُس پودے میں درختوں کی طرح سیم و جواہر کے پھل لگے ہوئے ہوں اور میں ان سے جی بھر کر فائدہ حاصل کر لوں۔

مال و دولت کی اس غیر معمولی محبت کے باعث خلفاء راشدین اُن سے ہمیشہ بدگمان رہے حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے تو ایک مرتبہ ان کا بہت سا مال ضبط بھی کر لیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ان کی ولایت مصر سے معزولی کا سبب بھی یہی ہوا تھا کہ امیر المومنین کو خیال تھا کہ عمرو بن العاص نے خراج کی کثیر رقم اپنے پاس رکھ لی ہے اور اسے بیت المال میں داخل نہیں کرایا۔

حضرت عمرو بن العاص میں بڑائی اور سلف رسکٹ کا مادہ بے حد پایا جاتا تھا اور یہ صفت ان میں بچپن سے لے کر آخر عمر تک برقرار رہا۔

بچنے جذبات و عواطف پر قابو پانے میں بہت کم لوگ ان کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتے تھے جمل میں وہ جذبات کی مطلق پروانہ کرتے تھے۔ چنانچہ ان کا اپنا ایک مغل بھی اس صفت کے مقابلے میں روشنی ڈالتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:-

پر پوری طرا ترین شخص وہ ہے جس کی مائے اس کی خواہشات کو دور کر دے اور بہادر ترین انسان وہ ہے جس نے اپنے جمل کو دور کر دے۔

عربوں کے نزدیک عرب کے عقل مند ترین افہامی چارہ تھے۔ عربوں نے ان چاروں کی خصوصیات مقرر کر رکھی تھیں جو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے ممتاز کرتی تھی۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے تمناؤ پر غور و فکر میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ عمرؓ بن العاص کو حاضر جوابی میں کمال حاصل ہے مغیرہ مشکل امور کو حل کرنے میں اپنی نظیر آپ ہیں اور زیادہ ہر چھوٹے بڑے کام کو انتہائی خوشامطوبی سے سرانجام دینے میں یکتا ہے۔

مشکلات اور مصائب کے موقع پر حضرت عمرؓ بن العاص ان کے انکار کے لیے فوراً کوئی نہ کوئی تدبیر نکال لیتے تھے۔ ان کی زندگی میں اس کی ان گنت مثالیں موجود ہیں خطرات کا زمانہ ہو یا امن و اطمینان کا، حضرت عمرؓ بن العاص کا وہن رسا مشکل امور کو حل کرنے اور اُلجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے میں برابر مصروف رہتا تھا۔ ان کے دوست احباب بھی جب کسی مشکل مسئلہ کو حل کرنے سے عاجز آجاتے تھے تو اسے حضرت عمرؓ بن العاص ہی کے سپرد کیا کرتے تھے اور وہ منٹوں میں اسے حل کر دیتے تھے۔ وہ عجیب و غریب ذکاوت و فطانت اور مضبوط عزم و ارادے کے مالک تھے۔ وہ اپنے دل میں کوئی بات چھپا کر نہ رکھتے تھے بلکہ برملا ظاہر کر دیتے تھے۔ ابن حجر عسقلانی ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کی نظر میں عمرؓ بن العاص سے زیادہ کلام اللہ کا عالم اور شریف النفس انسان اور کوئی نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت عمرؓ بن العاص مضبوط جسم اور زبردست عقل و خرد کے مالک تھے، مشکلات اور مصائب پر تابو پانے میں انہیں کمال حاصل تھا۔ ان کا عزم و ارادہ پہاڑ کی مانند تھا۔ وہ بہت بڑے بہادور تھے۔ میدان جنگ میں دشمن کے مقابلے میں وہ جو تدبیر بھی اختیار کرتے تھے بڑے غور و فکر کے بعد اختیار کرتے تھے۔ دینی امور کی انجام دہی اور عبادات کی ادائیگی میں بہت کم لوگ ان کے ہم پلہ تھے۔ وہ پاک دامن اور شریف النفس انسان تھے۔ اپنے قبیلے میں ان جیسا نسیم اور عاقل انسان اور

۱۔ عرب کے ان چار عقلمند ترین اصحاب کے نام یہ ہیں (۱) حضرت معاویہ بن ابی صفیان (۲) حضرت مغیرہ بن شعبہ (۳) حضرت عمرؓ بن العاص اور زیاد بن ابیہ۔ مورخ الذکر یقیناً حضرت معاویہؓ کے دست در باز اور ان کے زبہ دست معاونوں میں سے تھے (محمد احمد)

۲۔ بعض روایات میں یہ قول خود حضرت عمرؓ بن العاص کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو انہوں نے کسی موقع پر حضرت معاویہؓ کے دربار میں کہا تھا۔

کوئی نہ تھا۔

گمانے سے انہیں بہت لگاؤ تھا۔ اگر گمانے کی آوازاں کے کانوں میں پڑ جاتی تھی تو اس سے پوری طرح لطف اندوز ہوئے بغیر انہیں چین نہ آتا تھا۔ شعر و شاعری سے بھی انہیں بہت شغف تھا۔ ان کی شخصیت بہت پرکشش تھی اور لوگ بے اختیار ان کی طرف کھینچے چلے آتے تھے۔ اس کے نتیجے میں حضرت عمر دین العاص ان سے بآسانی ہر قسم کا کام لے لیتے تھے۔ ان میں ایک بہادر شاعر، متقی اور پارسا انسان کی صفات مجتمع تھیں۔ ان کا ظاہر و باطن ایک جلیا تھا۔ جو بات انہیں کہنی ہوتی تھی بلا جھجک کہہ دیتے تھے۔ اور کسی شخص کی ناراضی کی مطلق پروا نہ کرتے تھے۔ ان کے پیش نظر ہمیشہ بلند مقاصد رہتے تھے اور ان مقاصد کو پورا کرنے کے لیے وہ بڑے سے بڑا خطرہ مول لینے کو تیار ہو جاتے تھے۔ حضرت عمر دین العاص نے نوجوانی میں شام، حبشہ اور مصر کے متعدد سفر کیے تھے۔ ان سفروں کے دوران میں انہیں مختلف اقوام سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس چیز نے انہیں بے حد فائدہ پہنچایا۔ ان کے علم میں بے حد اضافہ ہوا، ذہنی افکار کو جلا ملی۔ مختلف علاقوں کے حالات اور دہاں کے رسم و رواج سے اچھی طرح واقفیت ہو گئی۔ ذہن صیقل ہو گیا اور دماغ میں جہالت کی تابی کی بجائے علم کی روشنی پھیل گئی۔

شجاعت۔ بے خوفی، ہمت و استقلال، علم و حکمت، عقلمندی و نفاذی کی جو صفات حضرت عمر دین العاص میں جمع تھیں وہ مشاہیر عالم میں سے بہت کم لوگوں کے حصہ میں آئی ہیں۔ وہ کتنا بڑے زمانہ انسان تھے۔ اپنی قوم میں جو مرتبہ انہیں حاصل تھا اور کسی کو حاصل نہ تھا۔ سرزمین عرب کو ان پر فخر تھا۔ وہ منجملہ ان ستونوں کے تھے جن پر عرب سیاست کی عمارت قائم تھی اور اس ستون کے ٹوٹنے سے عرب سیاست کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔

شغل تجارت | چونکہ عرب کی زمین بالعموم تیلی تھی۔ اس لیے وہاں عام طور پر زراعت نہ ہو سکتی تھی۔ اس مجبوری کے باعث اہل عرب نے اپنے لیے تجارت کا پیشہ اختیار کیا تھا۔ ان کے تجارتی قافلے جزیرہ عرب سے حبشہ، یمن، اترام اور اطراف عراق میں جایا کرتے تھے۔ اس طرح انہیں ستمدن دنیا کے لوگوں سے میل جول بڑھانے اور ان کی تہذیب و ثقافت کا مطالعہ کرنے کا بہت اچھا موقع مل گیا تھا۔ چونکہ مکہ کا شہر یمن، اترام اور حبشہ جانے والے راستوں کے درمیان واقع تھا اس لیے وہاں کے باشندوں نے اس سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خود بھی تجارت شروع کر دی اور بہت جلد اس پیشہ میں مہارت حاصل کر لی۔ قریش کے نوجوانوں کو تجارت کی ٹریننگ اسی طرح دی جاتی تھی۔ جس طرح جلی

علوم و فنون اور شہسواری کی تجارت کے لیے اہل مکہ سال میں دو بار نکلا کرتے تھے۔ سردیوں میں ان کا سفر یمن کی جانب ہوتا تھا اور اسے "بہا حلة الشتاء" کہا جاتا تھا اور گرمیوں میں شام کی طرف اور اسے "بہا حلة الصيف" کہا جاتا تھا۔

حضرت عمرو بن العاص کے باپ عاص بن وائل کا شمار بھی بڑے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا۔ مکہ کے تجارتی قافلوں میں بیشتر سرمایہ عاص بن وائل کا لگا ہوا ہوتا تھا۔ اہل تجارت نے لے کر کبھی تو وہ خود باہر جاتا تھا۔ اور کبھی کسی بھروسہ کے قابل شخص کے سپرد کر دیتا تھا جو اسے فروخت کے لئے ذمہ دار اس کے حوالے کر دیتا تھا۔ قریش کے دیگر لوگوں کی طرح اس نے بھی اپنے بیٹوں کو تجارت کی ٹریننگ دینی شروع کی اور جب انہوں نے اس فن میں خوب مہارت حاصل کر لی تو دوسرے شخصوں کے سپرد اہل تجارت کرنے کی بجائے اس نے اپنے بیٹوں کو قافلوں کے ساتھ بھیجنا شروع کر دیا۔ کنذی نے کتاب المقضاة والولاة صفحہ ۷ میں لکھا ہے کہ عمرو بن العاص عطریات کی تجارت کرتے تھے اور اس سلسلہ میں وہ اکثر شام، حبشہ، یمن اور مصر جاتے رہتے تھے۔ انہوں نے ان سفروں اور غیر توہم سے میل جول کے نتیجہ میں بہت زبردست فائدہ حاصل کیا۔ شہریت اور تہذیب تمدن کے درس انہوں نے ان سفروں ہی میں سیکھے۔ اس طرح یہ سفر ان کے لیے بہترین مدرسہ سے قیامت بچے جہاں وہ زندگی کے گوناگوں مسائل کا درس لیتے تھے اور جہاں انہیں مختلف لوگوں کے عادات و خصائل معلوم کرنے کا بہترین موقع ملتا رہتا تھا۔

عمرو بن العاص کے سفر اسطوریہ مندرجہ بالا میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ عمرو بن العاص کو تجارت کی خاطر متعدد دفعہ بیرونی ممالک کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ اس عہد ہم نمونہ کے طور پر ان کے دو سفروں کا ذکر کریں گے جو انہوں نے عین عقیدان شباب میں کیے اور جن کا شمار ان کے اہم ترین سفروں میں ہوتا ہے۔ ۱۔ سفر حبشہ ۲۔ از جوانی کے ایام میں ایک مرتبہ عمرو بن العاص کو حبشہ کا سفر درپیش ہوا۔ ان کے ساتھ بنو مخزوم کا ایک اور نوجوان عمارہ بن ولید (جو حضرت خالد بن ولید کا بھائی تھا) بھی تھا۔

۳۔ عہد جاہلیت کی تجارت پر وہ بیت اچھی کتابیں اردو میں لکھی گئی ہیں۔ ایک حکیم شمس اللہ قادری کی تجارت العرب قبل اسلام اور دوسری خوب دہند کے تعلقات از مولانا عبد سلیمان ندوی (محمد امجد پانی پتی)

۴۔ عمرو بن العاص نے حبشہ کی جانب ایک اور سفر بھی کیا تھا جس کا ذکر ہم آگے چل کر اسلام کے بارے میں عمرو بن العاص کا موقف کے باب میں کریں گے

عمر دین العاص شادی شدہ تھے اور انہوں نے اپنی بیوی کو بھی سفر میں ہمراہ لے لیا تھا۔ عمارہ بہت ہی بدخلق اور بدظرت نوجوان تھا۔ کشتی میں شراب بھی موجود تھی۔ عمارہ نے اتنی شراب پی کر وہ بالکل مدہوش ہو گیا۔ اسی مدہوشی کی حالت میں اس نے عمر دین العاص کی بیوی سے عشق و محبت کا اظہار کرنا اور اس کے قریب ہونا شروع کیا۔ بالآخر اس نے یہ مطالبہ بھی کر دیا کہ وہ اسے بوسہ دے۔ یہ سب باتیں عمر دین العاص کے سامنے ہو رہی تھیں لیکن وہ خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہو گئے۔ انہوں نے اس معاملے کو عقلمندی اور ہوشیاری سے سلجھانا چاہا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کوئی حرج نہیں۔ عمارہ تمہارا چچا زاد بھائی ہے۔ تم اس کا بوسہ لے لو خاوند کے کہنے پر بیوی نے عمارہ کا بوسہ لے لیا۔ عمارہ کی عقل اور بھی ماری گئی اور اس نے خیال کیا کہ عمر دین العاص کی بیوی ضرور اسے چاہتی ہے۔ اس پر اس نے کھلم کھلا اس کے متعلق عاشقانہ جذبات کا اظہار شروع کر دیا۔ جب اس نے عورت کی بے رخی دیکھی تو یہ سمجھا کہ وہ اپنے خاوند کے در سے ایسا کر رہی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی راہ سے اس کاٹے کو ہٹانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ وہ براہِ ناک میں رہا اور ایک دن موقع پا کر عمر دین العاص کو چپکے سے پانی میں دھکیل دیا۔ خوش قسمتی سے عمر دین العاص تیرنا جانتے تھے۔ وہ تیر کر کشتی میں چڑھ آئے بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے سمندر میں گر کر چھٹنا چلنا شروع کر دیا اور ملاحوں نے انہیں کھینچ کر کشتی میں چڑھالیا، جب وہ دوبارہ کشتی میں پہنچے تو عمارہ نے اپنی بے وقوفی سے یہ فقرہ کہہ دیا: عمر دین العاص! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم تیرنا جانتے ہو تو میں تمہیں کبھی سمندر میں دھکا نہ دیتا! اس فقرہ سے عمر دین العاص کو عمارہ کی بددیہیتی کا حال معلوم ہو گیا اور وہ اس سے انتقام لینے کے لیے کسی مناسب موقع کی انتظار میں رہنے لگے۔

عمارہ بے حد خوبصورت نوجوان تھا اور عورتیں ایک نظر دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتی تھیں۔ جب وہ سرزمین حبشہ میں پہنچے تو عمارہ نے اپنے حسن جہاں سوز سے نجاشی کی بیوی کو اپنے دام میں گرفتار کر لیا۔ اور وہ بلا روک ٹوک اس کے محل میں جانے لگا۔ عمارہ نے یہ تمام ماجرا عمر دین العاص سے بھی بیان کر دیا اور ایک دن ثبوت کے طور پر نجاشی کے تیل کی ایک شیشی بھی لاد لی۔ شیشی کو دیکھ کر عمر دین العاص نے بعض روایات میں ہے کہ عمارہ کو خود عمر دین العاص نے بھلا پھینکا کہ نجاشی کی بیوی کے پاس بھیجا تھا۔

سلاہ واقعی نے لکھا ہے کہ عمر دین العاص نے عمارہ سے کہا تھا کہ میں تو اس وقت تک تمہاری باتوں پر یقین نہیں کر سکتا جب تک تم مجھے نجاشی کے روک پڑے نہ لادو۔ چنانچہ عمارہ نے اسے نجاشی کے دو کپڑے لاد دیے۔ وہ کپڑے عمر دین العاص نے جھٹ نجاشی کے سامنے پیش کر دیئے (افغانی جلد ۵ صفحہ ۵۰)

نے کہا " واقعی تم سچ کہتے تھے۔ تم نے ایسی چیز حاصل کی ہے جو آج تک کوئی عرب حاصل نہ کر سکا۔ بادشاہ کی بیوی سے اس طرح تعلق قائم کیا ہے کہ ہمارے ذہن اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

اب انتقام لینے کا وقت آ پہنچا تھا۔ عمرو بن العاص اسی وقت نجاشی کے پاس گئے اہل مکہ کے جہاں پہلے میرا چچا زاد بھائی انتہائی بے وقوف انسان ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ اپنے ساتھ مجھے بھی کسی مصیبت میں مبتلا نہ کرے۔ میں اس کی کڑوت آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔ وہ آپ کی کسی بیوی کے پاس گیا اور وہاں سے تیل کی یہ شیشی لاکر مجھے دی ہے۔ یہ من کر نجاشی نے تیل کو مہنگا اور کہنے لگا تم سچ کہتے ہو یہ میرے استقلال کرنے کا تیل ہے اور میری بیویوں کے علاوہ اور کہیں سے نہیں مل سکتا۔ یہ کہہ کر نجاشی نے عمارہ کو اپنے دربار میں طلب کیا اور ایک جادوگر کو بھی بلایا۔ جادوگر نے کچھ منتر پڑھ کر عمارہ پر پھونکے۔ جس کے باعث اس کے ہوش و حواس بالکل زائل ہو گئے اور وہ پہاڑوں اور بیابانوں کی طرف نکل گیا۔ اسی حالت میں پہاڑوں اور درختوں سے ٹکرا کر کچھ دنوں میں مر گیا۔

۴۔ سفر مصر | سیوطی نے اپنی کتاب حن المحاضر فی تاریخ مصر والقاهرہ (جلد ۲ صفحہ ۴۱) پر عمرو بن العاص کے سفر مصر کا حال بڑے افسانوی طریقے سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :-
" ایک مرتبہ عمرو بن العاص قریش کے چند لوگوں کے ہمراہ تجارت کے لیے بیت المقدس گئے۔ ایک روز وہ وہاں کے پہاڑوں میں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے (اس زمانے میں دستور تھا کہ سفر میں باری باری ایک آدمی سارے قافلے کے اونٹ چرایا کرتا تھا)

۵۔ بعض روایات میں ہے کہ عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا میرا یہ ساتھی عورتوں کا بے حد دلدادہ ہے اور اس کی نظر آپ کے اہل خانہ پر ہے وہ اس وقت بھی وہیں بیٹھا ہوا ہوگا۔ نجاشی نے ایک آدمی کو بھیجا تو واقعی عمارہ نجاشی کی بیوی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ وہ شخص اسے نجاشی کے دربار میں لے آیا۔ نجاشی نے اس سے کہا " اگر میرا مہمان نہ ہوتا تو میں اسے قتل کرا دیتا۔ تاہم میں اس کے ساتھ وہ سلوک کروں گا جو قتل سے بھی بدتر ہوگا۔"

۶۔ اس واقعے سے دو باتوں کا علم ہوتا ہے اول عمرو بن العاص کی بے نظیر دانائی اور فہم و فراست کا جس سے کام لے کر انہوں نے اپنی بیوی پر بری نظر کھنے والے شخص کا خاتمہ کرا دیا۔ دوم اس تعلق کا جو عمرو بن العاص کو نجاشی سے تھا۔ عمرو بن العاص نجاشی سے جو بات بھی کہتے تھے خواہ وہ اس کے اہل خانہ کے متعلق ہی کیوں نہ ہوتی تھی وہ اسے بہت غور سے سنتا تھا۔ نجاشی عمرو بن العاص کو دوست کہہ کر پکارتا تھا۔ حتیٰ کہ عمرو بن العاص کی اسلام کی طرف رہنمائی بھی نجاشی ہی نے کی تھی۔

کہ ادر سے ایک آدمی گزرا جس کا نام شماس تھا۔ اس دن شدید گرمی تھی۔ شماس کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی۔
 عمرو بن العاص نے اسے اپنے مشکیزے سے پانی پلایا۔ سیر ہو کر پانی پینے کے بعد وہ وہیں لیٹ کر سو گیا۔
 اس کے قریب ہی ایک گڑھا تھا۔ وہاں سے ایک بہت بڑا سانپ نکلا۔ عمرو بن العاص نے اسے دیکھ
 لیا۔ انہوں نے کہا میں تیر جوڑا اور شست باندھ کر سانپ کی طرف چلا دیا۔ نشانہ ٹھیک بیٹھا اور سانپ
 کا سر اڑ گیا۔ جب شماس بیدار ہوا اور اسے اس واقعہ کا پتہ چلا تو اس نے عمرو بن العاص کے سر
 کو بوسہ دیا اور کہا "آپ نے مجھے دو بار رحمت کے منہ سے بچا یا ہے۔ ایک بار شدید پیاس سے
 اور ایک مرتبہ اس موزی سانپ کے ڈسنے سے۔ میں آپ کے اس احسان کا بدلہ کسی طرح ادا نہیں
 کر سکتا" پھر اس نے آپ سے پوچھا آپ کے نزدیک آپ کو اس سفر میں کتنا منافع ہوگا؟ انہوں
 نے جواب دیا۔ جو مال میرے پاس ہے اسے فروخت کرنے سے مجھے ملتا مناسب ہونے کی امید
 ہے۔" اس نے پھر پوچھا "آپ کے ہاں مقتولین کا خون نہا کتنا دیا جاتا ہے؟" انہوں نے جواب
 دیا "سو اونٹ" شماس نے کہا "ہمارے ہاں اونٹوں کا نہیں بلکہ سگے کا رواج ہے۔ اس حساب
 سے بتائیے" انہوں نے جواب دیا "نقدی کے حساب سے خونہا ایک ہزار دینار کا ہوتا ہے"
 شماس نے کہا میں اس علاقے میں اجنبی ہوں۔ میں نے غلامی تھی کہ بیت المقدس میں آکر عبادت
 کر دوں گا اور ان پہاڑوں میں ایک ماہ تک گشت کر دوں گا۔ میں اس منت کو پورا کرنے کے لیے
 یہاں آیا تھا۔ اب میں اپنے شہر واپس جانے والا ہوں۔ آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔ میں خدا کی
 قسم کھاتا ہوں کہ وہاں چل کر آپ کو خون بہا اور دوں گا۔ کیونکہ خدا نے مجھے آپ کے ذریعے سے دو
 مرتبہ زندہ کیا ہے۔" عمرو بن العاص نے پوچھا تم کس شہر کے رہنے والے ہو؟" اس نے جواب دیا "میں
 اسکندریہ کا رہنے والا ہوں جو مصر کا مشہور شہر ہے" عمرو بن العاص نے کہا "میں آج تک نہ تو کبھی ہاں گیا
 ہوں اور نہ کبھی اس شہر کا نام سنا ہے" شماس نے کہا آپ وہاں چلیے، مجھے یقین ہے کہ آپ نے آج
 تک اس جعبہ اور کوئی شہر نہ دیکھا ہوگا" عمرو بن العاص نے کہا اگر تم مجھے یقین دلاؤ کہ تم نے جو وعدہ کیا ہے
 اسے پورا کر دے گا تو میں تمہارے ساتھ چلتے ہو۔ مسئلہ پر غور کر سکتا ہوں۔ شماس نے کہا میں عہد کرتا ہوں
 کہ میں نے آپ سے جو کچھ کہا ہے اسے ہر حال میں پورا کر دوں گا۔ عمرو بن العاص نے پوچھا "مجھے آنے جانے
 میں کتنا عرصہ لگے گا؟" شماس نے کہا دس دن جانے میں لگیں گے۔ دس دن تک آپ کا اسکندریہ
 میں قیام ہوگا۔ اور دس دن واپسی میں صرف ہوں گے۔ میں یہاں سے آپ کو بحفاظت لے جاؤں گا
 اور واپسی پر بھی آپ کو آپ کے ساتھیوں کے پاس بحفاظت پہنچانے کا انتظام کر دوں گا؟ عمرو بن العاص

نے کہا اچھا تھوڑی سی مہلت دو۔ میں ساتھیوں سے مشورہ کر لوں۔ چنانچہ وہ ساتھیوں کے پاس گئے اور انہیں سارا ماجرا کہہ سنایا اور کہا کہ وہ ان کی واپسی تک ان کا انتظار کریں اور اپنے میں سے ایک شخص کو ان کے ساتھ کر دیں تو جو مال انہیں شماس سے ملے گا اس میں سے آدھا وہ ان میں بانٹ دیں گے۔ ان کے ساتھی مان گئے اور عمرو بن العاص ان میں سے ایک آدمی کو ہمراہ لے کر شماس کے ساتھ مصر روانہ ہو گئے۔ جب اسکندریہ پہنچے تو وہ شہر کی شاندار اور بلند دیوالا عمارات دہاں کی خوبصورتی، رونق اور مال و دولت کی فراوانی دیکھ کر بہت متحیر ہوئے اور کہا میں نے اب تک ایسا عظیم نشان شہر نہیں دیکھا تھا۔

اتفاق یہ ہوا کہ جس دن عمرو بن العاص اسکندریہ پہنچے اس روز باشندگان شہر کوئی جشن منا رہے تھے جس میں شہر کے حکام اور رؤسا بھی شریک تھے۔ تمام لوگ ایک میدان میں جمع تھے۔ ان کے پاس سونے کی ایک چمکیلی گیند تھی جسے وہ ہوا میں اچھالتے تھے اور تمام لوگ آستینیں پھیلائے منتظر ہوتے تھے کہ کس شخص کی آستین میں وہ گیند گرتی ہے۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ وہ گیند جس شخص کی آستین میں گرے گی وہ اس وقت تک زمرے کا حبيب تک اسے اس شہر کی بادشاہی نہ مل جائے۔ اسکندریہ پہنچنے پر شماس نے عمرو بن العاص کو دیباچ کا لباس پہنایا اور نہایت تعظیم و تکریم سے اس جگہ لا کر کھڑا کر دیا۔ سونے کی گیند اچھالی جا رہی تھی۔ جب گیند اچھالی گئی تو وہ عمرو بن العاص کی آستین میں آگری لوگوں نے بڑے تعجب سے عمرو بن العاص کو دیکھا اور کہا کہ اس گیند نے اس مرتبہ کے سوا اور کبھی ہمیں دھوکا نہیں دیا۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ یہ بدد ہمارا حاکم بن جائے؟ نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا اس کے بعد شماس نے شہر والوں کے پاس جانا شروع کیا اور انہیں بتایا کہ کس طرح عمرو بن العاص نے دو مرتبہ اس کی جان بچائی اور اس کے صلے میں اس نے انہیں دو ہزار دینار دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اس لیے وہ یہ رقم جمع کر دیں۔ شہر والوں نے بڑی خوشی سے دو ہزار دینار کی رقم جمع کر کے عمرو بن العاص کے حوالے کر دی۔ جب ان کی واپسی کا وقت آیا تو شماس نے بڑے اعزاز و اکرام سے انہیں رخصت کیا اور دو آدمیوں کو بطور رہنما ان کے ساتھ کر دیا۔ اس طرح انہیں مصر کے راستوں سے بخوبی آگاہی ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مصر زر خیزی اور دولت و ثروت کے لحاظ سے ارد گرد کے تمام علاقوں پر فضیلت رکھتا ہے۔ جب وہ واپس اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچے تو وعدے کے مطابق ایک ہزار دینار ان میں تقسیم کر دیے اور ایک ہزار دینار خود رکھ کر کہا "یہ بھلا مال ہے جو میں نے جمع کیا ہے۔"

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن نے اپنی کتاب "تاریخ عمرو بن العاص" میں سیوطی کے بیان کردہ اس قصہ کو من گھڑت اور ناقابل اعتبار بتایا ہے اور اپنی تائید میں مندرجہ ذیل دلائل دیئے ہیں:-
۱۔ کنذی نے لکھا ہے کہ عمرو بن العاص نے اداسی عمر میں اسکندریہ دیکھا تھا اور وہ وہاں کے راستوں اور شہروں سے خوب اچھی طرح واقف تھے کیونکہ وہ جاہلیت میں بسلسلہ تجارت کنی دفتہ مصر جا چکے تھے۔

۲۔ سونے کی گیند اچھا کر بادشاہ بنانے کا قصہ بالکل فرضی ہے کیونکہ تاریخ سے ہمیں کسی ایسے بادشاہ اور حاکم کا پتہ نہیں چلتا جو سیوطی کی بیان کردہ رہایت کے مطابق سونے کی گیند کے باعث مصر کا بادشاہ بنا ہو۔

۳۔ مصر کے حاکم براہ راست شہنشاہ روم کی جانب سے مقرر کیے جاتے تھے اور صرف وہی شخص حاکم بنایا جاتا تھا جو اسکندریہ کا باشندہ ہو اور اسے رومی شہریت کے حقوق حاصل ہوں

۴۔ شماس کی زبان یونانی یا قبطی تھی اور عمرو بن العاص اسے سمجھنے سے بالکل قاصر تھے۔ دوسری طرف شماس عربی سے بالکل نا بلد تھا اور دونوں کے درمیان بات چیت کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔

۵۔ سیوطی کے بیان کے مطابق شماس کو اسکندریہ والوں سے مانگ کر دو ہزار دینار کی رقم جمع کرنی پڑی۔ جب یہ رقم اس کے پاس تھی ہی نہیں تو اس نے عمرو بن العاص سے اس کے دینے کا حتمی وعدہ کس بنیاد پر کیا تھا؟

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن کی طرح عباس محمود العقاد نے بھی اپنی کتاب "ابن العاص" میں اس حلقہ کا انکار کیا ہے اور اسے من گھڑت اور ناقابل یقین بتایا ہے۔

عمرو بن العاص اور اسلام | اس دوران میں جبکہ اہل عرب معمول کے مطابق پر سکون زندگی بسر کر رہے تھے یکایک کر میں ایک غلغلہ برپا ہوا اور محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی صدا بلند کر کے تمام عرب میں ایک ہی جان برپا کر دیا آپ نے اعلان کیا کہ خدا نے ابنائے دنیا کو ہدایت دینے اور انہیں گناہوں اور ضلالت کی تاریکی سے نکال کر ان کے دلوں کو نور ایمان سے معمور کرنے کی خاطر مجھے مبعوث فرمایا ہے لہذا مجھ پر ایمان لاؤ اور تمہاری عبادت کو چھوڑ کر خدا کے واحد لاشریک کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤ۔

اہل مکہ نے اس دعوت کو بڑی تشویش کی نظر سے دیکھا کیونکہ اسی تحریک کی کامیابی کا مطلب یہ تھا کہ ان کے صدیوں پرانے رسوم و رواج اور آبائی عقائد پر مکمل تباہی آجائے۔ اس لئے وہ بڑے جوش و خروش

سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے تہیہ کر لیا کہ اس نئے دین کو مکہ میں ہرگز پھیلنے پھولنے نہ دیں گے۔ اسلام کے شدید ترین معاندین میں عمر بن العاص کے والد اور بنو ہاشم کے سردار عاص بن ذائل کا نام سرفہرست ہے۔

اپنے باپ کے ساتھ عمر بن العاص نے بھی اسلام کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھانا رکھی ظہور اسلام کے وقت ان کی عمر چونتیس سال کی تھی۔ انہوں نے صرف یہ کہ دیگر مشرکین مکہ کے ساتھ مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو ایذا میں پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ بلکہ وہ اس مشورہ میں بھی شریک تھے جس کے نتیجے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانان مکہ کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا اور جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ناقابل برداشت صحاب کا سامنا کرنا پڑا۔ اس اجتماع کی کسی قدر تفصیل درج ذیل ہے۔

جب اہل مکہ کی شدید مخالفت کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ حق کے فریضے سے باز نہ آئے اور آپ کے تابعین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا تو قریش کو بڑی تشویش لاحق ہوئی اور انہوں نے اہل بیت میں جو کفار کے ہاں ایک مجلس مشاورت منعقد کی جس میں یہ قرار پایا کہ محمد کو قتل کر دیا جائے۔ انہوں نے بنو ہاشم سے جو اس مجلس میں موجود تھے کہا کہ محمد نے ہمارے مرد مل اور ہادی عوفیل میں فساد ڈال دیا ہے لہذا مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے تاکہ یہ عداوت ختم ہو۔ تم ہم سے اس کے بدلے کوئی گناہ نہ لے لو اور ہمیں اسے قتل کرنے دو تاکہ ہم اس مصیبت سے نجات پا سکیں اور تم بھی آرام اور چین سے بیٹھ سکو۔ لیکن بنو ہاشم نے یہ تجویز قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر قریش نے غضبناک ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کا بائیکاٹ کر دیا جائے اور انہیں مکہ سے باہر نکال کر شعب ابی طالب میں محصور کر دیا جائے۔ مکہ کا کوئی قبیلہ ان سے کسی قسم کا علاقہ نہ رکھے۔ نہ ان سے صلح کی جائے اور نہ کسی قسم کی نرمی کا سلوک کیا جائے۔ جب تک وہ محمد کو قتل کرنے کے لیے ان کے حوالے نہ کر دیں۔ چنانچہ اس شخص پر مشتمل ایک دستاویز لکھی گئی اور اسے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔ اس پر بنو ہاشم اور بنو مطلب کو با مجبور ہی مکہ سے نکل کر شعب ابی طالب

۱۔ سیرۃ الحلیبیہ میں لکھا ہے کہ دستاویز میں یہ عبارت مندرج تھی: ”بنو ہاشم کو روکیاں دو اور نہ ان کی کوئی لڑکی۔ نہ ان

کے ہاتھ کوئی چیز نہ رخت کر داور نہ ان سے کوئی چیز خریدو۔ اور ان سے کسی قسم کی صلح مت کرو۔“

۲۔ معاہدہ کو خانہ کعبہ میں اس غرض سے لٹکا دیا گیا تاکہ قریش کے تمام قبائل سمجھ سکیں کہ اس پر کاربند رہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

میں محصوری کی زندگی گزارنی پڑی۔ صرف ابولہب ایسا شخص تھا جس نے قریش کے مقابلے میں اپنے خاندان کا ساتھ نہ دیا۔ یہ واقعہ محرم سنہ نبوی کا ہے۔

صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ اس محاصرہ کے باعث بنو ہاشم کی حالت اس قدر خراب ہو گئی کہ انہیں درختوں کے پتے چبانے پر مجبور ہونا پڑا۔ سہیلی نے لکھا ہے کہ جب مکہ میں کوئی قافلہ آتا تو شعب ابی طالب کے محصورین میں سے کوئی شخص بازار میں آکر سامان خود و دوزش خریدنا چاہتا۔ لیکن ابولہب کھڑا ہو جاتا اور کہتا:-

”اے گروہ تجارت! محمد کے ساتھیوں کو اپنی چیزوں کی اتنی گراں قیمت بتاؤ کہ وہ کسی طرح بھی انہیں خریدنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ اس طرح تمہارا جس قدر نقصان ہو گا وہ میں پورا کر دوں گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں کس قدر مال دار ہوں اور یہ بھی پتہ ہے کہ میں وعدے کا کس قدر پاس کرتا ہوں چنانچہ ابولہب کے یہاں پر تاجرا اپنے مال کی قیمت کئی گنا بڑھا دیتے اور شعب ابی طالب سے آنے والے کس و بے بس شخص حسرت و یاس کے ساتھ اپنے بھوک سے پلکتے ہوئے بچوں کے پاس خالی ہاتھ چلا جاتا۔ اگلے روز تجارت ابولہب کے پاس جاتے اور وہ معقول منافع دے کر ان کا مال خرید لیتا۔“

جب مسلمانوں پر قریش مکہ کے مظالم ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ حبشہ ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ تعمیل ارشاد میں تراسی مردوں اور اٹھارہ عورتوں کا قافلہ مکہ سے بجانب حبشہ روانہ ہو گیا۔ مردوں میں سے جعفر بن ابی طالب، مقداد بن الاسود، عبید اللہ بن مسعود اور عبید اللہ بن جحش کے نام قابل ذکر ہیں۔

بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ ابو موسیٰ اشعرمی بھی اس قافلہ میں شامل تھے۔ لیکن بعض روایات میں آتا ہے کہ وہ پچاس آدمیوں کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی غرض سے یمن سے کشتی میں سوار ہو گئے۔ لیکن طوفان نے انہیں عرب کی سرزمین پر اتارنے کی بجائے حبشہ کی سرزمین پر لا ڈالا۔ اس طرح وہ بھی ان مہاجرین کے ساتھ مل گئے جو مکہ سے حبشہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۷: بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ دستاویز ابوجہل کی خالہ کے پاس تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اسے خلاد کے میں لٹکانے سے قبل اس کے پاس رکھوایا گیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی کئی نقیص کی گئی ہوں اور ایک نقل ابوجہل کی خالہ کے پاس بھی ہو۔

آئے تھے۔ عورتوں میں سے جنہوں نے ہجرت کی ان میں سے بنت عیینہ زوجہ جعفر بن ابی طالب اور ام حبیبہ بنت ابی سفیان زوجہ عبید اللہ بن جحش کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان مہاجرین کی واپسی فتح خیبر کے موقع پر ہوئی۔

مہاجرین کے اس پہلے گروہ کی حبشہ میں خوب پذیرائی ہوئی اور یہ لوگ نجاشی کے زیر سایہ آرام اور اطمینان کی زندگی گزارنے لگے۔ جب مشرکین کو معلوم ہوا کہ مسلمان مہاجرین حبشہ میں پُر امن زندگی بسر کر رہے ہیں اور بلا خوف و خطر خدا سے واحد کی پرستش کر رہے ہیں تو انہیں بڑا خطرہ محسوس ہوا۔ انہیں خیال پیدا ہوا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دیگر متبعین کو اپنے صحابیوں کی پُر آسائش زندگی کا حال معلوم ہو گا تو وہ بھی بھاگ کر حبشہ چلے جائیں گے اور وہاں آہستہ آہستہ اپنی طاقت بڑھا کر مکہ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کریں گے۔

اس واقعہ سے مشرکین کو کاغیظ و غضب اس حد تک بڑھ گیا کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اُتھو کے لیے مسلمانوں پر حبشہ کا راستہ مسدود کرنے کی کوشش کی بلکہ جو لوگ ہجرت کر کے وہاں پہنچ چکے تھے انہیں واپس لانے کی تدابیر بھی شروع کر دیں۔

مسلمانوں کو حبشہ سے واپس لانا اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک نجاشی انہیں اپنے ملک سے نکالنے پر آمادہ نہ ہو جاتا۔ نجاشی کو اپنے دھب پر لانے کے لیے ایک ایسے آدمی کی ضرورت تھی جس کا عقلمندی، دور اندیشی اور حسن تدبیر میں جواب نہ ہو۔ اس غرض کے لیے اُن کو عمرو بن العاص سے بہتر آدمی ملنا مشکل تھا۔ چنانچہ اس اہم کام کی بجائے انہی کے سپرد کی گئی۔ عمرو بن العاص نے رماگی سے قبل چند قیمتی تحفے فراہم کیے۔ جن میں سے بعض نجاشی کے لیے تھے اور بعض اس کے وزیروں

سے بعض لوگوں کے دلائل میں یہ سلاسل پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کا کہیں حکم دیا اور اس غرض کے لیے دوسرے عرب علاقوں مثلاً جبرہ، عساق اور یمن پر آپ کی نظر انتخاب کھل نہ پڑی۔ مؤرخین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ عرب اور حبشہ کے درمیان پہلے سے تجارتی تعلقات قائم تھے اور اہل حبشہ عربوں سے خوب واقف تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ حبشہ آزاد و مختار کسی ملک تھا جبکہ جبرہ اور یمن کے کسی مجوسی اللہ مذہب ایرانیوں اور عساقی مسیحی رومی سلطنت کے ماتحت تھے۔ اور یہ لوگ بطور خود کسی ایسے مذہب کی حمایت کرنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے جو ان کے آقاؤں کے دین کے مخالف اور منافی تھا۔

(کتاب الحیاء العربیہ میں الشرا الحجابی)

اور حاشیہ نشینوں کے لیے۔ ذریعوں اور حاشیہ نشینوں کو تحفے دینے سے غرض یہ تھی تا وہ بادشاہ کے سامنے ان کے مطالبے کی حمایت کریں۔

حبشہ پہنچنے پر عمرو بن العاص نے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی اور اجازت ملنے پر اندر داخل ہوئے۔ سب سے پہلے اسے سجدہ کیا اور پھر وہ تحفے پیش کیے جو وہ مکہ سے لائے تھے۔ نجاشی نے تحفے قبول کر لیے اور حبشہ آنے کی غرض و غایت دریافت کی۔ عمرو بن العاص نے کہا ”مجھے میری قوم نے آپ کی طرف بھیجا ہے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ آپ عادل بادشاہ ہیں اور کوئی ظالم آپ کے علاقے میں نہیں رہ سکتا۔ اس کے بعد نجاشی اور عمرو بن العاص کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ درج ذیل ہے:-

نجاشی: عمرو بن العاص تم سچ کہتے ہو میرے ملک میں کوئی مجرم اور ظالم نہیں رہ سکتا..... کیا کسی نے تم پر زیادتی کی ہے؟

عمرو بن العاص: جہاں پناہ! آپ کا خیال درست ہے۔

نجاشی: مجھے تو یقین نہیں کہ کسی نے تم پر ظلم کیا ہو۔ کیونکہ اہل حبشہ غیر ملکبوں کا احترام کرتے ہیں اور کسی پر ظلم اور زیادتی نہیں کرتے۔

عمرو بن العاص: جہاں پناہ! وہ لوگ اہل حبشہ میں سے نہیں ہیں

نجاشی: جب وہ لوگ اہل حبشہ میں سے نہیں ہیں تو میں ان کے متعلق کیا کر سکتا ہوں

عمرو بن العاص: جہاں پناہ! وہ ظالم اور مجرم لوگ آپ کے علاقے میں موجود ہیں۔

نجاشی: میرے علاقے میں؟ مجھے ہرگز یقین نہیں ہے کہ میرے علاقے میں کوئی ظالم موجود ہوگا۔ ہم ظالموں کو اپنے ہاں ہٹنے ہی نہیں دیتے۔ آخر تم نے کیسے گمان کر لیا کہ سرزمین حبشہ میں ظالم لوگ بھی رہتے ہیں؟ اگر ہیں تو وہ کس جگہ ہیں؟

عمرو بن العاص: جہاں پناہ! وہ لوگ حبشی نہیں ہیں بلکہ عرب ہیں۔

نجاشی: عرب؟

عمرو بن العاص: جی ہاں جہاں پناہ! وہ ہمارے رشتے دار ہیں اور ہم سے اور ہمارے معبودوں سے برگشتہ ہو کر آپ کے ہاں آ گئے ہیں۔ انہوں نے آپ کا دین بھی قبول نہیں کیا بلکہ خود ہی ایک نیا دین گھڑ لیا ہے۔ قریش نے آپ کے پاس اپنے سرزمین آدمی اس غرض سے بھیجے ہیں کہ آپ انہیں واپس کر دیں۔
نجاشی: مگر وہ ہیں کہاں؟

عمرو بن العاص: وہ اس شہر میں موجود ہیں۔ چونکہ انہیں یہاں امن اور اطمینان نصیب ہو گیا ہے اس لیے وہ یہیں مقیم ہو گئے ہیں۔ اب ان کے دوسرے بھائی بند بھی ان کے پاس پہنچنے کی فکر میں ہیں۔ نجاشی: خدا کا شکر ہے کہ میرا ملک مظلوموں کے لیے کموں اور خوف زدہ لوگوں کی پناہ گاہ ہے۔ عمرو بن العاص: حضور! وہ مظلوم نہیں بلکہ ظالم ہیں۔

نجاشی: عمرو بن العاص! میں تو تمہیں بڑا عقلمند سمجھتا تھا۔ بھلا کبھی ظالم بھی اس طرح خوف کے مارے بھاگا بھاگا پھرا کرتا ہے؟

اس موقع پر بادشاہ کے درباریوں اور امراء و وزراء نے مداخلت کی اور نجاشی سے عرض کی جہاں پناہ! مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دیجئے۔ کیونکہ ان کے حالات سے یہ اچھی طرح واقف ہیں۔

بادشاہ نے کہا: یہ کبھی نہیں ہو گا۔ جب تک مجھے بطور خود ان کے حالات کا اچھی طرح علم نہیں ہو جائے گا۔ اس وقت تک میں کبھی انہیں ان لوگوں کے حوالے نہ کر دوں گا۔

عمرو بن العاص نے کہا: وہ نہ بادشاہ کو مسجدہ کرتے ہیں اور نہ اس کے آگے کو رنش بجاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے مذہب نے انہیں اس بات کی ممانعت کی ہوئی ہے اور ان کا مذہب آپ کے مذہب سے اور ان کے طریقے آپ کے طریقوں سے بالکل مختلف ہیں۔

نجاشی نے عمرو بن العاص کی باتوں پر کان نہ دھرا اور ایک آدمی کو مسلمانوں کے بلانے کے لیے بھیجا۔ نجاشی کے دربار میں حاضر ہونے سے پہلے مسلمانوں نے باہم تصفیہ کر لیا تھا کہ ان کی طرف سے جعفر بن ابی طالب نجاشی سے گفتگو کریں گے۔

دریں اثنا نجاشی نے اپنے اسقف اعظم اور دوسرے پادریوں کو بھی دربار میں بلالیا تھا اور وہ اپنی کتابیں کھول کر نجاشی کے گرد بیٹھ گئے تھے۔

جب جعفر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پہنچے تو انہوں نے پکار کر کہا: جعفر دروازہ پر موجود ہے اور وہ دربار میں حاضر ہونے کا طلب گار ہے اس کے ساتھ حزب اللہ (خدا کی جماعت) بھی ہے۔

۱۔ جب نجاشی کا تادم مسلمانوں کے پاس آیا تو دربار میں جانے سے پہلے سب مسلمان ایک جگہ جمع ہوئے اور مشورہ کرنے لگے کہ نجاشی سے کیا بات چیت کی جائے۔ جعفر نے کہا: تم صبح کی طرف سے میں بات کروں گا اور اس سے وہی باتیں کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائی ہیں اور جن کا میں حکم دیا ہے۔

نجاشی نے جواب دیا: "ہاں! آپ سب لوگ بے شک اللہ کی امان اور اس کی ذمہ داری کے ساتھ دربار میں آجائیں؟
چنانچہ جعفرؓ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دربار میں داخل ہو گئے۔ جب نجاشی کے سامنے پہنچے تو جعفرؓ نے اسے سلام کیا۔

یہ ماجرا دیکھ کر عمرو بن العاص نے اپنے ساتھی سے کہا: "تم نے دیکھا کہ کس طرح جعفرؓ نے اپنے ساتھیوں کو حزب اللہ قرار دیا اور نجاشی نے اس کو کس قدر نرمی کے ساتھ جواب دیا؟ اس کے بعد وہ نجاشی کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے: "جہاں پناہ! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ لوگ کس قدر متکبر اور مغرور ہیں۔ انہوں نے کدیش بجالانا بھی پسند نہیں کیا۔" نجاشی نے جعفرؓ سے پوچھا: "تم نے مجھے سجدہ کیوں نہیں کیا اور اس طرح مجھے سلام کیوں نہیں کیا جس طرح عام طور پر کیا جاتا ہے؟" جعفرؓ نے جواب دیا: "ہم مسلمان لوگ اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔" نجاشی نے پوچھا: "کیوں؟" جعفرؓ نے جواب دیا: "کیونکہ اللہ ہی نے ہم میں اپنا ایک رسول بھیجا ہے جس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اللہ کے سوا اور کسی کو سجدہ نہ کریں۔ اسی طرح اس نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ جب جنتی آپس میں ملیں گے تو السلام علیکم کہہ کر ایک دوسرے سے خطاب کریں گے۔ ہم نے بھی آپ کو مخاطب کرتے ہوئے یہی الفاظ استعمال کیے۔ اس رسولؐ نے ہمیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم بھی دیا ہے۔

اس سوال و جواب کے بعد عمرو بن العاص نجاشی سے مخاطب ہو کر کہنے لگے:۔

۱۰ اس موقع پر عمرو بن العاص کا ساتھی عمارہ بن ولید تھا۔ اس کی تائید جعفرؓ نے ابی طالب کی اس رعایت سے بھی ہوتی ہے جو ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ یا مرقاہ ذکر ہے کہ عمارہ بن ولید دہی زجوان تھا جسے قریش نے ابی طالب کی خدمت میں پیش کر کے کہا تھا کہ یہ کم کا سب سے حسین اور خوبو زجوان ہے تم اسے اپنے پاس رکھ لو اور محمد کو قتل کرنے کے لیے ہمارے حوالے کر دو۔ اس پر ابی طالب نے جواب دیا کہ یہ عجیب بات ہے کہ غیر کے بچے کو لے کر پردہ کش کر دوں اور اپنا بچہ پردہ کش کرنے کے لیے تمہارے حوالے کر دوں۔ خدا کی قسم ایسا کبھی نہ ہو گا۔

۱۱ السیرۃ العلیہ جلد اول میں لکھا ہے کہ جعفر کا مطلب نانائے صرقت دور کتبیں صبح اور دو رکعتیں شام پڑھتا تھا۔ موجودہ صورت میں نانائے صرقت نہ ہوتی تھی۔ اسی طرح زکوٰۃ سے ان کا مطلب پاکیزگی تھا۔ کیونکہ زکوٰۃ سترہ میں دینے میں فرض ہوتی ہے۔

جہاں پناہ: ابن مریم کے بارے میں یہ لوگ آپ کی مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسیح خدا کے بیٹے نہیں تھے؟

نجاشی نے جعفرؓ سے پوچھا تم لوگ ابن مریم اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟
جعفرؓ نے جواب دیا ہم کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی روح اور اس کا کلمہ تھے جسے اس نے پاک و امن مریم پر نازل کیا تھا؟

نجاشی نے یہ سن کر اپنے ارد گرد بیٹھنے والے پادریوں اور ماہوں سے پوچھا:-
”میں تمہیں اس اللہ کی قسم دے کر جس نے عیسیٰ پر انجیل نازل کی ہے پوچھتا ہوں کہ کیا تمہاری کتابوں میں حضرت عیسیٰ اور قیامت کے درمیان کسی نبی کے آنے کا ذکر ہے؟
انہوں نے جواب دیا جہاں پناہ! یقیناً ہے۔ حضرت عیسیٰ نے ہمیں اس رسولؐ کے آنے کی خوشخبری دی ہے اور فرمایا ہے کہ جو شخص اس پر ایمان لایا دراصل محمدؐ پر ایمان لایا اور جس نے اس کا انکار کیا اس نے دراصل میرا انکار کیا۔

نجاشی نے کہا: ”اگر میں بادشاہ نہ ہوتا اور حکومت کی ذمہ داریاں میرے سر پر نہ ہوتیں تو میں یقیناً اس شخص کے پاس جاتا اور اس کی جو تیاں اٹھا کر اپنے سر پر رکھنے میں فخر محسوس کرتا۔
اس کے بعد وہ مسلمانوں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا تم حبشہ میں جہاں جا ہو رہو۔ تمہیں پوری طرح امن حاصل ہو گا۔“

اپنے اہل کاروں کو اس نے حکم دیا کہ ان مسلمانوں کے کھانے پینے اور آرام و آسائش کا پورا خیال رکھا جائے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر کسی شخص نے ان لوگوں کو کسی قسم کی تکلیف پہنچائی تو وہ میری نافرمانی کے جرم کا مرتکب ہو گا۔

اس کے بعد اس نے عمرو بن اعلاص کے دینے ہوئے تحفے منگوائے اور انہیں واپس کرتے ہوئے کہا:-
”مجھے سونے کا گھر بنانے کی خواہش نہیں ہے۔ ان لوگوں کے ہدیے واپس کر دو۔ کیونکہ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کی قسم! جب اللہ نے مجھے میرا ملک واپس کرتے ہوئے مجھ سے رشوت نہیں لی تو میں رشوت کیوں لوں؟“

۱۔ حضرت عائشہؓ نے نجاشی کے اس قول کی تشریح اس طرح فرمائی ہے:-

نجاشی کا باپ حبشہ کا بادشاہ تھا۔ لوگوں نے قنات کے اسے قتل کر ڈالا اور اس کی عیال کے بھائی یعنی نجاشی کے (باقی اگلے صفحہ پر)

اسی طرح جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کو باضابطہ طور پر سرزمین حبشہ میں امن وامان اور سکون و اطمینان سے رہنے کی اجازت مل گئی۔

ذیل میں ہم حضرت جعفرؓ کی زبانی جعفرؓ، عمرو بن العاص اور نجاشی کی ملاقات کا حال بیان کرتے ہیں۔
جب ہم مکہ سے سرزمین حبشہ میں وارد ہوئے تو وہاں ہمارا واسطہ نیک لوگوں سے پڑا جنہوں نے ہمیں اپنی دینی عبادت بجالانے کی پوری آزادی دے دی اور ہمیں ہر طرح کا امن حاصل ہو گیا۔ نہ کوئی ہمیں تکلیف دیتا تھا اور نہ کوئی ایسی بات ہمارے سامنے کتنا تھا جو ہمیں بُری لگے۔ جب قریش کو یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ حبشہ سے مسلمانوں کو واپس لانے کے لیے دو ہوشیار اور چالاک آدمیوں کو بھیجا جائے جو نجاشی کو اپنے دُعا سے پھیلانے کے لیے عمدہ عمدہ تحفے بھی مکہ سے اپنے ساتھ لے جائیں۔ اس زمانہ میں سب سے عمدہ تحفہ حمرا خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے بہت سا حمرا اکٹھا کیا اور وہاں کے پادریوں کے لیے بھی عمدہ عمدہ تحفے اکٹھے کیے اور عمرو بن العاص اور عمار بن ولید کو ان تحفوں کے ہمراہ حبشہ بھیجا دیا۔ یہ دونوں حبشہ پہنچنے پر سب سے پہلے وہاں کے پادریوں اور مسکونوں سے ملے اور ان کی خدمت میں تحفے پیش کر کے درخواست کی کہ جب ہم بادشاہ سے مسلمانوں

بقیہ حاشیہ ص ۶۳ :- چچا کو تخت پر بٹھا دیا۔ نجاشی کے چچا کے بارہ لڑکے تھے لیکن ان میں سے کوئی حکومت اور سلطنت کی لیاقت نہ رکھتا تھا۔ جب اہل حبشہ کو نجاشی کی شرافت اور لیاقت کا علم ہوا تو انہیں حدشہ ہوا کہ اگر کہیں یہ اپنے چچا کے بعد حکومت پر قابض ہو گیا تو ہم سب کو اپنے والد کا انتقام لینے کی غرض سے قتل کر ڈالے گا۔ چنانچہ انہوں نے اس کے چچا سے اس کے قتل کرنے کے لیے کہا لیکن اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تاہم اسے شاہی محل سے نکل کر کسی کے ہاتھ بطور غلام بیچ ڈالا۔ ایک رات کو اس کے چچا پر بجلی گری اور وہ مر گیا۔ اب حبشہ میں نجاشی کے سوا کوئی شخص ایسا نہ تھا جو حکومت سنبھالنے کا اہل ہوتا۔ چنانچہ سلطنت کے سرکردہ لوگ نجاشی کے آقا کے پاس گئے۔ مسعود حقیقت ادا کر کے اسے آزاد کرایا اور اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر کے اس کی تاجپوشی کی۔ نجاشی نے بڑے لینے کی بجائے ہی سے درگزر کیا اور بہت نرمی سے حکومت کرنے لگا۔ بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے نجاشی کو خرید لیا تھا وہ عرب تھا۔ وہ اسے اپنے علاقے میں لے گیا۔ کافی مدت تک نجاشی اس کے پاس رہا۔ بالآخر اہل حبشہ اس کے آقا کے پاس آئے اور اسے آزاد کر کے اپنے ہمراہ حبشہ لے گئے اور وہاں اس کی تاجپوشی عمل میں آئی۔

کی واپسی کے متعلق گفت و شنید کریں تو آپ ہماری پوری پوری حمایت کریں۔ تمام پادریوں نے پروردہ وعدہ کر لیا۔ اس کے بعد وہ نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تحفے پیش کرنے کے بعد عرض کیا:-
 ”اے بادشاہ! حضور کے علاقے میں ہمارے بعض بے وفات نلام آگئے ہیں۔ جنہوں نے اپنا دین ترک کر دیا ہے اور ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے جو ہمارے اور آپ کے دونوں سے قطعاً مختلف ہے اس نئے دین کی بنیاد (نور باللہ) ایک کذاب شخص نے رکھی ہے جو ہماری ہی قوم کا ایک فریضے اور اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہتا ہے۔ چند بے وفات لوگوں کے سراہم میں سے کسی نے بھی اس کی پیروی اختیار نہیں کی۔ اب ہماری قوم نے ہمیں اس غرض سے بھیجا ہے کہ انہیں آپ سے وراثت کر کے واپس لے آئیں۔ حسب قرارداد پادریوں نے بھی جو دربار میں حاضر تھے ان کی تائید کی اور کہا۔
 ”اے بادشاہ! یہ دونوں سچ کہتے ہیں۔ ان (مسلمانوں) کے حالات کو ان کی قوم بہتر جانتی ہے۔ لہذا آپ انہیں ان دونوں کے حوالے کر دیں تاکہ وہ انہیں واپس اپنے ملک میں لے جائیں۔ پھر وہ جانیں اور ان کی قوم۔“

یہ سن کر نجاشی کو بے حد غصہ آیا اور اس نے کہا:-

”خدا کی قسم! میں ان لوگوں کو جنہوں نے دوسروں کو چھوڑ کر میری پناہ ڈھونڈی ہے اور دوسرے علاقوں میں جانے کی بجائے میرے علاقوں کو مان سمجھ کر یہاں رہائش اختیار کر لی ہے، اُس وقت تک ان دونوں کے حوالے نہ کروں گا جب تک انہیں اپنے دربار میں بلا کر ان کے متعلق پوری تحقیقات نہ کروں، اگر یہ ثابت ہو گیا کہ وہ لوگ بلا کسی وجہ کے یہاں آگئے ہیں تب تو میں انہیں ان کے حوالے کر دوں گا ورنہ صلیب انکار کروں گا اور جب تک وہ لوگ یہاں سے ہٹ رہتا جاویں گے میں انہیں اچھی طرح اپنے ہاں رکھوں گا۔“

چنانچہ اس نے ہمیں بلایا، ہم نے دربار میں حاضر ہو کر اسے سلام کیا۔ درباریوں میں سے ایک کہنے لگا تم نے بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ میں نے کہا ہم اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کو سجدہ نہیں کیا کرتے۔ اس کے بعد نجاشی میری طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا:- ”وہ کونسا دین ہے جس کے باعث تم نے اپنی قوم کا دین ترک کر دیا ہے اور اپنی قوم کے دین کو چھوڑ کر ہمارے دین یا کسی اور دین میں داخل نہیں ہوئے؟“ ہم نے عرض کیا اے بادشاہ! ہم جہالت کی زندگی گزارتے تھے۔ بتوں کی پرستش کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بے حیائی کے کام کرتے تھے۔ رشتہ داروں اور بڑوسیوں سے ہاسلوں کرتے تھے، طاقتور آدمی کمزور آدمی پر ظالم دستم ڈھانا اپنا حق سمجھتا تھا۔ ہم اسی گندگی کی حالت میں پڑے ہوئے

تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری حالت پر رحم کرتے ہوئے ہم میں ایک رسول مبعوث فرمایا جس طرح اس نے اس سے قبل اور بھی رسول مبعوث فرمائے تھے۔ ہم اس رسول کے حسب و نسب، اصدق و امانت اور پاک و امنی سے خوب واقف تھے۔ اس نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف ہایا اس کی توحید کی طاعت و عبادت دی اور اس کی عبادت کی تعلیم کی۔ ہمارے باپ دادا جن بتوں اور معبودوں کو پوجتے تھے ان کی عبادت سے منع کیا۔ اس نے حکم دیا کہ ہم اس خدا کی پرستش کریں جو وحدہ لا شریک ہے۔ نماز پڑھیں۔ زکوٰۃ دیں۔ ہمیشہ سچی بولیں۔ امانت میں خیانت نہ کریں۔ ہمدردی کریں۔ پڑوسیوں سے حسن سلوک سے پیش آئیں۔ ناحق خون بہانے سے پرہیز کریں۔ بے حیائی کے کانوں کے قریب نہ جائیں۔ جھوٹ سے سخت نفرت کریں۔ یتیم کا مال نہ کھائیں۔ پاک و امن عورتوں پر تمہمت نہ لگائیں۔ ہم نے اس کی ان باتوں کی تصدیق کی، اس پر ایمان لائے اور اس کی اطاعت اختیار کی۔ اس پر ہماری قوم نے ہم پر ظلم و ستم توڑنا شروع کر دیا تاکہ ہم تنگ آکر دوبارہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں۔ اور جن بڑی باتوں کو ہم نے اسلام لانے کے بعد ترک کر دیا تھا انہیں دوبارہ اختیار کر لیں۔ جب ان کے ظلم و ستم کا سلسلہ بہت لمبا ہو گیا اور ہمارے لیے کوئی چارہ کار باقی نہ رہا تو سخت مجبوری کی حالت میں کہ سے ہجرت کر کے آپ کے ملک میں چلے آئے اور دوسرے بادشاہوں کی بجائے آپ کے سایہ میں رہنے کو ترجیح دی۔ اے بادشاہ ہمیں امید ہے کہ آپ کی مملکت میں ہم پر ظلم نہ ہو گا۔

میری تقریر سن کر نجاشی نے کہا: ”اللہ تعالیٰ نے تمہارے رسول پر جو وحی نازل کی ہے کیا اس کا کوئی حصہ تمہیں یاد ہے؟“ میں نے عرض کیا جی ہاں یاد ہے۔ اس نے کہا مجھے سنناؤ چنانچہ میں نے اسے سورۃ ریم کی چند آیات سنائیں جنہیں سن کر اس کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ وہ رونے لگا اور اس کی دائرہ می آشودوں سے تر ہو گئی۔ جو پادری دربار میں موجود تھے وہ بھی آیات سن کر رونے لگے اور انہوں نے کہا: ”اے جعفر اس پاک کلام میں سے ہمیں کچھ اور سنناؤ“ نجاشی نے کہا: ”خدا کی قسم اس وحی کا اور موتی کی وحی کا بیج ایک ہی ہے“ (بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ اس وحی کا اور موتی کی وحی کا بیج ایک ہی ہے) میں نے نجاشی سے کہا: ”آپ ان دونوں سے پوچھئے کیا ہم غلام میں یا آزاد ہیں۔ اگر ہم غلام میں تو بے شک ہمیں ہمارے مالوں کے پاس نہ پس بھیج دیجئے“ عمر بن العاص نے کہا: ”نہیں یہ آزاد ہیں۔ میں نے دوبارہ نجاشی سے کہا: ”ان دونوں سے پوچھئے کہ کیا ہم نے ان میں سے کسی کا ناحق خون بہایا ہے جس کا انتقام لینے کے لیے یہ یہاں آئے ہیں۔ یا ہم نے ناحق کسی کا مال غصب کیا ہے جس کی دالیسی کے لیے قرضی نے ان دونوں کو بھیجا ہے؟“ عمر بن العاص نے کہا: ”نہیں“

نبی خدی نے عمرو بن العاص اور عمارہ سے کہا: کیا ان لوگوں پر تمہارا کوئی قرض واجب ہے؟ انہوں نے کہا: "نہیں" اس پر اس نے کہا: تم یہاں سے چلے جاؤ۔ میں ان لوگوں کو کبھی تمہارے معاملے نہ کروں گا۔
اس طرح اس مہم میں انہیں سراسر ناکامی ہوئی۔ اس ناکامی سے جھنجھلا کر قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مکہ میں رہنے والے مسلمانوں پر عرصہ حیات اور تنگ کر دیا۔ ان کی آتش غضب سرد ہونے کی بجائے اور تیز ہو گئی۔ بالآخر انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن ابھی وہ اپنے ہاتھ امداد کو علی حاشیہ نہ پائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم دے دیا اور آپ نے عین یاسر رات مکہ کو الوداع کہا، جب کفار نے قتل کرنے کے ارادہ سے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا۔

جب کفار کو آپ کے بچ نکلنے کا علم ہوا تو انہوں نے مختلف افراد اور متعدد جماعتوں کو آپ کی تلاش میں ادھر ادھر روانہ کیا۔ ان جماعتوں میں عمرو بن العاص بھی شامل تھے۔ لیکن وہ آپ کو پانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بحیرت یثرب پہنچ گئے تھے۔

کفار کی آتش غضب اب بھی سرد نہ ہوئی۔ اور انہوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے پے درپے لشکر بھیجنے شروع کیے۔ مسلمانوں اور کفار کے درمیان سب سے پہلی لڑائی بدر الکبریٰ کی تھی۔ اس جنگ میں عمرو بن العاص شریک نہ تھے۔ انہوں نے بعد میں قریش کی عزت ناک شکست کا حال سنا۔

قریش اس شکست کو آسانی سے نہ بھلا سکے اور اگلے سال پوری تیاری کے ساتھ پھر مسلمانوں سے مقابلے کے لیے نکلے اور جنگ اُحد پیش آئی۔ اس موقع پر عمرو بن العاص بھی قریش کی فوج میں شامل تھے۔ لیکن انہوں نے اس سے زیادہ اور کوئی کام سرانجام نہ دیا کہ وہ صفوں میں گشت لگا کر لوگوں کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔

اس کے بعد خندق کا معرکہ پیش آیا۔ اس موقع پر بھی عمرو بن العاص قریش کی فوج میں شامل تھے۔ جب تمام قبائل عرب پر مشتمل دس ہزار کا لشکر مدینہ کے سامنے پہنچا تو اپنے سامنے خندق کھودی ہوئی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور اسے مجبوراً خندق جیسے باہر ہی قیام کرنا پڑا۔
خندق کھود لینے کے باوجود بظاہر مسلمانوں کی کامیابی کی کوئی امید نہ تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے

لے اس جگہ حضرت جعفر کی بیان کردہ روایت ختم ہو جاتی ہے
لے یثرب کا نام بعد میں مدینۃ النبیؐ پڑ گیا۔ اور آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔ (محمد احمد)

فضل سے کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ اور وہ ان کے مقابلے میں کوئی قابل ذکر کارروائی نہ کر سکے۔ اسی عرصہ میں ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی اور اس طرح ان کی طاقت اور کمزور ہو گئی۔ بالآخر رات کے وقت ایک سخت آندھی نے ان کے تمام دلوں اور ارادوں کو بلیا سیٹ کر دیا۔ ان کی ہڈیاں الٹ گئیں، جیسے اڑ گئے۔ اور سارے لشکر پر سخت دہشت طاری ہو گئی۔ چنانچہ وہ اسی دہشت و اضطراب اور خوف و ہراس کی حالت میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان بھاگنے والوں میں عمرو بن العاص بھی تھے۔ ان پے درپے واقعات نے عمرو بن العاص کی آنکھیں کھول دیں اور وہ سنجیدگی سے قریش اور مسلمانوں کی کشمکش کے انجام پر غور کرنے لگے۔ بالآخر وہ ایک رائے پر پہنچ گئے۔ انہوں نے قریش کے چند ایسے لوگوں کو جمع کیا جو ان کی طرح مضطرب اور حیران تھے اور ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کشمکش کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ عمرو بن العاص نے اپنی رائے ان کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا کہ اس موقع پر ہمارے لیے یہ مناسب ہے کہ ہم سب حبشہ میں نجاشی کے پاس چلے جائیں اور وہاں رہائش اختیار کر لیں۔ اس دوران میں ہم بغور دیکھتے رہیں کہ محمد اور قریش کی باہمی کشمکش کا کیا نتیجہ نکلتا ہے اگر بالآخر محمد کو فتح حاصل ہوئی تو ہم وعدہ ہونے کے باعث اس کی غلامی میں آنے سے بچ جائیں گے۔ اور اگر قریش کو فتح حاصل ہوئی تو ہم فوراً واپس آجائیں گے۔

اس رائے کو تمام لوگوں نے پسند کیا اور وہ ان کے ساتھ حبشہ روانہ ہو گئے۔

حبشہ پہنچ کر عمرو بن العاص کی نظروں کے سامنے ہر وقت یہ نظارہ رہتا تھا کہ مسلمانوں کی فوجیں جھڑے اٹھاتے ہوئے عرب کے ہر حصے میں پھیل گئی ہیں اور عرب کا کوئی گوشہ ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے خالی نہیں رہا۔ جب اس قسم کی تصویریں ان کے ذہن میں گھومتیں تو معائنہ کے دل میں خیال آتا کہ اب ان کے لیے ترقی کرنے کی کیا راہ ہے۔ اور ان کا مستقبل کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے۔

یہ ذہنی کشمکش اس قدر تیز ہو گئی کہ انہوں نے حبشہ چھوڑ کر دوبارہ مکہ آنے کا ارادہ کر لیا۔ جب وہ مکہ پہنچے تو تمام حالات کو دیکھتے ہوئے انہیں یقین ہو گیا کہ اب اسلام روز بروز ترقی کرتا جائے گا۔ اعلان کا مستقبل اسی صورت میں محفوظ رہ سکتا ہے جب وہ بھی اسلام کے ساتھ گہرا تعلق قائم کر لیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کر کے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیں۔

(۲)

زمانہ اسلام

”محمدؐ کے دین کو عروج حاصل ہو گا۔ اور
بُت پرستی روز بروز کم ہوتی جائے گی۔ ہم بہت
دیر تک خواب غفلت میں مدہوش رہے۔
میں اپنی غفلت پر سخت نادم ہوں اور سوچتا
ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے
کیا منہ لے کر حاضر ہوں گا۔۔۔۔۔“
(عمر بن العاص کی گفتگو خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ کے ساتھ)

عرب اور اسلام | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت پر اہل مکہ مختلف گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک گروہ نے آپ کی رسالت کا انکار کر کے اس دین میں شکوکیت اختیار کر لی جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھے۔ یہ لوگ السابقون الاولون کہلائے۔

۲۱۔ ایک گروہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو بڑی تشویش کی نظر سے دیکھا۔ اس گروہ میں وہ لوگ شامل تھے جو اپنے آبائی دین اور رسوم و رواج پر سختی سے قائم تھے اور اسلام قبول کرنے کی صورت میں ان سب سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا جس کے لئے وہ کسی طرح تیار نہ تھے۔ لہذا یہ لوگ آپ کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے۔ پہلے تو انہوں نے مختلف تدابیر کے ذریعے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسلام کی اعلیٰ سے باز رکھنا چاہا۔ جب یہ تدابیر کارگر ثابت نہ ہوئیں تو انہوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیغمبر پر عرصہ جہالت تک کر دیا اور بے کس مسلمانوں پر ظلم و ستم توڑ کر انہیں اسلام سے گشتہ کرنے کی کوشش کی۔ جب اس تدبیر میں بھی ناکامی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی۔ جب اللہ نے انہیں اس کوشش میں بھی ناکام و نامراد رکھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے پیغمبر کے ہمراہ کو سے مدینہ ہجرت فرما گئے تو انہوں نے متحدہ بار فوج کشی کر کے اسلام کو نصبت دنا بدو اور اس کے نئے مرکز کو تباہ و برباد کر دیا جاتا۔

(۲۲) ان دونوں کے علاوہ ایک تیسرا گروہ بھی تھا جس نے درمیانی رکش اختیار کیے رکھی۔ نہ تائید کی اور نہ مخالفت۔ اس گروہ میں جو لوگ شامل تھے ان کے دل اسلام کی حقانیت کے معترف تھے اور انہیں اسلام کا احساس تھا کہ جلد یا بدیر اس نئے دین کو غلبہ حاصل ہو گا اور تمام عرب کو محمد کے آگے تسلیم خم کرنا پڑے گا۔ لیکن چونکہ انہیں اپنی قوم کے عیس و شیع کا فتنہ اور معاشرے میں انہیں جو مرتبہ حاصل تھا اس کے چھین جانے کا خوف تھا اس لیے وہ کھلم کھلا اپنی رائے کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنے خیالات اور احساسات کو دل ہی میں رکھا۔ تاہم ان میں سے بعض لوگ زیادہ عرصہ تک صبر نہ کر سکے اور انہوں نے مدینہ جا کر اسلام قبول کر لیا۔ البتہ کچھ لوگ بدستور عافیت کوشی کی پالیسی پر عمل پیرا رہے۔ انہوں نے اس وقت تک انتظار کیا جب حق و باطل کی اس کشمکش کا واضح نتیجہ ان کے سامنے آجائے۔

اسلام کے متعلق محمد بن العاص کا موقف | محمد بن العاص اس آخری گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ بڑی گہری نظر سے دیکھ رہے تھے کہ مسلمانوں کے قدم روز بروز مضبوط ہو رہے ہیں۔ اسلام کو روز افزوں

ترقی نصیب ہو رہی ہے۔ جو طاقت بھی ان کے مقابل آتی ہے شکست کھا جاتی ہے۔ پے در پے ان حالات کو دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ اسلام اب عرب کے اطراف و جوانب میں پھیل جائے گا اور مستقبل میں میں صرف یہی دین عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ لیکن چونکہ وہ اپنے باپ سے بہت فرستے تھے اس لیے انہیں اپنے خیالات ظاہر کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

ابن عسکر اپنی تاریخ میں زبیر بن بکر سے روایت کرتے ہیں کہ عمرو بن العاص سے بعض لوگوں نے

پوچھا:-

”آپ نے اسلام قبول کرنے میں دیر کیوں کی؟ حالانکہ غل و دانش کے لحاظ سے آپ قریش میں بہت بلند مرتبہ کے مالک تھے؟“

انہوں نے جواب دیا:-

”ہماری قوم کے رؤساء کی عقلیں پسائیل سے بھی زیادہ بھاری تھیں جو راستہ وہ اپنے لئے اختیار کرتے تھے، ہمیں بھی اسی پر چلنا پڑتا تھا خواہ وہ کتنا ہی دشوار گزار کیوں نہ ہوتا۔ چنانچہ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسنے سے انکار کیا تو ہم نے بھی بغیر سوچے سمجھے ان کی تقلید کی اور حضور کا انکار کر دیا۔ لیکن جب بزرگ فتنہ گئے اور قوم کا بوجھ ہمارے کندھوں پر آ پڑا تو ہمیں اسلام کے متعلق غور و فکر کرنے کا موقع ملا۔ اس وقت ہم نے دیکھا کہ معاملہ کچھ اور ہی ہے۔ اس وقت سے میرے دل میں اسلام کی حقانیت کا یقین پیدا ہونا شروع ہوا۔ جب قریش نے دیکھا کہ میں اسلام کے خلاف ان کی معاندانہ مشینوں میں ان کا ساتھ نہیں دیتا بلکہ الگ تھلگ رہتا ہوں تو انہیں میرے متعلق شک و شبہ پیدا ہونے لگا۔ چنانچہ ایک آدمی میرے پاس بھیجا گیا۔ اس نے اگر مجھ سے کہا:-

”اے ابو عبد اللہ! قوم کا خیال ہے کہ تمہارا میلان محمد کی جانب ہے۔“

میں نے اس سے کہا:-

”اے میرے بھتیجے! میں تمہیں اس خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں جو تمہارا ہمارے پہلوں اور تمہارے بعد میں

آنے والوں کا رب ہے کہ ہم ہدایت پر ہیں یا اہل فاسد و ردم؟“

انہوں نے کہا:-

”ہم ہدایت پر ہیں۔“

میں نے پوچھا:-

”تیرا ذکر کیا ہم معاشی لحاظ سے بہتر ہیں یا اہل فارس و روم اور ہماری سلطنت زیادہ وسیع ہے یا فارس و

روم کی :

”اُس نے جواب دیا:-

”فدکس روم کی“

میں نے کہا:-

”اگر اس دنیا کے بعد اور کوئی زندگی نہیں تو پھر ہماری فضیلت اور ہدایت ہمارے کس کام آئی جب طاقت و قوت، شوکت و عزت، اور وسعت سلطنت میں رومی و فارسی ہم سے بہتر ہیں۔ اس لئے میرا دل گواہی دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بالکل صداقت پر مبنی ہے کہ اس دنیا کے بعد ایک جہان اور بھی ہے جہاں نیکی کا بدلہ نیکی سے اور برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائے گا۔ اے میرے بھتیجے! میرے دل میں ہر وقت یہی خیالات گردش کرتے رہتے ہیں۔ پس زیادہ دیر تک گمراہی میں پڑے رہنے سے کیا نفع؟ عبد الرحمن بن زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب نے ایک مرتبہ حضرت عمر بن العاص سے پوچھا:-

”جب تمہاری ذہانت اور عقلندی کو دیکھتا ہوں تو مجھے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ تم ہمارے بزرگوں کے زمرے میں کیوں شامل نہ ہوئے؟“

حضرت عمر بن العاص نے جواب دیا:-

”عمر! انسان کا دل اس کے اپنے اختیار میں نہیں بلکہ ایک اور ہستی کے ہاتھ میں ہے۔ یہی جہنم چاہتا ہے اور میری ہمت دیتا ہے۔“

حضرت عمر نے فرمایا:-

”تم کا کہنا ہے“

عمر بن العاص حبشہ میں | جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش مکہ کی باہمی آدیریش نے طل پکڑا تو عمر بن العاص نے کہ چھوڑ کر حبشہ جانے کا قصد کیا۔ تاکہ وہاں علیحدگی میں بیٹھ کر اس آویزش کا انجام دیکھ سکیں۔ طبری نے اس واقعہ کا ذکر حضرت عمر بن العاص ہی کی زبانی اس طرح کیا ہے۔

”جب ہم جنگ خندق سے واپس آئے تو میں نے قریش کے بعض ایسے آدمیوں کو جمع کیا جو اکثر میری دانتے سے اتفاق کیا کرتے تھے۔ اور میری بات کو جیسے سنا کرتے تھے۔ میں ان سے کہا:-

خدا کی قسم! مجھے تو اب یہ دکھائی دے رہا ہے کہ محمد کے عروج کا ستارہ اوج پر پہنچنے والا ہے۔ اس حالت میں ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ ہم حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس چلے جائیں اور وہاں

حکومت اختیار کر لیں کیونکہ نجاشی کی حکومت میں رہنا منکر کے تابع ہو کر رہنے سے بہتر ہے۔ اگر محمدؐ نے ہماری قوم پر غلبہ حاصل کر دیا تو اس طرح ہم اس کی دسترس سے باہر رہیں گے اور اگر ہماری قوم غالب آگئی تو پھر ہمارے دارے نیا رہے ہیں" ۱۔

عمر بن العاص کا قبولِ اسلام | عمر بن العاص کا یہ اقدام بظاہر انہیں اسلام سے دُور لے جانے والا تھا لیکن دراصل یہی ان کے اسلام قبول کرنے کا باعث بن گیا۔ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت عمر بن العاص کہتے ہیں:-

..... جب میں نے یہ تجویز اپنے ساتھیوں کے سامنے پیش کی تو ان سب نے میری تائید کی

اور کہا:-

"آپ کی رائے بہت درست اور صائب ہے۔"

میں نے ان سے کہا:-

"مب جیکہ تم نے حبشہ جانے کا قصد کر لیا ہے تو نجاشی کے لئے کچھ عمدہ سوچائیں لے چلو۔" اگلے ہی چلے سے بہتر کوئی سوچ نہیں سمجھی جاتی۔ چنانچہ ہم نے بہت سا چمڑا اکٹھا کیا اور حبشہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

"جب ہم نجاشی کے محل کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ عمر بن امیہ ضمری (جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نجاشی کے پاس بھیجا تھا) بادشاہ کے محل میں داخل ہوئے اور وہاں کچھ دیر ٹھہر کر واپس چلے گئے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:-

یہ عمر بن امیہ ضمری جا رہا ہے۔ میں نجاشی کے پاس جا کر اسے طلب کروں گا۔ اگر اس نے اسے میرے حوالے کر دیا تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اس طرح محمدؐ کے ایچی کو قتل کرنے کے باعث میں بھی دیگر قریش کے ہم پلہ ہو جاؤں گا۔"

جب میں نجاشی کے دربار میں پہنچا تو حسب دستور اسے سجدہ کیا۔ نجاشی نے کہا:-

"اؤ دوست! کیا تم اپنے ملک سے میرے لیے کوئی بدیہ لائے ہو؟"

میں نے جواب دیا:-

جہاں پناہ! لایا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ چمچڑا جو میں مکہ سے ہمارا لایا تھا اس کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس نے دیکھ کر بہت پسند کیا میں نے موقع غنیمت جان کر اس سے کہا:-

”جہاں پناہ! میں نے ابھی ایک آدمی کو آپ کے دربار سے نکلنے دیکھا ہے۔ وہ ہمارے دشمن کا ایچی ہے۔ آپ کی بڑی نوازش ہوگی اگر اسے میرے حوالے کر دیں تاکہ میں اسے قتل کر دوں۔ کیونکہ اس نے ہمارے متعدد سرداروں اور عزیزین کو قتل کیا ہے۔“

یہ سن کر نجاشی سخت غضبناک ہوا اور اس نے اپنا ہاتھ کھینچ کر اس زور سے اپنی ناک پر مارا کہ میں نے خیال کیا وہ ضرور ٹوٹ گئی ہوگی۔ میں یہ دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا۔ اور کہا:-

”جہاں پناہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کو یہ بات ناگوار گزرے گی تو میں کبھی ایسا سوال آپ سے نہ کرتا۔“

اس نے کہا:-

”کیا تم مجھ سے یہ چاہتے ہو کہ میں اس شخص کے (ایچی کو قتل کرنے کے لئے تمہارے حوالے کر دوں جس کے پاس وہی ناموس اکبر (جبریل) آتا ہے جو موسیٰ کے پاس آتا تھا؟“

میں نے عرض کیا:-

”جہاں پناہ! کیا خداوند اسی طرح ہے؟“

اس نے جواب دیا:-

”اے عمرو! تم پر افسوس! تم میرا کما مانو اور اس کی اطاعت قبول کر لو۔ خدا کی قسم! وہ حق پر ہے اور جس طرح موسیٰ فرعون پر غالب آ گئے تھے، اسی طرح یہ شخص بھی اپنے دشمنوں پر غالب آ جائے گا۔“

میں نے کہا:-

”میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ کیا آپ اسلام پر میری بیعت لے سکتے ہیں؟“

اس نے جواب دیا:-

”کیوں نہیں؟“

یہ کہہ کر اس نے ہاتھ بڑھایا اور میں نے اسلام پر اس کی بیعت کر لی۔

۱۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے نجاشی کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی۔ لیکن اپنے ساتھیوں سے اس امر کو پوشیدہ رکھا۔ اس کے بعد میں خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دس مبارک پر بیعت کرنے کی غرض سے مدینہ روانہ ہوا۔ اس روایت کی تائید ابن عباس سے بھی ہوتی ہے۔ ابن عباس کی روایت میں جو حافظ ابن قیم سے مروی ہے یہ ذکر بھی ہے کہ حضرت عمرؓ بنی الحاص کے (باقی اگلے صفحہ پر)

نجاشی کے دربار سے نکل کر یہ ساتھیوں کے پاس آیا اور عامس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرنے کی عرض سے مدینہ روانہ ہوا۔ راستے میں مجھے خالد بن ولیدؓ سے آتے ہوئے ملے (یہ فتح مکہ سے چھ ماہ قبل کا واقعہ ہے) میں نے ان سے پوچھا تائے المسلمان! کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا:-

”مجھ پر یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اس لیے میں تو اسلام قبول کرنے جا رہا ہوں۔ آخر کب تک ہم ان کی مخالفت کرتے چلے جائیں گے؟“ میں نے کہا:-

”خدا کی قسم میں بھی مسلمان ہونے کے لیے جا رہا ہوں۔“ چنانچہ ہم دونوں مدینہ پہنچے۔ مسجد نبوی سے باہر ہم نے اپنی اذنیلیں ٹھہرائیں اور نئے کپڑے پہن کر مسجد میں داخل ہوئے۔ اسی دوران میں عصر کی اذان ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لائے۔ حضور کو ہماری آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ اور آپ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ دوسرے مسلمان بھی ہمارے اسلام قبول کرنے سے بہت خوش تھے۔ سب سے پہلے خالد بن ولیدؓ نے آگے بڑھ کر بیعت کی۔ پھر عثمان بن طلحہ نے بیعت کی۔ اس کے بعد میری بارسی آئی۔ میں آگے بڑھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آگے بیٹھ گیا لیکن شرم کے مارے میری نگاہ آپ کے سامنے نہ اٹھتی تھی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ میرے پچھلے سب گناہ بخشا ہو جائیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۴: ساتھیوں کو جب کسی ذریعے سے ان کے اسلام لانے کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے انہیں پکار کر درگاہ مبارک پر بلایا۔ وہ فریاد لے کر نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نجاشی نے ان کے ساتھیوں سے ان کا ملے کر انہیں واپس وڑایا۔

۱۔ زبیر بن جراحؓ نے جو روایت بیان کی ہے۔ اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ منسوب کیے گئے ہیں:- جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو چونکہ میں خالد بن ولیدؓ اور عثمان بن طلحہؓ سے عمر میں بڑھا تھا اس لیے میں نے بیعت کے وقت ان دونوں کو آگے بڑھایا۔ ان دونوں نے اس شرط پر بیعت کی کہ ان کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں۔ میں نے یہ دیکھ کر اپنے دل میں سوچا کہ میں اس شرط پر بیعت کروں گا کہ میرے ان گنہ گناہ معاف ہو جائیں لیکن جب میں بیعت کرنے نکلا تو ان گنہ گناہوں کی معافی کا ذکر کرنا بھول گیا۔ اس روایت کی تائید ابن عساکر کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو عمر بن حفصؓ سے مروی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

”اے عمرؓ وصیبت کرو۔ اسلام پچھلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اسی طرح ہجرت بھی پچھلے گناہوں کو دھو کر دیتی ہے۔“ میرے اسلام لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگوں کے دوران میں دوسرے مسلمانوں اور میرے اور خالد بن ولید کے درمیان کوئی فرق نہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی شہزادے کے عہد خلافت میں بھی ہماری وہی قدر و منزلت قائم رہی جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھی۔ حضرت عمرؓ بھی مجھ سے ہی صلوات کرتے رہے جو اس سے قبل مجھ سے ہوتا تھا۔“

حضرت عمرو بن العاصؓ کی اس روایت کی تائید حضرت حضرت خالد بن ولیدؓ کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ اپنے اسلام لانے کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

”..... جب میں نے مکہ سے نکلنے کی تیاری مکمل کر لی تو میں صفوان بن امیہ سے ملا اور اس کا نام لے کر ابو دہب! تم دیکھتے ہو کہ محمدؐ عرب اور عجم پر غالب آ گئے ہیں۔ اگر ہم ان کے پاس جا کر ان کی اطاعت قبول کر لیں تو جو شرف ان کو حاصل ہوئے وہاں ہے اس میں ہم بھی حصہ دار بن جائیں گے۔“

صفوان نے جواب دیا:-

”اگر تمام دنیا بھی محمدؐ کو قبول کر لے اور میرے سوا ہر شخص مسلمان ہو جائے تب بھی میں ان پر ایمان نہیں لاؤں گا۔“

میں نے یہ سن کر اپنے دل میں کہا:-

”یہ بے چارہ مجبور نہ ہوئے کیونکہ اس کا باپ اور اس کے بھائی جنگ بدر میں مارے جا چکے ہیں۔“ اس کے بعد میں عکرمہ بن ابو جہل سے ملا اور وہی بات جو میں نے صفوان سے کہی تھی اس سے بھی کہی اس نے بھی وہی جواب دیا جو صفوان نے دیا تھا۔ تب میں نے اس سے یہ درخواست کی کہ وہ ان باتوں کو اپنے ملک ہی محدود رکھے اور کسی سے ان کا ذکر نہ کرے۔ یہ بات اس نے قبول کر لی اور کہا:- میں ان کا کسی سے ذکر نہ کر دوں گا۔“

عکرمہ کے بعد عثمان بن طلحہ سے ملا جو میرا دوست تھا۔ پہلے تو میں نے وہی باتیں اس سے بھی کہنے کا ارادہ کیا۔ لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ اس کا باپ طلحہ، چچا عثمان اور چچا بھائی مسافع، حلاس، حنیف اور کلاب جنگ احد میں قتل کیے جا چکے ہیں۔ کہیں یہ بھی مجھے وہی جواب نہ دے۔ اس لیے میں نے خاموش رہنا چاہا۔ لیکن زیادہ دیر تک خاموش نہ رہ سکا اور بات کہتے ہی بن پڑی۔ میں نے اس سے کہا:-

ہماری مثال اس لوطی کی سی ہے جو بھٹ میں چھپی ہوئی ہو۔ لیکن بھٹ میں اگر کثرت سے

پانی ڈالا جائے تو اسے دہاں سے نکلنا ہی پڑتا ہے۔ ہمیں یہ نظر آ رہا ہے کہ مسلمان ہم پر غالب آجائیں گے کیوں نہ ہم پہلے ہی اسلام قبول کر لیں؟

میری توقع کے تقابلاً برعکس عثمان نے فوراً آمادگی ظاہر کر دی۔ اس کے بعد مدینہ چلنے کی بات ہوئی اور یہ طے پایا کہ اگلے روز صبح سویرے ایک مقام پر ہم دونوں پہنچ جائیں اور جو پہلے پہنچ جائے وہ دوسرے کا انتظار کرے۔ اگلے روز ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا کہ ہم دونوں مقررہ جگہ پر پہنچ گئے اور وہاں سے مدینہ کی راہ لی۔ جب ہم تہہ کیے مقام پر پہنچے تو ہمیں عمر بن العاص نے جو حبشہ سے آ رہے تھے علیک سلیک کے بعد انہوں نے مجھ سے پوچھا:-

ابو سلیمان! کہل کا ارادہ ہے۔

میں نے جواب دیا:-

اللہ کی قسم! مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور میں مسلمان ہونے کے ارادے سے مدینہ جا رہا ہوں۔

چنانچہ ہم اُسٹھ مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔ جب مدینہ پہنچے تو دوپہر کا وقت تھا۔ ہم نے اپنے اونٹ بٹھائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی تیاری کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہمارے آنے کی خبر پہنچ گئی۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا:-

تم لو! کہنے اپنے جگر گوشے نکال کر تمہارے سامنے ڈال دیے ہیں۔

میں نے نئے کپڑے پہنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلا ہوا تھا میں مجھے میرے بھائی (ولید بن ولید) جو حضرت خالد بن ولید سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے (نے) ملے۔ وہ کہنے لگے:-

”جلدی چلو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے آنے سے بہت مسرور ہیں۔“

چنانچہ ہم سب جلدی جلدی مصنفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جس وقت میں مصنفہ کے سامنے پہنچا تو حضور مسکرا رہے تھے۔ میں نے قریب جا کر اسلام علیکم کہا۔ حضور نے نہایت خندہ پیشانی سے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا:-

”حضور! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

”اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں ہدایت فرمائی۔ مجھے یہی امید تھی کہ تمہاری عقل بلا غریدہ راستے کی طرف ضرور تمہاری رہنمائی کرے گی۔“

میں نے عرض کیا:-

”یا رسول اللہ! میں آپ کے خلاف کئی جگہوں میں لڑ چکا ہوں آپ اللہ سے میرے اس گناہ کی سزا کیلئے دعا فرمائیں۔“

حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

”اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔“

میں نے کہا:-

”کیا واقعی؟“

حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

”ہاں۔“

اس کے بعد آپ نے یہ دعا فرمائی:-

”اے اللہ! خالد کی پچھلی تمام لغزشوں کو جو اس سے تیرے دین کی مخالفت کرتے ہوئے سرزد ہوئیں معاف فرما۔ میرے بعد عمر و بن العاص اور عثمان بن طلحہ آگے بڑھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ ہم صفر سے ہیں دین پہنچے تھے۔ خدا کی قسم جس دین سے میں نے اسلام قبول کیا اس دن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ دوسرے صحابہ کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔“

بعض روایات میں اس گفتگو کی تفصیل بھی درج ہے جو حبشہ سے مدینہ آتے ہوئے حضرت عمر و بن العاص اور حضرت خالد بن ولید کے باہن ان دونوں کی پہلی ملاقات کے وقت ہوئی تھی۔ ہم بھی اسے یہاں درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

خالد - عمرو کہاں کا عداوہ ہے؟

عمرو - خالد! میرا تو جہل جاننے کا عداوہ ہے سو ہے۔ تم کہاں جا رہے ہو؟

خالد - عمرو مسکرا کیوں ہے ہو؟ کیا میرے متعلق تمہیں کچھ بدگمانی ہے؟

عمرو - مجھے تمہارے اور تمہارے ساتھی عثمان بن طلحہ کے متعلق کوئی بدگمانی نہیں ہے۔ تاہم پھر

بھی میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم کہاں جا رہے ہو؟

خالد - عمرو! جس راستے پر تم جا رہے ہو اسی پر میں بھی جا رہا ہوں۔

عمر - میرے راستے پر؟

خالد - ہاں تمہارے راستے پر۔ جو خیالات تمہارے دل میں پیدا ہوئے وہی ہمارے دل میں پیدا ہوئے۔ اور جس نتیجے پر تم پہنچے، اسی نتیجے پر ہم پہنچے۔

عمر - خالد! یہ تو تم نے بہت دل خوشکن بات سنائی
خالد - اب تو مذکورہ دشمن کی طرح ثابت ہو گیا ہے۔ کہ محمد اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ آؤ اب تک مخالفت کرتے جاؤ گے؟ چلو آپ کے پاس چل کر اسلام قبول کر لو۔

عمر - خدا کی قسم! میں تو مسلمان ہونے کے لیے جا رہا ہوں
خالد - عمر! ہمارے دلوں کو اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ اب محمد کو کوئی طاقت مغلوب نہیں کر سکتی۔ کیا کھلے کھلے انسانیات کے بعد کوئی شک باقی رہ سکتا ہے؟ نہ معلوم قریش اب کیوں مزید انتظار کر رہے ہیں؟ محمد سے ان کے مقابلے اور دشمنی کی کوئی وجہ جواز موجود نہیں۔

عمر - خالد! اس دشمنی کا نتیجہ وہ عنقریب دیکھ لیں گے۔ محمد کے دین کو عروج حاصل ہو گا۔ اور بہت پرستی روز بروز ملتی جائے گی۔ ہم بہت دیر تک عذاب غفلت میں مدغوش پڑے رہے۔ اور اب اپنی غفلت پر سخت نادم ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ محمد کے سامنے کیا منہ لے کر حاضر ہوں گا؟ وہ روایات جن میں حضرت عمر بن العاص کے اسلام لانے کا ذکر ہے، ان امور پر متفق ہیں:-

۱۔ حضرت عمر بن العاص صفحہ ۳۷ میں اسلام لائے۔

۲۔ اسلام حضرت عمر بن العاص کے دل و دماغ میں پوری طرح گھر کر گیا تھا۔ اگرچہ انہوں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان دیر میں کیا لیکن وہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخالفین کے درمیان موازنہ کرتے تھے۔ اور ہمیشہ ہی ان کی رائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہوتی تھی۔ انہیں اس امر کا یقین تھا کہ اسلام کو بالآخر فتح حاصل ہوگی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ضرور فاتحانہ حیثیت سے مکہ واپس آئیں گے۔ انہوں نے اسلام کو پورے الشراج صدر کے ساتھ قبول کیا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک ایسی مہم پر بھیجا چاہا جس میں کافی مال غنیمت حاصل ہونے کی امید تھی تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا۔

”میں نے مال کی خاطر اسلام قبول نہیں کیا بلکہ اس لیے قبول کیا کہ میرے دل میں اس کی حقانیت گھر کر گئی تھی۔“

۳۔ حضرت عمرو بن العاص نے اسلام کا اعلان کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔ جب ان کا ارادہ بچتہ ہو گیا تو انہوں نے کسی قسم کے خطرے کی پروا کیے بغیر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اس کا پختہ ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ جب انہوں نے نجاشی کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت میں حاضر ہونے کے لیے مدینہ روانہ ہوئے تو راستہ میں انہیں خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ ملے۔ ان کے یہ دونوں اس سے قبل اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ لیکن انہوں نے کسی پس و پیش کے بغیر ان پر اپنے اسلام کا بحال ظاہر کر دیا۔ اس سے پہلے وہ قریش کے ایچی کے سامنے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کر چکے تھے۔ جب قریش کو یہ بات محسوس ہوئی کہ عمرو بن العاص ان کی امداد سے کفارہ کشی اختیار کر رہے ہیں۔ اور ان کا میلان اسلام کی طرف بڑھ رہا ہے تو انہوں نے ایک ایچی کو ان کے پاس بھیجا۔ انہوں نے اس سے صاف اور واضح الفاظ میں کہہ دیا۔

”مجھے اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ دوبارہ جی اٹھنے کے متعلق محمد جو کچھ کہتے ہیں وہ سچا ہے۔“ پھر کہا۔

”بائبل پر اصرار کرتے چلا جانا اور اپنی ضد پر قائم رہنا درست نہیں ہے۔“

۴۔ حضرت عمرو بن العاص کو اس معاملہ میں تاخیر کرنے سے بہت خرمندگی تھی۔ خصوصاً اس صدمہ میں جبکہ ان کے بھائی ہشام ان سے پہلے ایمان لا چکے تھے۔ اسی ندامت کا اظہار اس نعرہ سے بخوبی ہو سکتا ہے جو انہوں نے اپنے قبل اسلام کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا۔

..... پھر میں آگے بڑھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میں گویا۔ لیکن خرمندگی کے باعث میری نگاہ آپ کے سامنے نہ اٹھتی تھی۔

اس کا دوسرا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ جب وہ بیعت کرنے لگے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ حضور و عافری میں اللہ تعالیٰ میرے پچھلے گناہوں کو معاف کرے۔ ان کی نیت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹: ان کی حیثیت اس روایت کے مقابل میں کیا باقی رہ جاتی ہے؛ واقعہ یہ ہے کہ کچھ تمام روایات میں کثرت

تھیں اور محض حضرت عمرو بن العاص کو بدنام کرنے کے لیے وضع کی گئی تھیں۔ اس کے سوا ان کا کوئی اور قصور نہ تھا (محمد امجدانی)۔

۵۔ حضرت عمرو بن العاص نے زبان سے جو کچھ کہا اپنے عمل سے اُسے کو کئے دکھا دیا۔ اور جب اُن پر بھائی کھل گئی تو

فوراً بلا پس و پیش اُسے قبول کر لیا۔

جب کھل گئی بھائی۔ پھر اُس کو مل لیا۔ نیکوں کی ہے یہ فحلت ما و حیا یہ ہے (محمد امجدانی)۔

تو یہ بھی تھی کہ وہ اپنے اگلے گناہوں کی معافی کی درخواست بھی کریں۔ مگر انہیں یاوں رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرماتے ہوئے انہیں خوشخبری دی کہ اسلام پچھلے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور ہجرت بھی گزشتہ گناہوں پر پردہ ڈال دیتی ہے۔

۵۔ حضرت عمرؓ بن العاص نے اسلام لاتے ہی عزم مصمم کر لیا تھا کہ اُسندہ اپنی تمام قوتیں اسلام کی سرپنڈی کے لئے وقف کر دیں گے۔ انہیں اسلام کے شاندار مستقبل پر کامل یقین تھا ان کے اسی ایمان کامل اور عزم ماسخ کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا تھا:۔
”دوسرے لوگ اسلام لائے لیکن عمرؓ بن العاص ایمان لائے۔“

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرؓ بن العاص کے اسلام لانے سے اتنے خوش تھے اور آپ کو ان پر اتنا بھروسہ تھا کہ ابھی انہیں مدینہ پہنچے اور اسلام کا اعلان کیے چند روز بھی نہ گزرے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں ایک لشکر کی قیادت فرما کر جہاد فی سبیل اللہ کے لئے روانہ فرمادیا۔ اور اس طرح آغا نہ ہی سے انہیں اسلام کی خاطر خدمات سرانجام دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔

عمرؓ بن العاص بیان کرتے ہیں کہ جب میں اسلام لایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکوں کے دوران میں دوسرے مسلمانوں اور میرے اور خالد بن ولید کے درمیان کوئی فرق نہ فرمایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے عزم مصمم، عقل و خرد اور ذکاوت فطانت کا حل دوسرے لوگوں سے زیادہ معلوم تھا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سریہ ذات السلاسل کی قیادت سپرد کی اس سریہ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اسلامی فوج میں تین جلیل القدر صحابی حضرت ابو بکر حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ رضوان اللہ علیہم بھی شامل تھے۔

اس سریہ کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی ایمانی قوت اور اعلیٰ صلاحیتوں سے متاثر ہو کر اور بھی متعدد اہم کام ان کے سپرد کیے جن کی تفصیل اُسندہ صفحات میں بیان ہوگی۔

انہدام سواع | سواع ایک بت عورت کی شکل کا تھا۔ سب سے پہلے اس کی پرستش حضرت نوح کی قوم کے شرور کی تھی۔ یہ بت حضرت ثبیت بن آدم کے لڑکے سواع کے نام پر بنایا گیا۔ قوم نوح کے بعد ہڈیل کے قبیلہ نے جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر آباد تھا اس کی پرستش شروع کر دی۔ فتح مکہ کے

پس ابن جریر نے لکھا ہے کہ سواع بن ثبیت بن آدم کے فوت ہونے کے بعد ان کی دینی عظمت کی وجہ سے ان کا مجسمہ بنایا گیا اور لوگوں نے اس کی تعظیم و تکریم شروع کر دی۔ سبیل نے لکھا ہے کہ اس مجسمہ کی عبادت حضرت نوح علیہ السلام سے قبل (باقی اگلے صفحہ پر)

قبل تک ہر سال اس جگہ میلہ لگاتا تھا۔ اور اس پر کثرت سے چڑھاوے چڑھتے تھے۔ ان تمام امور کی نگرانی بزمہم کرتے تھے اور تمام چڑھاوے بھی انہی کے پاس جمع ہوتے تھے۔

جب فتح مکہ کی وجہ سے اسلام کو عرب میں دیگر ادیان پر کئی غلبہ حاصل ہو گیا۔ تمام عرب میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی صدا گو بخنے لگی۔ عربوں نے اسلام کے تابندہ اصول قبول کر لیے تو ان بت خاں کے خلاف کارروائی کرنی ضروری ہو گئی جو کعبہ اور مکہ کے قرب و جوار میں قائم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ ان سب کو منہدم کر دیا جائے۔ آپ نے مکہ میں منادی کرا دی کہ اہل مکہ میں سے جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانا ہے وہ اپنے گھر میں کوئی بت نہ رکھے بلکہ توڑ پھوڑ ڈالے۔ اس کے ساتھ آپ نے چند صحابہ کو مشہور بت خاں کو منہدم کرنے کے لئے مامور کیا۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید عمر بنی بت کو منہدم کرنے کے لئے بھیجے گئے۔ عمرو بن العاص کو سواع بت کے انہدام پر مامور کیا گیا۔ اور سعد بن زین الاشمی کو مناتہ بت کے توڑنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ تعمیل حکم میں حضرت عمرو بن العاص چند ساتھیوں کے ہمراہ بت خاں کو منہدم کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ کسی مورخ نے حضرت عمرو بن العاص کے ہمراہیوں کی تعداد نہیں لکھی۔ چونکہ انہیں صرف اس بت کے منہدم کرنے کا کام سپرد کیا گیا تھا اور بت خانہ میں ایک محافظ کے علاوہ اور کوئی موجود نہ تھا اس لئے عقل کہتی ہے کہ حضرت عمرو بن العاص کے ساتھ بہت ہی کم لوگ ہوں گے۔

خود حضرت عمرو بن العاص اس مہم کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں۔

..... میں بت خانہ میں داخل ہوا۔ اس وقت سوائے ایک محافظ کے اس کے پاس اور کوئی موجود نہ تھا اس نے میرے آنے کی غرض پر چچی۔ میں نے کہا۔ ”مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بت کے توڑنے کے لئے بھیجا ہے“ اس نے کہا تم اسے کسی طرح بھی نہ توڑ سکو گے؟ میں نے پوچھا کیوں؟ اس نے کہا یہ بت تین ایسا کرنے سے روک دے گا“ میں نے کہا تم پرانوس تم اب تک باطل پر اڑے ہوئے ہو۔ بھلا کہیں یہ بت بھی دیکھتے اور سنتے ہیں؟ اس کے بعد میں اس کے قریب گیا اور اسے توڑ ڈالا۔ اپنے

یقینہ حاشیہ صفحہ ۸۱: ہدایہ بن قینان کے عہد میں شروع ہو گئی ہے۔ بخاری میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت نوح کی قوم نے جہت بنائے تھے دو نیک اور پارسا لکڑی کے نام پر بنائے تھے۔ جب وہ لوگ فوت ہو جاتے تھے تو شیطان لوگوں کے دونوں میں یہ بات ڈال دیتا تھا کہ جن لکڑیوں کی رخش تھی اسی جگہ ان کے مجسمے بنائے اور انہی کے نام پر ان کا نام رکھیں +

ساخقیوں کو میں نے اس جگہ کے کھودنے کا حکم دیا۔ جہاں تمام چڑھاؤ سے اکٹھے کیئے جاتے تھے۔ لیکن وہاں سے کچھ نہ نکلا۔ اس کام سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں نے محافظ پجاری سے پوچھا اب تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: ”مجھ پر حقیقت کھل گئی ہے اور میں مسلمان ہوتا ہوں۔“

عمرؓ بن العاصؓ مملکت عمان میں

حضرت عمرؓ بن العاصؓ میدان جنگ کے ہی شہسوار نہیں تھے ان کی عقل و خرد اور ذکاوت و فطانت کے باعث دوسرے اہم کام بھی ان کے سپرد کیئے جاتے تھے۔ سیاسی امور میں ان کی مہارت اور بصیرت کی وجہ سے وہ ایک تجربہ کار سپہ سالار کے علاوہ ماہر سیاست دان بھی کہلاتے۔ پھر ایمان و اخلاص اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پایاں محبت کی وجہ سے مذہب اسلام بھی ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا تھا اور دینی امور کو سمجھنے کا ان میں بہترین ملکہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس طرح عمرؓ بن العاصؓ میدان جنگ کے شہسوار بھی تھے، ماہر سیاست دان بھی تھے اور ایک سچے مومن اور عالم بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ان صلاحیتوں اور خوبیوں کا بخوبی علم تھا۔ لہذا حضور نے ان کے سپرد محض جنگی کام ہی نہیں کیئے۔ بلکہ سیاسی اور دینی معاملات میں بھی ان سے اکثر کام لیا۔

ذی الحجہ ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک تبلیغی مہم پر عمان بھیجا۔ عمان جزیرہ عرب کے جنوب مشرق میں ایک مملکت تھی جہاں کے باشندے آگ کی پرستش کرتے تھے۔ وہاں دو بھائی حاکم تھے۔ بڑے کا نام جعفر تھا اور چھوٹے کا نام عباد۔

حضرت عمرؓ بن العاصؓ کو اس مہم کی خط تبلیغی خط تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیا تھا۔ اس خط میں ان کے نام لکھا تھا اور جس میں انہیں اسلام لانے اور توحید و رسالت کی گواہی دینے کی تلقین کی گئی تھی۔

اس خط کی عبارت یہ تھی:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ خط محمد بن عبد اللہ خدا کے رسول کی طرف سے جلدی کے بیٹوں جعفر اور عباد کے

نام ہے۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی اختیار کرے۔ میں تمہیں اسلام لانے کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ۔ امن میں رہو گے۔ میں تم لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میرے آنے کی غرض یہ ہے کہ اس شخص کو خدائی عذاب سے خبردار کر دوں جو روحانی طور پر زندہ ہو اور کافروں پر اتمام حجت کر دوں۔ تم دونوں اگر اسلام قبول کر لو گے تو میں تمہیں بدستور تمہارے علاقے کا حاکم بنائے رکھوں گا۔ لیکن اگر انکار کر دو گے تو عنقریب تمہارا ملک تمہارے ہاتھوں سے چھین جائے گا۔

حضرت عمرو بن العاص عمان پہنچے لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط فوراً ان دونوں بھائیوں کے حوالے نہیں کیا۔ وہ بہت دانشمند انسان تھے اور انہیں معلوم تھا کہ ہر کام حکمت اور غور و فکر سے کرنا چاہیئے۔ انہوں نے پہلے دونوں بھائیوں کی شخصیتوں کا مطالعہ کیا۔ مطالعہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ چھوٹا بھائی عباد بروہاری اور اخلاق میں بڑے بھائی جعفر سے بڑھا ہوا ہے۔ جعفر میں لالچ اور خود پسندی کا مادہ ہے۔ لہذا انہوں نے پہلے چھوٹے بھائی سے گفتگو کرنے کا ارادہ کیا۔

عمرو بن العاص کی عباد سے گفتگو | وہ عباد کے پاس پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کی حیثیت سے یہاں آئے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان حسب ذیل گفتگو ہوئی ہے۔

عباد۔ عمرو بن العاص تمہارے نبی کیا چاہتے ہیں؟
عمرو۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ دونوں اسلام قبول کر لیں اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئیں آگ کی عبادت ترک کر دیں اور زمین و آسمان اور پانی اور آگ کے خالق کی پرستش کریں۔

عباد۔ عمرو بن العاص! کیا تم نے تمہوں کی پرستش ترک کر دی ہے
عمرو۔ جی ہاں ہم نے اس ضلالت کو جس نے ہمارے دل و دماغ کو مضبوط کر دیا تھا چھوڑ دیا ہے اور اسلام کی صحت بخش روشنی سے اپنے دلوں کو منور کیا ہے۔

عباد۔ عمرو بن العاص! تم کب اسلام لائے۔ ہم نے تو تمہیں داعی اسلام کے خلاف جنگیں کرتے دیکھا ہے۔

عمرو۔ عباد! میں اسلام لے آیا ہوں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے۔ اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ رکھنا چاہتا ہے اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دینا چاہتا تھا اس لئے اس نے میرے لئے بھلائی کے سامان پیدا کر دیے اور مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

عباد۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ محمدؐ یہ تعلیم دیتے ہیں کہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ اور

دنیا میں اس نے جو اعمال کیئے ہوں گے ان کا حساب دوسری دنیا میں اسے دینا پڑے گا۔ اس کے اعمال کے نتیجہ میں اسے جنت یا دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ عمرو بن العاص! کیا واقعی یہ سچ ہے؟

عمرو۔ اے عباد آپ نے ٹھیک سنا واقعی محمدؐ یہی تعلیم دیتے ہیں۔ اگر بعثت بعد الموت، حساب کتاب اور ثواب و عذاب کا سلسلہ نہ ہو تو نیک اعمال کا بدلہ کس طرح ملے اور مجرموں اور گناہوں کی سزا دہی کی ضرورت کیا ہو۔ بعثت بعد الموت ضروری ہے تاکہ ہر شخص کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ مل سکے جو اس نے اس دنیا میں کیئے ہوں۔

عباد۔ عمرو بن العاص! کیا تمہارا دین آخرت کا دین ہے؟

عمرو۔ ہمارا دین دنیا کا دین بھی ہے اور آخرت کا بھی۔ اسے قبول کرنے سے دونوں جہان کی سعادتیں نصیب ہوتی ہیں۔ جب تم دونوں بھائی اسلام قبول کر لو گے تو تمہارا ملک تمہارے ہی قبضے میں رہے گا اور یہاں تمہاری ہی حکومت قائم رہے گی۔ تم دونوں احکام الہی کی روشنی میں ملک کا نظم و نسق چلاؤ گے غلاموں کی مدد اور کمزوروں کی دست گیری کرو گے۔ امیروں سے فقیروں کا حق لو گے۔۔۔۔۔ دنیا کی بہتری کے لئے اس سے زیادہ سامان اور کیا ہو سکتا ہے؟ جب تمہاری دنیا درست ہو جائے گی تو آخرت بھی درست ہو جائے گی۔ اے عباد! اسلام لے آؤ اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا اور آخرت کا ثواب مرحمت فرمائے گا۔

عباد۔ عمرو بن العاص! جو باتیں تمہارا دین پیش کرتا ہے وہ واقعی اچھی ہیں۔ کاش میرا بھائی بھی میرا ساتھ دیتا تو ہم دونوں تمہارے رسولؐ کے پاس جا کر اس کی رسالت پر ایمان لے آتے۔ لیکن میرا بھائی حکومت کا بہت زیادہ حریص ہے۔ وہ حاکم ہونے کی مجھے کسی کی اطاعت قبول کرنا اور کسی کے تابع ہونا کبھی گوارا نہ کرے گا۔

اس واقعہ سے تاریخ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضرت عمرو بن العاص پہلے چھوٹے بھائی عباد کے پاس گئے۔ بڑے بھائی کے پاس نہیں گئے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی فطانت اور عقل سے معلوم کر لیا تھا کہ بڑا بھائی چھوٹے بھائی سے زیادہ حکومت کا حریص ہے۔ لہذا اگر اس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے گا تو وہ فوراً انکار کر دے گا درمصل اللہ علیہ وسلم کی ماتحتی قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو گا۔ لیکن چھوٹے بھائی کی یہ حالت نہیں ہے۔ چونکہ اسے حکومت میں زیادہ دخل نہیں ہے اس لئے وہ سانی سے باتیں سننے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت عمرو بن العاص نے اس سے گفتگو کر کے نہ صرف اسے اسلام قبول کرنے پر تیار کر لیا۔ بلکہ اس بات پر بھی آمادہ کر دیا کہ وہ اپنے بھائی سے بات چیت کر کے اسے بھی قائل کرنے کی کوشش کرے تا دونوں بھائی ایک ساتھ اسلام میں داخل ہو جائیں۔

عمروؓ عباد! اسلام قبول کرنے کے نتیجے میں تمہیں کسی کی ماتحتی قبول نہیں کرنی پڑے گی۔ بلکہ تم بدستور اپنے ملک پر قابض رہو گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بھلائی اور نیکی کی طرف بلا رہے ہیں۔ تسلط اور اقتدار حاصل کرنا آپ کا مقصد نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ جو شخص ایمان لے آئے گا اور نیک کام کرے گا وہ اسلام کا ایک سچے بن جائے گا۔ لیکن جو شخص مخالفت کرے گا اور دشمنی پر کمر باندھے گا وہ بھلائی اور سعادت و خوش نصیبی کو خود اپنے ہاتھوں سے کھو دے گا۔

عباد۔ میں جانتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ میرے بھائی کے پاس چلیں اور جو خط آپ لائے ہیں وہ اسے پڑھ کر سنائیں۔ یقیناً وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کرنے کا۔ آپ اپنی لیاقت اور فکارت کو کام میں لا کر اسے ہموار کرنے کی کوشش کریں۔ میں ہمارا آپ کی تائید کرتا رہوں گا اور اسے اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر دوں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا دل کھول دے گا اور اسے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔

عمرو بن العاص کی جغیر سے بات چیت | چنانچہ عباد نے مناسب موقع پر اپنے بھائی جغیر کو اس گفتگو کا خلاصہ سنایا جو اس کی حضرت عمرو بن العاص سے ہوئی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ وہ آپ سے بھی اس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں۔ کچھ دن تک تو حضرت عمرو بن العاص کو اجازت نہ ملی۔ آخر ایک روز جغیر نے انہیں بلایا۔ اور ان کے آنے کی غرض دریافت کی۔ حضرت عمرو بن العاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط اس کے حوالے کیا۔ اس نے پہلے اسے خود پڑھا اور پھر اپنے بھائی کو دے دیا کہ وہ بھی اس کے معنوں سے واقف ہو جائے۔ اس کے بعد اس کی حضرت عمرو بن العاص سے مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

جغیر۔ عمرو بن العاص کیا تمہارے نبی تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیئے گئے ہیں۔

عمرو۔ جی ہاں! تمام جہاں کے لوگوں کی طرف۔

جغیر۔ مگر میں ان کی دعوت قبول نہ کر دوں تو محمد کیا کریں گے۔

عمرو۔ اس کا جواب خط کے آخر میں ہے۔۔۔۔۔ آپ ہر بانی کر کے خط کو دوبارہ پڑھیں

جغیر۔ عمرو بن العاص تفریش کے ساتھ کیا سلوک کیا تمہارا

عمرو۔ بعض لوگ اپنی مرضی سے اسلام میں داخل ہو گئے اور بعض تلوار سے مغلوب ہو کر۔ مگر آپ

اسلام نہ لائے تو مسلمانوں کے گھوڑوں کے ٹاپیں آپ کی سرزمین کو روند ڈالیں گے اور وہ آپ کے آدمیوں

کو ہلاک کر دیں گے۔ آپ اسلام لے آئیے امن میں رہیں گے اور بدستور اپنے عہد پر قائم رہیں گے۔

لے اس گفتگو کا نوصات مطلب یہ تھا کہ اسلام لانے کے لیے جبر بھی کیا جاتا تھا کہ یا تو مسلمان ہونے تلوار سے ہلاک ہو جاتے تھے

(باقی اگلے صفحہ پر)

جیفر۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسی قسم کے خطوط بعض اور بادشاہوں کو بھی بھیجے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض نے آپ کے نبی کا مذاق اڑایا۔ ان کے خطوط کو پھاڑ کر پھینک دیا اور ان کے قاصد کی تڑپ کی۔
عمر۔ عنقریب مسلمانوں کے گھوڑے ان کی سرزمین کو اپنے ٹاپوں سے روند ڈالیں گے اور اس حرکت کا نتیجہ انہیں بخوبی معلوم ہو جائے گا۔

جیفر۔ اور فارس اور روم کے بادشاہوں کا کیا بنے گا؟
عمر۔ ان کے اور آپ کے علاقے مسلمانوں کے نیزوں کی زد سے دور نہیں ہیں۔ وہ نیزے تیزی کے ساتھ کافروں کے دلوں میں پیوست ہو جاتے ہیں۔

جیفر۔ عمر بن العاص! تم مجھے دھکیاں دیتے ہو؟
عمر۔ میں آپ کو دھکیاں نہیں دیتا بلکہ بھلائی کی بات پیش کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس خط کا جواب دے دیں تاکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی خدمت میں لے جا کر اسے پیش کر دوں۔ مجھے آپ کی عقل و خرد اور اصابت رائے کو دیکھتے ہوئے اُمید ہے کہ آپ کا جواب نفی کی بجائے اثبات میں ہوگا۔
جیفر۔ عمر بن العاص! میں اس خط کا جواب کل دوں گا۔

چنانچہ حضرت عمر بن العاص اپنی قیام گاہ پر واپس چلے گئے۔ اگلے روز وہ دوبارہ جیفر کے پاس پہنچے۔ رہا ان دونوں میں یہ گفتگو ہوئی:-

جیفر۔ عمر بن العاص۔ میں نے اپنی رائے قائم کر لی ہے؟
عمر۔ انشاء اللہ بہتر ہوگی۔

جیفر۔ ہاں! وہ ہمارے لئے بہتر ہے لیکن تمہارے لئے بُری ہے۔
عمر۔ میرے لئے بُری ہے؟ کس شخص کی یہ طاقت ہے کہ وہ مجھے کوئی ضرر پہنچا سکے؟
جیفر۔ میرا مطلب تمہاری قوم سے ہے نہ کہ تمہاری ذات سے۔ محمد کو یہ بات پہنچا دو کہ ان کی تلواروں کی زور سے عین کا علاقہ محفوظ ہے۔ اگر انہوں نے یہاں کا قصد کیا تو ان کے مقابلے کے لئے بھی تلواریں اور نیزے حاضر ہوں گے۔ انہیں یہ بتا دینا کہ آباؤ اجداد کا ملک کوئی شخص اتنی آسانی سے نہیں چھوڑ سکتا۔ نہیں قریش پر فتح پانے کا غرور ہے اور اس غرور نے تمہیں غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے۔ تم دوسروں

(بقیہ حاشیہ ص ۸۶) ظاہر ہے کہ یہ بات قرآن کے ارشاد لا اکفر فی الدین کے سراسر خلاف ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ جاری روایت زنی ہے۔ و حضور علیہ السلام نے ایسا کئی حکم دیا، نہ حضرت عمر بن العاص نے کوئی اس قسم کی بات کی۔ (مٹھا حدیث پتی)

کی سرزمین پر تسلط حاصل کرنے کے خواہاں ہوا اور کسریٰ کی سلطنت پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ عمرو بن العاص نے آپ کی باتیں سن لی ہیں۔ آپ کو اپنے بغض و عناد اور انکار کا خمیازہ بھگتنا پڑ گیا۔ دونوں بھائیوں کا قبول اسلام | حضرت عمرو بن العاص کا آخری جملہ دونوں بھائیوں کے درمیان موقوف بحث اور دونوں کے افکار و خیالات میں انتشار پیدا کر کے کا باعث بن گیا۔ عباد اپنے بھائی سے زیادہ تاج و عواقب پر نظر رکھنے والا تھا۔ اس نے اپنے بھائی کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ان کے مابین لمبی گفتگو ہوئی۔ دونوں نے مل کر کئی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھا۔ ہر بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فقرہ پر ان کی نظر اٹک جاتی تھی۔

اگر تم اسلام کا اقرار کر لو گے تو میں تمہیں بدستور حاکم بنائے رکھوں گا لیکن اگر انکار کر دے گے تو تمہارا ملک تم سے چھین جائے گا۔۔۔۔۔“

یہ قول بالکل واضح تھا اور عبارت میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں تھی۔ ان کے سامنے دو راستے کھلے تھے ایک راستہ اختیار کرنے سے دنیا اور آخرت کی بھلائی نصیب ہوتی تھی اور دوسرا راستہ اختیار کرنے سے ہلاکت اور زوال حکومت کا مہیب خطر۔ سامنے نظر آتا تھا۔

بالآخر جیفر نے بھی معاملہ کی اہمیت کو سمجھ لیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنے اور اسلام میں داخل ہونے کے لئے تیار ہو گیا۔ عمرو بن العاص اس وقت عمان سے رخصت ہونے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ جیفر نے انہیں روک لیا اور انہیں اپنے پاس بلا کر مصافحت کیا کہ وہ اسلام قبول کرنے کا اعلان کیسے کرے۔ حضرت عمرو بن العاص نے دونوں بھائیوں کو کلمہ شہادت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کی تلقین کی۔ چنانچہ ان دونوں نے ایسا ہی کیا اور کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گئے۔ باشندگان ملک نے بھی ان کی تقلید کی اور کثرت سے اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اس طرح چند روز میں سارا عمان مسلمان ہو گیا۔

زکوٰۃ کی تحصیل | حضرت عمرو بن العاص شادان و فرحان مدینہ واپس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس کارنامہ کی تفصیل بتائی جس میں انہیں عموماً استعمال کرنا پڑی اور نہ کوئی اور اختیار۔ انہوں نے ٹیم محض اپنی عقل سیاست اور دینی امور سے واقفیت کی بنا پر سر کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس کارنامہ سے بہت خوش ہوئے اور آپ نے مناسب سمجھا کہ عمرو بن العاص کو اسی علاقہ سے زکوٰۃ جمع کرنے اور وہاں کے لوگوں کو اسلامی احکام سکھانے کا کتاب اللہ کا درس دینے اور خدائی نور پھیلانے کا کام سپرد کر دیا جائے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں دوبارہ عمان روانہ فرما دیا۔ حضرت عمرو بن العاص نے

بھی اپنی حکمت، فطانت اور ریاست کی وجہ سے وہاں کے لوگوں کے دل موہ لئے اور ہر شخص آپ سے محبت کے باعث خوشی خوشی اسلام کے احکام کی بجا آوری کے لئے تیار ہو گیا۔

دو سال تک حضرت عمر بن العاص عثمان میں اپنا مفوضہ کام سر انجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق کا خط پہنچا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے حادثہ فاجعہ کی خبر دی گئی تھی اور ہدایت کی گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جو احکام دیتے تھے اور جو ذمہ داری سپرد کی تھی اسے بدستور بجا لاتے رہیں اور کسی قسم کی کوتاہی کے مرتکب نہ ہوں۔

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر بن العاص کی وفات ختم ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضرت عمر بن العاص بڑے اخلاص اور محبت سے آپ کے احکام کی بجا آوری میں مشغول رہے۔ اور آپ کی خاطر اپنی ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد آپ کے جانشین سے بھی ان کا تعلق اسی طرح قائم رہا جس طرح حضور سے قائم تھا۔ اللہ وہ اسلام کی سر بلندی اور اشاعت کے لئے ہر آن معزز عمل رہے۔

باب دوم

عمرو بن العاص

میدان جنگ میں

- جنگ ذات السلاسل
- جنگائے مرتدین
- جنگائے شام و فلسطین
- فتح مصر
- فتوحات برقد و طرابلس
- عمرو بن العاص کے اصول جنگ

(۱)

جنگ ذات السلاسل

ابو عبیدہ! ہم جہاد میں مصروف ہیں! یہ سال
مراتب کا سال پیدا نہیں ہوتا۔ آپ اور آپ کے
تمام ساتھی میرے ماتحت ہیں۔ کیونکہ میری مدد کو آئے
میں۔ سپہ سالار کی حیثیت سے امامت کرنا بھی میرا
ہی حق ہے؟

عمر دین العاص
کی گفتگو حضرت ابو عبیدہ بن جراح سے

قبول اسلام کے بعد جنگ ذات السلاسل پہلی جنگ ہے جس میں حضرت عمرو بن العاص کو قیادت کا شرف حاصل ہوا۔ یہ جنگ قبیلہ قضاہ سے لڑی گئی تھی جو مدینہ سے دس دن کے فاصلے پر ذات القریٰ سے پرے تھی اور عمرو بن العاص کی بستیوں میں آباد تھا۔ اسے غزوہ ذات السلاسل اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں مشرکین نے اپنے آپ کو ایک دوسرے سے زنجیروں کے ساتھ باندھ لیا تھا تاکہ میدان جنگ سے بھاگنے کی راہ بالکل مسدود ہو جائے۔ لیکن جب مسلمان ان کے قریب پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ایسا رعب ڈالا کہ انہیں فرار ہوتے ہی بن پڑی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس مقام پر یہ جنگ ہوئی وہاں ایک چشمہ سلاسل نام کا تھا۔ اس چشمہ کے نام پر اس غزوہ کا نام ذات السلاسل پڑ گیا ایک اور روایت میں ہے کہ اس جگہ ریت کے پہاڑ زنجیر کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے اس جنگ کو ذات السلاسل کہا جانے لگا۔ یہ جنگ جمادی الثانی ۳۷ھ میں واقع ہوئی تھی۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے بھی اسی سال اسلام قبول کیا تھا۔ وجہ یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ قبیلہ قضاہ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین سو مہاجرین کا ایک لشکر تیار کیا اور اس کی قیادت حضرت عمرو بن العاص کے سپرد کی۔ اس لشکر میں تیس گھوڑے تھے۔

حضرت عمرو بن العاص اس مہم کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کہا بھیجا کہ میں کپڑے اور ستمیاریاں پن کران کی خدمت میں حاضر ہوں جب میں تعمیل ارشاد میں حضور کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا :-

”عمرو بن العاص! میں چاہتا ہوں کہ تمہیں ایک لشکر کا سردار بنا کر باہر بھیجوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں مل غنیمت سے سرفراز فرمائے گا اور ہر قسم کے خطرات سے تمہاری حفاظت کرے گا۔“

میں نے عرض کیا :-

”یا رسول اللہ! میں نے مال و دولت کے لالچ میں اسلام قبول نہیں کیا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- المال الصالح للہمہ الصالح یعنی صالح مرد کو صالح مال ملتا ہے۔“

۱۔ قبیلہ ثقی، ثقی بن عمرو بن الحاح بن قضاہ کی طرف منسوب تھا

۲۔ قبائل عذرہ، عذرہ بن سعد بن قضاہ کی طرف منسوب تھے۔

روانگی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص کو سفید جھنڈا مرحمت فرمایا اور ساتھ ہی ایک سیاہ جھنڈا بھی دیا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ راستے میں سے قبائل کو اپنی مدد کے لئے ساتھ لے لیں۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص مدینہ سے قضاہم کی جانب روانہ ہو گئے۔ کرج کا طریق انہوں نے اختیار کیا کہ دن کے وقت چھپ جاتے اور رات کو سفر کرتے تھے۔

عمرو بن العاص کی جانب سے ملک کی درخواست | جب اسلامی لشکر دشمن کے علاقے کے قریب پہنچا تو مسدوم بنو لکھ فزق مخالفت کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چونکہ اسلامی لشکر کی تعداد بہت کم تھی۔ اس لئے حضرت عمرو بن العاص نے رافع بن کمیث الجہنی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج کر ملک کی درخواست کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو دوسو مہاجرین و انصار کے ہمراہ عمرو بن العاص کی مدد کے لئے روانہ فرمایا۔ اس لشکر میں حضرت البرکیز اور حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روانگی سے قبل حضرت ابوعبیدہؓ کو مختلف انصاح کیں اور فرمایا کہ سب متحد رہنا اور اختلاف کی زبست نہ آنے دینا۔

مسند قیادت | حضرت ابوعبیدہؓ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عمرو بن العاص کے پاس پہنچ گئے۔ اس وقت یہ سوال پیدا ہوا کہ لشکر کی قیادت کون کرے؟ عمرو بن العاص جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں اس مہم کو سر کرنے کے لئے بھیجا تھا، یا ابوعبیدہ بن جراح جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمرو بن العاص کی مدد کے لئے روانہ فرمایا تھا۔

جب نماز کا وقت آیا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے امامت کرانی چاہی لیکن حضرت عمرو بن العاص نے کہا: "آپ میری مدد کے لئے آئے ہیں، میں امیر ہوں اس لئے امامت میں ہی کراؤں گا۔"

حضرت ابوعبیدہؓ نے جواب دیا

نہیں۔ تم اپنا مفوضہ کام سرانجام دو! میں اپنا مفوضہ کام سرانجام دوں گا۔

حضرت عمرو بن العاص نے یہ بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس بات پر اصرار کیا کہ تمام جنگی امور کو اپنی منشا کے مطابق انجام دینے کا حق صرف انہیں حاصل ہے۔ حضرت ابوعبیدہؓ بہت نرم مزاج انسان اور بہترین اخلاق کے مالک تھے۔ دنیوی عزت ان کی نظر میں کچھ چیز نہ تھی۔ حضرت عمرو بن العاص کے

سلاہ آج کئی نئی طریقہ رائج ہے۔ ملائیوں کے دوران میں فوجیں بالعموم رات کو سفر کرتی ہیں تاکہ دشمن سے ان کی نقل و حرکت

پشتیدہ رہے۔

کے اصرار پر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد یاد آگیا جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اختلاف سے بچنے کی تلقین فرمائی تھی۔ انہوں نے عمرو بن العاص سے کہا۔

”عمرو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تھا کہ تم دونوں اختلاف نہ کرنا۔ اس لئے اگر تم میرا کہا نہ بھی مانو گے تب بھی میں تمہاری اطاعت کروں گا۔“

بعض روایات میں آتا ہے کہ ایک روز حضرت ابو عبیدہؓ نے امامت کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت عمرو بن العاص نے اعتراض کیا۔ اس پر دونوں کے درمیان مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

ابو عبیدہ۔ عمرو بن العاص! امامت کرنا تمہارا حق نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے امیر بنا کر بھیجا ہے۔

عمرو۔ نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے امیر بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میری مدد کے لئے آئے ہیں اس لئے آپ اور آپ کے ساتھی میرے لشکر کا ایک حصہ ہیں۔

ابو عبیدہ۔ لیکن میرے ساتھی تو کبار صحابہ میں شامل ہیں۔

عمرو۔ یقیناً وہ کبار صحابہ میں شامل ہیں لیکن اس وقت ہم جہاد میں مصروف ہیں۔ یہاں مراتب کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ آپ اور آپ کے تمام ساتھی میرے ماتحت ہیں کیونکہ میری مدد کو آئے ہیں۔

سچے مللا ہونے کی حیثیت سے امامت کرنا بھی میرا ہی حق ہے۔

ابو عبیدہ۔ تب ہم دونوں امارت کے فرائض سرانجام دیں اور ہر شخص وہی کام کرے جو اس کے سپرد کیا گیا ہے۔

عمرو۔ نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ امیر ایک ہی ہو گا اور امامت بھی ایک ہی شخص کو ملے گی۔ ہم ایک صف میں کھڑے ہو کر دشمن سے مقابلہ کریں گے۔

ابو عبیدہ۔ عمرو بن العاص۔ اختلاف پیدا نہ کرو۔ کیونکہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

عمرو۔ اگر میں آپ کا کہنا نہ مانوں تو اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا حکم دیا ہے؟ ابو عبیدہ۔ یہ کہ میں تمہاری اطاعت کروں۔

عمرو۔ تب میں آپ کا کہنا نہیں مانتا۔ اور امامت میں ہی کراؤں گا۔

حضرت عمرو بن العاص کے اصرار پر حضرت ابو عبیدہؓ نے امارت و امامت سے دست کشی اختیار کر لی اور ان کے ماتحت ہو کر کام کرنا قبول کر لیا۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص ہی لوگوں کو ناز پڑھاتے رہے اور جنگ میں

و دونوں لشکروں کی قیادت بھی انہوں ہی نے کی۔

جنگ | حضرت عمرو بن العاص فوج کو لے کر آگے بڑھے اور دشمن کے علاقے میں پہنچ کر اس پر چانک حملہ کر دیا۔ قضاہ نے کچھ دینک ترک مسلمانوں کا سخت مقابلہ کیا لیکن پھر انہیں بھاگتے ہی بن پڑی اور وہ صحراء میں تقریباً ہر گئے۔ حضرت عمرو بن العاص وہاں تین روز تک ٹھہرے۔ آپ روزانہ کچھ دستوں کو ادھر ادھر روانہ کرتے وہ بکریاں پکڑ لاتے۔ مسلمان انہیں ذبح کرتے اور کھا جاتے۔ اس جنگ میں تقسیم کرنے کے لئے کوئی مال مال غنیمت ہاتھ نہ آیا۔

لیکن بلاذری نے اس جنگ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :-

عمرو بن العاص نے قضاہ کے علاقے میں پہنچ کر ان پر حملہ کیا۔ دشمن بھاری تعداد میں مجتمع تھا لیکن مسلمانوں نے اتنے دور سے حملہ کیا کہ ان کی جمعیت پر اندہ ہو گئی۔ ان کے بے شمار آدمی قتل ہوئے اور کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا۔

حاکم بن بریدہ بیان کرتے ہیں کہ اس جنگ میں حضرت عمرو بن العاص نے لشکر کو یہ حکم دیا تھا کہ کوئی شخص سردی سے بچاؤ کی خاطر آگ نہ جلانے۔ حضرت عمرو بن الخطاب کو یہ حکم سن کر بہت غصہ آیا اور انہوں نے اس کے متعلق حضرت ابو بکر صدیق سے مشورہ کیا۔ حضرت صدیق نے جواب دیا :-
 عمر! عمرو بن العاص جو چاہتے ہیں انہیں کرنے دو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جنگی ہدایت کو دیکھ کر ہی انہیں سپہ سالار بنایا ہے۔

یہ سن کر حضرت عمرو بن العاص خاموش ہو گئے۔

ابن حیان سے روایت ہے کہ اسلامی لشکر نے عمرو بن العاص سے آگ جلانے کی اجازت مانگی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ لوگوں کو یہ حکم بہت گراں گزرا کیوں سخت سردی کے دن تھے اور لوگ آگ تپنا چاہتے تھے انہوں نے حضرت ابو بکر سے شکایت کی۔ حضرت ابو بکر صدیق نے حضرت عمرو بن العاص سے اس کے متعلق بات چیت کی۔ انہوں نے کہا۔

اس سے پہلے روایت کہ اس جنگ میں مال غنیمت کچھ ہاتھ نہیں آیا تھا غلط ہے۔ کیونکہ حضرت عمرو بن العاص کو اس مہم پر بھیجے ہوئے فرمایا تھا یا محمد! انی اسید ان العتک علی حبیش فی غنمک اللہ ویسلمک۔ یعنی تیرے عمرو! میں تمہیں ایک لشکر کا سردار بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ تمہیں مال غنیمت عطا فرمائے گا اور تم سلامت رہو گے۔ پس حضور کا فرمان کس طرح غلط ہو سکتا ہے (محمد احمد بانی تہی)

اس سے یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ صحابہ کرام کس قدر ضبط و تحمل اور خلوص و ایثار سے کام لیتے تھے (محمد احمد)

انگو کوئی شخص آگ جلانے کا تو میں اسے اسی آگ میں پھینک دوں گا"۔
بعض روایات میں ہے کہ عمر بن العاص حضرت ابو بکر صدیق سے بہت سختی سے پیش آئے۔
اور انہیں کہا:۔

"کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو میری اطاعت کرنے کا حکم نہیں دیا تھا؟"
حضرت ابو بکر نے جواب دیا۔ "بیشک"

حضرت عمر بن العاص نے کہا "میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بجالائیے"
جب حضرت عمرؓ کو عمر بن العاص کی اس درشتی اور سخت کلامی کا علم ہوا تو انہیں بہت غصہ
آیا اور انہوں نے عمر بن العاص کے پاس جا کر اس معاملہ کے متعلق گفتگو کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن
حضرت ابو بکرؓ نے انہیں روک دیا۔

قتضائے شکست کے بعد مسلمانوں نے ان کا تعاقب کرنا چاہا۔ لیکن حضرت عمر بن العاص نے
انہیں اس سے بھی منع کر دیا۔ اور حکم صادر کیا کہ اپنی جگہ پر رہو اور بھاگنے والوں کا پھیمانہ کرو۔ بعض
لوگوں کو یہ حکم سن کر بہت غصہ آیا اور انہوں نے کہا:۔
"آپ ہمیں مال غنیمت حاصل کرنے اور مفرورین کا تعاقب کر کے ان کا کلی طور پر قلع ترح کرنے سے
کیوں روک رہے ہیں؟"

حضرت عمر بن العاص نے جواب دیا:۔

تمہارے لئے دشمنوں کے وہ سرکائی ہیں جو دادی میں بھرے پڑے ہیں۔

مسلمانوں نے اپنی بات پر اصرار کرتے ہوئے دوبارہ کہا۔

"لیکن خاتم فریق کا حق ہے کہ وہ بھاگنے والوں کا پیچھا کرے۔۔۔۔۔"

حضرت عمر بن العاص نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا:۔

"میں نے جو حکم دیا ہے۔ اس میں تبدیلی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں اور جو شخص حکم عدلی کے خلاف
سخت مزاد دی جائے گی۔"

۱۔ یہی روایت ابن عساکر نے اسماعیل بن ابی خلا کے حوالے سے بیان کی ہے۔

۲۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو مصنف کا وہ دعویٰ کہاں گیا جس میں اس نے کہا ہے کہ حضرت عمر بن العاص کو
کی بہت محبت تھی۔ انگو کوئی محبت ہوتی تو وہ مفرور مفرورین کا تعاقب کر کے مال غنیمت حاصل کرتے (محمد احمد)

ابن حیان نے بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں نے جب دشمنوں کو شکست دی تو انہوں نے ان کا پیچھا کرنا چاہا لیکن حضرت عمرؓ نے العاصؓ نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا جب مسلمان مدینہ واپس آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر کی شکایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو العاصؓ سے پوچھا۔

”عمر! تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟“

حضرت عمرؓ نے جواب دیا

”یا رسول اللہ! میں نے اسی میں بہتری سمجھی تھی۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پوچھا

”تم نے مسلمانوں کو دشمن کا پیچھا کرنے سے کیوں روک دیا؟“

حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔

”یا رسول اللہ! ہم نے دشمنوں کے علاقے میں جا کر ان سے جنگ کی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور پیچھا کرتے کرتے روز نکل گئے تو کہیں دشمن ملک لے کر ان پر لوٹ نہ پڑے۔ اللہ اس طرح ایک بار فتح حاصل ہونے کے بعد ہمیں شکست کا منہ دیکھنا پڑے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

”اگ کا کیا قصہ ہے؟ جب تائیں سخت سردی تھی تو تم نے مسلمانوں کو آگ کیوں نہ جلانے دی؟“

حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔

”یا رسول اللہ! میں بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح سخت سردی محسوس کر رہا تھا اور میری بھی یہی خواہش تھی کہ آگ جلا کر تاپوں۔ لیکن مجھے ڈر تھا کہ جب روشنی پھیلے گی اور دشمن مسلمانوں کو دیکھے گا تو کہیں وہ ان کی قلت تعداد کو دیکھ کر ان پر حملہ نہ کرے۔“

۱۰ مسلمانوں نے جنگوں کے دوران میں آگ سے کئی مرتبہ کام لیا ہے آگ سے کام لینے کا سب سے پہلا موقع فتح مکہ کے وقت پیش آیا۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو خائف کرنے اور مسلمانوں کی بھاری تعداد سے ڈرانے کے لئے پہاڑ کے اوپر آگ روشن کرنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے بھی بعض روایات کی مدد سے جنگ مؤتہ کے موقع پر آگ روشن کرنے کا حکم دیا تھا تاکہ دشمن کو یہ خیال پیدا ہو کہ مسلمانوں کو بھاری کمک پہنچ گئی ہے۔ اور اس طرح اسلامی لشکر کی تعداد میں گراں قدر اضافہ ہو گیا ہے۔ لیکن غزوہ فات السلاسل کے موقع پر حضرت عمرؓ نے العاصؓ نے مسلمانوں کو سختی سے آگ جلانے سے اس لئے روکا کہ دشمن کو مسلمانوں کی قلت تعداد کا علم نہ ہونے پائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عذرات قبول فرمائیے اور انہیں کچھ نہ کہا۔
قبیل اسلام کے بعد حضرت عمرو بن العاص کو پہلی مرتبہ اس جنگ میں شرکت کرنے اور قیادت حاصل
کرنے کا موقع ملا تھا۔ اور اس میں ان کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس
کامیابی سے بے حد خوش ہوئے اور عمرو بن العاص کو مزید کامیابیوں کی ضمانت دیتے ہوئے فرمایا۔
استعد یا عمرو! لفتح المجدا ید۔ یعنی اے عمرو! اب نئی فتوحات کے لئے تیار ہو۔
اس کامیابی سے لوگوں کو یہ یقین ہو گیا کہ عمرو بن العاص میں قیادت کی اعلیٰ صلاحیتیں موجود ہیں۔ اور
انڈازہ ہو گیا کہ گوانہیں اسلام لائے زیادہ عرصہ نہیں گزرنا لیکن اہم اور نازک موقعوں پر ان پر کامل اعتماد
کیا جاسکتا ہے۔

اس جنگ کے واقعات کا مطالعہ کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے اس
موقع پر جن اصول جنگ کو اختیار کیا تھا وہ نہ صرف اس وقت حصول فتح میں مدد و معاون بنے بلکہ آئندہ
کے لئے بھی مسلمان تائیدین کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئے۔ ان اصول کو پیش نظر رکھ کر ہر سپہ سالار اپنے
لئے کامیابی کی راہ ہموار کر سکتا ہے۔ ذیل میں ان کی قدرے تفصیل درج کی جاتی ہے۔

۱۔ دشمن کے مقابلے کے لئے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ اپنے پاس اتنا لشکر ہو جس سے اس کا
بآسانی مقابلہ کیا جاسکے۔ انتہائی قلیل لشکر کے ساتھ بہت بھاری فوج کا مقابلہ کرنا بہت بڑی فوجی
حماقت ہے۔ حضرت عمرو بن العاص کو شروع ہی میں احساس ہو گیا تھا کہ ان کے اور دشمن کے لشکروں میں
بہت بھاری فرق ہے۔ اس لئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کمک کی درخواست کی
تھی تاکہ فریقین کی قوتوں کا توازن برقرار رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس امر کا احساس
تھا۔ چنانچہ جہنمی حضرت عمرو بن العاص کی طرف سے مدد کی درخواست پہنچی، آپ نے حضرت
ابو عبیدہ بن جراح کی قیادت میں ایک لشکر ان کی اعاد کے لئے بھیجا دیا اور حضرت عمرو بن العاص
اس فوج کی مدد سے دشمن پر فتح پانے اور اس کی جمعیت کو منتشر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

۲۔ حضرت عمرو بن العاص کو اپنی فوج کی سلامتی کا بے حد خیال رہتا تھا اور حقیقت یہ ہے
کہ جنگ کے دوران میں سپہ سالار پر سب سے اہم فرض یہ قائم ہوتا ہے کہ وہ اپنی فوج کو ہلاکت
سے بچائے۔ کامیاب قائد وہی کہلایا جاسکتا ہے جو جنگ سے پہلے، جنگ کے دوران میں
اور جنگ کے بعد ایسی تدابیر اختیار کرے جن کے نتیجہ میں اس کی فوج ہر طرح کے نقصان اور صدمہ
سے محفوظ رہے۔ جنگ ذات الصلاسل کے واقعات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت

عمر بن العاص اپنی فرج کی سلامتی کے حد درجہ خواہاں تھے۔ اثنائے سفر میں وہ دن کی بجائے رات کو سفر اختیار کرتے اور دن میں کسی ایسی جگہ قیام کرتے۔ جہاں آنے جانے والوں کی نظریں لشکر پر نہ پڑ سکتیں۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ دن میں زوجوں کی نقل و حرکت سے دشمن کو بہت سی ایسی باتیں کا علم ہو جاتا ہے جو رات کے وقت کو چھپ کر سنے سے نہیں معلوم ہو سکتیں۔ اس طرح انہوں نے دو بنیادی مقاصد حاصل کر لیے۔ اول یہ کہ اثنائے سفر میں ان کی فرج ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رہی دوسرے یہ کہ نقل و حرکت کو خفیہ رکھنے کی وجہ سے دشمن ان کی آمد سے بالکل بے خبر رہا اور مسلمانوں سے مقابلے کے لئے خاطر خواہ تیاری نہ کر سکا۔

رات کے وقت لشکر کا آگ جلائے کی اجازت نہ دینے سے بھی اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ حضرت عمر بن العاص کو اپنے آدمیوں کی سلامتی کا بے حد خیال تھا۔ ان کے اس حکم پر ان کے لشکر کے لوگ بہت تھکے۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے تو اس حکم کی خلاف ورزی کرنے کا بھی بارادہ کر لیا۔ کیونکہ رات سخت سرد تھی اور لوگوں کو گرمی حاصل کرنے کے لئے آگ جلائے کی بے حد ضرورت تھی۔ خود حضرت عمر بن العاص سردی سے بے تاب تھے لیکن اس نے باوجود انہوں نے اپنے اس حکم کو برقرار رکھا اور آگ جلائے کی اجازت دینے سے قطعی انکار کر دیا۔ اس کی وجہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بیان کی کہ مجھے ڈر تھا آگ کی روشنی میں دشمنوں کو مسلمانوں کی قبیل تعداد کا علم ہو جائے گا اور وہ ان پر ٹوٹ پڑیں گے۔

اپنے لشکر کی سلامتی چاہنے کا ایک اور بڑا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ حضرت عمر بن العاص نے جنگ کے بعد اپنے لشکر کو دشمنوں کا تعاقب کرنے سے روک دیا اور اس معاملہ میں اتنی سختی کی کہ اعلان کر دیا جو شخص دشمن کا تعاقب کرے گا اسے موت کی سزا دی جائے گی۔ مدینہ پہنچ کر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا۔

”ہم نے دشمن سے ان کے علاقے میں جا کر جنگ کی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور اپنی قیام گاہ سے دور نکل گئے تو کہیں دشمن ملک سے کہ ان پر ٹوٹ نہ پڑے۔“

حضرت عمر بن العاص کو اس امر کا شدت سے احساس تھا کہ ایک لشکر میں دو قیادتوں کا ہونا انتہائی خطرناک اور اپنے اھولی لشکر کو تباہی کے گڑھے میں اتارنے کے مترادف ہے۔ اسی لئے انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کے اصرار کے باوجود ان کی علیحدہ قیادت کو تسلیم کرنے سے سختی سے انکار کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت ابو عبیدہؓ کا مرتعہ درست نہ تھا اور اگر خدا نخواستہ حضرت عمر بن العاص

ان کی بات قبول کر لیتے تو لشکر کو انتہائی خطر تک حالات کا سامنا کرنا پڑتا۔ حضرت عمرو بن العاص نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ مسلمان ایک قیادت کے ماتحت متحد ہو کر دشمن سے جنگ کریں گے اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو میری مدد کے لئے بھیجا ہے اس لئے آپ میرے ماتحت ہوں گے اور یقیناً حضرت عمرو بن العاص کا یہ موقف سرفیصدی درست تھا۔

۴۔ کوئی شخص بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت عمرو بن العاص انتہائی بیدار مغز اور مستقل مزاج قائد تھے۔ چکیا ہٹ اور تردد و کان میں نام دشمن تک نہ تھا۔ جنگ ذات السلاسل میں تین قوموں پر انہوں نے اپنے مستقل مزاج ہونے کا ثبوت دیا۔ اول اس وقت جب انہوں نے اصرار کیا کہ وہی قیادت کے فرائض سرانجام دیں گے۔ دوسرے اس وقت جب انہوں نے لوگوں کو آگ جلانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ تیسرے اس وقت جب انہوں نے لشکر کو دشمن کا قاقب کرنے سے روک دیا۔ مستقل مزاجی ایسی صفت ہے جس کا ایک سبب سالار میں ہونا ہے۔ ضروری ہے۔ متردد اور مذہب قائم کو کبھی اپنے آدمیوں کا اعتماد حاصل نہیں ہوتا کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ ان کا قائد کسی ایک راستے پر قائم نہیں رہتا۔ کبھی کوئی راستے اختیار کرتا ہے اور کبھی کوئی اور۔ کبھی کوئی حکم صادر کرتا ہے اور کبھی اس کے بالکل الٹ حکم دیتا ہے۔ اُسے خود اپنے آپ پر بھی اعتماد نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی حکم صادر کرنے کے بعد جب وہ اس پر غور و فکر کرتا ہے تو اسے وہ حکم نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ تب وہ اسے غور کر کے کوئی اور حکم صادر کرتا ہے لیکن غور و فکر کرنے کے بعد اس میں بھی کوئی نہ کوئی نقص نظر آتا ہے اس طرح نہ اس کی نائے کو استحکام حاصل ہوتا ہے اور نہ وہ ایک بات پر قائم رہتا ہے۔ اس طرح جنگ کے موقع پر جبکہ ایک ایک قدم بھونک بھونک کر رکھنے کی عزت ہوتی ہے۔ وہ اپنی پریشانی خیالی کے باعث دشمن کے مقابلے میں کوئی ٹھوس اقدام کرنے میں ناکام رہتا ہے جس کا فیازہ اسے شکست اور ناکامی کی صورت میں بھگتنا پڑتا ہے۔

حضرت عمرو بن العاص میں یہ بات نہ تھی۔ وہ جب کوئی حکم دیتے تھے تو سختی سے اس پر قائم رہتے تھے اور اس میں کسی قسم کا رد و بدل کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ اس جنگ کے موقع پر اپنی اس خصلت کی بدولت انہیں ایک ایسے شخص سے بھی سختی سے پیش آنا پڑا۔ جو مسلمانوں میں انتہائی عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ اور وہ تھے حضرت ابو بکر صدیقؓ۔ اپنے احکام کو سختی سے ممانعہ کے جذبہ کے تحت ہی انہوں نے یہ دھکی بھی دی تھی کہ جو شخص ان کی مخالفت کرے گا اسے موت کی سزا دی جائے گی۔

۵۔ ایک اور صفت جس میں حضرت عمرو بن العاص کو دوسروں پر امتیاز حاصل تھا وہ ان کی غیر معمولی دانشمندی تھی۔ اسی دانشمندی اور عقل و خرد کے بل بوتے پر انہوں نے بڑی بڑی جنگیں جیتیں اور بڑے بڑے دشمنوں پر کامیابی حاصل کی۔

بہترین قائد وہی شخص خیال کیا جاتا ہے جو جنگ کے موقع پر دشمنوں کے قابو میں آنے کی بجائے مختلف تدابیر کے ذریعے انہیں اپنے چنگل میں گرفتار کر لے

حضرت عمرو بن العاص میں یہ صفت بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ وہ دشمن کو اس طرح اپنے چنگل میں گرفتار کر لیتے تھے کہ وہ ہزار ہاتھ پاؤں مارنے کے باوجود نکل نہ سکتا تھا۔

جنگ ذات السلاسل کے موقع پر بھی بعض ایسے واقعات پیش آئے جن سے حضرت عمرو بن العاص کی عقلمندی اور زیرکی کا پتہ چلتا ہے۔ جب قیادت کے مسئلہ پر ان کا حضرت ابوعبیدہ سے جھگڑا ہو رہا تھا تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہ کی زبان سے یہ فقرہ سنا۔

”عمرو بن العاص! ہمیں اختلافات نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اختلافات سے بچنے کی نصیحت فرمائی ہے۔“

حضرت عمرو بن العاص نے بوجھا کر ان کی بات کا کہنا نہ ملا بلکہ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی روشنی میں آپ کی طرز عمل اختیار کریں گے؟

حضرت ابوعبیدہ نے جواب دیا ”تب میں آپ کی اطاعت کروں گا“ حضرت عمرو بن العاص نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے فوراً کہا۔

”تب اے ابوعبیدہ! میں تمہارا کہنا ماننے اور تمہیں قائل تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں“ یہ دیکھ کر حضرت ابوعبیدہ کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے قیادت کے دعوے کو ترک کر دیں تاکہ اختلاف پیدا نہ ہو سکے۔

۱۔ اس خطرناک موقع پر جبکہ طاقتور شخص سامنے تھا حضرت ابوعبیدہ جیسے مقدور صحابی نے نہایت عقلی و بڑی دہراوشی اور بیدارمانی سے کام لیتے ہوئے اپنی قیادت کے دعوے کو چھوڑ دیا اور نہایت اشیاء و خلوص سے کام لیتے ہوئے حضرت عمرو بن العاص کی سپر صلاح کو بر ملا درغبت تسلیم کر دیا مگر حضرت امین صحت میں مرقع پر علم و ہدایت سے کام دیتے اور اپنی قیادت پر اصرار کرتے تو یقیناً مسلمانوں میں بھڑک پڑ جاتی اور اس صورت میں وہ فتح ہرگز حاصل نہ ہو سکتی جو اتحاد کی صورت میں حاصل ہوئی۔ (محمد احمد پانی پتی)

حضرت عمر دین العاص کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ یہی عقلندی اور زیرکی و دانائی تھی۔ ان کی آئندہ جنگی زندگی میں ہم دیکھیں گے کہ انہوں نے اس وصف سے کام لے کر کس طرح عظیم فتوحات حاصل کیں اور بعض اوقات جبکہ شکست کا سبب خطرہ سامنے نظر آ رہا ہوتا تھا کس طرح اپنی عقلندی کی بدولت آپ جنگ کا پالندہ اپنے حق میں پلٹنے میں کامیاب ہو گئے۔

۶۔ جنگ ذات السلاسل میں کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت عمر دین العاص نے دشمن پر اچانک حملہ کر کے اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا اور اس کی جمعیت کو منتشر کر کے اسے میدان جنگ سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔

(۲)

جنگہائے مرتدین

”قرہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین باقی رہے گا
اللہ کا نور مومنوں کے سینوں میں غوغشاں رہے گا اور
مسلمانوں کے نیزے مرتدین کے سینوں کو چھید
ڈالیں گے.....“

عمر بن العاص
کی گفتگو
قرہ بن ابیہ کے ساتھ

فقتل ارتداد | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمام عرب میں ارتداد کا فتنہ جھلکی اُگ کی طرح پھیل گیا۔ جن لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں خوف اور ڈر کی وجہ سے اسلام قبول کیا تھا۔ ان میں سے اکثر نے اس موقع کو موزوں خیال کرتے ہوئے ارتداد اختیار کر لیا اور اسلامی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔

طبری نے اس حالت کا نقشہ لن الفاظ میں کھینچا ہے:-
 "نفاق کا ستارہ اوج پر پہنچ گیا۔ یہودیوں اور نصرائیوں کی بن آئی اور بارہل طرت مسلمانوں کے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے مسلمانوں کی حالت اس بکری کی سی ہو گئی جو جانٹے کی سرد اور بارش والی مات کو صحرائے تی ووق میں بغیر چرواہے کے رہ جائے اور سر جھپانے کو کہیں جگہ نہ مل سکے۔"

یعقوب بن محمد الزہری مؤلف کتاب المنہی نے لکھا ہے:-
 "مرتدین نے بھانت بھانت کی بولیاں بولنی شروع کر دی تھیں۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہوتے تو کبھی وفات نہ پاتے" بعض کہتے تھے "نبوت آپ کی وفات کے بعد ختم ہو گئی ہے۔ اس لئے ہم آپ کے بعد کسی کی اطاعت نہیں کریں گے۔" بعض کہتے تھے کہ ہم من اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ بعض کہتے تھے کہ ہم اللہ پر اور محمد رسول اللہ کی رسالت پر ایمان لاتے ہیں۔ نماز پڑھنے کے لئے بھی تیار ہیں۔ لیکن زکوٰۃ دینے کے لئے تیار نہیں۔"

یہ بغاوت کسی ایک جگہ محدود نہ تھی بلکہ تمام عرب میں پھیل گئی تھی حتیٰ کہ مکہ بھی اس سے محفوظ نہ رہا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے ارتداد کی تیاریاں شروع کر دی تھیں اور عامل مکہ عتاب بن اسید لوگوں کے خوف سے وہ پلوش ہو گئے تھے۔ اللہ کو یہ منظور تھا کہ اہل مکہ فتنہ کی آگ سے بچے رہیں۔ اس لئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص صحابی حضرت سہیل بن عمروؓ کی سعی کے نتیجے میں ارتداد سے محفوظ رہے۔ بتو یہ کہ جب انہوں نے اہل مکہ کے تذبذب کی حالت دیکھی تو تمام لوگوں کو جمع کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر کر کے کہا:-

آپ کی وفات سے اسلام کی قوت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اس بائے میں جو شخص شک و شبہ میں گرفتار ہوگا، تذبذب کی ماد اختیار کرے گا اور ارتداد کے متعلق سوچے گا۔ ہم اس کی گردن اڑا

دی گئے :

مکن تھا کہ دھکی کا اٹا اثر ہوتا۔ اس لئے سہیل نے دھکی کے ساتھ ساتھ ترغیب و تحرص سے بھی انہیں ان الفاظ میں اسلام پر قائم رہنے کی تلقین کی :-
 "یقیناً اسلام بدستور قائم رہے گا۔ اسے کوئی ضعت نہ پہنچے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ارشاد خلافت بھی تمہارے ہی حصے میں آئے گی :-
 سہیل کے اس پروردہ دعوے نے اہل مکہ کے دھل پر دھکی سے زیادہ اثر کیا اور وہ ارتداد اختیار کرنے سے رک گئے۔

کہ مدینہ اور طائف کے درمیان جو قبائل آباد تھے یعنی مزینہ، اشجع، اعقار، جمینہ، السلم اور خزاعہ وہ بدستور اسلام پر قائم رہے۔

ارتداد اختیار کرنے والے قبائل وہ تھے جو قریب کے زاد میں اسلام میں داخل ہوئے تھے جن کے دلوں میں اسلامی تعلیمات راسخ نہیں ہوئی تھیں۔ ان میں سے بعض قبائل نے تو مدعیان نبوت کا ذریعہ کی پیروی اختیار کر لی اور بعض نے اسلام کا تو اقرار کیا لیکن زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور دلیل یہ پیش کی کہ زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا کیونکہ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی۔

اس فتنے کو فرو کرنے کی ساری ذمہ داری خلیفہ ادل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر عائد ہوتی تھی۔ انہوں نے صحابہ کو جمع کیا اور تمام حالات ان کے سامنے رکھ کر مشورہ طلب کیا۔ بعض لوگوں کی رائے تھی کہ موجودہ حالات میں مرتدین سے جنگ کرنی مناسب نہیں ہے۔ لیکن بعض جنگ کرنے کو ضروری سمجھتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خیر الذکر فریق کے ساتھ تھے۔ آپ نے مرتدین سے لڑنے اور ان کا قلع قمع کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور فرمایا اگر یہ لوگ مجھے ایک دسی بھی جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

سہ درمیان نبوت کا ذریعہ مندرجہ ذیل تھے :- (۱) عجم، اس نے نبو اس میں نبوت کا دعویٰ کیا (۲) سہل اس نے نبو تسم میں نبوت کا دعویٰ کیا (۳) سہیل اس نے یامر میں نبوت کا دعوے کیا (۴) ذوالستاج لعیط بن امک اس نے عمان میں نبوت کا دعویٰ کیا (۵) اسود غنی اس نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا (۶) جن قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا وہ ہیں اذبیان، بکرانہ، غلفان اور فزہ تھے۔

و سلم کے زمانہ میں دیا کرتے تھے، دینے سے انکار کریں گے تو میں اس رہی تنگ کی خاطر ان سے جنگ کر دوں گا۔

چنانچہ آپ نے گیارہ جھنڈے تیار کرائے۔ ہر جھنڈا ایک ایک سردار کے سپرد کیا گیا۔ ہر سردار کے ساتھ فوج کا ایک ایک دستہ تھا۔ ان سرداروں کو روایتی کے وقت ایک ایک قرآن ایک ہی مضمون کا لکھ کر دیا گیا اور تمام سرداروں ہی القصد سے جو نجد کی جانب مدینہ سے ایک منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اپنی اپنی فوج کو لے کر اپنی اپنی منزل مقصود کو روانہ ہو گئے۔ ان سرداروں میں حضرت ثرذل بن العاص بھی شامل تھے۔ ذیل میں ہر سردار اہل اُٹس کی منزل مقصود کی تفصیل صریح کی جاتی ہے۔

۱۔ خالد بن ولید۔ آپ کو حکم دیا گیا کہ سب سے پہلے بڑاؤ جا کر طلحہ بن خویلد اسدی سے جنگ کریں اور حبیب و ماں سے فارغ ہو جائیں تو بطاح جا کر ملک بن زویہ کی سرکوبی کریں۔

۲۔ عکرمہ بن ابی جہل۔ انہیں سیلہ کذاب کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا گیا۔

۳۔ قسطل بن حسنہ۔ انہیں عکرمہ کے پیچھے ان کی مدد کے لئے روانہ کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ حبیب سیلہ کذاب سے فراغت حاصل ہو جائے تو وہ حضرموت جا کر بؤکنذہ پر حملہ کریں۔

۴۔ مہاجر بن ابی امیہ، انہیں اسود غسانی، عمرو بن صدی کرب اور قیس بن کموح کی سرکوبی کے لئے مضافہ روانہ کیا گیا۔

۵۔ سوید بن مقرن۔ انہیں مین جا کر اہل تہامہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا۔

۶۔ علاء بن حضری۔ انہیں بحرین بھیجا گیا۔

۷۔ حذیفہ بن حصص۔ انہیں عمان جا کر ذی النجاشی بن ملک سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا۔

۸۔ فرجہ بن ہریرہ۔ انہیں اہل ہروہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا۔

۹۔ عمرو بن العاص۔ انہیں تھامہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا گیا۔

۱۰۔ معاذ بن حارث السلمي۔ انہیں حضرت سلیم اہل ان کے شریک حال بہازن سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا گیا۔

۱۱۔ خالد بن سید بن العاص۔ انہیں شام کی سرحد پر بسنے والے قبائل کو مطیع کرنے کے لئے روانہ کیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت عمرو بن العاص عمان میں تھے۔ انہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خط کے ذریعے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کی خبر ملی۔ اس خط کے پہنچنے کے بعد بھی عمرو بن العاص اس وقت تک عمان میں رہے جب تک حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں واپس نہ بلا لیا۔

والہی پر ان کا گورنر عام کی بستیوں سے تھا۔ ان کا سجاد قرہ بن مسیرہ تھا وہ حضرت عمرو بن العاص سے بہت اچھی طرح پیش آیا احمد ان کی خوب خاطر مددات کی۔ لیکن چونکہ تمام عرب میں ارتداد کا فتنہ پھیل چکا تھا۔ اس لئے قرہ بھی اس سے متاثر تھا۔ ایک دن دلوں کے درمیان مسند و جذیل گفتگو ہوئی۔

عمرو بن العاص کی گفتگو قرہ بن مسیرہ سے

قرہ - عمرو بن العاص! تمہارا موجودہ بغاوت کے متعلق کیا خیال ہے؟

عمرو - مولیٰ شرفی ہے۔ جہنم میں فرد ہو جائے گی۔

قرہ - لیکن یہ تو تمام عرب میں پھیل ہوئی ہے۔

عمرو - کیا کچھ عرصہ پہلے ساما عرب مشرک نہ تھا، آخرا سے اللہ کے دین میں داخل ہونا پڑا۔

قرہ - لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو فوت ہو چکے ہیں۔

عمرو - بیشک وہ فوت ہو چکے ہیں۔ لیکن ان کا دین زندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں میں بدلتا

ضوٹن ہے۔ ان کی تلواریں عنقریب مرتدین کے سینوں میں ماتریں گی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کافور باقی رہے گا۔

قرہ - کیا تمہیں اپنی کامیابی پر پورا عذوق ہے؟

عمرو - یقیناً۔ جن تلواروں نے کل عربوں سے جہاد کیا تھا آج بھی وہ ان سے جہاد کرنے کے لئے تیار ہیں

اور اب ان کی شدت پہلے سے کہیں زیادہ ہوگی۔

قرہ - کیا لڑائی کے علاوہ بھی عربوں سے مصالحت کی کوئی صورت ہے؟

عمرو - ہاں صرف ایک۔ وہ یہ کہ وہ دائرہ اسلام میں دوبارہ داخل ہو جائیں۔ اس صورت میں ان کی

گردنیں مسلمانوں کی تلواروں سے محفوظ رہ سکیں گی۔

قرہ - عمرو بن العاص! سارا جھگڑا زکوٰۃ پر ہے۔ عرب تمہیں یہ تاویل دینے پر کبھی ماضی نہ ہوں گے

اگر تم انہیں زکوٰۃ سہات کر دو گے تو وہ تمہاری اطاعت کرنے کے لئے دل و جان سے تیار

ہوں گے لیکن اگر اپنے مطالبہ پر اصرار کر دو گے تو سارا عرب تمہارے خلاف مجتمع ہو جائے گا۔

عمرو - قرہ! کیا تم بھی ارتداد کی رو میں بہہ گئے ہو۔ میں تمہیں جہنم کی آگ کے کنارے کھڑا دیکھتا ہوں

جو تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو بھسم کرنے کے لئے تیار ہے۔ کیا تم بھی عربوں سے ڈراتے ہو؟

خدا کی قسم! ہم گھوڑوں کے سہل سے عرب کی ساری سرزمین کو روند ڈالیں گے اور تمہاری گردنیں

ہمدی تلامذہ سے کسی طرح محفوظ رہ سکیں گی۔

مدینہ پہنچ کر حضرت عمرؓ بن العاص نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تمام حالات سے مطلع کیا اور کہا کہ ان سے مدینہ تک تمام قبائلی ہمدے خلافت آمادہ پیکار ہیں اور لشکر فراہم کر کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

بعد میں جب قرہ بن بھیرہ حالت اسیری میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے کہا کہ میں بدستور اسلام پر قائم ہوں اور شہادت میں حضرت عمرؓ بن العاص کو پیش کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ بن العاص سے پوچھا۔ انہوں نے قرہ کی کہی ہوئی تمام باتیں دہرائی شروع کیں۔ جب زکوٰۃ کی بات پر پہنچے تو قرہ بول اٹھا۔

”بس بس۔ اسے رہنے دو“

انہوں نے کہا۔

”کیوں؟ خدا کی قسم! میں تو ساری باتیں بیان کر دیں گا۔“

تاہم حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسے صحت کر دیا اور اس کا مسلمان ہونا تسلیم کر لیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو گیارہ علم تیار کرائے تھے ان میں سے ایک علم جیسا کہ آپؐ پڑھ چکے ہیں عمرؓ بن العاص کے لئے بھی تھا۔ آپؐ نے انہیں قضاہ کے مرتدین سے جنگ کرنے کا کام سپرد کیا۔ کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی جنگ فات السلاسل میں قبیلہ قضاہ سے لڑ چکے تھے اور اس قبیلہ کے تمام حالات اور تمام راستوں سے بخوبی واقف تھے۔

قضاہ غوثی سے اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے بلکہ دیگر قبائلی کی طرح انہوں نے بھی خون کے باعث یا مل و جاہ کی طرح میں اسلام قبول کیا تھا اور ان کے دل اسلام کی محبت سے خالی تھے۔ لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چونکہ انہیں مسلمانوں کی کمزوری کا احساس ہوا انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ بارگاہ خلافت سے حکم ملنے ہی عمرؓ بن العاص اپنے لشکر کے ہمراہ اسی راستے سے جزدام کی جانب روانہ ہوئے جس سے پہلے گئے تھے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ قضاہ جنگ کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔ مقابلہ شروع ہوا اور گھسان کا مل پہلے کی طرح اب بھی قضاہ کو شکست کھاتی پڑی تھی۔ حضرت عمرؓ بن العاص ان سے زکوٰۃ لے کر اور انہیں دوبارہ حلقہ کبوش اسلام بنا کر منظر منصفہ مدینہ واپس آ گئے۔

(۳)

شام اور فلسطین کی جنگیں

”کیا مسلمانوں کی حدودوں کے آگے اوطبوں کی کوئی
حقیقت ہو سکتی ہے.....؟ وہ تو ادریں جنہوں
نے برقی کی فوجوں کو شکست فاش دی اور اس
شخص کو موت کے گھاٹ اتار دیں گی جو عمرو بن لعل
کی فوج کا مقابلہ کرنے کی جرأت کرے گا.....“

عمرو بن العاصؓ کی گفتگو
اجنادین کے میدان میں
ردی پہ سالار
اوطبوں کے ساتھ

عراق میں مسلمانوں کی پیش قدمی | فتنہ ارتداد کے فرد ہونے اور عرب کے تمام قبائل کے اطاعت قبول کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلام کے مستقبل کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ ان کے ذہن میں طبعاً یہ خیال آیا کہ اسلامی سلطنت کو بیرونی حملوں کے خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے سرزمین عراق و شام کو طبع کیا جائے لیکن وہ ہمسایہ سلطنتوں میں پیش قدمی کرنے کی نسبت سلطنت کے داخلی استحکام کو زیادہ ضروری خیال کرتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے ابتداء میں اپنی تمام تر توجہ عرب کے مختلف حصوں میں امن و امان قائم رکھنے کی طرف مبذول رکھی۔ اسی اثنا میں انہیں اطلاع ملی کہ ایک شخص مثنیٰ بن حارثہ شیبانی جو بحرین کے قبیلہ بنو بکر بن مالک میں سے تھا اور جس نے علامہ بن حضرمی کے لشکر میں شامل ہو کر فتنہ ارتداد کو فرو کرنے میں حصہ لیا تھا، ایک لیلیٰ فوج کے ساتھ پیش قدمی کر کے بحرین کے شمال میں دجلہ اور فرات کے درمیان تک پہنچ گیا ہے۔ وہ ایرانی حکام جنہوں نے بغاوت کی آگ بھڑکانے میں بحرین کے مرتدین کی مدد کی تھی، اس کے آگے بے بس ہو گئے اور تاپ مقادمت نہ لاکر پیچھے ہٹ گئے ہیں۔

اس صورت حال نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لئے غور و فکر کی نئی راہیں کھول دیں۔ اب ان کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ کیا اس موقع پر مسلمانوں کو عرب کی حدود سے باہر بھیجنا مناسب ہوگا اور کیا غنی میں اتنی طاقت ہے کہ وہ عراق میں گھس کر ایرانی سلطنت کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھولنے میں کامیاب ہو سکے گا؟

حضرت ابوبکر صدیقؓ آئندہ اقدام کے متعلق ابھی کوئی فیصلہ کرنے نہ پائے تھے کہ مثنیٰ بن حارثہ نے خود مدینہ میں آکر موجود ہوئے۔ اور تمام حالات خلیفہ کے گوش گزار کر دیئے۔ انہوں نے آپ کو یقین دلایا کہ عراق کی فتح سہل الحصول ہے۔ وہاں کے عرب قبائل ایمانیوں سے دلی نفرت کے باعث ضرور اپنے ہم وطنوں کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائیں گے اور ہر طرح ان کی امداد کریں گے۔ اس لئے یہ نادر موقع ہاتھ سے نہ کھوتا جاتا ہے اور سرزمین عراق میں اسلامی فوجیں روانہ کر دینی چاہئیں۔

کوئی قطعی فیصلہ کرنے سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ کے اہل الرائے اصحاب سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ انہیں بلایا اور عراق کے تمام حالات سن کر مثنیٰ کی یہ درخواست ان کے سامنے پیش کی۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ خالد بن ولید کو بلا کر یہ سارا معاملہ ان کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور اس پر عمل کیا جائے۔ حضرت خالد بن ولید اس زمانے میں مرتدین کی سرکوبی سے فارغ ہو کر یامہ میں

مقیم تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں فوراً مدینہ طلب فرمایا۔ مدینہ پہنچنے کے بعد حبیب حضرت ابوبکرؓ نے عراق پر فوج کشی کے متعلق مشن کی تجاویز ان کے سامنے رکھیں تو انہوں نے بلائیں و پیش ان پر صاف کر دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے مشن کو ان کی خواہش کے پیش نظر ان لوگوں کا سردار مقرر کر دیا۔ جنہیں ہمراہ لے کر انہوں نے عراقی حدود میں پیش قدمی کی تھی اور حکم دیا کہ فی الحال وہاں کے عرب قبائل کو ساتھ ملانے اور اسلام قبول کرنے پر آمادہ کریں۔ جلد ہی مدینہ سے بھی ایک لشکر ان کی امداد کے لئے روانہ کیا جائے گا جس کی مدد سے وہ مزید پیش قدمی جاری رکھ سکیں گے۔

حکم کی تعمیل میں مشن عراق واپس آگئے اور نئے سرے سے عراق میں پیش قدمی شروع کر دی۔ مدینہ کے بوجیب کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ صدیق نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو مشن کی امداد کے لئے عراق روانہ کیا اور ان کے ذریعے وہاں مسلمانوں کو عظیم الشان کامیابیاں نصیب ہوئیں۔

شام کی جانب حضرت ابوبکرؓ صدیق کی توجہ | اسی اثنا میں حضرت ابوبکرؓ صدیق کی توجہ تمام کی طرف بھی مبذول ہو گئی۔ شام کی سرحد پر اسلامی فوج کے سردار خالد بن سعید بن العاص تھے۔ انہیں ہدایت تھی کہ جب تک خلیفہ کے واضح احکام ان تک نہ پہنچیں وہ نہ اپنی جگہ سے ہٹیں اور نہ اس وقت تک دشمن سے جنگ کا آغاز کریں۔ جب تک دشمن خود پہل کر کے ان کے مقابلے پر نہ آجائے۔ البتہ وہ گرد و نواح میں بسنے والے قبائل کو ساتھ ملانے کی پوری کوشش کریں اور ان قبائل کے جو ارتداد اختیار کر چکے تھے۔

خالد بن سعید نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کے احکام پر پوری طرح عمل کیا جس کے نتیجے میں چند دن کے اندر اندان کے جھنڈے کے نیچے ایک تہوار لشکر جمع ہو گیا۔ جب ہر قافل کو اپنی سرحد پر اس عظیم الشان لشکر کے اجتماع کی خبر ملی تو اس نے بھی پورے زور شور سے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ خالد بن سعید نے فوراً حضرت ابوبکرؓ کو خط لکھا جس میں ہر قافل کی جنگی تیاریوں کا ذکر کر کے رومی سرحدوں پر چڑھائی کرنے کی اجازت طلب کی۔ مہلدا رومیوں کا لشکر اچانک مسلمانوں پر حملہ آور ہو جائے اور انہیں شکست سے دوچار ہونا پڑے۔

حضرت ابوبکرؓ نے اتھائی غور و فکر کے بعد حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت سعید بن ابی وقاصؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور دوسرے بڑے بڑے مہاجرین و انصار کو طلب کیا۔ فرمایا اور یہ معاملہ ان کے سامنے پیش کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ اہل عرب کو شامیوں کے متوقع حملوں سے ہر طرح محفوظ رکھا جائے۔ اس غرض سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو تدابیر اختیار کیں انہیں پوری

طرح جاوے عمل پیمانے نہ پائے تھے کہ آپ کی وفات ہو گئی۔۔۔۔۔ اب آپ لوگوں نے سن لیا ہے کہ ہر قلعہ محلہ سے مقابلے کی غرض سے کثیر تعداد میں فوجیں جمع کر رہا ہے۔ میرے خیال میں یہیں اس خطے کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری طاقت و جرات سے کام لینا چاہیے۔ اور رومیوں سے نہ براہ راست کے واسطے زیادہ تعداد میں فوجیں شام روانہ کرنی چاہئیں۔ جو شخص مارا گیا اسے شہادت کا رتبہ نصیب ہو گا اور جو زندہ رہا وہ مجاہدین کے زمرے میں شامل ہو گا۔ اور اللہ کے ہاں اس کے لئے جو اجر لکھا جائے گا۔ اس کا کوئی حساب و شمار ہی نہیں۔ اب آپ لوگ مشورہ دیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے اور اس نصرت حال کا کس طرح مقابلہ کرنا چاہیے؟

تمام لوگوں نے متفقہ طور پر خالد بن سعید کی امداد کے لئے فوجیں روانہ کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اس کے لئے تیاری شروع کر دی گئی۔

اس زمانے میں حضرت عمرؓ بن العاص مرتدین سے فراغت پا کر قضاہ میں مقیم تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کی خواہش تھی کہ وہ بھی شام جا کر خالد بن سعید کی امداد کریں۔ لیکن ان کے کارناموں کی وجہ سے جو انہوں نے فتنہ ارتداد فرو کرنے کے سلسلے میں انجام دیے تھے، حضرت ابو بکرؓ نے انہیں اختیار دیا کہ خواہ وہ قضاہ ہی میں مقیم رہیں خواہ شام جا کر وہاں کے مسلمانوں کی تقویت کا باعث بنیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے انہیں لکھا:-

”اے ابو عبداللہ! میں تمہارے سپرد ایسا کام کرنا چاہتا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کے اعتبار سے تمہارے لئے بہتر ہے۔ لیکن تمہاری خوشی مجھے بہر حال منظور ہے۔“

حضرت عمرؓ بن العاص نے جواب میں لکھا:-

”میں اسلام کے تیروں میں سے ایک تیر ہوں اور اللہ کے بعد آپ اس کے تیرا نواز جس طرف آپ کو کوئی خطرہ نظر آئے آپ بلا تامل اس تیر کو چلایئے جو بہت محنت اور دشمنی کے جگر کو چھلنی کرتے والا ہے۔“

شام بھیجنے کے لئے چار لشکروں کی تشکیل | حضرت ابو بکر صدیقؓ یہ خط پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور آپ نے حضرت عمرؓ بن العاص کو غلام سے بلالیا۔ آپ نے شام کی طرف روانہ ہونے والی اسلامی فوج کے چار حصے کئے اور ہر حصے کا علیحدہ علیحدہ امیر مقرر کر کے شمال کی جانب مندرجہ ذیل علاقوں کی طرف روانہ فرمایا:-

۱۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح : حمص

۲۔ عمرو بن العاص : فلسطین

۳۔ یزید بن ابوسفیان : دمشق

۴۔ شرجیل بن حسد : وادی اردن

چاروں فوجوں کی مجموعی تعداد ستائیس ہزار تھی۔ حضرت عمرو بن العاص کی کمان میں نو ہزار آدمی تھے۔ روانگی کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان اہراء سے فرمایا کہ ضرورت پڑنے پر ایک دوسرے کی مدد کریں۔ ساتھ ہی آپؐ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو ان چاروں کا امیر مقرر فرما دیا۔

سبب بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان لشکروں کی مجموعی قیادت کا شرف حضرت عمرو بن العاص اپنے لئے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ حضرت عمروؓ کے پاس گئے تاکہ وہ حضرت ابوبکرؓ سے سفارش کر کے انہیں شاہی افواج کا سپہ سالار مقرر کرا دیں۔ ان دونوں کے درمیان مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔
 عمرو: ابو حفص! تم جانتے ہو کہ میں دشمن پر کس قدر سختی سے حملہ کرتا اور مستقل مزاجی سے اس کا مقابلہ کرتا ہوں۔ براہ مہربانی آپ خلیفۃ المسلمین سے سفارش کر دیں کہ وہ ابوعبیدہؓ کی جگہ مجھے امیر مقرر کریں۔
 آپؐ نے دیکھا ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں میری کتنی قدر و منزلت تھی؛ مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ تمام کومسلموں کے قبضے میں دے دے گا۔ اور دشمنوں کو ہلاک کرے گا۔

عمرو: ایسا ہو گا نہیں ہو سکتا۔ مجھے تمہاری بہادری اور جنگی صلاحیتوں سے انکار نہیں لیکن میرے نزدیک ابوعبیدہؓ پر کسی شخص کو امیر مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ ابوعبیدہؓ کی قدر و منزلت ہمارے دلائل میں تم سے زیادہ ہے۔ لیکن وہ تم سے بہت پہلے اسلام لائے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا تھا: ابوعبیدہ اس امت کے امین ہیں۔
 عمرو: اگر میں امیر ہو جاؤں تو ابوعبیدہؓ کی قدر و منزلت میں کیا فرق پڑے گا۔
 عمرو: عمرو بن العاص! تمہارا مقصد موت دنیوی بڑائی اور عزت و ریاست حاصل کرنا ہے۔ تم اللہ سے ڈرو اور موت آخرت کے شرف اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی تمنا کرو۔

۵۔ راقو یہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاص کی یہ خواہش اپنی بڑائی اور بزرگی کے لئے نہیں تھی بلکہ اسلام کی سر بلندی اور غلبہ کی غرض سے تھی۔ (محمد احمد بانی تہی)

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں حضرت عمرو بن العاص کی فوج کی تعداد ۹ ہزار تھی اور وہ مکہ اطاعت اہواز اور بنو کلاب کے لوگوں پر مشتمل تھی۔ طبری اور ابن اثیر اس امر میں متفق ہیں کہ اس لشکر کے دو کام سپرد کیے گئے تھے۔

اول: فلسطین کو فتح کرنا

دوم: ضرورت پڑنے پر دوسری فوج کی، جو شام کی جانب روانہ کی گئی تھیں، اندر کرنا۔ روانگی کے وقت حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عمرو بن العاص کو بلایا اور جھنڈا مرحمت کرتے ہوئے انہیں مندرجہ ذیل نصائح فرمائیں :-

حضرت ابوبکر صدیق کی نصائح عمرو بن العاص کو | میں نے مکہ اطاعت، اہواز اور بنو کلاب پر مشتمل اس فوج کی قیادت تمہارے سپرد کی ہے۔ تم اسے فلسطین جاؤ۔ ابوجہیدہؓ سے برابر خط و کتابت کرتے رہنا اور ضرورت پڑنے پر ان کی مدد کو پہنچنا۔ کوئی اہم کام ان سے مشورہ کیے بغیر نہ کرنا۔ ظاہر و باطن میں اللہ سے ڈرتے رہنا، اور خلوت میں بھی شرم و حیا سے کام لینا۔ کیونکہ کوئی مخفی عمل اللہ سے مخفی نہیں۔ دیکھو! میں نے تمہیں ان لوگوں پر بھی ترجیح دی ہے جنہوں نے تم سے پہلے اسلام قبول کیا اور حرمت میں بھی وہ تم سے مقدم ہیں۔ اس لئے چاہیے کہ تمہاری تمام کوششیں آخرت کے لئے ہوں۔ تم اپنا ہر کام اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے انجام دینا۔ فلسطین جامے کے لئے اہلبیاء کا راستہ اختیار کرنا۔ جو کام تمہارے سپرد کیا گیا ہے اس میں مطلق سستی نہ کرنا اور کابل کو پاس ملک نہ بٹھکنے نہ دینا۔ خبردار! کہیں ایسا نہ ہو، تم یہ کہنے لگو کہ ابن ابی قحافہ نے مجھے ایسے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیج دیا ہے جس سے لڑنے کی طاقت مجھ میں نہیں۔ اے عمرو! اچھی طرح جان لو کہ تمہارے ساتھ وہ مہاجرین اور انصار ہیں جنہوں نے جنگ بدر میں حصہ لیا تھا۔ ان کی ہر طرح تعظیم و تکریم کرنا، ان کے حقوق کا ہر طرح خیال رکھنا، امداد کی وجہ سے ان پر اپنی فوقیت نہ جتاننا۔ تمہارے دل میں یہ شیطانی دوسرہ داخل نہ ہونے پائے کہ چونکہ تمہیں ابوبکرؓ نے امیر بنایا ہے اس لئے تم ان سے بہتر ہو نفس کے دھوکوں سے خبردار رہنا۔ لوگوں سے اس طرح مل جل کر زندگی بسر کرنا گویا تم بھی انہی جیسے ایک فرد ہو۔ ہر کام میں ان سے مشورہ لینا۔ ادا تے نماز کا خیال رکھنا۔ میں تمہیں پھر کہتا ہوں کہ نماز ادا کرنے کا خیال رکھنا۔ جب نماز کا وقت آجائے تو اذان دلو کہ نماز پڑھنا، دشمن کی چالوں سے خبردار رہنا اپنے ساتھیوں کو ہر دم چمکے رہنے کی تاکید کرتے رہنا۔ دشمن وہ انہیں جن میں دشمنی ہو خبردار رہنا۔ راتوں کو اپنے رفیقوں کے ساتھ زیادہ بیٹھنا۔ مقابلے کے وقت طلایہ خاطر اپنے آپ کو دقت کر کے اس فوج کو سخت

5015

مقلدے میں آنا چاہیے۔

۶۔ فوجی کمانڈرین کو آپس میں برابر صلاح و مشورہ کرتے رہنا چاہیے | یہ اصول داعی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضع کیا تھا اور حضور سے آپ کے جانشین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ بات ناپسند فرماتے تھے کہ قائد میدان جنگ میں صرف اپنی رائے سے ہر کام کرے۔ بلکہ چاہتے تھے کہ وہ اہم امور میں اپنے ساتھیوں سے برابر مشورہ کرتا رہے۔ کیونکہ حصول فتح کے لئے یہ امر بے حد ضروری ہے آپ نہ صرف قارئین کو صلاح مشورہ کرنے کی ہدایت کرتے رہتے تھے بلکہ خود بھی اس اصول پر پوری طرح عمل پیرا تھے۔ جب کبھی کوئی نازک موقعہ درپیش آتا یا اہم مسئلہ سامنے آتا تو آپ اہل الرائے اصحاب اور اپنے معینین کا راجع کرتے اور ان سے مشورہ لیتے۔ کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ اکیلے آدمی کی رائے سے وہ پورا فائدہ حاصل نہیں ہوتا جو بہت سے لوگوں کی مجموعی رائے سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک آدمی کی نظر بالعموم معاملے کے صرف ایک پہلو پر پڑتی ہے جبکہ مختلف لوگوں کی نظریں معاملے کے بیشتر پہلوؤں پر پڑتی ہیں اور اسی لئے ان کی رائے ایک آدمی کی رائے سے زیادہ وسیع ہوتی ہے۔

۷۔ دوران جنگ میں سپہ سالار کو اللہ کی مدد و نصرت پر کامل ایمان ہونا چاہیے | اللہ پر ایمان انسان کو قوت و طاقت، شجاعت و بہمت اور عزیمت و صبر عطا کرتا ہے، موت اس کی نظروں میں حقیر ہو جاتی ہے۔ اور وہ بے خوف ہو کر دشمنوں کے مقابلے میں نکل آتا ہے۔ ایمان باللہ اس کے اندر اطاعت کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور دوران جنگ میں اپنے سے بڑے انسر کی اطاعت ان بنیادی امور میں سے ہے جو ہر سپاہی کو پیش نظر رکھنے چاہئیں۔

۸۔ فوجی کمانڈرین کو جنگ پر بھیجنے سے پہلے ان کی صلاحیتوں کا پورا اندازہ کر لینا چاہیے | حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ بن العاص کو ان کی روانگی کے وقت جو نصائح فرمائی تھیں ان کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آپ انہیں اس اہم کام کا پوری طرح اہل سمجھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک سپہ سالار کو جن خوبیوں کا حامل ہونا چاہیے حضرت صدیقؓ عمرؓ بن العاص میں وہ سب خوبیاں موجود پاتے تھے۔ اسی لئے آپ نے دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر انہیں قائد مقرر کیا اور ایسے متعدد مہاجرین اور انصار کو ان کے ماتحت کیا جنہیں ابتدائی زمانے میں اسلام قبول کرنے اور جنگ بدر میں حصہ لینے کا شرف حاصل تھا۔ اس عزت افزائی کے نتیجے میں حضرت عمرؓ بن العاص کے دل میں طبعاً یہ خیال پیدا ہوا کہ خلیفۃ المسلمین نے ان کے سپرد جو فرائض عائد کیے ہیں وہ انہیں بحسن و خوبی ادا کریں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر سب کام کر کے اور اسلام کی سر بلندی کی خاطر اپنے آپ کو وقف کر کے اس حسن ظن

کہ قائم رکھیں جو خلیفہ کے دل میں ان کی جانب سے پیدا ہو گیا ہے اور جس کے باعث انہوں نے ان کو جلیل القدر صحابہ پر ترجیح دیتے ہوئے قیادت کی اہم ذمہ داری ان کے سپرد کی ہے۔

۵۔ سپہ سالار و لشکر کے درمیان گہرا تعلق اور مضبوط رابطہ قائم رہنا چاہیئے کسی سپہ سالار کو اس وقت تک فتح کبھی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اس کے اور اس کی فوج کے باہمی تعلقات اچھے نہ ہوں۔ اگر سپہ سالار فوج کی غرضنوردی حاصل کرنے میں ناکام رہے گا تو کبھی اپنے دشمنوں پر کامیابی حاصل نہیں کر سکے گا لیکن اگر فوج کے سپاہی اپنے قائد سے خوش ہوں گے تو وہ اس کے کہنے پر اپنی جانیں تک قربان کرنے میں سچکچا ہٹ محسوس نہ کریں گے اور کامل وفاداری کے ساتھ اس کے احکام کی بجا آوری میں مشغول رہیں گے۔

۶۔ قائد کو اپنا نیک نمونہ فوج کے سامنے پیش کرنا چاہیئے سپہ سالار کا نمونہ فوج کے لئے مشعل راہ کا کام دیتا ہے۔ اور اس کی کارکردگی کا انحصار اسی نمونہ پر ہوتا ہے۔ اگر قائد لشکر کا اپنا نمونہ اچھا نہ ہو گا تو فوج کے جنگی شعور میں انحطاط رونما ہو جائے گا اور اس کا جوش اور دلولہ سرد پڑ جائے گا۔ لشکر اپنے سپہ سالاروں کے نقش قدم پر چلتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ قائد نیک اور پارسا ہو غلطیوں سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرے۔ خوف ارتداد اور نفاق کا اس میں شائبہ تک نہ ہو۔ اخلاق و عادات کے لحاظ سے بہترین ہونا ہو۔ جب فوج اپنے قائد کو ان اعلیٰ صفات سے متصف پائے گی تو وہ خود بھی ان فضائل کو اپنانے کی کوشش کرے گی اور اس طرح سارے لشکر کے اخلاق میں ایک عظیم تبدیلی رونما ہو کر انہیں فتح و نصرت سے قریب تر کر دے گی۔ حضرت ابو بکر صدیق نے اپنی نصائح میں خاص طور پر تواضع، انکسار اور فروتنی اختیار کرنے پر زور دیا تھا اور انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ امارت اور قیادت کے باعث لشکر کے لوگوں پر اپنی فوقیت نہ جتائیں اور ان کے دل میں یہ خیال نہ آئے پاسے کہ وہ علم اور تجربے کے لحاظ سے ان سے بہتر ہیں یہ ایک شیطانی دوسرہ ہے اور اس سے دور رہنا بے حد ضروری ہے۔

۷۔ لشکر کی حفاظت کا خاص طور پر انتظام کرنا چاہیئے حضرت ابو بکر صدیق نے منجہ دیگر ہدایات کے حضرت محمد بن العاص کو ایک ضروری ہدایت یہ کی تھی کہ وہ لشکر کی حفاظت کے لئے خاص تدابیر اختیار کریں اور پہرے کا کڑا انتظام رکھیں۔ مبادا دشمن ان کی لیے خبری سے فائدہ اٹھا کر اچانک ان پر حملہ آور ہو جائے۔ اور انہیں شدید نقصان اٹھانا پڑے۔ اگر پہرے کا انتظام مضبوط ہو گا تو دشمن کبھی دھوکے سے حملہ آور نہ ہو سکے گا اور اچانک حملے کے نتیجے میں جن نقصانات اور تباہیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے لشکر اس سے محفوظ رہے گا۔

۸۔ قائد کو دشمن کے تمام حالات کا علم حاصل کرنا چاہیے | جب تک جاسوسوں کے ذریعہ دشمن کے تمام حالات کا علم نہ ہو وہ ان کے مقابلے کے لئے کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھا سکتا۔ دشمن کے متعلق مزوری معلومات کی عدم موجودگی میں وہ جو قدم بھی اٹھائے گا اس کی افادیت مشکوک ہوگی۔ جاسوسی کے ذریعہ قائد کو دشمن کی تعداد اور اس کے اسلحہ اس کی جنگی تیاری اور جہت سی ضروری باتوں کا علم ہو جاتا ہے اور وہ ان مفید معلومات کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کے لئے صحیح ماہر عمل متعین کر سکتا ہے اور ایسے طریقے اختیار کر سکتا ہے جو اسے فتح و نصرت سے یقینی طور پر ہم کنار کر دیں۔

۹۔ اسلام کی راہ میں اپنی جان کی کوئی قیمت نہیں سمجھنی چاہیے اور شہاد کا جذبہ ہر وقت دل میں موجود رہنا چاہیے | اسلام اپنے پیروں سے اس امر کی توقع رکھتا ہے کہ وہ کسی نفسانی خواہش کے تحت میدان جنگ میں نہیں آئیں گے بلکہ محض خدا تعالیٰ کی رضا اور اعلیٰ دینی مقاصد کے حصول کی خاطر دشمن سے جہاد کریں اور اس راہ میں اپنی جان کی بھل کوئی پردہ نہ کریں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کو اس امر کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی۔

۱۔ عمرو بن العاص فلسطین میں

فلسطین کی جانب کوچ | حضرت عمرو بن العاص نے ہزار فوج کے ہمراہ فلسطین کے لئے روانہ ہوئے اور ایلیا کے راستے سفر کرتے ہوئے غز العریات میں جا کر اترے۔ جب شہنشاہ روم کو مسلمانوں کی نقل و حرکت کا پتہ چلا اور یہ معلوم ہوا کہ ان کے چلنا شروع اس کے مقابلے کے لئے مدینہ سے روانہ ہو چکے ہیں۔ تو اس نے ہر لشکر کے مقابلے میں ایک ہزار فوج بھیجنے کا ارادہ کیا تاکہ مسلمان ایک ہی وقت میں مختلف جہات میں ان فوجوں کے درمیان بھینس جائیں۔ پورا نہیں آپس میں ملنے اور کوئی متحدہ محاذ بنانے کا موقع نہ مل سکے۔ اس کا خیال تھا کہ مختلف علاقوں میں مصروف ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں کی قوت کمزور ہو جائے گی اور وہ رومی سلطنت کو چنداں نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

رومیوں سے مسلمانوں کی ٹکر بھیر | جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ ایک لاکھ رومی ان کے مقابلے کے لئے تیار ہیں تو ان کے دلوں میں بے حد خوف و ہراس پیدا ہوا لیکن حضرت عمرو بن العاص مطلق خوف زدہ نہ ہوئے اور انہوں نے کامل بے خوفی سے دشمنوں کے مقابلے کی تیاری شروع کر دی۔ جب یہ بھی کامیاب ہو گیا جو دس ہزار سپاہ پر مشتمل تھا سامنے آیا تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ایک ہزار فوج دے کر سامنے سے حملہ کرنے کا حکم دیا اور ایک ہزار فوج کے ہمراہ خود دوسری طرف سے حملہ

کر دیا۔ پہلے ہی تہ میں رومیوں کا سپہ سالار مارا گیا جس کے نتیجے میں رومی فوج کے دلوں پر زبردست خوں دہراں طاری ہو گیا۔ کچھ عرصہ تک گھسان کی جنگ جاری رہی۔ بالآخر رومی مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لا سکے۔ اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں کو کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا۔ مال غنیمت کے علاوہ سات موقیدی بھی ہاتھ آئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے صرت سات آدمی شہید ہوئے۔ عربوں کے دلوں پر اس فتح کا نفسیاتی طور پر بہت گہرا اثر ہوا۔ بعد میں رومیوں کے متعدد لشکر ان کے مقابلے کے لئے آئے جو تعداد اور قوت و طاقت کے لحاظ سے ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے لیکن خدا کے فضل و رحم اور خود اہم تادی کے بل بوتے پر انہوں نے ہر جنگ کامیابی حاصل کی۔ رومیوں سے مسلمانوں کی دوسری جنگ اس جنگ کے باعث جہاں مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے تھے وہاں رومیوں کے دلوں میں استقام کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کے مقابلے کے لئے ایک لاکھ کا عظیم الشان لشکر تیار کیا۔ اور ان کی جانب بڑھے۔ مگر حضرت عمرؓ نے اس عظیم الشان لشکر کو کوئی اہمیت نہ دی اور بڑے اطمینان اور کامل بے خونی کے ساتھ مقابلے کی تیاری شروع کر دی۔ لشکر کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصہ کو مختلف بہادروں کی کمان میں دے دیا۔ میمنہ کا سردار ضحاک کو بنایا۔ اور میسرہ کا سید بن خالد کو۔ ابو اللہ داؤد کو سادہ کی کمان سپرو کی۔ اور خود طلب لشکر کی کمان سنبھالی۔

عمر بن العاص جس لوگوں کے دربار میں اس امر کا خاص طور پر التزام رکھتے تھے کہ اہل لشکر کو قرآن کریم کی آیات سنا کر ان کے دلوں میں اور جوش و خروش کو برقرار رکھا جائے۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی انہوں نے چند لوگوں کو اس کام پر مقرر کیا کہ وہ برابر قرآن کریم کی آیات تلاوت کرتے رہیں۔ انہوں نے خود بھی صفوں کے درمیان چکر لگا کر لوگوں کو جوش و خروش دلانا انہیں لڑائی کی ترغیب دینا اور ان کے احساسات کو ابھارنا شروع کیا۔

بالآخر جنگ شروع ہوئی۔ مسلمانوں نے اپنے بیڑوں سے دشمن کے گھوڑوں کو زخمی کیا اور جب رومی ان کی پیٹھوں پر سے اترنے پر مجبور ہوئے تو ان پر اچانک حملہ کر کے انہیں تہ تیغ کرنا شروع کیا۔

۱۔ نوح اشام واقعی جلد اول صفحہ ۱۱۰۔ ۲۔ امرتال، فکر ہے کہ واقعہ کے سوا کسی قدیم مؤرخ نے اپنی کتاب

میں اس جنگ کا ذکر نہیں کیا۔ اور محدثین اور مرصنین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ جس روایت کا راوی اکیلا واقعی ہو

وہ جھوٹی اور ناقابل اعتبار ہے (محمد امجد پانی پتی)

کچھ دیر تک گھسان کی جنگ رہی۔ اور بالآخر رومی مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لاکر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت عمر دین العاص نے اپنے لوگوں کو ان کا پیچھا کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا اور ہزاروں رومیوں کو مار ڈالا۔ اثنائے تعاقب میں مسلمانوں کو ایک نقصان سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ اور وہ اس طرح کہ اس دوران میں رومیوں کے ایک حملہ کی وجہ سے حضرت عمر دین العاص کے سوتیلے بھائی خالد بن سعید شہید ہو گئے۔

جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت عمر دین العاص نے حضرت ابو علیہؓ کو ایک خط لکھا جس میں فتح کی خوشخبری دیتے ہوئے تحریر کیا۔

”ہیں سرزمین فلسطین میں پہنچ گیا ہوں۔ یہاں ہمارا مقابلہ رومیوں کے لشکر ہزار سے ہوا۔ جو ایک لاکھ سواروں پر مشتمل تھا۔ اور جس کی قیادت ان کا بطریق تدوین کر رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں فستج عطا فرمائی اور رومیوں کے ہزار ہزار سوار مارے گئے۔ لیکن مسلمانوں کے صرف ایک سو تیس آدمی شہید ہوئے اگر میری خدمت ہو تو میں آپ کے پاس آنے کے لئے تیار ہوں۔ والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“

۲۔ عمر دین العاص یرموک میں

طبریؒ نے لکھا ہے کہ رومیوں نے (ان پے در پے شکستوں سے جھنجھلا کر) زبردست فوجیں جمع کیں اور ان کا سپہ سالار بالان کو مقرر کیا۔ اس نے بہت سے پادری اکٹھے کیے اور ان کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ اپنی تقریروں سے لشکر کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر ابھاریں اور انہیں بالکل پٹیں ڈالنے کی تلقین کریں۔

جب حضرت ابو بکرؓ کو رومیوں کی زبردست افواج کے اجتماع کی خبریں ملیں تو انہوں نے حضرت خالد بن ولید (جو ان دنوں عراق میں ایرانیوں سے برسرِ پیکار تھے) کو حکم بھیجا کہ وہ مسلمانوں کی مدد

۱۔ طبریؒ نے لکھا ہے کہ اس لشکر کی تعداد ستر ہزار تھی۔ ابن اثیرؒ نے اس کی تعداد نوے ہزار لکھی ہے۔

۲۔ فتوح الشام داتدی جلد اول صفحہ ۱۲

۳۔ طبریؒ جلد ۳ صفحہ ۲۱۰ ابن اثیرؒ جلد ۳ صفحہ ۱۶۰ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

کے لئے شام پہنچ جائیں۔ چنانچہ حضرت خالدؓ شام پہنچ گئے اور اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ یرموک میں ڈیرے ڈال دیے۔

مسلمانوں کی مجموعی تعداد چالیس ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ ہر لشکر اپنے اپنے قاذو کے ماتحت تھا۔ اور اسی سے تمام احکام لیتا تھا۔ اسلامی لشکروں کے درمیان نہ کوئی مابطل قائم تھا اور نہ دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے ان کے سامنے کوئی متحدہ پروگرام تھا۔

ردیوں کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار سے بھی زیادہ تھی اور عدویٰ لائق کے علاوہ تنظیم، اسلحہ اور سامان رسد کے لحاظ سے بھی وہ مسلمانوں سے بڑے بڑے تھے۔ علاوہ انہیں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مسلمانوں کے برعکس وہ ایک قیادت کے تحت تھے۔

دن گزرتے چلے گئے۔ دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لئے مروج کی تلاش میں تھے۔ لیکن کوئی ایسا مروج مل نہیں رہا تھا۔

مسلمانوں کو ردیوں کی بھاری تعداد دیکھ کر بے حد خوف محسوس ہو رہا تھا۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور پھر ایک خط حضرت عمرؓ بن العاص کو لکھا جس میں اس نازک اور خوفناک مرحلے سے عہدہ بہا ہونے کے متعلق ان کی لائے طلب کی گئی تھی۔ حضرت عمرؓ بن العاص نے جواب میں لکھا:-

”میری لائے یہ ہے کہ تمام مسلمان ایک جگہ مجتمع ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں ساگر ہم ایک جگہ جمع ہو جائیں گے تو قلمتِ تعداد کے باوجود مغلوب نہ ہو سکیں گے لیکن اگر بدستور علیحدہ علیحدہ رہیں گے تو کوئی بھی لشکر ردیوں کی جبرائیل کے سامنے ٹھہر نہ سکے گا۔“

مسلمانوں نے اسی دوران میں حضرت ابو بکرؓ صدیق کو بھی تمام حالات کی اطلاع دی تھی اور تمام جنگی صورت حال واضح کر کے ان سے آئندہ اقدام کے متعلق رائے مانگی تھی۔ انہوں نے بھی جو رائے دی وہ بالکل وہی تھی جو حضرت عمرؓ بن العاص دے چکے تھے۔ انہوں نے لکھا:-

”تم سب مل کر ایک لشکر کی شکل اختیار کرو اور اسی حالت میں مشرکین سے مقابلہ کرو۔ تم اللہ کے مددگار ہو اور اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے اور اس سے کوئی دشمن اختیار کرتا ہے جو اس کا انکار کرتا ہے۔“

اگرچہ حضرت عمرؓ بن العاص کو شامی افواج کی قیادت حاصل نہ تھی۔ لیکن مسلمانوں کو ان کی اقتدار

اور دور بینی کا ایک اور تجربہ ہو گیا۔ مسلمانوں کو جنگ یرموک میں جو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔ اس کی اولین وجہ حضرت عمرؓ بن العاص کی یہ رائے تھی جس پر عمل کر کے مسلمانوں نے دشمن کی طاقت کو کمزور کر دیا اور ان کے لئے فتح اور ظفر مندی کے راستے کھل گئے۔ حضرت عمرؓ بن العاص کی عقل مندی اور اصابت رائے ہی تھی جس کے باعث حضرت عمرؓ کو ان پر کامل اعتماد پیدا ہو گیا اور آئندہ جیل کرانہوں نے ان کے سپرد مستعد و اہم کام کیے جنہیں انہوں نے حسب سابق خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ اگرچہ حضرت خالدؓ بن ولید نے مرتدین کی جنگوں میں آپ سے بہت زیادہ کارنامے نمایاں سرانجام دیئے تھے اور عراق و شام کی جنگوں میں بھی انہی کا پتہ بھاری تھا۔ تاہم فاروق اعظمؓ کی نگاہ میں جو مقام حضرت عمرؓ بن العاص کا تھا وہ حضرت خالدؓ بن ولید کو حاصل نہ ہو سکا۔

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف سے بھی وہی رائے موصول ہوئی جو حضرت عمرؓ بن العاص اس سے قبل دے چکے تھے تو تمام سپہ سالار ایک جگہ جمع ہوئے اور آئندہ کے اقدامات پر غور و خوض کرنے لگے۔ سب سے پہلے حضرت خالدؓ بن ولید نے خطاب کیا جس میں انہوں نے چاروں اسلامی لشکروں کو ایک قیادت کے تحت متحد ہو جانے کا مشورہ دیا۔ آپ نے فرمایا:-

”آج کا دن جنگ کے اہم ترین دنوں میں سے ہے۔ آج کسی کے لئے لغزو و مہابات اور خود رانی و خود ستانی مناسب نہیں۔ جہاد خالص اللہ کے لئے کرو اور اپنے اعمال کو اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ بناؤ۔ یاد رکھو آج کی کامیابی ہمیشہ کی کامیابی ہے۔ ایک ایسی قوم سے جو ہر طرح منظم اور مرتب ہے تمہارا علیحدہ علیحدہ لڑنا کسی صورت میں بھی مناسب نہیں۔ اگر انہیں جو تم سے دور ہیں دیکھیں حضرت ابوبکر صدیقؓ (ج) تمہارے حالات کا علم ہوتا تو وہ کبھی تمہیں اس طرح لڑنے کی اجازت نہ دیتے۔ بے شک تمہیں ان کی طرف سے کوئی حکم تو نہیں ملے گا لیکن تم اس مسئلے کو اس طرح سرانجام دو گویا یہ تمہارا خلیفہ اور اس کے خیر خواہوں کا حکم ہے۔“

حضرت خالدؓ کی تقریر سن کر امراء نے کہا:-

”آپ ہی فرمائیے کہ آپ کی کیا رائے ہے؟“

حضرت خالدؓ نے فرمایا:-

”حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہمیں اس خیال سے یہاں بھیجا تھا کہ ہم یہ ہم با سانی سر کر لیں گے۔ اگر انہیں موجودہ حالات کا علم ہوتا تو وہ ضرور تمہیں اکٹھا رکھتے۔ جن حالات میں سے تم گزر رہے ہو وہ پہلے واقعات کے مقابلے میں بہت سخت اور دشمن کے لئے بہت زیادہ فائدہ مند ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم علیحدہ علیحدہ

ہو مجھے معلوم ہے کہ تم میں سے ہر شخص کو الگ الگ خیر کے لئے نامزد کیا گیا ہے۔ لیکن اگر تم اس موقع پر کسی ایک شخص کو اپنا امیر تسلیم کر کے اس کی اطاعت اختیار کر لو تو اس سے نہ تمہارے مراتب میں کوئی فرق پڑے گا اور نہ الشراہ و حضرت ابو بکرؓ کے نزدیک تمہارا درجہ کم ہوگا۔ ذرا دیکھو تو یہی دشمن نے کتنی زبردست تیاری کر رکھی ہے۔ یاد رکھو کہ اگر آج ہم نے انہیں ان کی خندقوں میں دھکیل دیا تو ہم ہمیشہ انہیں دھکیلنے میں رہیں گے۔ لیکن اگر انہوں نے ہمیں شکست دے دی تو ہم پھر کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ میری تجویز اس بار سے میں یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو باری باری امارت کا موقع ملنا چاہئے۔ اگر آج ایک امیر ہے تو کل دوسرا، پرموں تیسرا، اتروں چوتھا۔ اس طرح لشکر کے ہر قائد کو امیر بننے کا موقع مل جائے گا۔ آج کے لئے تم مجھے امیر بنادو۔

حضرت خالدؓ کی رائے نہایت معتدل تھی۔ تمام امارات میں پیش پیش حضرت عمرؓ دین العاص تھے اس پر متفق ہو گئے۔ اور پہلے روز کے لئے انہوں نے حضرت خالدؓ کو امیر مقرر کر دیا۔ یہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ لڑائی بہر حال طویل کھینچے گی۔ اس لئے باری باری ہر ایک کو امیر بننے کا موقع مل جائے گا۔ مسلمانوں کے لشکر عدیائے یرموک کے بائیں کنارے پر خمیہ زن تھے۔ رومی سپہ سالار نے یہ دیکھا تو اپنی پوری طاقت دریا کے دائیں کنارے پر ناکر جمع کر دی۔

دریائے یرموک حوران کی سطح مرتفع سے نکل کر بحیرہ طبریہ کے جنوب میں چند میل کے فاصلے پر دریائے اردن میں جاگرتا ہے۔ دریائے یرموک اور دریائے اردن کے مقام انتقال سے تیس چالیس میل اوپر دریائے یرموک ایک طویل و عریض میدان کے گرد چکر کاٹتا ہے جسے تین اطراف سے اوجھلی اور بچی پہاڑیاں گھیرے ہوئے ہیں۔ اس میدان کو وادی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ میدان اس قدر وسیع ہے کہ اس میں ایک عظیم الشان فوج آسانی سے خمیہ زن ہو سکتی ہے۔ رومیوں نے یہ جگہ پسند کی اور وہاں ڈیمے ڈال دیے۔ یہ میدان وسیع تو ہے شک تھا لیکن تین طرفوں سے پہاڑوں میں محصور ہونے کے باعث باہر نکلنے کا صرف ایک راستہ تھا جو بہت تنگ تھا۔ اس راستے پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا اور رومی بالکل گھیرے میں آ گئے۔ حضرت عمرؓ دین العاص نے جب یہ دیکھا تو وہ جلا اٹھے۔ مسلمانوں انہیں خوشخبری ہو۔ رومی گھیرے میں آ چکے ہیں اور محصور فوج محاصرہ کرنے والی فوج کے چنگل سے شاذ و نادر ہی بچتی ہے۔

حضرت خالدؓ نے لشکر کو اڑتیس دھنوں میں منقسم کیا۔ ایک دستہ کم و بیش ایک ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ قلب میں آپ کے اٹھارہ دستے رکھے اور حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کو ان کا سردار بنایا۔ مہینہ پورے دستے

متعین کیے اور ان کا سردار حضرت عمرو بن العاص کو بنایا۔ ان دسویں میں شریک بن حسنہ بھی تھے۔ میسرہ پر دس دسے متعین کیے اور ان کا سردار یزید بن ابی سفیان کو مقرر کیا۔ ان انتظامات سے یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ حضرت عمرو بن العاص ان چند سپہ سالاروں میں سے تھے جن پر حضرت خالد بن ولید نے اس ہازک ترین موقع پر کامل اعتماد کیا۔

یہ جنگ بڑی ہولناک جنگ تھی۔ رومی اس میں جان توڑ کر لڑے اور مسلمانوں پر اتنی شدت سے حملہ کیا کہ انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ پیچھے ہٹنے والوں میں مسلمانوں کا علم بردار بھی تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرو بن العاص اور حضرت خالد بن ولید دونوں اس کے ہاتھ سے علم لینے کے لئے آگے بڑھے۔ لیکن عمرو بن العاص پہلے پہنچ گئے اور انہوں نے پھرتی سے علم بردار کے ہاتھ سے علم لے لیا اور اسے ایک لمحے کے لئے بھی نیچا نہ ہونے دیا۔ میدان جنگ میں اپنا جیٹا پوری ہمتی سے لہراتا ہوا دیکھ کر ہزیمت خوردہ مسلمانوں کی بھی ہمت بندھ گئی اور انہوں نے دوبارہ مجمع ہو کر نئے جوش اور دلوائے کے ساتھ دشمن سے لڑنا شروع کر دیا۔

اس جنگ کے دوران میں رومیوں نے کچھ تیر انداز ایک خنایق میں چھپا دیے اور انہیں ہزیمت کی کہ وہ تاک تاک کر مسلمانوں کی آنکھوں پر تیر چلاتے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور سات سو مسلمانوں کی آنکھیں بیکار کر دیں۔ اسی وجہ سے اس دن کا نام یوم التعمیر "مشہور ہو گیا۔ اسلامی لشکر یہ حواس ہو کر پیچھے ہٹا اور اعواء اور علم برداروں کے سوا کوئی بھی ثابت قدم نہ رہا۔ اس موقع پر حضرت عمرو بن العاص نے ابو عبیدہ بن جراح اور یزید بن ابی سفیان اور عبدالرحمن بن ابی بکر کو ساتھ لیا اور خود آگے بڑھ کر دشمنوں کا پامردی سے مقابلہ کیا۔ مسلمان عورتوں نے بھی اس موقع پر بہادری کا شاندار نمونہ دکھایا۔ بعض عورتیں مسجد ان جنگ میں بے خوفی سے چکر لگاتی ہوئی زخمیوں کی مرہم پٹی کر سنے اور انہیں پانی پلانے میں مشغول ہو گئیں اور بعض عورتیں مورچوں پر جا کر کھڑی ہو گئیں اور فرار ہونے والے مردوں کو غیرت دلانے اور بھاگنے سے روکنے لگیں۔ ہزیمت خوردہ فوج نے جب یہ دیکھا تو اس نے اس ذلت دہانہ کے مقابلے میں لڑا کرتے رہے سمجھا۔ چنانچہ ساری فوج پٹی اور دشمن کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑی ہو گئی۔ سوج غروب ہونے پر رومیوں میں ضعف کے آثار پیدا ہونے لگے ان کے سواروں کے چہروں سے شدید تھکاوٹ کے آثار پیدا تھے اور وہ بھاگنے کے لئے کسی راستے کی تلاش میں تھے۔ لیکن اس وقت ان کے لئے کوئی راہ قرار نہ تھی۔ دائرہ کی گھاٹی ان کے پیچھے تھی اور مسلمان ان کے آگے نہ جانے رفتی رہے۔

حضرت خالد بن ولید نے اندازہ کر لیا کہ رومی سواروں کا فرار ان کے ساتھیوں کے لیے مزید کمزوری کا باعث ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے آدمیوں کو ایک طرف ہٹ جانے کا حکم دیا۔ جب ان سواروں

نے راستہ کھلا دکھیا تو بے تحاشا گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس راستے سے نکلے چلے گئے اور سرزمین شام میں منتشر ہو گئے۔ جب میدان رومی سواروں سے خالی ہو گیا تو خالدؓ اپنے سوار اور پیدل دستے لے کر رومیوں کے پیدل دستوں پر ٹوٹ پڑے اور ان کا صفایا کرنا شروع کیا۔ رومی اپنی خندق میں گھس گئے۔ خالدؓ وہاں بھی پہنچ گئے تو انہوں نے واقعہ کی گھائی کا رخ کیا۔ اکثر رومیوں نے میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے کے لئے پاؤں میں بیڑیاں ڈال رکھی تھیں۔ وہ دھڑا دھڑا اس گھائی میں گرنے لگے۔ اگر ایک گرتا تھا تو دس کو ساتھ لے کر گرتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی دیوار مع بنیاد زمین پس ہو گئی ہے۔ اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ وہ لوگ کھڑکونہ دیکھ سکے۔ جو رومی بھاگ بھاگ کر ادھر آتے انہیں خبر نہ ہوتی کہ آگے والوں پر کیا گزری۔ وہ بھی اس کھڑ میں گرتے جاتے۔ طبری کے بیان کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار رومی واقعہ کی گھائی کی نذر ہوئے۔ ہرقل کا بھائی تذارق بھی جو اسی جنگ میں رومیوں کا سپہ سالار تھا، اسی سر کے میں قتل ہوا۔

۳۔ عمرو بن العاص دمشق میں

ابھی یہ روک کا معرکہ جاری تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق کی وفات کی خبر پہنچ گئی۔ ان کی حبشہ حضرت عمرؓ خلیفہ مقرر ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت خالدؓ کو قیادت کے منصب سے ہٹا کر حضرت ابو عبیدہؓ کو تمام اسلامی افواج کا سپہ سالار مقرر کیا تھا۔ اور ایک خط کے ذریعے انہیں دمشق فتح کرنے کی ہدایت کی تھی۔ انہوں نے لکھا تھا:-

..... ”اپنی جنگی کارروائی کا آغاز دمشق سے کرو۔ کیونکہ وہ شام کا مضبوط ترین قلعہ اور اس کا دار الحکومت ہے۔ نخل کی جانب بھی ایک دستہ بھیج دو تاکہ وہ اہل نخل کو اہل دمشق کی امداد کرنے سے باز رکھے۔ اگر دمشق سے پہلے ہی نخل فتح ہو جائے تو اس سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر اس وعدہ میں وہ فتح نہ ہو سکے تو دمشق فتح کرنے کے بعد وہاں کا نظم و نسق برقرار رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے کے لئے ایک دستہ چھوڑ دو۔ اور خود تمام امراء اور سپہ سالاروں کو ساتھ لے کر نخل کا رخ کرو۔ جب وہ فتح ہو جائے تو تم اور خالدؓ چلے جاؤ۔“

شرحی اور عمرو بن العاص کو اردن اور فلسطین بھیج دو۔
ان ہدایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا نشانہ یہ تھا کہ:-

- ۱۔ اہل حملہ دمشق پر کیا جائے۔
- ۲۔ اہل فعل کو اہل دمشق کی امداد سے باز رکھنے کے لئے ایک دستہ اور بھی بھیجا جائے اور اگر ممکن ہو سکے تو فعل کو فتح بھی کر لیا جائے۔
- ۳۔ دمشق اور فعل فتح ہونے کے بعد ابو عبیدہؓ اور خالدؓ حمص کا رخ کریں اور عمرو بن العاص اور شرجیلؓ اردن کا۔

خلیفۃ المسلمین کی ہدایات کے مطابق حضرت ابو عبیدہؓ نے ابوالاعور السلمی کو تو ایک دستہ فوج دے کر فعل بھیج دیا اور خود خالدؓ، عمرو بن العاص اور شرجیلؓ بن حسنہ کو ساتھ لے کر دمشق کی جانب بڑھے۔ راستے میں انہیں کسی قابل ذکر مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا اور وہ بآسانی غوطہ دمشق پہنچ گئے۔ وہاں کے لوگ اسلامی لشکر کی آمد کی خبر سن کر فطیل شہر کے اندر چلے گئے اور ان کے گرجا اور گھر بالکل خالی پڑے تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ کو اسلامی لشکر کی رہائش کے لئے بہت اچھی جگہ میسر آ گئی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے لوگوں کو انہی میں ٹھہرا دیا۔ اور اطمینان سے آئندہ اقدامات پر غور کرنے لگے۔ تمام ماحول کا جائزہ لینے کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ اس نتیجے پر پہنچے کہ مدعی حمص اور فلسطین کے راستے اہل دمشق کو ہر قسم کی امداد پہنچا سکتے ہیں۔ اس صورت حال کے تدارک کے لئے انہوں نے مندرجہ ذیل طریقے اختیار کیے:

- ۱۔ ذوالکلاع حمیری کی قیادت میں ایک دستہ دمشق اور حمص کے درمیان متعین کر دیا۔ تاکہ اگر ہرقل اہل دمشق کی امداد کے لئے حمص سے کوئی فوج بھیجے تو اسے روکا جاسکے۔
- ۲۔ علقمہ بن حکیم اور مسروق العبسی کو دمشق اور فلسطین کے درمیان متعین کر دیا تاکہ فلسطین سے کسی قسم کی مدد دمشق نہ پہنچنے پائے۔
- ۳۔ مندرجہ بالا احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے بعد انہوں نے اپنی فوجوں کو دمشق کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا اور شہر کے ہر دروازے کے سامنے مندرجہ ذیل سپہ سالاروں کو متعین کر دیا۔

۱۔ ابوالاعور السلمی کے ہمراہ عرب کے بعض مشہور سردار اور بہادر لوگ بھی تھے۔ مثلاً عمرو بن یزید بن عامر، الحمرشی، عامر بن حشمہ، عمرو بن کلیب، عامرہ بن کلیب، صفی بن علیہ بن شامل، عمرو بن الحبیب بن عمرو، عبد بن خثعمہ اور بشر بن عجمہ۔

عمر بن العاص باب ثمان

شرجیل بن حسنہ باب فردوس

یزید بن ابوسفیان (باب کیساں) جسے باب صغیر بھی کہتے ہیں

منالہ بن ولید باب شرقی

اس کے بعد ابو عبیدہؓ خود باب جاہلیہ کے سامنے خمیہ زن ہو گئے۔

۴۔ شرک کے چاروں طرح انہوں نے منجیقین اور بابائے نصیب کو ادھے تاکہ حملہ کے وقت فسیل پر پتھر برسائے جا سکیں۔

حضرت عمر بن العاص کو شرک کے ایک اہم حصہ پر متعلق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ کو بھی ان کی بہادری و شجاعت، اخلاص و وفا ملے ہی پر کامل اعتماد تھا۔ ان اہم اقدامات کا نتیجہ یہ ہوا کہ کھوڑے ہی عرصہ میں دمشق مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

۴۔ عمر بن العاص فحل اور طیان میں

دمشق کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ کے سامنے دو راستے تھے۔

اول یہ کہ وہ محض جائیں بعد وہاں پر معتمد رومی فوجوں کو شکست دے کر شام کی فتح کا راستہ صاف کریں۔

۵۔ مگر محسن ابراہیم حسن نے اپنی کتاب تاریخ عمر بن العاص میں لکھا ہے کہ عمر بن العاص باب فردوس پر متعین تھے۔ شرجیل بن حسنہ باب ثمان پر، ابو عبیدہؓ باب جاہلیہ پر، منالہ بن ولید باب شرقی پر اور یزید بن ابوسفیان کے باب کیساں پر متعین ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ دیکھیے کتاب تاریخ عمر بن العاص صفحہ ۵۱۔

۶۔ شام میں مسلمانوں کی پیش قدمی کے وقت ہر قتل و شوق میں معتمد تھا۔ جب اسلامی افواج نے دمشق کا بیسج کیا تو وہ وہاں سے محض چلا گیا۔ وہاں سے اس نے دمشق والوں کی مدد کے لئے فوجیں بھیجنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں کی احتیاطی تدابیر کے باعث وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ یہ دیکھ کر وہ محض سے انطو کیے چلا گیا۔ اگر حضرت ابو عبیدہؓ محض پر حملہ کر دیتے تو ہر قتل و شوق کی فوجیں بھیج دیتے اور طویل یا قسطنطنیہ بھاگ جانے پر مجبور ہوتا۔ اس طرح ————— تمام سرزمین شام میں رومی کسی جگہ بھی جم کر مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکتے اور حضرت ابو عبیدہؓ بہت آسانی سے اس علاقے پر قبضہ کر لیتے۔

دوم یہ کہ ابوالاعور المسلمی کی مدد کے لئے نفل جائیں

اس وقت صورت حال یہ تھی کہ جن رومی فوجوں نے یرموک کے میدان میں عبرتناک شکست کھائی تھی وہ بحیرہ طبریہ کے جنوب میں نخل میں مجتمع ہو گئی تھیں اور ہر قتل نے ان کی امداد کے لئے حریف فوجیں بھی روانہ کی تھیں۔ جب ابوالاعور المسلمی نے نفل کا رخ کیا تو رومیوں نے دریا کے بسندہ توڑ ڈالے جس کے باعث یہ سارا علاقہ زیر آب آ گیا اور اسلامی لشکر آگے نہ بڑھ سکا۔ دوسری طرف رومیوں کی نقل و حرکت بھی کلیتہً مسدود ہو گئی اور نفل کے پرے وادی بیسان میں محصور ہونے پر مجبور ہو گئے۔

جب مسلمان دمشق کی فتح سے فارغ ہوئے تو وہیم گرا شروع ہو چکا تھا اور دھوپ کی شدت کے باعث نفل کے علاقے کا پانی خشک ہو گیا تھا۔ لہذا اسلامی افواج نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے دمشق سے نفل کا قصد کیا۔ اس کی مہم کی سربراہی شرجیل بن حسنہ کر رہے تھے یہ انہوں نے

۱۔ ابوالاعور المسلمی کو طبریہ کا محاصرہ کرنے والی فوج کا علم بردار بنایا۔

۲۔ خالد بن ولید کو مقدمۃ الجیش کی قیادت سپرد کی۔

۳۔ عمرو بن العاص اور ابو عبیدہ کو مہینہ اندھیرہ پر مقرر کیا۔

۴۔ حنظل بن الاذور کو سوار فوج کی قیادت سونپی

۵۔ عیاض بن غنیم کو بقیہ ہدیل فوج کا سردار مقرر کیا۔

سلا نفل پر قبضہ کرنے کی سکیم جنگی لحاظ سے بڑی اہمیت کی حامل تھی کیونکہ اس طرح ان تمام رومی افواج کا قطع نفع ہو جاتا تھا جو مسلمانوں کی پشت پر موجود تھیں۔ نفل کی فتح کے بعد مسلمان پشت کی جانب سے رومیوں کے کسی اچانک حملے کے خطرے سے محفوظ ہو گئے اور یہ اندیشہ بھی جاتا رہا کہ رومی کسی وقت موقع پاکر مسلمانوں کا راستہ قطع کر دیں گے۔

۳۔ حضرت مالو عبیدہؓ نے یزید بن ابوسفیان کو دمشق کی حفاظت کے لئے چھوڑا اور دس ہزار فوج کو ہاشم بن عقبہؓ اور تغاع بن عمروؓ کی سرکردگی میں عراق روانہ کر دیا۔ کیونکہ انہیں خلیفۃ المسلمین کی طرف سے یہ احکام موصول ہوتے تھے کہ عراق سے آنے والے لشکر کو واپس عراق بھیج دیا جائے۔

۳۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اردن کی امارت کے لئے شرجیل کو، حمص کی امدت کے لئے ابو عبیدہ کو، امداد کی امدت کے لئے یزید کو اور عربات کی امدت کے لئے عمرو بن العاص کو نامزد کیا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ جس علاقے میں جنگ ہو وہاں تیاریات، غار کے فرائض وہی شخص سرانجام دے گا جسے وہاں کی امارت سپرد کی گئی ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے بھی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اس حکم کو بقرار رکھا اسی لئے سرکردہ نفل میں قیادت کے فرائض شرجیل نے سرانجام دیے۔

یروشلم سے بھاگنے والی رومی فوجوں نے دریائے اردن اور دیائے یروشلم کے مقام انفصل کے قریب ام قیس کے مقام پر دریا کو عبور کیا اور دایہ غور کو طے کر کے مسلمانوں کے بالقابل خمیہ زن ہو گئے۔ ان کی مدد کے لئے جرنیل آئی تھیں انہوں نے بلیان کی حفاظت کے لئے ادھر کا رخ کیا۔

جب جنگ شروع ہوئی تو حضرت عمرو بن العاص نے حسبِ محول بڑی پاروی سے دشمنوں کا مقابلہ کیا اور رومیوں کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔ ان کا سپہ سالار سقلاہ اور اس کا نائب لسطوس میدانِ جنگ میں قتل ہوئے۔ جب رومیوں نے شکست کھائی تو انہوں نے بری طرح بھاگنا شروع کیا لیکن وہ اس سبب لیل میں پھنس گئے جو خدا انہوں نے تیار کی تھی۔ مسلمانوں نے دلدل میں پھنسنے والے کسی ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا اور اسی ہزار رومیوں کو اسی حالت میں قتل کر ڈالا۔

حضرت عمرو بن العاص کی سرگرمیاں اس عظیم الشان فتح کے بعد ختم نہ ہوئیں۔ وہ شرجیل کے ہمراہ بلیان پہنچے۔ ان کے ساتھ حارث بن شام اور سہیل بن عمرو بھی تھے جن کا شمار عرب کے بڑے بڑے سرداروں میں ہوتا تھا۔ شہر کے لوگ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت عمرو بن العاص نے جگر ان کا محاصرہ کر لیا۔ اہل شہر زیادہ عرصہ تک محاصرہ کی تکلیفیں برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی جسے حضرت عمرو بن العاص نے قبول کر لیا۔ اس صلح کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اہل طبریہ بھی مسلمانوں کی اطاعت قبول کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ جن کا محاصرہ ابوالاعور اسلمی نے کیا ہوا تھا۔

۵۔ عمرو بن العاص جنادین میں

فحل، بلیان اور طبریہ میں فتوحات حاصل کرنے کے بعد ابوعبیدہ اور خالد بن ولید شمالی شام چلے گئے۔ اور عمرو بن العاص اور شرجیل نے فلسطین کا قصد کیا۔ جہاں رومی سالار ارطہون نے جو عقل و دانش اور فراخی میں اپنے ہم عصر سردارانِ فوج سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا زبردست فوجیں لئے موجود تھا۔ ارطہون نے سائے فلسطین میں رومی فوجوں کا حال پھیلا رکھا تھا۔ ایک بھاری لشکر رستمین متعین تھا۔ اور اسی کے ہم پل کیا

۱۔ طبریہ نے اس رومی سپہ سالار کا نام ارطہون لکھا ہے۔ الفردوس المظہر لکھتا ہے فتح العرب المہر صفحہ ۱۱۵، بعض کتابوں میں اس کا نام ارطہون لکھا ہے۔

۲۔ شہر کا مشہور محل آٹھویں صدی عیسوی میں لائامی ایک قبضے کے قریب آباد کیا گیا تھا۔ چونکہ راجہ جی تباہ و برباد ہو گیا تھا اس لئے نوحین عرب نے اس خیال سے کہ قارئین کو شہر کے محل وقوع کے متعلق پیچیدگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس کو راجہ کا نام دے دیا۔

لنگر ایلیاد میں موجود تھا۔ ان کے علاوہ بسطیہ، بایس اور یافا میں بھی فوجی دستے متین تھے۔ قیساریہ کی سرحد پر تو فوجی انتظامات حد کو پہنچ چکے تھے۔

قیساریہ کی فتح | حضرت عمرو بن العاص تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ رومی تعداد میں مسلمانوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں اور سارے محاذوں پر ایک دم لڑائی چھیڑ دینے سے وہ کبھی رومیوں پر فتح نہیں پاسکتے۔ اس لئے سب سے پہلے قیساریہ حملہ کر کے اسے اپنے زیر نگین لانا چاہئیے۔ قیساریہ پر قبضہ کرنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ وہ رومیوں کا بہت بڑا گڑھ تھا۔ رومیوں نے وہاں کے قلعہ کو خوب مستحکم کیا ہوا تھا جس علاقے میں بھی فوجی کمک کی ضرورت ہوتی تھی، وہ قیساریہ سے ہیام کی جاتی تھی۔

حضرت عمرو بن العاص نے اپنی ماٹھے امیرالمومنین کو لکھ بھیجا۔ امیرالمومنین نے بھی اس سے اتفاق کیا اور حضرت معاویہ بن ابوسفیان کو قیساریہ جا کر اسے فتح کرنے کا حکم بھیجا۔ آپ نے انہیں لکھا۔

”میں نے نہیں قیساریہ کا والی مقرر کیا ہے۔ تم اس کی جانب روانہ ہو جاؤ اور اسے فتح کرنے کے

لئے ایلیاء بیت المقدس کا دوسرا نام ہے۔ وہ جنوبی فلسطین میں ایک پہاڑی علاقے میں واقع ہے۔ وہاں قدیم زمانے سے ایک مضبوط و مستحکم قلعہ بنا ہوا تھا جسے جنگی لحاظ سے بہت اہمیت حاصل تھی۔ قدیم مصری اپنے ان دشمنوں کو لپکا کرنے کے لئے جو فلسطین کی راہ سے مصر پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ اسی قلعہ کو استعمال کرتے تھے۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے عہد میں یہ شہر مصر کی سلطنت سے علیحدہ ہو گیا۔ حضرت سلیمان نے یہاں ایک ہیکل تعمیر کیا۔ سترہ قبل مسیح میں جب اہل نادر نے فلسطین پر چڑھائی کی تو شہر اور ہیکل کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ بعد میں یہ ہیکل دوبارہ تعمیر کی گئی اور اسے یہود نے اپنی عبادت گاہ بنالیا جہاں وہ اپنے مذہبی شعائر بجا لاتے تھے۔ جب ہیردوس فلسطین پر قابض ہو گیا تو اس نے اس ہیکل کو گرا کر از سر نو تعمیر کرایا۔ بعد میں اس شہر پر مسیحی قابض ہو گئے۔ انہوں نے اسے مضبوط و مستحکم بنانے میں اپنی پوری طاقت کو صرف کر دیا۔ سترہ عیسوی میں جب اہل نادر نے ایک بار پھر فلسطین پر چڑھائی کی تو پورے اٹھارہ روز کے محاصرہ کے بعد اس پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ جب ہرقل شاہ روم نے اس پر دوبارہ قبضہ کیا تو اس نے شہر کے یہودی باشندوں پر شدید مظالم ڈھانے شروع کیا۔ کیونکہ اس کے خیال میں یہودیوں کے حملہ کے وقت یہودیوں نے غازی کی تھی اور شہر کے بعض پریشیدہ ماستروں کی نشان دہی کر کے انہیں اس پر قبضہ کرنے کا موقع فراہم کیا تھا۔

لیے اللہ تعالیٰ سے مدد و نصرت طلب کرو۔ ان کلمات کا ہمیشہ ورد کرتے رہو۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ اللہ سہنا و ثقنتنا و ساجاؤنا و مولانا نعم المولیٰ و نعم النصیر ہر قسم کی قوت و طاقت اللہ ہی کے پاس ہے۔ وہ ہمارا پروردگار، ہمارا آسرا اور ہمارا دوست ہے، وہ بہترین دوست اور بہترین مددگار ہے۔

تعلیل حکم میں حضرت معاویہ قیساریہ پہنچے اور شہر پر حملہ کر دیا۔ بڑی بولناک جنگ ہوئی۔ جس میں مسلمانوں کا پتہ بھڑی رہا اور وہ شہر پر قابض ہو گئے۔ اس جنگ میں رومیوں کے اسی ہزار آدمی قتل ہو گئے۔ قیساریہ فتح ہونے سے مسلمانوں کو بے حد فائدہ پہنچا۔ اور اس جانب سے شام میں مقیم رومی فوجوں کو جو مدد پہنچا کرتی وہ بالکل مسدود ہو گئی۔ حضرت عمرؓ کو بھی جب اس کے فتح ہونے کی اطلاع ملی تو آپ نے تمام اہل مدینہ کو جمع کر کے یہ خوشخبری سنائی اور انہیں اس کامیابی پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کی تلقین فرمائی۔

غزوہ کا محاصرہ | ارطون سے فیصلہ کرنے سے پہلے حضرت عمرؓ بن العاص نے ہر جانب سے اطمینان کر لیا جانا۔ قیساریہ کے فتح ہونے سے اس جانب سے قزاقینان ہو چکا تھا۔ البتہ غزوہ کی طرف سے خطروہ باقی تھا۔ چنانچہ آپ نے ایک فوج اس کا محاصرہ کرنے کے لئے روانہ کر دی تاکہ اس جانب سے بھی ارطون کو کسی قسم کی مدد نہ پہنچنے پائے۔ حضرت عمرؓ بن العاص کا مقصد اچھی طرح پورا ہوا اور سمندر کی جانب سے کبھی ارطون کو مدد پہنچنی بند ہو گئی۔ اب اس کا تمام تر انحصار صرف اس فوج پر تھا جو اس کے زیرِ نگرانی تھی۔ اور حضرت عمرؓ بن العاص نے حضرت فاروقؓ اعظم کو ایک خط میں تمام حالات کی اطلاع دی اور لکھا کہ دشمن کثیر تعداد میں جمع ہے اور ان کی قیادت ارطون جیسا ذریعہ اور چالاک آدمی کر رہا ہے۔ اس لئے ہماری مدد کے لئے جلد از جلد مزید فوجیں روانہ کی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے فوراً مقررہ مدد

سے بعض مددیاں میں متوطنین کی تعداد ایک لاکھ لکھی ہے

سے مورخین میں قیساریہ کی فتح کے متعلق اختلاف ہے۔ طبری، ابن اثیر اور ابن کثیر نے تو صاف طور پر لکھا ہے کہ قیساریہ حضرت معاویہؓ کے ہاتھ فتح ہو گیا تھا۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اس کا محاصرہ تو ضرور کیا تھا۔ لیکن فتح نہیں کیا۔ ولیم میر نے لکھا ہے کہ عربوں نے قیساریہ کے سوا باقی تمام فلسطین فتح کر لیا۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ قیساریہ کا محاصرہ سات سال کی طویل مدت تک جاری رہا۔

سے غزوہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں فتح ہو گیا تھا۔ لیکن بعد میں مسلمان یہاں سے عارضی طور پر چلے جانے پر مجبور ہو گئے تھے۔

روانہ کر دی اور اپنے احباب سے فرمایا۔

”ہم نے رومی اربوں کے مقابلے میں عربی اربوں کو بھیجا ہے۔ اب دیکھیں کون بازی لے جاتا ہے۔“ اربوں سے مقابلے کی تیاری | جب حضرت عمروؓ کی بھیجی ہوئی فوجیں فلسطین پہنچ گئیں تو حضرت عمروؓ بن العاص نے مقابلے کی تیاری شروع کر دی۔ جبکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اربوں نے اپنی کچھ فوجیں تو اہلیاً اور رملہ میں جمع کی ہوئی تھیں اور ایک بھاری فوج اس کے ساتھ تھی۔ جب اسے حضرت عمروؓ بن العاص کی تیاریوں کا پتہ چلا تو اس نے اپنی فوج کے ہمراہ اجنادین کا رخ کیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنی کل فوج کو اس کے مقابلے میں لانے کی بجائے اس کے تین حصے کیے۔ ایک لشکر کو علقمہ بن حکیم اور اور مسروق الثقلیٰ کی زیر قیادت ایلاء میں مقیم اربوں کی فوج کے مقابلے کے لئے روانہ کیا اور بعد میں اپنے بیٹے محمد بن عمروؓ کو بھی ان کی مدد کے لئے بھیجا۔ ایک لشکر کو ابویوب مالدی کی زیر قیادت رملہ میں اربوں کی فوج کے مقابلے کے لئے روانہ کیا اور بعد میں عمارہ بن امیہ الضمری کو ان کی مدد کے لئے بھیجا اور بقیہ فوج کو ہمراہ لے کر خود اربوں کے مقابلے کے لئے اجنادین روانہ ہو گئے۔

اس طریق کار سے بھی حضرت عمروؓ بن العاص کی کمال جنگی مہارت کا ثبوت ملتا ہے۔ آپ اپنی تمام فوج کو اربوں کے مقابلے میں نہیں لائے۔ بلکہ اس کے تین حصے کر کے ہر ایک حصے کو اربوں کی مختلف افواج کے مقابلے میں روانہ کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف شہروں میں متعین اربوں کی ہر فوج کو اپنی اپنی جگہ پر مسلمانوں کی فوجوں سے مقابلہ کرنا پڑا اور وہ اربوں کی کوئی مدد نہ کر سکیں۔

عمروؓ بن العاص اور اربوں کی باہمی گفتگو | حضرت عمروؓ بن العاص قلعہ کے استحکام اور فوج کی حالت اور اربوں کے تمام انتظامات کی کیفیت معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اس غرض کے لئے انہوں نے متعدد لوگوں کو قاصد بنا کر اربوں کے پاس بھیجا مگر وہ لوگ واپس آکر فوج اور قلعے کی جو کیفیت بیان کرتے تھے اس سے ان کی تشفی نہ ہوتی تھی۔ آخر انہوں نے قلعے کے اندر جانے اور اربوں کے تمام انتظامات بخشم خود ملاحظہ کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے قاصد کا بھیس بدلا اور اربوں کی لشکر گاہ میں پہنچ کر رومی سپہ سالار سے ملاقات کی اجازت طلب کی۔ اربوں نے انہیں پاس بلایا اور دونوں کے درمیان مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

اربوں۔ کیا تم مسلمانوں کے بادشاہ عمروؓ بن العاص کے قاصد ہو؟

لے اجنادین فلسطین میں رملہ اور بیت جین کے درمیان ایک قصبہ ہے۔

عمر بن العاص، جناب والا عمر بن العاص تو مسلمانوں کے ایک سپہ سالار ہیں، بادشاہ نہیں ہیں مسلمانوں کے ہاں بادشاہ نہیں ہوتا، ان کا خلیفہ ہوتا ہے۔ جو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد ہی سلطنت کے کام سرانجام دیتا ہے وہ ایک عام آدمی کی طرح ان کے درمیان زمین پر بیٹھا ہے اور بہت سادہ زندگی بسر کرتا ہے۔

ارطوبن: کیا عمر بن العاص بہت عقلمند آدمی ہے۔

عمر بن العاص: جناب والا! عمر بن العاص اللہ کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کس جگہ قدم رکھے اور کس جگہ پیچھے ہٹائے۔ اس پر کتنی ہی بڑی مصیبت کیوں نہ پڑے وہ اس سے صاف بچ کر نکل جاتا ہے۔

ارطوبن: شاید تم ایک سپاہی کی طرح اسے دیکھتے ہو جو اپنے سپہ سالار کا کامل مطیع اور فرمانبردار ہوتا ہے لیکن نہیں جنگ سے کیا واسطہ؟ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ تمہاری حیثیت خانہ بدوش بھٹوں جیسی ہے جو جہاں پانی اور سبزہ دیکھتے ہیں وہاں اتر پڑتے ہیں۔ کسریٰ اور قیصر پر غالب آ جانے کا جنوں تم میں کب سے پیدا ہو گیا؟

عمر بن العاص: آپ کا یہ خیال درست نہیں۔ ہم میں سے ہر شخص جنگجو اور فنون جنگ کا ماہر ہے صحراؤں میں مشقوں اور تکالیف برداشت کرنے کا عادی بنا دیا ہے۔ نیزہ بازی ہمیں خوب آتی ہے اور ہم میں سے ہر ایک تلوار کا دھنی ہے۔ ہماری تلواروں کے جوہر ہمارے دشمنوں پر خوب عیاں ہیں اور ہر سوک کی جنگ اس پر شاہد ناظر ہے۔

ارطوبن: تم باتیں بنانے اور اپنی مرعور وقت و طاقت کا حیل بڑھا چڑھا کر بیان کرنے میں خوب ماہر معلوم ہوتے ہو۔ اچھا ذرا یہ تو بتاؤ کہ عمر بن العاص کے لشکر کی تعداد کتنی ہے؟ عمر بن العاص: جناب و اللہ! اس کے متعلق مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں تو عمر بن العاص کا ایک قاصد ہوں اور ان کی طرف سے آپ کو یہ پیغام پہنچانے آیا ہوں کہ یا تو آپ اسلام قبول کر لیں یا جزیہ دینے کا اقرار کریں۔ ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔

ارطوبن: میں جنگ کے لئے تیار ہو جاؤں؟ کیا تمہیں یہ گمان ہے کہ تم ارطوبن پر غالب لکھتے ہو؟ عمر بن العاص: کیا مسلمانوں کی تلواروں کے سامنے ارطوبن قیصر شہنشاہ روم سے زیادہ درجہ رکھتا ہے؟ وہ تلواریں جنہوں نے ہر قل کے لشکر کو تباہ و برباد کر دیا۔ ہر اس شخص کو ہلاک کرنے کے لئے تیار ہیں جو عمر بن العاص کے مقابلے کے لئے آئے گا۔ ہم امن و سلامتی کے

دہلی اور اسلام کے مبلغ ہیں، محض حق کی خاطر جہاد کرتے اور علاء کلمۃ اللہ کے لئے میدان جنگ میں آتے ہیں۔

ارطوبون۔ وہ کیا تدابیر ہیں جنہیں اختیار کر کے تم اپنے دشمنوں پر غالب آجاتے ہو؟ وہ کون سے فنون ہیں جو راج الوقت فنون جنگ کے علاوہ تم اختیار کرتے ہو۔ اور وہ کونسا جلیس ہے جو جنگ کے وقت تم بدل لیتے ہو؟ کیونکہ ہمارے جن لوگوں کو تم سے جنگ کرنے کا موقع ملا ہے وہ بتاتے ہیں کہ تم جنگ کے وقت عجیب و غریب قسم کا جلیس بدل لیتے ہو، اپنے جسموں پر پارسا رستم کی کھال پہن لیتے ہو اور ایسی تلواروں سے فزنی مخالفت کا مقابلہ کرتے ہو جو بظاہر نظر آنے والی تلواروں سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ آخر یہ کیا ماجرا ہے؟ عمر دین العاص۔ جہاں تک چہروں کا سوا ل ہے۔ مسلمانوں کے چہرے حالت جنگ میں غضبناک اور حالت امن میں نرم و تانہ ہوتے ہیں۔ رہے ان کے جسم اور ان کی تلواریں تو اسلام نے اگر انہیں دشمنوں کے لئے خوفناک اور تباہ بنا دیا ہے۔ جنگ کے طریقوں کے متعلق مجھے کچھ علم نہیں۔ یہ کام عمر دین العاص ہے کہ وہ جو جہاں میں گئے طریقے استعمال کریں گے۔ میں تو ان کا قاصد ہوں اور ان کا پیغام آپ تک پہنچانے آیا ہوں۔

ارطوبون۔ اچھا اگر یہی بات ہے تو اپنے سپہ سالار کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ ہم نے ان کے مقابلے کے لئے اتنی کثیر تعداد میں فوجیں اکٹھی کر رکھی ہیں کہ انہیں دیکھ کر ہی ان کے ہوش اڑ جائیں گے اس وقت سلطنت روم کی پوری قوت ارطوبون کے لشکر میں جمع ہو گئی ہے۔ سرزمین فلسطین ہمارا اور ان کے درمیان فیصلہ کن سرزمین ثابت ہوگی۔ کہاں کا اسلام اور کہاں کا جہنم یہ؟ انہیں تلوار کی دھار کے صرا اور کچھ نہ ملے گا..... سن لیا؟

عمر دین العاص کی عقل مندی | ارطوبون بظاہر عمر دین العاص کے قاصد سے باتوں میں مشغول تھا لیکن اندونی طور پر اسے زبردست حیرت ہو رہی تھی کہ ایک سادہ لوح بدوی ایسی فلسفیانہ باتیں کس طرح کر سکتا ہے۔ بہت کچھ غور و فکر کے بعد اسے یقین ہو گیا کہ یہ شخص یا تو خود عمر دین العاص ہے یا اس کا کوئی بہت بڑا افسر ہے اس لئے اسے صحیح سلامت جاہل نہیں جانے دینا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے قلعہ کے محافظوں کو خفیہ طور پر حکم بھیج دیا کہ جس وقت یہ شخص قلعہ سے باہر نکلے گا اسے قتل کر دیا جائے۔ ساتھ ہی اس نے اس قاصد کو کچھ انعام و اکرام دینے کا حکم بھی دیا۔

عمر دین العاص قلعہ کے دروازے کی طرف جا رہے تھے کہ ایک بدوی نے ان کے قریب

اگر اور کان میں جھک کر کہا :-

”عمرو بن العاص ! تم نے قلعہ میں آنے کا طریقہ تو بہت اچھا نکالا۔ اب بات تو تب ہے کہ کسی طرف سے پہاڑ سے زندہ سلامت واپس چلے جاؤ۔“

اغرابی کے منہ سے یہ بات سنتے ہی عمرو بن العاص مٹھٹھا گئے اور انہیں معلوم ہو گیا کہ لوگوں نے انہیں پہچان لیا ہے اور ان کے قتل کے مشورے ہو رہے ہیں۔ اب ان کے لئے سب سے بڑا کام یہ تھا کہ فوری طور پر اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر اختیار کریں۔ انہوں نے اپنے ذہن رسا سے کام لیا اور ایسی تدبیر نکال لی۔ ابھی ارطہون اپنے محل میں اس انتظار میں بیٹھا ہوا تھا کہ کب قاصد کے قتل کی خبر آتی ہے کہ قاصد خود دروازہ پر آ موجود ہوا اور اندر آتے کی اجازت طلب کی۔ ارطہون کو تعجب تو بہت ہوا۔ تاہم اس نے اسے بلایا اور کہا :- ارطہون ! اے عرب ! تم واپس کیوں آ گئے ؟ کیا اپنے سالار کی کوئی بات تم مجھے بتانا بھول گئے تھے ؟

عمرو بن العاص :- نہیں حضور۔ میں بھولا کچھ نہیں۔ دوبارہ اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ اس انعام کا دوبارہ شکر یہاں ادا کروں جو آپ نے مجھے دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرے علاوہ بعض اور لوگ بھی آپ کے انعام کا شکر یہ ادا کریں گے۔

ارطہون :- تمہارے علاوہ اور لوگ میرے انعام کا شکر یہ کیسے ادا کریں گے ؟ یہ انعام تو میں نے صرف تمہیں دیا ہے۔

عمرو بن العاص :- حضور ! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں یہ انعام اپنے ہی پاس رکھ لوں ؟ میرے ساتھ میرے دس بھتیجے اور بھائی ہیں اور مجھے ہمیشہ ان کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ میں آپ کا یہ انعام ان کے درمیان تقسیم کر دیتا لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ ان سب کے حصہ میں نہیں آ سکتا۔ اس لئے میں دوبارہ آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ انہیں بھی انعام و اکرام سے نوازیں میں چاہتا ہوں کہ آپ کی سخاوت کی خوب تشہیر ہو۔“

ارطہون :- اگر یہی بات ہے تو ہم تمہیں دس گنا زیادہ انعام دینے کا حکم دیتے ہیں تم اسے اپنے رشتہ داروں کے پاس لے جاؤ۔

عمرو بن العاص :- میں آپ کا شکر یہ کیسے ادا کروں ؟ بہر حال میں چاہتا ہوں کہ وہ خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے احسان عظیم کا شکر یہ ادا کریں۔ ان میں سے ہر شخص میری طرح گفتگو کرتا ہے اور ہر شخص کا دل اسی طرح اپنے محسن کا شکر گزار ہے۔ جس طرح میرا دل۔ اگر آپ کو مجھ سے مل کر

خوشی ہوئی ہے۔ تو یقیناً ان سے مل کر بھی ہوگی۔

ارطون۔ تم انہیں ہمارے حضور میں پیش کرنا چاہتے ہو؟

عمر بن العاص۔ حضور! یقیناً میں چاہتا ہوں کہ آپ ان سے گفتگو کریں اور وہ اس کا جواب دیں۔ آپ انہیں انعام و اکرام سے نوازیں اور وہ نہ صرف آپ کی نوازشات کا شکریہ ادا کریں۔ بلکہ واپس جا کر عربوں میں بھی آپ کی ذیاضی اور حسن خلق کی تشہیر کریں۔ اور یہ تو آپ کو علم ہی ہے کہ اس تعریف و توصیف کا عربوں کے دلوں پر کتنا اثر ہوگا۔

ارطون۔ تمہارا خیال بالکل درست ہے۔ اچھا جاؤ اور انہیں لے آؤ۔ چنانچہ عمر بن العاص اٹھ کھڑے ہوئے۔ ارطون نے قلعہ کے محافظوں کو حکم بھیج دیا کہ اس شخص کو صحیح سلامت قلعہ سے باہر جانے دیا جائے۔ دراصل اس کا خیال یہ تھا کہ جب یہ شخص اپنے رشتہ داروں کو لائے گا تو اس وقت اسے ایک کی بجائے دس آدمیوں کو قتل کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اس بات کا اسے وہم و گمان بھی تھا کہ اس شخص نے اپنے بچاؤ کی یہ تدبیر اختیار کی ہے۔ اس نے دھوکے اور فریب سے کام لینا چاہا۔ لیکن عمر بن العاص اس سے کبھی زیادہ تیز نکلے اور انہوں نے اسے اپنی عقلمندی سے اس کے فریب کو ناکام بنا دیا۔

عمر بن العاص نے اپنے لشکر میں واپس پہنچ کر حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع بھیجی۔ جب ان کا قاصد حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور یہ واقعہ سنایا تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور انہوں نے باوازا ہنسنے لگے۔

شباباش! اے عمر بن العاص۔ تم یقیناً ارطون پر غالب آ جاؤ گے؟

اور عرب ارطون کو معلوم ہوا کہ عمر بن العاص کس طرح اسے چکے وے کر اس کے چنگل سے نکل گئے تو وہ بھی ان کی تعریف کیے بغیر درہ سکا اور اس نے کہا یہ شخص تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ عقلمند ہے۔ فتح اجنادین | ارطون کے پاس سے واپس آ کر حضرت عمر بن العاص نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور بہت جلد دونوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ جنگ اپنی شدت اور ہول کی میں یرموک کی جنگ سے کم نہ تھی آخر ارطون نے شکست کھائی اور وہ اپنی ہزیمت خوردہ فوج کو لے کر بیت المقدس چلا گیا۔

۱۔ مورخین میں فتح اجنادین کے متعلق کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔

(۱) طبری نے ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جنگ اجنادین ۳۷ھ میں ہوئی۔ داندی کی بھی یہی رائے ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

فتح بیت المقدس | اجنادین کی فتح کے بعد حضرت عمر بن العاص نے اپنے ساتھیوں سے آئندہ اقدام کے متعلق مشورہ کیا۔ آخر یہ رائے طے پائی کہ سمندر کی جانب سے ارطون کا راستہ قطع کر دیا جائے۔ تاکہ اس جانب سے اسے کوئی مدد نہ مل سکے۔ اس قرار داد کے مطابق اسلامی فوجوں نے فلسطین کے متعدد شہروں پر دھاوا بول دیا اور بہت تھوڑے عرصے میں انہوں نے رنج غمہ۔ سبسطیہ، نابلس، الد، عمواس، بیت جبرین اور یافا پر تسلط حاصل کر لیا۔ اب صرف بیت المقدس اور رملہ باقی رہ گئیں اور عمر بن العاص کی فوجوں نے ان شہروں کا بھی محاصرہ کر لیا۔ ساتھ ہی آپ نے ارطون کو ایک خط بھی لکھا جس میں مطالبہ کیا کہ شہر ان کے حوالے کر دیا جائے۔ عمر بن العاص کے خط کا جواب ارطون نے یہ دیا:-

”آپ میرے دوست ہیں اور آپ کو اپنی قوم میں وہی حیثیت حاصل ہے جو مجھے اپنی قوم میں حاصل ہے۔ آپ اس خلی میں نہ رہیں کہ اجنادین کے بعد بھی آپ کو کئی فتح حاصل کر سکیں گے۔ میں آپ کو مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ واپس چلے جائیں اور اپنی قوت و طاقت پر نازاں نہ ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو بھی ویسی ہی غیر تاک فکست کھانی پڑے۔ جیسی آپ سے پہلے حملہ آوروں کو کھانی پڑی تھی؟“

(بجیرہ حاشیہ صفحہ ۱۳۷) : بلاذری، البیہقی اور ابن اثیر نے لکھا ہے کہ جنگ یرموک ۱۳ھ میں اور جنگ اجنادین ۱۵ھ میں ہوئی۔

(۳) بعض یورپی مورخین نے جن میں گن بھی شامل ہے یہ لکھا ہے کہ اجنادین کی جنگ دوبارہ واقع ہوئی۔ ایک مرتبہ ۱۳ھ میں فتح دمشق سے پہلے اور دوسری مرتبہ جنگ یرموک کے بعد ۱۵ھ میں

(۴) ڈاکٹر ابوالحسین کی رائے یہی ہے کہ اجنادین کی جنگ دوبارہ ہوئی۔ پہلی مرتبہ ۱۳ھ میں یہاں برومیوں سے مقابلہ پیش آیا۔ اس کے بعد دونوں مختار بن ثرقی دوسرے علاقوں میں باہمی زور آزمائی میں مشغول ہو گئے۔ آخر مسلمانوں نے مدد بہرہ میں آکر تسلط حاصل کر لیا۔ (تاریخ عمر بن العاص صفحہ ۵۰)

۱۵ھ یہاں حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کا مزار ہے۔

۱۶ھ ان میں سے بعض شہر باقاعدہ نذر آزمائی اور جنگ کے بعد فتح ہوئے۔ لیکن بعض شہروں میں جنگ کی زبت نہیں آئی اور وہاں کے باشندوں نے جزیرہ دینے کا اقرار کر کے مسلمانوں سے مصالحت کر لی۔

حضرت عمرو بن العاص نے اس خط کا یہ جواب دیا:-

”تمہارا خط ملا۔ یہ ٹھیک ہے کہ تمہیں اپنی قوم میں وہی حیثیت حاصل ہے جو مجھے اپنی قوم میں ہے۔ پھر بھی تم نے میرے مرتبے کا اندازہ کرنے میں غلطی کی ہے۔ مجھے ایک بات میں تم پر فضیلت حاصل ہے۔ اور وہ فضیلت یہ ہے کہ میری حیثیت اس علاقے کے فاتح کی ہے اور تمہاری حیثیت مفتوح کی۔“

ارطوبن نے جواب میں لکھا:-

”ایلیا (بیت المقدس) کے فاتح آپ نہیں ہیں۔ یہ فخر تو عمر نامی ایک شخص کے حصہ میں آئے گا۔ جنادین میں مسلمانوں کو بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا تھا اور ان کی فوجوں کی تعداد بہت کم ہو گئی تھی۔ اس لئے حضرت عمرو بن العاص نے ایک طرف حضرت عمرؓ کو مدد کے لئے لکھا اور دوسری طرف اپنی فوجوں کو ساتھ لے کر بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ بہت لمبا ہو گیا اور اہالیان بیت المقدس کسی طرح مطلع ہونے پر آمادہ نہ ہوئے۔“

طبری نے لکھا ہے کہ اہل ایلیا نے مسلمانوں کو دوران محاصرہ میں بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔ رومیوں کی مقاومت کی وجہ سے مسلمان بیت المقدس پر قابض ہو سکے نہ رہے۔ جب خلیفۃ المسلمین کو اس کا علم

ملے بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے ایک ایسے شخص کو جو رومی زبان جانتا تھا، ارطوبن کے پاس مندرجہ بالا خط لے کر بھیجا اور اسے ہدایت کی کہ اس خط پر جو رائے دینی ہو وہ غور سے سننے اور انہیں واپس آکر بتائے لیکن رومیوں پر یہ ظاہر نہ ہونے دے کہ وہ رومی زبان جانتا ہے۔ جب قاصد واپس آیا تو اس نے بتایا کہ جب ارطوبن نے آپ کا خط پڑا تو وہ ہنس پڑا۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا آپ نے یہ کیسے معلوم کر لیا کہ عمرو بن العاص بیت المقدس کے فاتح نہیں ہو سکتے؟ اس نے کہا ”بیت المقدس ایک ایسے شخص کے ہاتھ پر فتح ہو گا جس کا نام عمرو ہو گا۔ اس کے نام کے تین حروف ہیں“ اس وقت حضرت عمرو بن العاص کو یقین ہو گیا کہ یہ فخر حضرت عمرؓ بن خطاب کے حصہ میں آئے گا۔

سے روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ قومات میں ایلیا (بیت المقدس) کے فاتح کا نام عمر لکھا ہوا تھا۔ ارطوبن کو جب یہ حقیقت معلوم ہوئی تو وہ اپنی فوجوں کے ہمراہ مہربھاگ گیا اور مسلمانوں سے جنگ کے لئے اس وقت صفر نزیس کو بھیجے چھوڑ گیا۔

سے بیت المقدس کا محاصرہ کرنے والے سپہ سالار کے بارے میں مورخین میں اختلاف ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

ہوا تو انہوں نے مدینہ سے ایک بھاری لشکر حضرت عمرؓ بن العاص کی مدد کے لئے روانہ کیا تاکہ بیت المقدس کی فتح جلد از جلد عمل میں آسکے۔

یہ محاصرہ چار ماہ تک جاری رہا اس دوران میں جمالی مسلمانوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا وہاں رومیوں کا نقصان بھی کسی طرح کم نہ تھا۔

جب اردطون نے دیکھا کہ مسلمان بیت المقدس کا محاصرہ اٹھانے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہیں تو وہ اس وقت صفر نبوس کو اپنا قائم مقام بنا کر خود مصر بھاگ گیا اور اپنے ہمراہ اپنی فوج کو بھی لیتا گیا۔ صفر نبوس کے پاس اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ زیادہ دیر تک مسلمانوں کے مقابلے میں ٹھہر سکے۔ اس لئے وہ شہر کو مسلمانوں کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن یہ شرط پیش کی کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ بن خطابؓ خود صلح کا معاہدہ لکھیں گے۔

رقیقہ جانشینہ (۱۳۹) بعض نے لکھا ہے کہ حضرت خالد بن ولید اور حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح یا ان میں کسی ایک نے شہر کا محاصرہ کیا تھا۔ چنانچہ طبری لکھتا ہے:-

کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے شام آنے کا سبب یہ تھا کہ حضرت ابو عبیدہؓ نے جب بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو وہاں کے لوگوں نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم صلح کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ عمرؓ بن الخطاب خود آکر ہم سے معاہدہ کریں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا جس پر وہ شام تشریف لائے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ روایت ناقابل اعتبار ہے کیونکہ محاصرہ بیت المقدس کے وقت ابو عبیدہؓ اور خالدؓ شمالی شام (حلب، حمص اور انطاکیہ) کو فتح کرنے اور ہزول کی فکرت خوردہ افواج کا ہیچا کرنے میں مشغول تھے۔ صحیح واقعہ یہی ہے کہ بیت المقدس کا محاصرہ حضرت عمرؓ بن العاص نے کیا جو غیر معمولی طور پر لمبا ہو گیا۔

۱۱۰۰ مسلمانوں کو شدت سرما کے علاوہ ان منجلیقوں کی سنگ باری سے بھی پے حد نقصان اٹھانا پڑا جو رومیوں نے شہر کی فصیل پر نصب کر رکھی تھیں اور جن سے رات دن اسلامی فوجوں پر سنگ باری ہوتی رہتی تھی مزید برآں چار ماہ کے طویل عرصہ میں کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا جس میں رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان چھٹی ہوئی ہجرت نہ ہوتی ہوں۔

۱۱۰۱ تاریخ ابن الوردي میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے فرمایا تم بیت المقدس کو جنگ کیے بغیر فتح کر دو گے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت عمرؓ تشریف لائے۔ جاہلہ کے مقام پر ان سے مصالحت کی اور انہیں ایک عہد نامہ لکھ کر دیا جس کا مضمون مندرجہ ذیل تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ ایمان نامہ ہے جو اللہ کے بندے عمر امیر المومنین نے ایلیاد (بیت المقدس) والوں کو دیا ہے۔ ایلیاد والوں کی جان مال اگرچہ اسیلیبی

رہتیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۰) لکھ کتاب الفتوحات میں لکھا ہے بعض روایات میں آتا ہے کہ بیت المقدس کے رومیوں نے ایمان نامہ میں مسلمانوں سے کہا کہ وہ ان کے امیر کو دیکھتا چاہتے ہیں۔ جب خالد بن ولید اور ابو عبیدہ بن جراح ان کے سامنے آئے تو انہوں نے کہا تم بیت المقدس کا شہر ان دونوں کے حوالے کبھی نہیں کریں گے۔ خواہ تم دس برس تک ہمارا محاصرہ جاری رکھو۔ ہم صرف ایک شخص کو یہ شہر حوالے کریں گے جس کی یہ یہ صفات ہیں۔ جو صفات انہوں نے بیان کیں وہ بعینہ حضرت عمرؓ بن خطابؓ میں پائی جاتی تھیں اس پر حضرت ابو عبیدہؓ اور دیگر اُمراء نے حضرت عمرؓ کو یہ حال لکھ بھیجا۔ چنانچہ وہ تشریف لے آئے حضرت ابو عبیدہؓ رضی اللہ عنہ نے جب بیت المقدس کا محاصرہ کیا تو بالیان بیت المقدس کے سامنے یہ پیش کش کی کہ وہ ان سے انہی شرائط پر معاہدہ صلح کرنے کے لئے تیار ہیں جن شرائط پر شام کے دیگر علاقوں کے باشندوں سے صلح کی گئی ہے۔ لیکن بالیان بیت المقدس نے کہا کہ وہ صرف اسی صورت میں صلح کرنے کے لئے تیار ہیں جب صلح نامہ خود حضرت عمرؓ بن خطابؓ تحریر فرمائیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو دے دی چنانچہ وہ بیت المقدس آ گئے۔ (الفتوحات اسلامیہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۱)

لیکن یہ روایت سراسر غلط واقعہ ہے کیونکہ حضرت ابو عبیدہؓ بیت المقدس کے محاصرے کے وقت وہاں موجود نہیں تھے۔ بلکہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ شمالی شام میں رومیوں سے معروف پکارتے تھے۔ بیت المقدس کا محاصرہ کرنے والی فوج کی قیادت حضرت عمرؓ بن العاصؓ کر رہے تھے۔

بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت عمرؓ جب جاہلیہ تشریف لائے تو آپؐ نے شام میں یقیناً تمام اسلامی سپہ سالاروں کو وہاں پہنچنے کا حکم دیا۔ ان سپہ سالاروں میں حضرت ابو عبیدہؓ بھی تھے۔

بیت المقدس کے رومی سردار صلح کرنے کے لئے اس لئے مجبور ہوئے کہ طویل و خمدیر محاصرے اور اطربین کے شہر والوں کو بے یار و مددگار چھوڑ جانے سے ان کی حالت انتہائی قابل رحم ہو گئی تھی۔ انہیں کسی جگہ سے بھی امداد پہنچنے کی توقع نہ تھی۔ ادھر مسلمان شام کے تمام بڑے بڑے شہروں پر قابض ہو چکے تھے۔ اور ملک کا بیشتر حصہ ان کے قبضے میں آچکا تھا۔ رومی حکومت ان کے مقابلے سے عاجز تھی اور شام سے اسے ذلت (باقی اگلے صفحہ پر)

یہاں، تدرست سب کو امن دی جاتی ہے۔ اور ہر مذہب والے کو امن دی جاتی ہے۔ ان کے گرجاؤں کو قیام گاہوں میں تبدیل نہ کیا جائے گا اور نہ انہیں دھویا جائے گا۔ یہاں تک کہ ان کے احاطوں کو بھی نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور مالوں میں کسی قسم کی کمی کی جائے گی۔ نہ مذہب کے بارے میں کسی قسم کا تشدد کیا جائے گا۔ اور نہ

(حقیقہ حاشیہ صفحہ ۱۴۱) کے ساتھ سپاہ بونا پڑا تھا۔ اس حالت میں بیت المقدس کے لوگوں کو یقین تھا کہ مسلمان انہیں کسی حالت میں بھی چھوڑنے والے نہیں اور وہ ان پر آج نہیں تو کن ضرر غالب آجائیں گے۔ چنانچہ فوج کے تمام بڑے بڑے سرداروں کی متفقہ رائے یہی ہوئی کہ اب بجز صلح کوئی چارہ نہیں، لیکن دوسری طرف انہیں یہ خطرہ بھی تھا کہ اگر انہوں نے شہر کو مسلمانوں کے حوالے کر دینے پر آمادگی ظاہر کی تو مسلمان ان سے ان شرائط پر مصالحت نہ کریں گے۔ جن پر وہ دوسرے شہروں کے لوگوں سے کر چکے تھے۔ نیز کہ بیت المقدس کے محاصرے میں مسلمانوں کو بہت تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ جس میں ان کا کمانی نقصان ہوا تھا۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ بیت المقدس مسلمانوں کے نزدیک بھی قابل احترام ہے۔ اسی طرح انہیں یہ خطرہ تھا کہ کہیں مسلمان ان سے ان کا کلیسا بے اعظم نہ چھین لیں اور انہیں ان کے مقدس ترین مقام سے محروم نہ کر دیں۔ اس لئے ان کی یہ رائے ہوئی کہ امیر المومنین عمر بن الخطاب خود ان سے مصالحت کریں تاکہ مسلمان اپنے عہد کا پاس اچھی طرح کر سکیں۔ اور شہر مالوں کو کامل امن حاصل کر سکے۔

حاشیہ ۱۳۱: روایات میں حضرت عمرؓ کے فلسطین جانے کے متعلق بعض اختلافات پائے جاتے ہیں۔ (۱) ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ عمرو بن العاص کی درخواست پر فوجیں روانہ کرنے کے بعد کچھ عرصہ تک مدینہ ہی میں رہے۔ بعد میں جب اہل ایلیاد کی طرف سے خلیفۃ المسلمین کی موجودگی کی شرط پیش ہوئی۔ تب آپ فلسطین روانہ ہوئے۔

(۲) ایک دوسری روایت میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ اسی فوج کے ہمراہ فلسطین روانہ ہو گئے جو آپ نے حضرت عمرو بن العاص کی مدد کے لئے بھیجی تھی۔ شام اور اردن کے درمیان جا یہ مقام پر پہنچ کر آپ ٹھہر گئے اور اپنے تلامذین عساکر عمرو بن العاص، ابو عبیدہؓ اور خالد بن ولیدؓ کو طلب فرمایا۔ تاکہ ان سے بیت المقدس کی فتح کے بارے میں مشورہ کیا جاسکے۔ حبیب اربطون اور صفیر نیوس کو حضرت عمرؓ کی آمد کا علم ہوا تو ان دونوں کے درمیان یہ طے پایا کہ اربطون تو کھسک کر مصر چلا جائے۔ اور صفیر نیوس اس شرط پر بیت المقدس مسلمانوں کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہو جائے کہ حضرت عمرؓ خود اس سے معاہدہ کریں۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۴۱)

ان میں سے کسی کو غزوہ پہنچایا جائے گا۔ ایلیاء میں ان کے ساتھ یہودی ذرہ ہونے پائیں گے۔ ایلیاء والوں کا فرض ہے کہ جس طرح دوسرے شہر ملے جو یہ دیتے ہیں وہ بھی جزیہ دیں اور ردیوں کو نکال دیں۔ ردیوں میں سے جو شہر سے نکل جائے گا۔ اس کے جہاں و مال کو امان دی جاتی ہے جب تک وہ محفوظ مقام تک نہ پہنچ جاتے۔ اگر کوئی ردی ایلیاء میں ہی رہنا چاہے تو اسے باقی اہل شہر کی طرح جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر اہل ایلیاء میں سے کوئی شخص ردیوں کے ساتھ جانا چاہے تو اسے امن و امان ہونے۔ یہاں تک کہ وہ محفوظ مقام پہنچ جاتے۔ جو کچھ اس عہد نامے میں درج ہے اس پر خدا اور رسول اور خلیفۃ المسلمین اور تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ بشرطیکہ اہل ایلیاء مقررہ جزیہ ادا کرنے سے انکار نہ کر دیں۔

دو بھیرے حاشیہ ۱) اس روایت کی تائید عہدی بن سہیل کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب اہل اہتمام (مراد حضرت عمرؓ و بنی العاص) نے اہل فلسطین کے مقابلے کے لئے دربار خلافت سے امداد طلب کی تو حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر خود ان کی مدد کے لئے روانہ ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے عرض بھی کیا کہ آپ کہاں جاتے ہیں، آپ کا سامنا ایک بہت خطرناک دشمن سے ہے مگر حضرت عمرؓ نے نہ مانا۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ان لشکروں کے ساتھ جو بطور کمک جا رہے تھے اہل ایلیاء سے صلح کرنے کے لئے فلسطین گئے تھے۔ اور آپ نے مدینہ میں اپنا قائم مقام حضرت علیؓ بن ابی طالب کو جلیا تھا۔

ہم بھی دوسری روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس بارے میں ہماری تائید ڈاکٹر حسن ابابیم حسن (کتاب تاریخ عمر بن العاص صفحہ ۶۱) اور ڈاکٹر محمد حسین بیگلر (الفاروق عمر جلد ۱ صفحہ ۲۵۲) بھی کرتے ہیں۔ یہ بات غیر معقول نہ ہوتی ہے کہ اہل ایلیاء کی طرف سے صلح نامہ کی تکمیل کے لئے مدینہ سے حضرت عمرؓ کو بلائے کا مطالبہ کیا جائے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ بیت المقدس سے مدینہ تین ہفتوں کی مسافت پر واقع ہے اور محض صلح نامہ کرنے کے لئے ایک شخص اتنی دیر سے کبھی نہیں آ سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ محاصرہ کے لیا ہونے کی وجہ سے بہت فکر مند تھے۔ جب حضرت عمرؓ بنی العاص کی درخواست پر اسے امداد ان کی خدمت میں پہنچی تو انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ خود فلسطین جا کر مسلمانوں کی رہنمائی کی جائے۔ چنانچہ آپ نے فوجیں جمع کیں۔ اور انہیں ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ جاب یہ پہنچ کر آپ نے قیام کیا اور اپنے قارئین کو مشورہ کے لئے وہاں طلب فرمایا۔ جب مدیوں کو خلیفۃ المسلمین کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے شہر کو اس شرط پر مسلمانوں کے حوالے کرنے پر رضامندی ظاہر کی کہ خلیفۃ المسلمین اپنے ہاتھ سے عہد نامہ لکھیں۔ جاب یہ اور بیت المقدس میں اتنا زیادہ فاصلہ نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ ردیوں کی رہنمائی قبول کرنے اور بیت المقدس تشریف لائے میں کوئی چھکچھاسٹ محسوس ہوتی۔ اس لئے آپ نے ان کی درخواست قبول فرمائی۔

اس عہد نامہ پر بطور شہادت خالد بن ولیدؓ عمر بن العاصؓ عبدالرحمن بن عوفؓ اور معاویہ بن ابوسفیان کے دستخط بھی ہوئے۔ عہد نامہ کے پائے تکمیل کو پہنچنے کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ اور دیگر لوگوں کو جو ان کے ساتھ آئے تھے، شمالی شام میں اپنے مفوضہ فرائض سرانجام دینے کے لئے واپس بھیج دیا۔ اور خود عمر بن العاصؓ اور شرجیل بن حسنہ کے ہمراہ بیت المقدس روانہ ہوئے۔

جب آپ بیت المقدس پہنچے تو حسب قرابہ اہل البیار نے شہر کا دروازہ کھول دیا۔ امتعت صغریٰ نے شہر کے بعض عمارتوں کے ہمراہ باہر نکل کر آپ کا استقبال کیا اور عزت و احترام کے ساتھ شہر میں لاکر وہاں کے آثار قدیمہ اور مقدس مقامات دکھانے شروع کیے۔ اسی دوران میں نماز کا وقت آ گیا۔ اس وقت حضرت عمرؓ کفایتہ القیامۃ دیکھنے میں مصروف تھے۔ صغریٰ نے عرض کیا کہ آپ اسی گر جا میں نماز ادا کر لیجئے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس ڈر سے کہ کہیں مسلمان اس گر جا کو مسجد بنالیں اور عیسائیوں کو ان کی عبادت گاہ سے نکل دوں وہاں نماز پڑھنے سے انکار کر دیا اور باہر نکل کر صخرہ مقدسہ کے قریب نماز ادا کی۔ مسلمانوں نے بعد میں اس جگہ پر مسجد قطی تعمیر کر لی۔ بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے کفایتہ قططنین کی سیرتھیں پر نماز ادا کی۔ لیکن بطور احتیاط عیسائیوں کو یہ تحریر لکھ کر دے دی کہ مسلمان آئندہ کلیساؤں کی سیرتھیں پر کبھی نماز نہیں پڑھیں گے۔

بیت المقدس کی فتح ۶۳۷ء کے اواخر یا ۶۳۸ء کے اوائل میں ہوئی۔

قسطنطین بن ہرقل کا قرار اور قیاریہ کی فتح | بیت المقدس کی فتح کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ ان متفرق رومی فوجوں کا استیصال کرنے میں مشغول ہوئے جو فلسطین کے مختلف مقامات میں موجود تھیں یا اپنی غلط قابضیت اور جنگی عداوت کی بدولت وہ ہر جگہ مظفر و منصور ہوئے۔ اب صرف قیاریہ باقی رہ گیا تھا۔ جمال ہرقل کا بیٹا قسطنطین ایک بھاری فوج لئے پڑا تھا۔ ۶۳۷ء (مطابق ۶۳۸ء) میں حضرت عمرو بن العاصؓ نے ادھر کارباج کیا۔ مگر اسی اثناء میں قسطنطین کو یہ خبر ملی کہ طبرہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور اس کا باب انطاکیہ سے بھاگ کر قسطنطنیہ چلا گیا ہے۔ یہ خبر سن کر خوف و ہراس نے اس پر غلبہ پا لیا۔ اور اسے سالوں کو ایسا معلوم ہونے لگا جیسے عمرو بن العاصؓ شہر کی فصیحی توڑ کر اپنی فوج کے ساتھ اندر گھس آئے ہیں۔ اسلامی فوجوں کا اس پر ایسا سب طاری ہوا کہ رات کے اندھیرے میں وہ خفیہ طور پر اپنے محل سے

۱۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت خالدؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔

۲۔ بعض کہہ لیں قیاریہ کی بجائے قیصریہ لکھا ہے۔

نکلا اور قسطنطنیہ جا کر ہی دم لیا۔ جب صبح ہوئی اور شہر والوں کو معلوم ہوا کہ ان کا سپہ سالار بزدلی دکھا کر بھاگ گیا ہے تو ان کی ہمتیں بھی پست ہو گئیں اور انہوں نے حضرت عمر و بن العاص سے صلح کی درخواست کی جو انہوں نے قبول کر لی اور اس شہر پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

جنگمائے شام و فلسطین میں حضرت عمر و بن العاص کی کامیابی کے اسباب | ان جنگوں سے جن میں سے بعض میں حضرت عمر و بن العاص کو شرکت کا موقع ملا اور بعض میں قیادت کا فخر نصیب ہوا۔ ہمیں ان وسائل کا بخوبی علم ہو سکتا ہے جنہیں عمر و بن العاص نے اختیار کیا اور جنہیں اختیار کرنے کے نتیجے میں انہیں کامیابی و کامرانی نصیب ہوئی، نہ صرف انہیں بلکہ ہر اس شخص کو بھی جس نے ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی۔

فلسطین اور شام کی ان جنگوں پر مجموعی نظر ڈالنے سے جن میں حضرت عمر و بن العاص نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں شرکت کی ہمیں مندرجہ ذیل وسائل کا علم ہوتا ہے جو حضرت عمر و بن العاص نے اختیار کیے۔

۱۔ تمام مہموں کے دوران میں حضرت عمر و بن العاص پر جنگی مدد غالب رہی۔ یہ جنگی مدد جو خدمت آپ میں موجود تھی۔ بلکہ ان لشکروں میں بھی سہارا دینا جو آپ کی قیادت کے تحت دشمنوں سے جنگ کرتے تھے۔ یہ مدد نفس میں طمانیت، قوت و عزم، بہادری اور شجاعت، صبر و استقامت اور دین کی راہ میں ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے جذبات کو بڑھانے پر مبنی تھی۔ اس معنوی مدد کی موجودگی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے اس گفتگو سے ملتا ہے جو حضرت عمر و بن العاص اور قرہ بن ہبیرہ کے درمیان اس وقت ہوئی تھی جب قرہ نے قندھار اور تداؤ کی شدت کا احساس دلا کہ آپ کو خوف زدہ کرنا چاہا تھا آپ نے اس عظیم الشان فتنہ پر کسی تشویش کا اظہار کرنے کی بجائے بڑے زوردار الفاظ میں کہا کہ:

”اے قرہ! ابھی ایسی تلواریں موجود ہیں جو مرتدین کے سینوں میں بڑی تیزی اور سختی کے ساتھ پیوست ہو گئی۔ یہ وہی تلواریں ہیں جو اس سے قبل کھارے جماد کرنے کے لئے استعمال ہوتی تھیں۔ مگر اس بار ان کی تیزی اور سختی پہلے سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ تم میں عربوں کے ارتداد سے ڈراتے ہو۔ خدا کی قسم تمہارے گھوڑوں کے قدموں سے ان کی اور تمہاری زمینیں روند ڈالیں گے۔ اور ہماری تلواریں صفائی کے ساتھ تمہاری گردنیں اڑا دیں گی۔ خواہ تم انہیں پھانسنے کی کتنی ہی

۱۔ بعض روایات میں ہے کہ قسطنطنیہ اسکندریہ بھاگ گیا تھا

۲۔ طبری جلد ۲ ص ۲۴۹ و اشعریہ جلد ۲ ص ۲۴۶

کوشش کرو۔ کہن کھول کر سن لو کہ ہم ایک بھی فتنہ پرور انسان کو عرب میں نہیں رہنے دیں گے۔ اب عرب کے آسمان پر ایک ہی خلاۃ عرب کی سرزمین میں ایک ہی رسول ہو گا۔ جھوٹے خداؤں کی خدائی اب عرب میں ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکی ہے۔

ان کہات سے اس معزّی روح اور روحانی قوتوں کا بخوبی احساس ہوتا ہے جو حضرت عمر و بن العاص اور ان کے لشکر کے دل و دماغ پر مسلط تھیں اور جن کے باعث وہ ہر میت کے خوف سے بے پروا ہو کر دشمنوں سے لڑتے تھے۔

۲۔ حضرت عمر و بن العاص نے لشکر میں جنگی روح کو ابھارنے، اہل فوج کے جذبات براہِ نیجنتہ کرنے اور انہیں لڑائی پر آمادہ کرنے کے لئے قرآن کریم سے بڑا کام لیا۔ وہ جانتے تھے کہ قرآن کریم کی آیات، دلوں میں دلولہ، جوش و خروش اور ایمانی روح پیدا کرنے میں بڑی مدد و معاون ثابت ہوتی ہیں اور ایمان لوگوں کو عزم و ہمت اور بہادری و شجاعت کے ساتھ جنگ کرنے پر ابھارتا ہے اسی لئے حضرت عمر و بن العاص کا طریق یہ تھا کہ وہ ہر جنگ کے موقع پر کچھ لوگوں کو مقرر کر دیتے تھے جو صفوں میں پھر کر قرآنی آیات تلاوت کرتے رہتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ مجاہد کا مرتبہ کتنا بلند اور شہید کا درجہ کتنا عظیم ہوتا ہے۔ اور تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے فتح و نصرت کے وعدے پر کامل بھروسہ پیدا ہو اور انہیں یہ یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔ وہ ہر طرح ان کی مدد کرے گا، ان کی راہ سے مصائب اور تکالیف دور کرے گا اور ان کے دشمنوں کو خائب و خاسر رکھے گا۔ ان آیات میں سے جنہیں آپ جنگوں کے موقع پر تلاوت کرنے کا حکم دیتے تھے، چند درج ذیل ہیں:-

اِذِ انْ لِلَّذِيْنَ يَقَاتِلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظَلَمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِ يُّوْثِقُ (سورۃ الحج آیت ۴۱)
 ران لوگوں کو جن سے دشمنوں نے جنگ چھیڑ رکھی ہے اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کی اجازت دیا جاتی ہے۔ کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔

تَقَاتِلْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلِّفُ لِنَفْسِكَ وَاَحَدٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَسٰی اللّٰهُ اَنْ يَّكْفِكَ بِاُسَ الثَّانِيْنَ كَفَرُوْا (سورۃ النساء آیت ۸۴)

اللہ کے راستے میں جنگ کرو۔ تمہیں اپنے نفس کے سوا اور کسی کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاتا اور مومنوں کو جنگ کی ترغیب دو۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ کافروں کے زور کو روک دیگا
 اِذْ تَقُوْلُ لِمَنْ مِّنْهُمْ مِّنْ اَنْ يَّكُوْنُ مَعَكُمْ اَنْ يَّمِيْنًا كُمْ سُبْحًا يَّسْلَا سَلًا الْاٰتِ مِنْ

الْمَلَائِكَةُ مُنْذَرِينَ . بَلَىٰ إِنَّ تَصِيرُوا دَ تَشْعُرُوا وَيَأْتُوكُم مِّنْ تَوْرِهِمْ هَٰذَا
يُفِيدُكُمْ سَائِبَكُمْ بِخَمْسَةِ آيَاتٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ . وَمَا جَعَلَهُ
اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتُحْيِيَنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ
الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا
خَآئِبِينَ (آل عمران آیت ۷۵ تا ۱۲۷)

(جب کہ تم مومنوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہیں یہ کافی نہ ہو گا کہ تمہارا رب تمہاری
امداد کرے گا۔ تین ہزار فرشتوں کے ساتھ جو آسمان سے نازل ہوں گے۔ ہاں کیوں
نہیں اگر تم صبر و استقامت اختیار کر دو گے اور متقی بنو گے اور وہ لوگ تم پر ایک دم
سے آ پہنچیں گے تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو ایک
خاص وضع بنائے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس لئے کی کہ تمہارے لئے
بشارت ہو اور تمہارے دلوں کو قرار ہو جائے۔ اور نصرت صرف اُس اللہ ہی کی طرف
سے ہے جو بہت زبردست اور حکمت والا ہے تاکہ کفار میں سے ایک گروہ کو
ہلاک کر دے یا ان کو ذلیل و خوار کر دے پھر وہ ناکام لوٹ جائیں)

۳۔ شام اور فلسطین کی جنگوں میں حضرت عمرؓ بن العاص نے بالالتزام اس بات کی کوشش کی
کہ حملہ کے وقت دشمن کو پہل کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ ہر موقع پر وہ خود پہل کرتے تھے اور
دشمن کو سنبھلنے کا موقع دیے بغیر پہلے در پہلے حملوں سے اس کی قوت و طاقت کو باطل و خالی
کر دیتے تھے۔ انہیں اس حقیقت کا بخوبی علم تھا کہ پہل کرنے والا ہمیشہ فائدہ میں رہتا ہے۔ اور
حیث اُسی کی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس صورت میں فریق مخالفت کو اتنا موقع ہی نہیں ملتا کہ وہ پہل کر حملہ
کر سکے۔ اس کی تمام تر توجہ اپنے دفاع کی طرف ہوتی ہے اور بیشتر قوت دفاع ہی میں خرچ ہوتی
ہے۔ قصاصہ پر حملے کے وقت یہی ہوا اور دمشق، نخل اجنادین، بیت المقدس اور قیاریہ کی
لڑائیوں میں جو رد میوں کے ساتھ پیش آئیں آپ نے اسی طریقہ کو اختیار کر کے دشمنوں پر فتح حاصل کی
۴۔ حضرت عمرؓ بن العاص کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ مسلمانوں کی افواج متفرق طور پر دشمن کا مقابلہ
نہ کریں بلکہ متحد ہو کر ایک شخص کی زیر کمان میدان جنگ میں آئیں۔ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ علیحدہ علیحدہ
دشمن کا مقابلہ کرنا دراصل اپنی طاقت کو ضائع کرنا ہے۔ کامیابی اور کامرانی کی یہی صورت ہے کہ اپنی
قوت کو ایک مرکز پر مرکوز کر کے جنگ کی جائے اور اسے حتی الامکان ضائع ہونے سے بچایا جائے

آپ نے کئی مقامات پر پڑھا ہو گا کہ حضرت عمر دین العاص نے خلیفۃ المسلمین سے مدد طلب کی۔ امداد طلب کرنے کا مقصد بھی یہ تھا کہ دشمن کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ فوجیں اکٹھی کی جائیں اور پوری قوت و طاقت سے اس کا مقابلہ کیا جائے۔ خلیفۃ المسلمین کو بھی عمر دین العاص کے اس نظریے کا بخوبی علم تھا۔ لہذا وہ ان کی طرف سے امداد کا مطالبہ ہونے پر کبھی دیر نہ لگاتے تھے اور نئی افودہ مطلوبہ لگ کر روانہ کر دیتے تھے۔

یروشلم کی جنگ میں حضرت عمر دین العاص نے جو عظیم کارنامہ سرانجام دیا اسے کسی حالت میں بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اس وقت مسلمانوں کی فوجیں علیحدہ علیحدہ پڑی ہوئی تھیں۔ ہر فوج اپنے امیر کے ماتحت تھی اور اسی سے احکام حاصل کرتی تھی۔ نہ فوجوں کے درمیان کوئی رابطہ قائم تھا۔ اور ان کے سامنے کوئی متحدہ لائحہ عمل موجود نہ تھا۔ لیکن ان کے مقابلے میں رومی ایک قیادت کے ماتحت پوری طرح منظم تھے اور ایک ہی سردار سے ہدایات حاصل کرتے تھے جس کے نتیجے میں ان کا پلہ بھاری تھا اور مسلمان ان کی قوت و طاقت سے خوف کھاتے رہتے تھے۔ بالآخر تمام اسلامی لشکروں نے متفقہ طور پر حضرت عمر دین العاص کو لکھا کہ میں کوئی ایسی تدبیر نہایت جس کی بدولت ہم رومیوں کی مصیبت دھڑلے کے مقابلے میں کامیاب و کامران ہو سکیں اور اپنی کمزور حالت کو بہتر بنا سکیں۔ حضرت عمر دین العاص نے جواب میں لکھا کہ رومیوں کے مقابلے میں کامیابی حاصل کرنے کی صرف یہی صورت ہے کہ تمام اسلامی لشکر مل کر ایک متحدہ لشکر کی صورت اختیار کر لیں، ان کا امیر ایک فرد واحد ہو۔ سب لوگ اسی کے اشارے سے کام کریں اور اس کے احکام کی تعمیل کرنا اپنا فرض اولین خیال کریں

اسی دوران میں اسلامی افواج نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی ہدایات طلب کی تھیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جواب بھی بعینہ وہی تھا جو حضرت عمر دین العاص کا تھا۔ آپ نے بھی انہیں متحد ہو جانے کی تلقین فرمائی تھی۔ چنانچہ اسلامی لشکروں نے ایسا ہی کیا۔ سب فوجیں ایک جھنڈے تلے اور ایک قیادت کے تحت اکٹھی ہو گئیں۔ اور امداد کے درمیان یہ طے پایا کہ باسی باری ہر شخص قیادت کے فرائض سرانجام دے۔ پہلے روز کی قیادت کا شرف حضرت خالد بن ولید کے حصے میں آیا اور جو کام چار مہینے کی طویل مدت میں چار اسلامی فوجیں انجام نہ دے سکی تھیں وہ انہوں نے محض اتحاد کی برکت سے ایک دن میں پورا کر کے دکھلا دیا۔ رومیوں کو عبرت انگیز شکست ہوئی اور مسلمانوں کو عظیم الشان فتح۔

۵۔ حضرت عمر دین العاص نے جہاں مکھ جو سا محاصرے کے ذریعے سے بھی دشمن کو زیر کرنے کی کوشش کی۔ ہر طرف سے ناکہ بندی کر کے رمل و رسائل کے تمام ذریعے منقطع کر دینے کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ دشمن

بہت جلد اطاعت پر آمادہ ہو جاتا تھا۔ باہر سے اسے کسی قسم کی کوئی مدد نہ مل سکتی تھی۔ جب تک شہر میں کھانے پینے کا ذخیرہ موجود رہتا۔ وہ مقابلے پر آمادہ رہتا تھا لیکن ان چیزوں کے ختم ہونے کے ساتھ ہی اس کی تاب مقاومت بھی ختم ہو جاتی تھی۔

شام اہل قسطنطین کی حین جنگوں میں حضرت عمر دین العاص نے دشمن کا محاصرہ کر کے اس کی قوت و طاقت کو ختم کیا وہ یہ تھیں۔ جنگ دمشق۔ جنگ اجنادین اور جنگ بیت المقدس۔

جنگ دمشق کے موقع پر وہ دیگر اسلامی سپہ سالاروں کے ساتھ محاصرے میں شریک تھے اور انہیں باب لوار کے سامنے محاصرہ کرنے والی فوجوں کا سپہ سالار مقرر کیا گیا تھا۔

جنگ اجنادین میں حضرت عمر دین العاص نے پیچھے ہٹنے والی رومی فوج کا محاصرہ کر کے اسے محنت جانی و مالی نقصان پہنچایا۔ اسی طرح بیت المقدس کا محاصرہ کر کے صغیر یوس کو مسلمانوں کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیا۔

۶۔ ان تمام جنگوں میں جس چیز سے حضرت عمر دین العاص نے سب سے زیادہ کام لیا وہ ہوش مندی اور دانائی تھی۔ اپنی حیرت انگیز و کادت و فطانت کے بل بوتے پر انہوں نے ہر میدان میں دشمن کو شکست دی۔ وہ دشمن کی نظروں میں خوار کی طرح کھٹکتے تھے۔ دشمن نے متعدد موقعوں پر انہیں اپنے دام فریب میں گرفتار کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ ہر موقع پر انتہائی دانش مندی اور ہوشیاری سے زندہ و سلامت بچ کر نکل آئے۔ اور دشمن ان کا بال بھی بیک نہ کر سکا۔ اربابوں کے لشکر میں جانے اور دیاں سے صحیح و سلامت واپس آنے کا واقعہ جس کا تفصیل ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں اس کی ایک زندہ مثال ہے۔ یہ واقعات حیرت انگیز اور عمر دین العاص کی عقلمندی کا اتنا واضح ثبوت تھا کہ خود اربابوں کو بھی جسے اپنی عقل و دانش اور فراوانی پر ناز تھا، اس امر کا ان الفاظ میں اعتراف کرنا پڑا کہ:-

”یہ شخص مجھے چمکے دے کر نکل گیا۔ واقعی اس کی عقلمندی کا جواب نہیں ہو سکتا۔“

۷۔ تمام جنگوں کے دوران میں حضرت عمر دین العاص نے اس امر کو ملحوظ خاطر رکھا کہ قائد لشکر کو شجاعت جو امر رومی اعزاز و استقلال اور عقل و دانش میں تمام فوج کے لئے نور ہو نا چاہیے۔ انہیں اس امر کا بخوبی احساس تھا کہ جب تک جنگ کے ہر مرحلے میں قائد لشکر اپنا نمونہ فوج کے سامنے پیش نہیں کریگا اور ہر موقع پر خود پیش پیش نہیں ہوگا۔ اس وقت تک فوج سے یہ توقع رکھنی بے کار ہے کہ وہ شجاعت و جوانمردی کا مظاہرہ کرے گی۔ جب فوج یہ دیکھے گی کہ ان کا سپہ سالار خود دل ہمت اور فنون جنگ سے نا آشنا ہے۔ تو اس میں بھی لازماً ضعف و اضمحلال پیدا ہو جائے گا۔ اور وہ دشمن کے مقابلے

میں کوئی قابل فخر کارنامہ سرانجام نہ دے سکے گی۔

شام اور فلسطین سے رومی اقتدار کا خاتمہ | حضرت عمر دین العاص کے پے در پے حملوں سے شام اور فلسطین میں رومی سلطنت کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ ارطہون اپنی فوجیں لے کر مصر بھاگ گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہاں نئے سرے سے فوجی طاقت مجتمع کر کے دوبارہ شام آئے اور وہاں سے مسلمانوں کو نکال کر پھر رومی سلطنت کا اقتدار قائم کر دے۔ لیکن اس کا یہ ارادہ کبھی شرمندہ عمل نہ ہو سکا اور شام اور فلسطین سے رومیوں کا اقتدار ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔

ان جنگوں نے یہ بات ثابت کر دی کہ عمر دین العاص مسلمانوں کے ایک عظیم قائد تھے۔ اور تدبیر فراست عقلمندی اور ذہانت میں اس وقت کے دوسرے مسلمان سپہ سالاروں میں بہت کم ان کے ہم پلہ تھے۔

فتح مصر

”مصر کی سرزمین نہایت سیر حاصل اور سرسبز و شاداب ہے۔ اس کا طول ایک مہینے اور عرض دس مہینے کی مسافت ہے۔ اسے ایک بھورا پہاڑ اور سرخی مائل صحرا چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اس کے درمیان سے وہ دریا گزرتا ہے جس کی رفتار صبح سعید اور روانی شام مبارک ہے اس کے بہاؤ میں ہر وہ کی طرح کبھی زیادتی اور کبھی کمی ہوتی رہتی ہے۔۔۔۔۔ اس وقت مصر کی سرزمین عجیب عجیب رنگ سے ظاہر ہوتی ہے۔ ابھی دھندلا ہوا مٹی ہے، ابھی غنبر سیاہ اور ذرا سی دیہی زمین و سبز۔ یہ اللہ کی قدرت کے کوشے ہیں جس نے اس میں یہ صلاحیت رکھ دی اور باشندوں کی معیشت کے لئے اسے ایسا بنایا۔۔۔۔۔۔۔“

محمد بن العاص

کا خط

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب کے نام

(۱)

فوج کشتی سے پہلے

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے بارے میں
ایرانی اور رومی سلطنتوں کا ردیہ
- مصر میں مذہبی جوہر و ستم
- مصر پر چڑھائی کا ارادہ
- عرب اور مصر کے باہمی تعلقات

۱۔ دعوت اسلام کے بارے میں فارس و روم کا رویہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب کی درمیانہ سلطنتوں سلطنت ایران اور سلطنت روم میں زبردست جنگ جاری تھی۔ ابتدا میں تو اہل ایران کو کامیابی نصیب ہوئی لیکن جب ہرقل نے رومی سلطنت کی زمام سنبھالی تو رومیوں کی قسمت نے پٹیا کھایا۔ چھ سال کی طویل اور سخت جنگ کے بعد وہ ایرانیوں کو شکست فاش دینے اور ان سے صلیب اعظم و جو بیت المقدس کے سب سے بڑے گرجا میں نصب تھی، واپس لینے میں کامیاب ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں بیٹھے ہوئے رومیوں اور ایرانیوں کی اس کشمکش کو بڑے غور سے ملاحظہ فرما رہے تھے۔ ان جنگوں میں اگرچہ ایک فریق غالب اور دوسرا مغلوب ہوا لیکن ان کے باعث دراصل دونوں فریقوں کی قوت و طاقت کو سخت منہمت پہنچا اور دونوں کی شان و شوکت خاک میں مل گئی۔ غالی اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ تھا کہ آپس میں لڑ لڑ کر ان دونوں سلطنتوں کی طاقت اس قدر کمزور ہو جائے کہ وہ اسلامی افواج کا دل جمعی سے مقابلہ نہ کر سکیں اور اس طرح عرب لشکروں کے لئے فتح کا راستہ صاف ہو جائے۔

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ شروع کی اس وقت ہرقل قوت و طاقت اور شان و شوکت کے لحاظ سے اپنے بڑے عروج پر تھا۔ عام لوگوں کو دعوت اسلام دینے کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شاہان عالم تک بھی پیغام حق پہنچانا چاہا۔ چنانچہ ۶۲۸ء میں

۱۔ اس کے بارے میں بعض اختلافات ہیں۔

اکثر مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میں امراء اور بادشاہوں کو تبلیغی خطوط روانہ فرمائے۔ ۶۲۸ء میں ۲۳ خطوں سے شروع ہوتا ہے۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطوط ۶۲۹ء میں روانہ فرمائے۔ لیکن یہ خلاف واقعہ ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حبشہ کی طرف سے ایک خط کسریٰ شاہ فارس کے نام بھی روانہ فرمایا تھا اور کسریٰ کا انتقال مارچ ۶۲۸ء میں ہوا تھا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

آپ نے متعدد امراء اور بادشاہوں کو ایک تبلیغی خط لکھا جس میں انہیں اسلام قبول کرنے اور توحید و رسالت کی گواہی دینے کی تلقین فرمائی۔ جن امراء اور بادشاہوں کو یہ خط لکھے گئے وہ مندرجہ ذیل تھے۔
امراء یمن، عمان، یمامہ اور بحرین۔ عمارت بن ابی ثمر غسانی، جو شام کی حدود پر غسانی عربوں کا امیر تھا۔ مقوقس، جو مصر میں قبطیوں کا سربراہ، اسکندریہ کا حاکم اور مصر میں قیصر روم کا نائب تھا۔ نجاشی شاہ حبشہ، کسری شاہ فارس اور ہرقل قیصر روم۔

امراء عرب میں سے دو نے ان خطوط کا احسن طے پر جواب دیا اور اسلام لے آئے۔ یہ دو امیر یمامہ اور بحرین کے تھے۔ یمن اور عمان کے امیروں نے بہت بری طرح جواب دیا۔ نجاشی نے بہت برا جواب دیا، مقوقس نے وعدہ کیا کہ وہ اس معاملے پر غور کرے گا لیکن اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حاطب بن ابی بلتعہ نعمی کی بہت خاطر و ملامت کی۔ اور ان کے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو لوگ بیاں مدینہ اور بخیریں، ایک خنجر جس کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈال دیا رکھا، ایک گدھا جس کا نام تقور تھا اور کچھ مل داسباب بدیہ بھیجا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس نے ان چیزوں کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ بھی اور شہید بھی بھیجا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۳) ابن اسحاق کی ایک روایت میں ہے کہ تمام خطوط ایک وقت میں روانہ کیے گئے۔ البتہ کسری کو ہرقل سے ایک سال قبل خط روانہ کیا گیا تھا۔ مگر راجح روایت یہی ہے کہ تمام خطوط جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے ۳۲ھ میں بھیجے گئے تھے۔

۳۲ھ ابن اسحاق نے لکھا ہے مقوقس مصر کا حقیقی حاکم تھا۔ اس کے متعلق دو روایتیں ہیں پہلی یہ کہ ہرقل نے ایرانیوں کے مصر سے نکلنے کے وقت اسے وہاں کا حاکم بنایا تھا دوسری یہ کہ وہ ایرانیوں کے عہد حکومت میں بھی اسی عہدے پر فائز تھا۔ ہرقل نے اسے بدستور اسی عہدے پر برقرار رہنے دیا۔

۳۳ھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس کو جو خط لکھا تھا اس کی عبارت مندرجہ ذیل تھی:-

”تم اسلام لے آؤ۔ محفوظ رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں دہرا اجر دے گا۔ لیکن اگر تم نے اسلام لانے سے انکار کیا تو تم پر قبطیوں کا گناہ بھی ہو گا۔ اے اہل کتاب! اس بات کی طرف توجہ نہ کرو کہ ہم میں اور تم میں مشترک ہے اور وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے سوا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر کسی کو رب نہ بنائے۔ پھر اگر وہ اس بات کو قبول نہ کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔“

۳۴ھ مقوقس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا یہ جواب دیا:- (باقی اگلے صفحہ پر)

کسریٰ شاہ ایران حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خط دیکھتے ہی آگ لگوا ہو گیا اور اُسے بھاڑ کر پھینک دیا۔ ساتھ ہی حمیر کے عامل بزان کو جو اس کے ماتحت تھا حکیم بھیجا کہ اس شخص کو جس نے حجاز میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے اُسے گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو؛ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خط کے چاک کیے جانے کا علم ہوا تو آپ کو بہت سنا ہوا اور آپ نے فرمایا۔

”اُس نے میرے خط کو بھاڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔“

(لبنیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۴)..... آپ نے مجھے جس امر کی طرف بلائی ہے میں اسے خوب سمجھ گیا ہوں۔ مجھے یہ تو علم تھا کہ ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے لیکن میرا خیال تھا کہ وہ تمام میں ظاہر ہو گا۔

لے موقوف کے عاطف سے حسن سلوک کا اندازہ اس کے خط کی اس عبارت سے بھی ہوتا ہے۔

..... میں نے آپ کے قاصد کی بہت تعظیم و تکریم کی۔ میں اس کے ہمراہ آپ کی خدمت میں دو لوگیاں بھیج رہا ہوں جن کا تطبیق میں بندہ مقام ہے۔ نیز آپ کے پہننے کے لئے لباس اور سوار ہونے کے لئے ایک خچر بھی روانہ کر رہا ہوں۔

۵ (د) ماریہ نے اسلام قبل کر لیا تھا۔ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نکاح کر لیا۔ وہ فتح مصر سے پہلے ہی فوت ہو گئی تھیں۔

(ب) ابن سعد نے محمد بن عمر سے روایت کی ہے کہ ثلث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر تھا۔ یہ پہلا خچر تھا جو زائد اسلام میں عربوں نے دیکھا۔ اسے موقوف نے حضور کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تھا۔ ساتھ ہی ایک گدھا بھی تحفہ بھیجا تھا جس کا نام عفیر تھا۔ خچر حضرت عائشہ کے زمانے تک زندہ تھا.....

(ج) بعض روایات میں آتا ہے کہ گدھے کے دو نام تھے عفیر اور عفیر۔

۶ یمن پہلے حبشہ کے ماتحت تھا۔ وہاں کے لوگوں نے حکومت حبش کے خلاف بغاوت کرنی چاہی اور اس غرض کے لئے شہنشاہِ روم سے اعلا مانگی لیکن چونکہ حبشہ جو روم و دلو، مسیحی سلطنتیں تھیں۔ اس لئے شاہ روم نے رد دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر اہل حبشہ کا قاصد جس کا نام صیف تھا۔ انوشیروان شاہ ایران کے پاس پہنچا۔ انوشیروان نے ہرزاند ہانی کی زیر قیادت اس کے ساتھ تین ہزار چھ سو سپاہی کر دیئے۔ یہ لشکر کشتیوں میں سوار ہو کر یمن پہنچا اور اس کے دار الحکومت صنعاء کو فتح کر لیا۔ کچھ سالوں کے بعد حبشہ کے حامیوں نے وہاں بغاوت کھڑی کر دی۔ جس پر کسریٰ نے ایک اور لشکر بھیجا جس نے اہل حبشہ اور ان کے حامیوں کو یمن سے نکال باہر کیا۔ اس جنگ کے نتیجہ میں حمیر کی سلطنت ختم ہو گئی اور یمن احضر موت، مہرہ اور علان ایوانیوں کے زیرِ نگیں آ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی کچھ ہی عرصہ بعد بڑی شان سے پوری ہو گئی اور تمام ایرانی سلطنت مسلمانوں کے ماتحت آ گئی۔

ہرقل کے متعلق بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس نے آپ کے خط کا احسن طور پر جواب دیا تھا۔ بعض نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اس نے اسلام لانے کا اعلان بھی کر دیا تھا لیکن یہ درست نہیں۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کی طرت کوئی خاص توجہ نہیں دی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرث بن ابی ثمر غسانی کو جو ہرقل کی جانب سے بصری کا حاکم تھا، حرث بن عیر کے ہاتھ خط بھیجا تھا۔ جب حرث بن عیر موتہ پہنچے تو وہاں انہیں شرحبیل بن عمرو الغسانی ملا۔ اور اُس نے اُن سے پوچھا تم کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا "شام" شرحبیل نے کہا: معلوم ہوتا ہے تمہیں محمدؐ نے بھیجا ہے! انہوں نے جواب دیا: ہاں! اس پر شرحبیل نے اپنے آدمیوں کو حرث کی مشکیں کھنسنے کا حکم دیا اور وہ اسی حالت میں شہید کر دیے گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شہادت کا پتہ چلا تو آپ کو شدید مینج ہوا۔ اور آپ نے تہیہ کر لیا کہ اس کا انتقام لے کر میں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کا قتل وہ شعلہ تھا جس نے عرب اور روم کے درمیان جنگ کی آگ بھڑکا دی اور وہ اس وقت تک بھڑکتی رہی جب تک عربوں نے شام اور فلسطین اور ازل بعد مصر سے رومی سلطنت کا خاتمہ نہ کر دیا۔

یہ سب سے پہلے جنگ موتہ کے وقت بھڑکا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار کا ایک لشکر زید بن حارثہ کی زیر قیادت اپنے قاصد کا انتقام لینے کے لئے رومی سرحد کی جانب روانہ کیا۔ اس لشکر کا رومی لشکر سے شدید مقابلہ ہوا۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کیے ہوئے تین سپہ سالار زید، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ کیے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ ان کے بعد قیادت خالد بن ولید کے ہاتھ میں آئی۔ وہ اپنی حیرت انگیز جنگی مہارت کو کام میں لا کر اسلامی لشکر کو رومیوں کے ترغے سے صحیح سلامت باہر لے آئے اور مسلمان کوئی بھاری نقصان اٹھانے بغیر مدینہ واپس پہنچ گئے۔

لے ہرقل کی جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحیہ بن خلیفہ کلیبی کو بھیجا تھا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ وہ ہرقل سے اس وقت ملے جب ہرقل اپنے ساتھ صلیب اعظم لے کر وجسے ایرانیوں نے تھپنی لیا تھا) اُسے دوبارہ بیت المقدس کے گرجا میں نصب کرنے کے لئے جبار ہوا تھا۔

اگرچہ اس جنگ میں مسلمان کامیابی و کامرانی سے ہم کنار نہ ہو سکے۔ لیکن اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم و ارادے میں مطلق کمی واقع نہ ہوئی اور فتح مکہ اور جنگ حنین کے بعد جب تمام قبائل عرب پر مسلمانوں کا رعب طاری ہو گیا تو آپ نے ایک بھاری لشکر جمع کیا جس کی تعداد تیس ہزار تھی اسے لے کر آپ تبوک کی جانب روانہ ہوئے۔ جب رومیوں کو اس بھاری لشکر کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ رومی سرحد کے اندر چلے گئے اور پہاڑوں اور تلووں میں روپوش ہو کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کے مقام پر دس دن قیام فرمایا۔ اس کے بعد اپنے صحابہ سے مشورہ کیا کہ آیا شام کی طرف پیش قدمی کرنی چاہیے یا مدینہ لوٹ جانا چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! رومیوں کے پاس بہت بھاری لشکر موجود ہیں۔ لیکن اس کے برعکس شام میں کسی مسلمان کا وجود تک نہیں۔ رومی اسلامی لشکر کی آمد کی اطلاع پا کر سرحد کے اندر دینی علاقوں میں چلے گئے ہیں۔ اگر ہم اس سال واپس چلے جائیں اور اگلے سال مزید قوت کے ساتھ شامی سرحد پر حملہ کریں تو مصائب رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور لشکر کو مدینہ واپس چلنے کا حکم دیا۔ بلکہ نئے نکھارے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ واپس جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کے پاس کھانے اور پانی کا ذخیرہ بہت تھوڑا تھا۔

تبوک کے مقام پر دس روزہ قیام کے دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارد گرد کے امراء عرب سے معاہدے کیے۔ نیز حضرت خالد بن ولید کو چار سو سواروں کے ہمراہ وادئ الجندل کے حاکم کی طرف بھیجا۔ حضرت خالدؓ نے وہاں پہنچ کر اسے قید کر لیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کر پیش کر دیا۔ اس پر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس کے علاقے شہر اور قلعے کے علاوہ تین ہزار ادنٹ اور چار سو زوریں بھی لیں۔

۲۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اہل عرب نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو خلیفہ تسلیم کر کے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ آپ نے اپنی قوت ایمانی اور اخلاص کے ذریعے تمام جزیرہ عرب سے ارتداد کے فتنے کا خاتمہ کر کے تمام عربوں کو ایک سلک میں منسلک کر دیا اسی اثنا میں ایسے حالات بھی پیش آئے کہ آپ کو اسلامی فوجوں کا تسخیر سلطنت ایران اور شام کی طرف پھیرنا پڑا۔ ایرانی حکومت کا خاتمہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ سے ہوا۔ اسی طرح یرموک کے میدان میں اسلامی لشکر نے رومی لشکر کو تباہ و برباد کر کے سلطنت روم پر ضرب کاری لگائی۔ حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد خلافت حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں آئی۔

۳۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں | حضرت عمرؓ کے عہد میں سرزمین شام میں مسلمانوں کی فتوحات بدستور جاری تھیں۔ پہلے انہوں نے دمشق کا محاصرہ کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہاں کے حاکم منصورؓ نے اپنے اندر تاب مقاومت نہ دیکھ کر مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ ہر قتل نے مسلمانوں کی پے در پے کامیابیوں کی خبر سن کر اپنے بھائی تھیوڈور کی زیر قیادت ایک بھاری لشکر ان کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ لیکن یہ لشکر بھی شکست کھا گیا۔ جب ہر قتل کو اندازہ ہو گیا کہ معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ اور اس کی سلطنت کے آخری دن نزدیک آ گئے ہیں تو اس نے انھماکیہ کے گرجا میں تمام عمامہ بین قوم کو جمع کیا اور ان سے مشورہ طلب کیا کہ اس تازک صورت حال کی موجودگی میں اسے آئندہ کیا کرنا چاہیے۔ ایک بڑھا سردار کھڑا ہوا اور کہنے لگا:-

”رہمیں پر کتاب مقدس کے احکام کی نافرمانی اور اسے پس پشت ڈال دینا اور بددھاری“ سنگدلی جیسے گناہوں کو اختیار کرنے کی پاداش میں خدا کا عذاب نازل ہو رہا ہے اور اب یہ عذاب اس وقت تک نہیں ٹل سکتا۔ جب تک ہر شخص کو اس کے گناہوں کی پوری پوری سزا مل جائے۔“

بڑھے سردار کی اس بات نے ہر قتل کے دل پر بہت اثر کیا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ اب اس کی بدبختی اپنی آخری حد کو پہنچنے والی ہے اور سرزمین شام سے اس کا اقتدار بہت جلد جانے والا ہے۔ ان حالات میں اس نے وہاں رہنا مناسب نہ سمجھا اور شعبان ۶۳۶ھ (مطابق ستمبر ۶۳۶ء) میں شام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ جاتے وقت اس نے آنسوؤں سے بھری ہوئی ایک نظر اپنی کھوئی ہوئی ملکیت کی طرف ڈالی اور رقت بھرے الفاظ میں یوں گویا ہوا۔

”اے سرزمین شام! رخصت ہونے والے کا سلام قبول کر۔ یہ وہ جدائی ہے جس کے بعد پھر کبھی ملنا نصیب نہ ہو گا۔“

دمشق کے بعد اجنادین کے مقام پر۔ جیسا کہ ہم شام اور فلسطین کی فتوحات کے باب میں ذکر کر چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ بن العاص نے رومی سپہ سالار ارطہرون کو عبرتناک شکست دی۔ اور وہ وہاں سے

۱۔ اے مشہور مؤرخ سید بن بطریق نے اپنی کتاب ”نظم الجوہر“ میں لکھا ہے کہ تمام رومی ملکیت کے پادریوں نے اپنے اپنے گرجاؤں میں منصور پر لعنت بھیجی۔ کیونکہ ان کے خیال میں اس نے جان بوجھ کر دمشق کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا تھا!

فرار ہو کر بیت المقدس چلا آیا۔ مسلمانوں نے بیت المقدس کا محاصرہ بھی کر لیا۔ اس محاصرے کے دوران میں ردیوں کو بھاری نققان اٹھانا پڑا۔ ارضیوں نے کوئی چارہ کار نہ دیکھا تو بے بسی کے عالم میں اپنی فوج کو ہمراہ لے کر مصر بھاگ گیا اور شہر کو اسقف صفریوس کے حوالے کر گیا۔ چونکہ سلطنت روم کی جانب سے کسی قسم کی امداد پہنچنے کی توقع نہ تھی۔ اور محاصرے کے طویل ہونے کے باعث اہل شہر کو ناقابل بیان تکالیف پہنچ رہی تھیں۔ اس لئے صفریوس مجبور ہو کر صلح کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ وہ شہر کی تفصیل پر چڑھا اور مسلمان سپہ سالاروں سے مخاطب ہو کر کہا کہ وہ اس صورت میں شہر کو مسلمانوں کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہے کہ مسلمانوں کے خلیفہ عمر بن خطاب خود بنفس نفیس بیت المقدس میں آئیں اور اپنی جانب سے عہد نامہ لکھیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت عمر لشکر لے آئے اور بیت المقدس کی فتح پائے تکمیل کو پہنچی۔

۲۔ مصر میں مذہبی ظلم و ستم

اہل مصر مسیحی المذہب تھے، ان کے بالقابل اہل فارس اجوان پر حکمران تھے، مجوسی المذہب تھے لیکن اختلاف مذہب کے باوجود ایرانیوں نے مصریوں کو مذہبی آنا دی دی ہوئی تھی اور وہ اس معاملے میں ان سے مطلق تعزین نہ کرتے تھے۔

مصریوں کا مذہبی پیشوا "بنیامین" نامی ایک شخص تھا جو انہیں بے حد عزیز اور محبوب تھا۔ وہ

سلا بنیامین کی پیدائش مصر کے ایک قبضے فرشوط میں ایک قبلی گھرانے میں ہوئی۔ اہل اسکندریہ کے فراعہ میں قبریوس کے گرجا میں پرورش پائی۔ ایک پادری تیرونامس سے دینی تعلیم حاصل کی۔ چونکہ اس کا میلان ابتداء ہی سے دین کی طرف تھا لہذا اس نے بڑے شوق اور محنت سے تعلیم کے تمام مراحل طے کیے۔ عبادت سے اسے خاص شغف تھا اور بعض اوقات ساری رات عبادت میں گزار دیتا تھا۔ ایک رات وہ حسب معمول عبادت میں مصروف تھا کہ اس نے ایک آواز سنی کہ کوئی شخص کہہ رہا تھا کہ بنیامین! تم آگے چل کر مسیحی بھڑوں کے رکھائے ہو گئے؟ ایک مرتبہ قبطیوں کا لاٹ پادری اندرونیکوسس دیر قبریوس میں آیا جب اس نے اس عہدہ دار اہل معرفت و جوان کو دیکھا تو وہ اس کی پرہیزگاری اور علم و فضل سے بہت متاثر ہوا اور اسے اپنے ساتھ اسکندریہ لے گیا اس طرح بنیامین پادریوں کے زمرہ میں شامل ہو گیا اور لاٹ پادری کے ساتھ کام کرنے لگا۔ اندرونیکوس نے اس کی قابلیت کو دیکھ کر بلا آخر اس بات کی وصیت کر دی کہ اس کے بعد بطریق کا عہدہ بنیامین کے سپرد کیا جائے۔ اس وقت بنیامین کی عمر صرف پچیس سال کی تھی۔ بعض عرب مؤرخین نے اس کا نام ابو بنیامین لکھا ہے۔

دینی معاملات میں تساہل برتنے کا قطعاً روادار نہ تھا۔ اور نہ ہی یہ برداشت کر سکتا تھا کہ مصری اخلاقی لحاظ سے کسی انخطاط میں مبتلا ہوں۔ پادریوں پر وہ کڑی نگرانی رکھتا تھا کہ اخلاقی یا مذہبی لحاظ سے ان میں کوئی کمزوری تو نہیں پائی جاتی۔ ایک مرتبہ اس نے مصر کے بڑے بڑے پادریوں کو ایک خط لکھا جس میں تحریر کیا:-

”میں نے حلوان اور بابلین میں بعض ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو تکبر، فخر و غرور اور ایک دوسرے سے دشمنی و عداوت میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ انہوں کی بات یہ ہے کہ یہ سب لوگ پادری تھے۔ میں ان کے افعال کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ اب میں اس خط کے ذریعے تمام بشاروں کو حکم دیتا ہوں کہ وہ اپنے ماتحت ان تمام پادریوں پر کڑی نگرانی رکھیں جنہیں یہ کام سرانجام دیتے ہوئے دس سال سے زیادہ مدت نہیں گزری۔“

مصری ایما نیوں کے زیرِ تحت اس دسکون سے زندگی بسر کر رہے تھے کہ ہر قل شاہ روم نے مصر پر حملہ کر دیا۔ ایرانی اس کے مقابلے کی تاب نہ لاکر مصر چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور مصر ~~مصر~~ ~~مصر~~ کی عسکری میں شامل ہو گیا۔

ہر قل نے قبرس کو جو اس سے قبل فاسیس کا اسقف تھا۔ مصر کے تمام مذہبی امور کا نگران مقرر کر دیا

۱۱۷۱ء اس کے متعلق یہ روایت بھی بیان کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ وہ پیدل بابلین گیا، اس کے ساتھ اسکندر کا ایک پادری اُبو مینا اور حلوان کا اسقف بلیو بھی تھا۔ بابلین پہنچنے پر جب درگاہ کو اس کی آمد کا پتہ چلا تو وہ کثرت سے اس کی زیارت کے لئے آنے لگے لیکن وہ سیدھا ایک ایسے شخص کے پاس گیا جو خدائی احکام کی نافرمانی میں مشہور تھا۔ وہاں اس نے اس کے خلاف بددعا کی جس پر آسمان سے بجلی گری اور اس شخص کا مکان جل کر خاکستر ہو گیا۔ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی امین جہاں کہیں جاتا تھا لوگ اس سے برکت حاصل کرنے کی غرض سے جوق در جوق اس کے پاس آنے لگتے تھے۔

۱۱۷۲ء بیشتر اہل فارس ۱۱۷۳ء کے اواخر میں مصر سے نکل کر بلاد فارس چلے گئے تھے۔ جو تھوڑے بہت درگاہ بھی گئے وہ ۱۱۷۴ء میں ہر قل سے معاہدہ صلح ہونے کے بعد وہاں سے چلے گئے۔

۱۱۷۵ء فاسیس کا قصبہ بلادِ فارس واقع ہے۔

اور اس نئے مسیحی مذہب کو تمام مصر میں بزور پھیلانے کا کام اس کے سپرد کیا۔ جو اس کی سلطنت کے تین سرکردہ مذہبی لیڈروں نے ایجاد کیا تھا۔ ہر قتل جانتا تھا کہ اہل مصر آسانی سے اس کے اختیار کردہ نئے مذہب کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ اس لئے اس نے اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے ہر ممکن وسائل اختیار کرنے کا تہیہ کر لیا۔ جب اس نے دیکھا کہ اہل مصر کسی طرح اس کی بات ماننے اور اپنے مذہب کو اس کے مذہب میں ضم کرنے کے لئے تیار نہیں تو اس نے ظلم و ستم پر کمر باندھ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصری نہ صرف ہر قتل سے بلکہ رومی سلطنت سے بھی سخت نفرت کرنے لگے۔ خلیفہ ستئمہ میں قیرس کے اسکندریہ پہنچنے پر بنیامین وہاں سے بھاگ گیا۔ بھاگنے سے پہلے اس نے پادریوں اور عوام الناس کو ایک جگہ جمع کیا اور انہیں تلقین کی کہ وہ ہر حال میں اپنے مشرب پر قائم رہیں۔ خواہ ایسا کرنے میں انہیں موت ہی کا سامنا کیوں کر کرنا پڑے۔ ہیردنجات کے پادریوں کو اس نے خطوط کے ذریعے بہاؤں اور صحراؤں میں چھپ جانے کا مشورہ دیا۔ اور لکھا کہ عنقریب سارے مصر پر خدا کا غضب بکھڑکے گا۔ اور انہیں دس سال تک رومیوں کے ظلم و ستم کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس مدت کے ختم ہونے پر انہیں اس عذاب سے رہائی ملے گی۔

اسکندریہ پہنچنے پر قیرس کی سلطنت روم کی جانب سے شہر کا بطریق اور مصر کا حاکم بنا دیا گیا۔ اس نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی لوگوں کو نئے رومی مذہب (مونثیلی) کے قبول کرنے کی ترغیب دینی شروع کی۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ قطعی کسی طرح اس کی بات ماننے اور نئے مذہب کی طرف مائل ہونے کے لئے تیار نہیں تو اس نے ظلم و ستم اور جبر و تشدد پر کمر باندھ دیا۔ اس نے مصریوں کے سامنے دو راستے رکھے یا تو وہ رومی مذہب اختیار کر لیں یا ظلم و ستم سہنا قبول کریں۔

کامل دس سال تک قطعی قیرس کے ہاتھوں دردناک عذابوں میں مبتلا رہے۔ تمام مؤرخین متفق ہیں کہ مذہبی ظلم و ستم کی اس سے بدترین مثال مصر کی تاریخ میں ملتی ہے۔ مشکل ہے۔ سادیرکس اپنی

سہ بنیامین کے بھاگنے کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ وہ اپنے دور رفتوں کے ہمراہ رات کو اسکندریہ کے مغربی دروازے سے نکلا اور دادی نظروں کا رخ کیا۔ وہاں سے وہ بالائی مصر کی جانب روانہ ہو گیا اور قوص پہنچ کر قیام پذیر ہو گیا۔

سکہ سادیرکس اثنوین ایک مشہور مؤرخ ہے۔ جس نے اپنی کتاب میں مصر میں اسلامی فتوحات اور عربوں کی آمد سے قبل مذہبی ظلم و ستم کا حال بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

کتاب میں لکھتا ہے :-

دس سال کی اس طویل مدت میں ہر قتل اور مقتول مصر پر مسلط رہے۔ اس دوران میں اکثر اہل مصر کو ہر قتل کے ہاتھوں بدترین تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی خواہش تھی کہ قبلی اپنا مذہب جوڑ کر خلیفہ دینی مذہب اختیار کر لیں لیکن قبلی ایسا کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اپنا مذہب پھیلانے کے لئے ہر قتل نے ہر قسم کے حربے استعمال کیے۔ کسی کو دھکی دے کہ خلیفہ دینی مذہب میں شامل کرنا چاہا اور کسی کو لالچ دے کہ کس طرف لانا چاہا۔ لیکن مصریوں نے اپنے مذہب کو ترک کر کے دینی مذہب اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

ایک قبلی بطریق اسحق کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے مورخین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وہ یوسف نامی ایک راجہ سے ملا جس کی پیٹھ پر استنہ کوڑے برسائے گئے تھے کہ کھال اُدھر دگر رہ گئی تھی۔ اس کا حرم صرف اتنا تھا کہ اس نے حکومت کے مطالبے کے باوجود سچی بات کہنے سے دریغ نہ کیا تھا۔ جن لوگوں کو دردناک عذاب دے کر قتل کیا گیا تھا ان میں نبی امین کا بھائی بھی شامل تھا۔ اسے عذاب دینے کا طریق یہ اختیار کیا گیا تھا کہ مشعلیں روشن کر کے ان کی لپٹ اس کے جسم کو پہنچائی گئی۔ یہاں تک کہ اس کی پیشانی سے چربی نکل کر زمین پر بہنے لگی۔ اس کے بعد اس کے دانت توڑے گئے۔ اناں بعد اسے ایک بوری میں جس میں ریت بھری ہوئی تھی بند کر کے ساحل سمندر پر لے جایا گیا۔ وہاں اس سے کہا گیا کہ اس کی جاں بخشی کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ وہ خلیفہ دینی مذہب قبول کرنے کا اقرار کرے۔ یہ پیشکش تین ہفتوں کے سامنے دہرائی گئی۔ لیکن اس نے ہر بار انکار کیا۔ آخر کار جب وہ لوگ بالکل مایوس ہو گئے تو انہوں نے اسے سمندر میں غرق کر دیا۔

صوملی قوموں کے سوانح حیات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ قیرس گرجا میں گیا۔ وہاں سوائے محافظ کے اور کوئی نہ تھا۔ اس نے محافظ سے پوچھا کہ گرجا خالی کیوں ہے اور پادری کہاں چلے گئے؟ محافظ نے بتانے میں کچھ تاہل کیا تو قیرس نے اسے کوڑوں سے پرانا شرمع کیا۔ آج مجھ کو محافظ نے بتایا کہ صوملی نے گرجا کے تمام پادریوں کو جج کر کے ایک تقریر کی جس میں کہا کہ قیرس کا فرامہ یہودی ہے اور اللہ پر مطلق ایمان نہیں رکھتا۔ لہذا کسی شخص کو اس سے کوئی تعلق نہ رکھنا چاہیئے اور اس کے پیچھے عبادت کرنے سے انکار کر دینا چاہیئے۔ جب باسیوں نے صوملی کی یہ تقریر سنی تو وہ خود آپ کے آنے سے پہلے ہی گرجا خالی کر کے چلے گئے۔

قیرس کو یس کر بے حد طیش آیا۔ اس نے صوملی اگر جا کے محافظ اور پادریوں کو لگایا دیں اور فیوم آیا جہاں صوملی مقیم تھا وہاں پہنچ کر اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ صوملی کو بیڑیوں میں جکڑ کر اس کے سامنے

پیش کریں۔ چنانچہ قیرس کے آدمیوں نے گرجا میں پہنچ کر صمویل کو گرفتار کر لیا۔ صمویل ذرا نہ گھبرایا اور یہ کہتا ہوا سرکاری آدمیوں کے ساتھ ہو گیا کہ آج مجھے مسیح کے ماستے میں اپنا خون گرانے اور جان قربان کرنے کا شرف حاصل ہوگا۔ جب سپاہیوں نے اسے قیرس کے سامنے حاضر کیا تو قیرس نے نہایت نفرت سے اس کی طرف دیکھا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اسے ماریں۔ تعمیل حکم میں انہوں نے صمویل کو اتنا مارا کہ اس کے بدن سے خون جاری ہو گیا۔ اس کے بعد قیرس نے اس سے پوچھا:-

”اے بد بخت پادری! تجھے کس شخص نے گرجا کا نگران مقرر کیا تھا اور کس نے تجھے حکم دیا تھا کہ تو مجھے اور میرے مذہب کو برا بھلا کہے؟“
صمویل نے جواب دیا:-

”ہمارا فرض اللہ اور اس کے پاکیزہ بندے بنائیں کی اطاعت کرنا ہے۔ اے شیطان کی اولاد اور لے مسیح اللہ حال تیری اور تیرے شیطانی مذہب کی پیروی کرنے کا خدا نے ہمیں حکم نہیں دیا۔“
قیرس نے کہا:-

”صمویل! تجھے یہ دہم ہے کہ پادری تیری عزت کرتے اور تیرے ظاہری تقدس کے باعث تیرا ادب و احترام کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے تو اپنی عیب سے گور گیا ہے اور ملک کی قابل احترام ہستیوں کی توہین پر اتر آیا ہے۔ لیکن میں تجھے بتاؤں گا کہ بڑے آدمیوں کو گایاں دینے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اس وقت تیرا دل تجھ سے سوال کرے گا کہ تو نے سرزمین مصر کے حاکموں اور پیشواؤں کا احترام کیوں نہیں کیا؟“
قیرس نے جواب دیا:-

”تجھ سے پہلے ابلیس فرشتوں کا سردار تھا۔ لیکن اپنے فurd غرور اور کفر کی وجہ سے وہ خدا کی لعنت سے خارج ہو گیا۔ یہی حل اے مکار تیرا ہے۔ تیرا مذہب انتہائی نفرت کے لائق ہے اور تو شیطان اس کے چیلے چانڑوں سے زیادہ لعنت کا مستحق ہے۔“

یہ تزدتیز باقی سُن کر قیرس نے اپنے آدمیوں کو اسے قتل کرنے کا حکم دیا لیکن حاکم فیوم نے غلط کر کے اسے بچا لیا۔ قیرس نے مجبور ہو کر اس کی جان بخشی تو کر دی۔ لیکن اسے جلاوطن کرنے کا حکم دیا۔

۱۔ ایک دھری روایت میں یہ آتا ہے کہ حاکم فیوم جس کا نام کسمیائوس تھا دو سو سپاہیوں کے ہمراہ صمویل کے گرجا میں آیا اور اسے ایک خط دیا جس میں اسے عقیدہ دنی عقیدہ قبول کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ صمویل نے وہ خط پھاڑ کر دروازے سے باہر پھینک دیا اور کہا:- (باقی اگلے صفحہ پر)

قیرس نے ہر شہر میں اپنے نائبوں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ خلیفہ دینی مذہب کو جبراً پھیلائیں اور جو شخص یہ مذہب قبول کرنے سے انکار کرے اسے سخت ترین ایذائیں دیں۔ حتیٰ کہ وہ مجبور ہو کر اسے ماننے پر آمادگی ظاہر کر دے۔ اس طرح تمام سرزمین مصر میں ظلم و ستم کی گرم بازاری شروع ہو گئی۔ سینکڑوں قبلی پادری عمال کے جوہر و ستم سے نجات حاصل کرنے اور پناہ حاصل کرنے کے لئے پہاڑوں اور ویران علاقوں میں روپوش ہو گئے۔ بہت سے ایسے بھی تھے جن کے لئے کوئی جائے فرار نہ تھی۔ انہوں نے یا تو صبر و استقامت کے ساتھ حکام کے مظالم پر شہت کے یا مجبور ہو کر خلیفہ دینی مذہب اختیار کیا۔ خلیفہ دینی مذہب قبول کرنے والوں میں نقیوس اور فیوم کے اُسقف (پادری) بھی شامل تھے۔

ان مظالم سے تنگ آ کر مصریوں نے قیرس کا کام تمام کرنا چاہا۔ چنانچہ جاپاتیہ فرتے کے پیرد مریوط کے قریب ایک گرجا میں جمع ہوئے اور وہاں اس کے قتل کی سازش کی۔ لیکن شہر کے حاکم اور قیازس کو اس سازش کا علم ہو گیا۔ اسے قبضوں سے شدید عداوت تھی اس نے فرج کا ایک دستہ بھیج کر تمام سازشیوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا چنانچہ یہ لوگ گرفتار کر لئے گئے اور بعد ازاں حاکم شہر کے حکم سے قتل کر دیے گئے۔ اس طرح قیرس موت کے چنگل سے بال بال بچ گیا۔

دیوان حنا نقیوسی میں لکھا ہے کہ ہر قتل کی موت کے بعد بھی قیرس کی سختی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اور اس کے مظالم کا سلسلہ بند نہ ہوا۔ بلکہ روز بروز شدت ہی اختیار کرتا گیا۔

سادیس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ہر قتل ایک ایسا بھیر دیا ہے جو حملہ کرنے پر آمادہ رہتا ہے اور اس کی خون کی پیاس کسی طرح نہیں بجھتی

ظلم و ستم اور غلاب کا یہ دور ہماری ہی تھا کہ مصر کے ستم رسید لوگوں نے سنا کہ عرب میں ایک نئے دین کا ظہور ہوا ہے جو کامل مذہبی آزادی اور مساوات انسانی کا علم بردار ہے۔ اس کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۳) ہمارا مذہبی پیشوا صرف نبیا ہیں۔ اللہ کی لعنت ہو کافروں کے اس خط پر جو خشنشاہ روم کی طرف سے کیا ہے۔ اللہ کی لعنت ہو خلیفہ دینی عقیدے کے ماننے والوں اور اس کے حامیوں پر یہ سب کلمہ سبب ازس نے صوبہ کو مارا شروع کیا۔ حتیٰ کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑا کلمہ سبب ازس سمجھا کہ وہ مر گیا ہے۔ وہ اسے گرجا ہی میں چھوڑ کر چل دیا۔ لیکن کچھ دیر کے بعد صوبہ کو ہوش آگیا اور وہ فیوم سے ترک وطن کر کے نقیون کی پہاڑیوں میں جا کر روپوش ہو گیا۔

مطہ نظر یہ ہے کہ انسانوں میں شفقت و محبت پیدا کی جائے۔ تاکہ دنیا کا نظام خوش اسلوبی سے چل سکے۔ انہوں نے سچے دل سے یہ بات محسوس کی کہ مسلمانوں کی اطاعت اور نافرمانی اختیار کرنے سے ان کے حساب و الام دور ہو جائیں گے اور عربوں کی حکومت ان کے لئے راحت اور شادمانی کا پیام لے کر آئے گی۔ چنانچہ انہوں نے عربوں کو اپنی امیدوں کا مرکز بنایا اور یہی وجہ تھی کہ عمرو بن العاص صرف چار ہزار فوج کے ہمراہ سارا مصر فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

مندرجہ بالا بیان سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ مذہبی ظلم و ستم منجمد ان اہم اسباب کے تقاضیوں نے مصر میں مسلمانوں کے داخلے کے لئے راہ ہموار کی۔

۳۔ مصر پر فوج کشی کا ارادہ :

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا :
”مغتریب تم مصر فتح کر دو گے۔ جب تم وہاں پہنچو تو وہاں کے باشندوں سے نیک سلوک کرنا کیونکہ ذمی ہونے کے علاوہ تمہارا ان سے رشتے کا تعلق بھی ہے۔“
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سن کر ہر مسلمان کو کامل یقین ہو گیا تھا کہ مصر زود یا بدیر ضرور ان کے قبضے میں آ جائے گا۔

جس زمانے میں اسلامی افواج احفص بن قیس، نعیم بن مقرن، صوید بن مقرن اور عبداللہ بن عبداللہ بن عقیان جیسے جلیل القدر سپہ سالاروں کی سرکردگی میں سلطنت ایران فتح کرنے میں مصروف تھیں اسی زمانے میں عمرو بن العاص اپنے مختصر سے لشکر کے ہمراہ مصر میں فتوحات پر فتوحات حاصل کر رہے تھے اور رومی فوجیں ان کے مقابلے کی تاب نہ لا کر متنازعہ جگہ رہی تھیں۔

حضرت عمرو بن العاص نے مصر پر چڑھائی حضرت عمر کی اجازت سے کی تھی
لہٰذا میں جب امیر المؤمنین ابولیان بیت المقدس سے صلح کرنے کے لئے فلسطین تشریف لائے تو حضرت عمرو بن العاص نے انہیں مصر پر فوج کشی کرنے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے بتایا کہ رومی سپہ سالار ارطدین اپنی فوجوں کے ہمراہ فلسطین سے مصر بھاگ گیا ہے۔ اگر اس نے مصر

۱۔ قریش حضرت امیہ علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت اسمعیل کی والدہ حضرت ماجہ موریہ الماصل تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اسی طرف تھا۔ (مجاہد)

میں اپنی پوزیشن مستحکم کر لی تو فسطین اور شام میں مسلمانوں کو سخت خطرات لاحق ہو جائیں گے اور انہیں کسی صورت میں اٹھنا ہی نہیں کی زندگی میسر نہ آ سکے گی۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ مصر کے تمام وسائل اس کے ہاتھ میں ہوں گے اور وہ بہت آسانی سے مسلمانوں سے مقابلے کے لئے ہر قسم کے سامان مہیا کر سکے گا۔ لہذا میں ایک لمحہ کے لئے بھی وقت ضائع نہیں کرتا چاہیے۔ اور فی الواقع مصر کی طرف کوچ کر دینا چاہیے۔ ہمارے یوں کی پوزیشن مستحکم ہونے سے قبل ہی وہ تمام علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آجائے اور مسلمان ایک بڑے خطرے سے بچ جائیں۔

غالباً انہوں نے حضرت عمرؓ کو مصریوں اور ان کے حکام کے باہمی تعلقات سے بے آگاہ کیا ہوگا۔ اور بتایا ہوگا کہ رومیوں کے مظالم کے باعث مصری ان سے حدودِ جہنم تک بڑھ کر رہتے ہیں۔ اور وہ ان کے اقتدار کو ختم کرنے کی خاطر ضرور مسلمانوں سے تعاون کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ انہوں نے مصر کی زرخیزی، شادابی اور دولت و ثروت کا حال بھی حضرت عمرؓ کو سنایا ہوگا اور ان کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی ہوگی کہ مصر کے فتح ہونے سے مسلمانوں کی غربت کے دور ہونے اور ان کے معاشی حالات کے بہتر ہونے میں بڑی مدد ملے گی۔

حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاصؓ کی باتیں بڑے غور سے سنیں اور اس معاملے پر کافی غور و خوض کیا۔ اگرچہ حضرت عمرو بن العاصؓ کی رائے سے متفق تھے لیکن اس کے باوجود انہیں کئی وجوہ کی بنا پر مصر پر فوج کشی کرنے میں تردد تھا۔ ان میں سے اہم وجوہ مندرجہ ذیل تھیں:-

۱۔ فتوحات کے بارے میں حضرت عمرؓ کا نیت کوئی بھی پالیسی پر عمل پیرا تھے۔ انہیں عراق اور شام میں بھی پیش قدمی کرنے کا شوق نہ تھا۔ وہ صرف عرب کی سرحدوں کو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ دیکھنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے عراق کے میدانوں سے گزر کر جبلِ قریس تک پہنچنے کی اجازت چاہی۔ تو انہوں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ مصر

صلہ طبری جلد ۲ ص ۱۱۱

۲۔ حضرت عمرؓ کو اپنی اس پالیسی پر بالآخر نظر ثانی کنی پڑی۔ نہاد میں ایرانیوں نے مسلمانوں کے مقابلے کے لئے بھاری تعداد میں فوجیں اکٹھی کی تھیں جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان پر کامیابی عطا فرمائی تو حضرت عمرؓ نے اسلامی فوج کو حکم دیا کہ وہ سرزمینِ ایران میں بڑھتی چلی جائیں تاکہ شمشادہ یزد و جردساں سے نکل جائے اور ایران میں کوئی طاقت ایسی باقی نہ رہے جو مسلمانوں کے لئے آئندہ چل کر پریشانی کا باعث بنے۔

تو شام اور عراق سے بہت دور تھا۔ اس پر چڑھائی کرنے کو ان کا دل کیسے قبول کر سکتا تھا۔
۲۔ جس وقت حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ سے مصر پر چڑھائی کی اجازت چاہی اس وقت سارا شام مسلمانوں کے زیر نگین نہ آیا تھا۔ شمالی علاقہ بدستور مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار تھا۔
یہیں حضرت بلو عبیدہؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے ذریعہ یہ علاقہ اسلامی سلطنت میں شامل ہوا۔
ساحل سمندر پر تعمیرِ یہ کے مضبوط قلعے میں مقیم رومی فوجیں مسلمانوں کے لئے سخت خطرے کا باعث بنی ہوئی تھیں اور بار بار فلسطین کے اسلامی مقبوضات پر چڑھائی کرنے کی دھکی دے رہی تھیں۔ آخر حضرت معاویہ بن ابوسفیان نے سخت جدوجہد کے بعد اس قلعے کو فتح کر لیا۔ ان حالات میں جبکہ شام بھی ابھی پورے طور پر مطیع نہ ہوا تھا حضرت عمرؓ مصر پر فوج کشی کر کے ایک نیا محاذ کھولنا نہ چاہتے تھے۔

۳۔ انہی ایام میں عرب میں اتفاق سے زبردست قحط پڑ گیا تھا۔ جس کے باعث وہاں کے باشندے مورت اور ذلت کی کشش میں مبتلا تھے۔ ان حالات میں حضرت عمرؓ کے لئے تاہن تھا کہ وہ مصر کی فتح کے لئے کوئی لشکر روانہ کرتے۔ بالخصوص اس صورت میں کہ وہ شام میں لڑنے والی اسلامی فوجوں کی مدد کے لئے بھی کوئی لشکر بھیجنے سے قاصر تھے۔

۴۔ قحط ختم ہونے کے بعد فلسطین میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی جسے تاریخ میں طاعون عواس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ فلسطین سے یہ وبا شام اور بصرہ تک پھیل گئی۔ یہ ایام حضرت عمرؓ اور مسلمانوں کے لئے حد درجہ پریشان کن تھے اور انہیں خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی مصیبت سے فائدہ اٹھا کر کس رومی اور ایرانی ان پر ٹوٹ نہ پڑیں۔ ان حالات میں کسی نئے علاقے کی فتح کے لئے فوجیں بھیجنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

عمرو بن العاص بہت عقل مند انسان تھے۔ انہوں نے سوچا کہ وقتی اس وقت اصرار کرنا مناسب نہیں ہے۔ تاہم ان کے دل سے مصر کی فتح کا خیال دور نہ ہوا اور وہ حضرت عمرؓ کے سامنے یہ معاملہ دوبارہ پیش کرنے کے لئے کسی مناسب موقع کے انتظار میں رہے۔ آخر وہ موقع آ ہی گیا۔ شام سے رومی سلطنت کا اقتدار رجعت ہو گیا۔ اور مسلمان اس پر قابض ہو گئے۔
عرب سے قحط دور ہو گیا۔

شام اور فلسطین کے علاقوں سے قحط کی وبا کا خاتمہ ہو گیا۔
اب حضرت عمرو بن العاص نے دوبارہ مصر پر فوج کشی پر اصرار کرنا شروع کیا۔ ان کے دلائل

مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ اگر مسلمان موجودہ فتوحات پر قناعت کر کے بیٹھ گئے تو ان کے دشمن اسے ان کی کمرہی پر محمول کریں گے اور اپنے چھنے ہوئے علاقوں پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش کریں گے۔
۲۔ اگر طبرقہ مصر میں فوجیں جمع کرنے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مشغول ہے۔ اگر اس وقت مصر پر فوج کشی نہ کی گئی تو وہ اپنی فوجوں کو لے کر فلسطین میں اسلامی افواج پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے گا۔

۳۔ دفاع کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ دشمن کو تیاری کا موقع دیے بغیر اچانک اس پر حملہ کر کے اس کی طاقت کو پاش پاش کر دیا جائے۔ اگر اس وقت اربابوں پر اچانک حملہ کر دیا گیا تو آئندہ اسے کبھی مسلمانوں کے مقابل آنے اور اپنے چھنے ہوئے علاقوں کو واپس لینے کی جرأت نہ ہوگی۔
جب رومی اسلامی افواج کو مصر میں پیش قدمی کرتے دیکھیں گے تو انہیں یقیناً یہ خیال پیدا ہوگا کہ مسلمانوں میں ابھی بہت کچھ قوت و طاقت باقی ہے ورنہ وہ ایک نئے علاقے کو فتح کرنے کے لئے کیوں نکل کھڑے ہوتے۔ اس طرح شام ان کے حملوں سے بچ جائے گا اور اسے واپس لینے کا خیال بھی ان کے دل میں پیدا نہ ہوگا۔

۵۔ مصر میں اسلامی سلطنت کا قیام شام، عراق اور دیگر مفتوحہ علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے امن و سلامتی کی ضمانت ثابت ہوگا۔

۶۔ اس وقت رومیوں کے خلاف مصریوں کے جذبات بہت شدید اور تند ہیں اور وہ ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے حد درجہ کوشاں ہیں۔ چونکہ انہوں نے مسلمانوں کے عدل و انصاف اور ان اعلیٰ اخلاقی اصولوں کے متعلق جنہیں اسلام پیش کرتا ہے، بہت کچھ سنا ہوا ہے اس لئے وہ ضرور مسلمانوں کا خیر مقدم کریں گے اور اپنے رومی آقاؤں کے خلاف ان کی مدد کریں گے۔

۷۔ مصر بہت وسیع و ذخیرہ دار ملک ہے اس لئے مسلمان مادی فوائد سے بھی سے بہرہ مند ہو سکیں گے۔

ان دلائل کے پیش کرنے کے بعد حضرت عمرو بن العاص نے یہ پیش کش بھی کی کہ اگر انہیں مصر پر لشکر کشی کی اجازت دے دی جائے تو وہ صرف چار ہزار فوج کے ہمراہ اس عظیم مہم کو سر کرنے کے لئے تیار ہیں۔

لے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے معکی فتح کے لئے صرف مائے قین ہزار آدمی مانگے تھے۔

حضرت عمرؓ کو بھی حضرت عمرو بن العاص کے پیش کردہ دلائل میں ذہن معلوم ہوا۔ آپ کو اس بات کا بھی یقین تھا کہ اگر عمرو بن العاص کی خواہش کے مطابق یہ مہم ان کے سپرد کر دی گئی تو وہ اسے خوش اسلوبی اور حسن و خوبی سے سرانجام دیں گے۔ چنانچہ آپ نے انہیں لکھا کہ وہ مدینہ پہنچ کر اس معاملے پر مزید غور و فکر کریں گے اور پھر کوئی قطعی جواب دیں گے۔ چنانچہ غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ عمرو بن العاص کی رائے صحیح ہے اور مصر کی فتح مسلمانوں کے لئے سودمند ثابت ہوگی۔

مصر کی زرخیزی اور شاہی سلطنت روم میں ضرب المثل تھی۔ غلہ کی فراوانی کے علاوہ وہاں معدنیات کی بھی بہتات تھی۔ وہ اس زمانے میں علوم و فنون، صنعت و حرفت اور تجارت و مذاعت کا مرکز تھا۔ اس کے بازار دنیا جہاں کی چیزوں سے بھرے رہتے تھے۔ کیا جس جتنی یہاں پیدا ہوتی تھی دنیا کے اور کسی ملک میں نہ ہوتی تھی۔ مصر کے تاجر اپنے ان سے مرنے کیڑا اور شیشہ ہیرہ مالک میں لے جاتے تھے۔ اور ملاذ و سہ سے بھاری تعداد میں سونا اور ہاتھی دانت اور ہندو چین سے گرم مصالحے اور ریشمی کپڑا لاتے تھے۔

۴۔ عرب اور مصر کے باہمی تعلقات

عربوں کو قدیم زمانے سے مصر کے حالات سے گہری واقفیت حاصل تھی کیونکہ متعدد جہات سے عربوں اور مصریوں کے درمیان تعلقات قائم تھے۔ ذیل میں ان تعلقات کا مختصر حال تحریر کیا جاتا ہے۔

۱۔ تجارتی تعلقات | (الف) مصر کو فراعنہ کے عہد سے سمندری سلطنت کی حیثیت حاصل تھی۔ اس کے جنگی اور تجارتی بیڑے بحر روم اور بحر قدیم میں برابر گشت کرتے رہتے تھے۔ ان بیڑوں کے جہاز بفرس تجارت حبشہ میں عرب کی سرزمین تک آتے تھے اور وہاں سے خوشبوئیات اور مختلف قسم کے مصالحہ جات لے کر مصر واپس جاتے تھے۔

(ب) جو یہونا سیناء میں ایک قدیمی راستہ واقع تھا۔ جس پر سفر کر کے قدیم مصری تاجروں کی ان کانوں تک پہنچا کرتے تھے جو اس علاقے میں واقع تھیں۔ یہ راستہ شمالی حجاز سے گزرتا ہوا ایک طرف تو تیماء کے نزدیک اس راستے سے مل جاتا تھا جو بابل کی طرف جاتا تھا اور دوسری طرف اس راستے سے مل جاتا تھا جو کرم اور یمن کو جاتا تھا۔ اس راستے کی موجودگی کے باعث مصر اور بحیرہ قلزم کے ممالک کی تجارت یمن اور فارس، ہندوستان اور مشرق بعید کے ملکوں تک ہوتی تھی۔ مصری قافلے جو تجارت کی غرض سے

ہن ملکوں میں جاتے تھے وہ عرب سے بھی گزرتے تھے۔ اس طرح عربوں سے ان کا گہرا میل جمل قائم تھا۔ اسی طرح عرب تاجر بھی کثرت سے مشرقی ممالک سے تجارتی اشیاء لاکر مصر کے بازاروں میں بیچا کرتے تھے اور انہیں وہاں کافی من قیام کرنے اور وہاں کے حالات و واقعات دیکھنے کا موقع ملا کرتا تھا۔

قدیم زمانے کے بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اسی تجارتی سلسلے کی بدولت عربوں کی ایک معقول تعداد نراغہ کے پھر ہی سے مصر میں سکونت پذیر ہو گئی تھی۔

۱۔ عرب سرحدوں اور گرمیوں میں مختلف علاقوں کی طرف تجارتی سفر کیا کرتے تھے۔ گرمیوں کے موسم میں ان کا سفر شام کی طرف ہوا کرتا تھا۔ ان میں سے بعض تاجر ایتھوپیا کے قریب سے گزر کر مصر بھی پہلے جایا کرتے تھے اور اکثر کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے شام جاتے اور وہاں سے فارغ ہو کر مصر کا رخ کرتے۔ جاہلیت اور اسلام و دونوں زمانوں میں ان کا یہی طریقہ تھا۔

۲۔ سیاسی تعلقات (الف) مصر کے کھوسے خاندان کے جن لوگوں نے حکومت کی وہ دراصل عرب تھے۔ عرب سے نکل کر وہ پہلے فلسطین آئے۔ وہاں سے انہوں نے مصر پر چڑھائی کی اور مستانہ پانچ صدیوں تک وہاں حکمرانی کرتے رہے۔

(ب) ایرانیوں اور رومیوں کے مابین جو کشمکش جاری تھی عرب اسے بڑی دلچسپی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے دو گروہ بن گئے تھے۔ ایک گروہ ایرانیوں کی تائید کرتا تھا۔ اور دوسرا گروہ رومیوں کی۔ سہ میں جب ایرانیوں نے رومیوں پر فتح پائی اور مصر اور شام کو فتح کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو چکے تھے۔ آپ کے مخالفین کا میلان ایرانیوں کی طرف تھا۔ وہ کہتے تھے کہ رومیوں نے اس لئے شکست کھائی ہے کہ وہ مسلمانوں کی طرح اہل کتاب ہیں اور بہت سی باتوں میں ان کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اتفاق ہے۔ مخالفین کے بالمقابل مسلمانوں کا میلان رومیوں کی طرف تھا اور وہ دل سے ان کی فتح کے خواہش مند تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی سلسلے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

غُلِبَتِ الرُّومُ فِيْ اَدْنٰى الْاَسْجٰى وَ هُمْ مِنْ بَعْدِ غَلِبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِىْ بَضْعِ مِسِيْنٍ
رومی اس وقت قریب کی سرزمین (شام) میں مغلوب ہو گئے ہیں لیکن چند ہی سال میں وہ غالب

۱۔ آلہ خلیج عقبہ کی ایک بندرگاہ ہے (محمد احمد)

۲۔ کھوسے خاندان کا زمانہ حکومت بیسویں صدی قبل مسیح لے کر پندرہویں صدی قبل مسیح تک رہتا ہے۔

آجائیں گے)

رج، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امداد اور بادشاہوں کو تبلیغی خطوط روانہ فرمائے، اس زمانے میں مصر کا حاکم متوفی تھا۔ جب اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پہنچا تو وہ آپ کے اچھی حضرت حاطب بن بلتعزہ سے بڑی عزت و تکریم سے پیش آیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خط کا بھی مناسب الفاظ میں جواب دیا اور لکھا کہ مجھے یقین تھا کہ عنقریب ایک بنی مزدربوٹ ہو گا۔ ساتھ ہی اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کئی تحفے بھی روانہ کیے اور دروڑ کیاں بھی بھیجیں جن میں سے ایک باریہ قبیلہ تھیں جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کر لی اور ان کے بطن سے ابراہیمؑ پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ قبیلوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا کیونکر میسر ہونے کے علاوہ ان سے تمہارا قرابت داری کا بھی تعلق ہے۔

د، ایسا فی دس سال تک مصر کے حاکم رہے۔ تا آنکہ ہرقل نے انہیں شکست دے کر باہر نکال دیا۔ وہ وہاں کے شہر مدائن، قلعوں، دولت و ثروت اور تہذیب و تمدن سے خوب واقف تھے۔ ان کے ذریعے عربوں کو بھی مصر کے حالات کا پتہ لگتا رہتا تھا۔ مصر اور شام کے درمیان بھی گہرا تعلق تھا۔ کیونکہ یہ دونوں علاقے درمیوں کے ماتحت تھے۔ اہل شام تجارت کی غرض سے کثرت سے مصر جایا کرتے تھے۔ عربوں کا بھی جو نکرہ شام سے گہرا تجارتی تعلق تھا۔ اس لئے شامیوں کے ذریعے انہیں مصر کے حالات کے متعلق کافی واقفیت حاصل ہو جاتی تھی۔ وہ وہاں کے متعلق جو معلومات حاصل کرنا چاہتے اہل شام انہیں ان سے آگاہ کر دیتے۔

۳۔ مذہبی تعلقات | سب سے اہم تعلق جو عربوں اور مصریوں کے درمیان تھا وہ دینی اور قرابت داری کا تعلق تھا۔ عربوں کے جد اعلیٰ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام عرب تھے اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ مصریہ تھیں۔ تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی پہلی بیوی سارہ کو لے کر عراق سے فلسطین گئے اور وہاں سے مصر، وہاں کے بادشاہ نے اپنی لڑکی ہاجرہ کی شادی ان سے کر دی جب سارہ نے دیکھا کہ ان کے شوہر ان کے اور ہاجرہ کے درمیان کامل مساوات پرستے ہیں تو انہیں بے حد غصہ آیا اور انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ہاجرہ کے ساتھ ایک جگہ کبھی نہ رہیں گی۔ حضرت ابراہیمؑ ہاجرہ اور ان کے بیٹے اسماعیل کو لے کر عرب پہنچے اور انہیں اس وادی میں اتارا جسے آج کل مکہ کہتے ہیں۔ یہاں

۱۔ حضرت ابراہیمؑ کا حضرت ہاجرہ کو لاکر تنہا سرزمین مجاز میں چھوڑ جانے کا سبب یہ نہ تھا کہ ان کی سوکن سے بنی نہ سکتی اور سوکن نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا تھا کہ ہاجرہ کو ایک لن دوق میدان میں چھوڑ دو۔ رہائی کا کلمہ نہیں

حضرت اسماعیل نے بڑے ہو کر عرب کے مشہور قبیلے جرہم کی ایک لڑکی سے شادی کر لی جس کے بطن سے بارہ لڑکے پیدا ہوئے۔ ان لڑکوں کی اولاد کثیر ہوئی۔ جو عرب مستعرب کہلاتی۔ حضرت اسماعیل کے بیٹے اپنی نخیال کی طرف سے یزید بن قحطان کی جانب منسوب ہوتے تھے جو عرب قبیلے جرہم کا سردار تھا اور ان کے والد حضرت اسماعیل اپنی نخیال کی طرف سے مصر کی جانب منسوب ہوتے تھے۔ کیونکہ ان کی والدہ حضرت ماجرہ مصریہ تھیں۔

القبیلۃ الثمینیۃ ص ۱۱۱۔ یاقوتی ص ۱۱۱۔ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اس امر کا حکم دیا تھا۔ کہ نہ خدا اس سرزمین میں ایک شہر بسانا چاہتا تھا۔ جسے بعد میں تمام عالم اسلام کا مرکز بننا تھا اور خدا کو اپنی خدمت کا مرکز ثابت دینا تھا۔ کہ دیکھو میں ایک کمزور اور بے بس عورت سے بھی ایک عظیم الشان شہر کی بنیاد رکھ سکتا ہوں۔ میرے کام حبیب! میں اور میری طاقتیں غیر محدود۔ ان اللہ لفعل مالیشاء (محمد احمد پانی پتی)

۱۔ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں ابتداء سے لے کر اس کے اپنے زمانے تک یکے بعد دیگرے عربوں کو چار طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ پہلا طبقہ عرب معارب کہلاتا تھا۔

۲۔ دوسرا طبقہ عرب مستعرب کہلاتا تھا۔

۳۔ تیسرا طبقہ عرب تابع کہلاتا تھا۔

۴۔ چوتھا طبقہ عرب مستعرب کہلاتا تھا۔

(بلوغ العرب فی معرفۃ احوال العرب از الوسی جلد اول ص ۱۰۰)

(۲)

فتوحاتِ مصر کا پہلا مرحلہ

- ۔ جنگِ فرما
- ۔ جنگِ بلبیس
- ۔ جنگِ امِ دین
- ۔ فیوم کی جاغب پیش قدمی
- ۔ جنگِ حلیہ پریس

حضرت عمرو بن العاصؓ نے مدینہ کے اہل الرائے اصحاب کو جمع کر کے ان کے سامنے مصر پر چڑھانی کرنے کے متعلق عمرو بن العاص کی تجویز رکھی اور ان تمام دلائل کا ذکر بھی کیا جو عمرو بن العاص نے اس تجویز کے حق میں پیش کئے تھے۔ حضرت عمروؓ کی اپنی رائے یہ تھی کہ اس تجویز کو قبول کر لیا جائے لیکن حضرت عثمان بن عفان اس کے مخالف تھے انہوں نے کہا :-

”امیر المؤمنین ! عمرو بن العاص امارت کے خواہش مند اور پیش قدمی اور جرأت و بہادری میں نہایت بے باک ہیں۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ چونکہ ان کے پاس زیادہ فوج نہیں اس لئے وہ ایسی مہم کو سر کرنے کے شوق میں جس کے انجام کا کچھ علم نہیں، کہیں مسلمانوں کو ہلاکت میں نہ ڈال دیں تاہم حضرت عمروؓ نے یہی مناسب سمجھا کہ عمرو بن العاص کو مصر پر فوج کشی کی اجازت دے دی جائے۔ چنانچہ انہوں نے انہیں خط کے ذریعے مصر جانے کی اجازت دے دی اور ساتھ یہ ہدایت بھی لکھی کہ وہ اپنا سفر خفیہ رکھیں۔ حضرت عمروؓ کا یہ خط عمرو بن العاص کے پاس مقریزی کی روایت کے مطابق شریک بن عبدہ لے کر پہنچے۔ اس وقت وہ قساریہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ انہوں نے معاویہ بن ابی سفیان کو محاصرہ کا کام سپرد کیا اور خود ساڑھے تین ہزار اور بعض سہایات کے بموجب چار ہزار فوج لے کر ساحل سمند کے راستے مصر کی جانب روانہ ہو گئے۔ روانگی کے بعد انہوں نے شریک بن عبدہ کو امیر المؤمنین کی خدمت میں مدینہ روانہ کیا اور

سارے بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص کے لشکر میں زیادہ تعداد قبیلہ لک کے لوگوں کی تھی۔ کنندی کی روایت کے مطابق لشکر کا تیسرا حصہ قبیلہ خافق کے لوگوں پر مشتمل تھا۔ دہم الہمدان جلد اول، ابن دقاق سے روایت ہے کہ اس لشکر میں دو میلادیرین میں تنیم ایرانی فوجوں کی ایک جماعت جس کا ملقبی یا یمنی ماسے ایرانی دراصل اس لشکر کا حصہ تھے جھگڑنے یا زبان یا ہر زلزلہ کی قیادت میں مدد کیا تھا۔ کتاب الانتصار لاسطرحقلا معارف جلد ۱ صفحہ ۱۱۱ لیکن بعض روایات میں آتا ہے کہ مدی اھل ایرانی فوج حضرت عمرو بن العاص کے لشکر میں شامل نہیں تھے بلکہ بعد میں ان کی امداد کے لئے برفوجیں دوبارہ نکلتے تھے۔

۱۵۵ مادہ ۱ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے مصر جانے کیلئے صحرائی علاقہ اخیارہ نیک تھا اور وہ رنج، اھلش، البقارہ اور الغرما کے قلعوں کو اپنے دائیں جانب چھوڑتے ہوئے مصر میں داخل ہوئے تھے لیکن فتوحات مصر کے متعلق بیان کر وہ کسی اور روایت سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی ہم نے ہی مادہ ۱ کی روایت کے مقابلے میں دوسری روایات کو اختیار کیا ہے۔

امیر المومنین کی خدمت میں اسرار کی درخواست بھیجی۔

فتح میں امیر المومنین کا قاصد حضرت عمرو بن العاص کو ملا۔ انہوں نے اپنی عقلندی اور ذکاوت و خطانت سے سمجھ لیا کہ امیر المومنین نے قاصد کے ہاتھ پیش قدمی روک دینے کا حکم بھیجا ہے۔ انہوں نے قاصد کو باقول میں لگائے رکھا اور اس سے مدینہ کے حالات وغیرہ پوچھتے رہے یہاں تک کہ فتح اور اعریش کے درمیان ایک بستی میں پہنچ گئے وہاں انہوں نے قاصد سے امیر المومنین کا خط لیا اور اسے مکمل کر پڑھا۔ اس میں لکھا تھا۔

”اگر میرا یہ خط تمہیں مصر کی سرزمین میں داخل ہونے سے پیشتر مل جائے تو پیش قدمی موقوف کر کے واپس چلے آؤ لیکن اگر تم مصر میں داخل ہو چکے ہو۔ تو اللہ کا نام لے کر آگے بڑھتے چلے جاؤ میں تمہاری مدد کے لئے فوجیں روانہ کر دوں گا۔“

جب وہ یہ خط پڑھ کر فارغ ہوئے تو انہوں نے لوگوں سے پوچھا اس وقت ہم مصر میں ہیں یا شام میں ؟

لوگوں نے جواب دیا ”اب ہم مصر کی سرزمین میں داخل ہو چکے ہیں۔“

تب انہوں نے امیر المومنین کا خط لوگوں کو پڑھ کر سنایا اور کہا۔

”چونکہ ہم مصر کی سرزمین میں داخل ہو چکے ہیں اس لئے ہم امیر المومنین کے حکم کے مطابق پیش قدمی جاری رکھیں گے۔“

چنانچہ وہ اپنی فوج کو ہمراہ لے کر آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور سب سے پہلے ”العریش“ پہنچے وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ردیہ کی کمان فوج سلازوں کے مقابلے کیلئے یہاں موجود نہیں۔ چنانچہ وہ ہر آسانی اس پر قابض ہو گئے۔

سہ ابن الحکم سے یہ روایت مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کو مصر کی ہم کے متعلق بے حد تردد تھا۔ اور وہ سوچتے تھے کہ مذکورہ وہاں مسلمانوں کو کرایا یا مال ہر کے یا نہ بہت کچھ غور و فکر کے بعد انہوں نے عمرو بن العاص کو مصر جانے کی اجازت تو دے دی لیکن ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کر دی کہ اگر مصر کی سرزمین میں داخل ہوتے سے پہلے مدبر خلافت سے استعفیٰ حکم ان کے پاس پہنچ جائے تو وہ پیش قدمی موقوف کر کے واپس چلے آئیں۔ حضرت عمرؓ کے خط کا معنوں حسب ذیل تھا۔

”اللہ پر توکل کر کے مصر روانہ ہو جاؤ۔ میں تمہاری اس ہم کے بارے میں استغاثہ کر دوں گا اور اس کے نتائج سے تمہیں خبر دی آگاہ کر دوں گا۔ اگر میرے خط میں تمہیں لڑنے کا حکم دیا جائے اور وہ خط تمہیں مصر کی سرزمین میں داخل ہونے (بقیہ حاشیہ لگے صفحہ ۱۷۶)

۱۱. جنگ الفزما

الفزما کی جانب پیش قدمی | العریش سے روانہ ہو کر حضرت عمرؓ زین العاص الفزما پہنچنے کے لئے بحیرہ سر بونہ سے جنوب کی جانب ہٹے کر اس راستے پر ہو لیے جسے ایرانیوں نے مصر کی فتح کے وقت اختیار کیا تھا۔

الفزما کا شہر بحر روم سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی پر آباد تھا۔ عرب اسے الفزما کہتے ہیں قبطیوں کے زمانے میں اسے "پرمون" کہتے تھے اور فراعنہ کے عہد میں اس کا نام "پوز" تھا اس کی ایک بندرگاہ بھی تھی۔ جہاں تک پہنچنے کے لئے سمندر سے ایک نہر نکالی گئی تھی۔ اس کے قریب دریائے نیل کی ایک شاخ بھی سمندر میں گرتی ہے جسے "فرع البلوزی" کہتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) سے قبل مل جائے تو تم لوٹ آنا۔ میں اگر مصر کی مدد میں داخل ہونے کے بعد تو اللہ سے رواداد نصرت پاتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتا۔

سے مقرر کیا گیا، لکھا ہے کہ جب انہوں نے امیر المومنین کا خط پڑھا تو اپنے ساتھیوں سے کہا :-

"مجھے امیر المومنین نے حکم دیا تھا کہ اگر مصر کی سرزمین میں داخل ہونے سے پہلے ان کا خط واپس ہونے کے متعلق مجھے مل جائے تو میں واپس چلا آؤں۔ لیکن اگر مصر کی سرزمین میں داخل ہوتے کے بعد آگے بڑھوں۔۔۔ امیر المومنین کا یہ مکتوب مجھے ملا ہے۔ جس میں واپس جانے کا حکم دیا گیا ہے لیکن ہم جو کو مصر کی سرزمین میں داخل ہو چکے ہیں اس لئے اللہ کی برکت اور اس کی مدد پاتے ہوئے آگے بڑھیں گے۔"

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ مصریوں نے ساحلی علاقہ کی حفاظت کے لئے ایک بہت بڑی دیوار بنائی ہوئی تھی جو العریش سے شروع ہو کر قلازم دسیرینا پر ختم ہوتی تھی۔ اس دیوار کا بنانے والا تیسرہ مصری تھا۔ عرب اس دیوار کو "سورہ العجز" کہتے تھے۔ تاریخ ابرہ صالح الذکر منی؛

سے دیہائے نیل کی سات شاخیں ہیں۔

۱۱. فرع القنتی (فرع دیاط) (فرع عربی زبان میں دیاک کہتے ہیں)

۱۲. فرع البلیتی (فرع دشتیہ)

۱۳. فرع البلوزی (مصر کے مشرقی ضلع سے گزر کر پورٹ سعید سے جو بیس میل دور یہ جانب مشرق سمندر میں گرتی ہے)

۱۴. فرع القاضی (یہ شاخ ۳۳ میل احسان البحر سے گزر کر مشرقی ضلع کو قطع کرتی ہوتی بحیرہ منزلہ میں گرتی ہے)

(بقیہ حاشیہ لگے صفحہ)

الفرما بہت قدیمی شہر تھا۔ یہاں کئی مضبوط قلعے اور سنگین فصیلیں تھیں وہاں قدیم مصریوں کے بکثرت آنا رہائے جاتے ہیں۔ متعدد گرجے اور کینے بنے ہوئے تھے اور اسے مصر کے اہم ترین مرکز کی حیثیت حاصل تھی کیونکہ ۱۔

۲۔ یہ مشرقی جانب سے مصر میں داخل ہونے کا دروازہ تھا۔

(۲) صحرائے سینا سے آنے والے راستے کے درمیان واقع تھا۔

(۳) ساحل سمندر پر واقع تھا اور اس کے قریب سے دریائے نیل کی ایک شاخ بھی گزر کر سمندر میں گرتی تھی۔

ایمانیہول نے مصر پر حملہ کرنے کے وقت الفرما کے قلعوں کو برسی طرح تباہ کر دیا تھا۔ اور اس کی فصیلیں زمین کے برابر کر دی تھیں (جنہیں بعد میں رومیوں نے پھر درست کر دیا تھا) جب عربی لشکر شہر کے قریب پہنچا تو اس نے کسی روحی لشکر کو وہاں موجود نہ پایا۔

العریش سے الفرما تک کا راستہ جسے حضرت عمرو بن العاص نے قطع کیا ستر میل لمبا ہے یہ ایک صحرا سے گزرتا ہے جس میں کہیں کہیں چشے اور گاؤں ہیں فلسطین سے مصر جانے والا یہ قدیم راستہ قدیم زمانے سے جاری ہے یہاں تک کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، قبطی اسکندر، کلیوپٹرا اور حضرت عیسیٰ کا خاندان سب اسی راستے سے مصر پہنچے تھے۔ مصر اور بیت المقدس کے درمیان حاجیوں اور ایشیاء و افریقہ کے درمیان تجارت و سیاحت کا بھی یہی راستہ تھا۔ حضرت عمرو بن العاص بھی تجارت کے سلسلے میں کئی بار اس راستے سے گزرے تھے۔

رومیوں کی تیاری | جب رومیوں کو عربوں کی پیش قدمی اور مصر کی سرحدیں عبور کرنے کی خبریں ملیں تو انہوں نے اپنی تیاریوں کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ العریش اور الفرما کے درمیانی صحرا میں مسلمانوں سے جنگ کرنا مناسب نہیں کیونکہ ایک تو عرب ان کی نسبت صحرائی جنگ میں زیادہ ماہر ہیں۔ دوسرے العریش کے فلسطین کے نزدیک ہونے کے باعث عمرو بن العاص

(بقیہ حاشیہ مندرگذاشتہ)

۱۵۔ فرع اندلیزی دیہ شاخ میت غر کے قریب منبع دقہلیہ میں سے گزر کر پڑے سید اور دیوط کے ماہن بحیرۃ المنزل میں گرتی ہے

۱۶۔ فرع السبئی دیہ شاخ افلاخ منویہ اور غربہ سے گزر کر بحیرہ برلس میں گرتی ہے

۱۷۔ فرع انطاقلی دیہ شاخ اسکندریہ کے قریب بجانب مشرق سمندر میں گرتی ہے

وہاں سے آسانی سے ملک منگوا سکتے ہیں۔ چنانچہ متو قس حاکم مصر نے یہی مناسب سمجھا کہ عمرو بن العاص کو الفراء کے قریب آنے دیا جائے تاکہ انہیں ملک پہنچنے کے لئے کوئی راستہ باقی نہ رہے۔ اس مصیحت کے پیش نظر اس نے پہلا میدان الفراء کے قلعوں کو قرار دیا۔

جب عمرو بن العاص الفراء کے قریب پہنچے تو ردی قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہا تھا۔ انہوں نے اپنی جنگی تیاری کے وقت مندرجہ ذیل باتوں کو پیش نظر رکھا تھا۔

۱۔ وہ عرب جو عمرو بن العاص کے ساتھ آتے ہیں وہ تعداد میں بہت کم ہیں اس لئے چاروں اطراف سے قلعہ کا محاصرہ نہیں کر سکتے

۲۔ عربوں کے پاس محاصرہ کا سامان بھی نہیں ہے۔ وہ صرف اسی صورت میں شہر پر قابض ہو سکتے ہیں کہ یا تو حملہ کر کے قلعہ میں داخل ہونے کی کوشش کریں یا اس وقت تک قلعے کا محاصرہ کئے پڑے رہیں جب تک اہل شہر ہوک سے تنگ آکر قلعہ کے دروازے کھولنے پر مجبور نہ ہو جائیں۔

جنگ حضرت عمرو بن العاص کو معلوم تھا کہ ان کی تیاری اور قوت و طاقت ردیوں سے بچد کم ہے لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس سے قبل مسلمانوں اور کفار کی آویزش اور جنگ ہائے روم و ایران میں مسلمانوں کی تعداد اور قوت و طاقت کو اپنے مخالفین کی تعداد اور قوت و طاقت سے کوئی نسبت نہ تھی لیکن اس کے باوجود وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے مدد و نصرت کا وعدہ فرمایا ہوا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

حضرت عمرو بن العاص نے الفراء کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ محاصرہ ایک مہینے اور بعض روایات کے بموجب دو ماہ تک جاری رہا۔

اہل شہر موقع موقع قلعہ سے باہر نکل کر عربوں پر حملے کرتے رہتے تھے۔ انہیں ملک پہنچنے کی امید تھی لیکن ان کی امیدوں کے برخلاف کسی قسم کی کمک انہیں نہ پہنچی اس پر انہوں نے میدان میں نکل کر عربوں سے فیصلہ کن جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ وہ میدان جنگ میں نکلے لیکن جنگ

۱۔ یا قوت حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ الفراء کی جنگ دو ماہ تک جاری رہی لیکن خطہ المقریزی میں روایات کے عرصہ ایک ماہ لکھا ہے۔ ابن عبد حکم و سیوطی اور ابن اثیر نے بھی مقریزی ہی کی تائید کی ہے۔

کی ابتدائی گھڑیوں ہی میں انہیں معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں کا مقابلہ آسان نہیں۔ ان کے چہروں سے ایسی ہیبت ٹپک رہی تھی کہ معلوم ہوتا تھا وہ جہود کے شیر ہیں جو آن کی آن میں ان کی تکابہلی کر ڈالیں گے۔ ردیوں نے چاہا کہ جس طرح پہلے وہ کچھ دیر تک مسلمانوں کا مقابلہ کر کے پھر فوراً قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہتے تھے اسی طرح آج بھی کریں لیکن مسلمانوں نے انہیں ایسا نہ کرنے دیا۔ جو نہی انہوں نے دیکھا کہ ردیوں نے پیٹھ پیر کر بھاگنا شروع کر دیا ہے۔ انہوں نے ان کا تعاقب کیا اور سینکڑوں ردیوں کو بھاگتے ہوئے قتل کر دیا۔ ردیوں میں سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی اور انہوں نے جلد از جلد قلعہ میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن قبل اس کے کہ وہ شہر کا دروازہ بند کر سکتے مسلمان اس پر قابض ہو گئے اور انہوں نے دروازہ بند نہ ہونے دیا۔ امیق بن وعلتہ السبائی پہلے شخص تھے جنہوں نے شہر پر حملہ کیا تھا۔ ردیوں کو مسلمانوں کے مقابلے میں خبر تباہ شکست اٹھانی پڑی۔ عربوں نے قلعہ اور گرجاؤں کے بقیہ آثار کو بالکل تباہ کر دیا۔ قریبی بندر گاہ میں جو کشتیاں لنگر ڈالے پڑی تھیں، انہیں آگ لگا دی اور جل کر خاکستر ہو گئیں۔ الفرماء کے فتح ہونے سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ فلسطین اور عرب جانے والا راستہ مسلمانوں کے لئے بالکل محفوظ ہو گیا۔ اور پیش قدمی کے دوران میں انہیں یہ خدشہ نہ رہا کہ رومی پیچھے سے ان پر حملہ کر کے ان کا راستہ قلعہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

مقریزی نے لکھا ہے کہ محاصرے کے دوران میں الفرماء کے قبطیوں نے ہر طرح خرابی کی مدد کی تھی۔ ابن عبدالحکم نے لکھا ہے کہ اسکندریہ میں قبطیوں کا اسقف ابومیا میں نامی ایک شخص تھا۔ جب اسے حضرت عمرو بن العاص کی مصر میں پیش قدمی کی اطلاعات ملیں تو اس نے قبطیوں کو لکھا کہ ردیوں کی حکومت کے آخری دن نزدیک آگئے ہیں لہذا وہ عمرو بن العاص سے مل جائیں اور انہیں ہر قسم کی مدد پہنچائیں۔ یہی وجہ تھی کہ جنگ الفرماء میں قبطی عمرو بن العاص کے سب سے

۱۔ حسن المحاضرہ سیرجی بحوالہ الکندی

۲۔ مسلمان الفرماء پر یحکم محرم الحرام ۶۴۰ھ بمطابق ۲۰ جنوری ۶۴۰ء کو قابض ہوئے تھے۔

۳۔ ابومیا میں اسقف بنیامین ہی کا دوسرا نام ہے۔ نقل از یہ بیان کر چکے ہیں کہ جب ردیوں نے مصر پر دھاوا مسلط ہوا تو وہاں کے باشندوں نے ظلم و ستم دھانے شروع کئے تو وہ سر سے پھا گیا تھا۔ لہذا حضرت عمرو بن العاص کے قلعہ نے وقت اس کا مصر میں موجود ہر کسی طرح ترین قیاس نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

مندرجہ بالا ذرا بیت درست نہیں ہے

قابض نہ ہو گئے۔ ہمیں فتح قیوم کے زمانہ وقوع کا ٹھیک علم نہیں مگر یہ تحقیق طر پر معلوم ہے کہ یہ عظیم فتح قلعہ بابلیوں کی فتح کے بعد عمل میں آئی تھی قبلیوں کی یہ مدد بھی برائے نام ہی تھی صرف چند امور میں انہوں نے مسلمانوں کو مدد دی تھی۔
جنگ میں رومیوں کا طریق کار رومیوں نے عربوں سے ابتدائی جھڑپوں کے وقت اچانک طریقے کیوں استعمال نہیں کئے۔

انہوں نے الفراء کی حفاظت کرنے والی فوج کی امداد کے لئے ملک کیوں نہ بھیجی تاکہ وہ مسلمانوں کو شکست دے کر پیچھے ہٹا سکتی؟

فتوحات کے ابتدائی دور میں قیس نے سبھی طریقے کس مصلحت کے تحت استعمال کئے؟ یہ اور کسی قبیل کے بہت سے سوالات ہیں جن پر مؤرخین نے کافی بحث کی ہے اور اس ضمن میں مختلف اسباب و علل بیان کئے ہیں جن میں سے ہم چند کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ داخلی طور پر مصریوں کے عام احساسات رومیوں کے برخلاف تھے۔ رومی ڈرتے تھے کہ اگر انہوں نے کثیر تعداد میں الفراء فوجیں روانہ کر دیں تو کہیں ان کے خلاف داخلی طور پر بغاوت کھڑی نہ ہو جائے اور مصری ان کی فوج پر پیچھے سے ٹوٹ پڑیں۔

۲۔ رومیوں کو فلسطین اور شام کے میدانوں میں اپنی شکستوں کا حال خوب معلوم تھا جہاں نہیں حال ہی میں مسلمانوں کے مقابلے میں اٹھانی پڑی تھیں وہ جانتے تھے کہ عرب لڑائی کے فن میں خوب ماہر ہیں اس لئے وہ ایسی جگہوں پر ان سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار نہ تھے جہاں انہیں شکست کا خطرہ لاحق ہو۔

۳۔ رومی خطہ دفاع بابلیوں اور منف کے قلعوں کو بنانا چاہتے تھے۔ تاکہ دریائے نیل ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان خندق کا کام کرے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ قلعے عربوں کو دیکھنے میں بے حد محاذ و معادن ثابت ہوں گے۔ جب وہ آگے نہ بڑھ سکیں گے تو لا محالہ انہیں مصر سے ناکام واپس جانا پڑے گا۔

۴۔ رومی اس زلزلے میں اندر بدن مصر میں اپنے کلیدی مقامات اور اہم قلعوں کو مضبوط بنانے میں مصروف تھے تاکہ وہاں مقیم ہو کر مسلمانوں کا دلچسپی سے مقابلہ کیا جاسکے۔ اس لئے وہ سرحدی

مقامات کی حفاظت کے لئے معتد بہ تعداد میں فوجیں روانہ نہ کر سکے۔

جنگ الفراء کے نتائج | عربوں نے رومیوں کی عظمت سے فائدہ اٹھایا اور ان کی فوجیں الفراء میں داخل ہو گئیں الفراء کا ان کے ہاتھ میں آ جانا کسی لحاظ سے فائدہ مند ثابت ہوا چونکہ یہ شہر ایک اہم جگہ واقع تھا۔ اس لئے اس پر قبضہ کر لینے سے شام کو جانے والا راستہ بالکل محفوظ ہو گیا۔ اگر خدا نخواستہ شکست کی کوئی صورت پیش آتی تو اس راستے سے اسلامی فوجیں بحفاظت شام واپس جاسکتی تھیں۔ اس کے علاوہ ہر قسم کی ملک اس راستے سے طائروں کو پہنچ سکتی تھی۔ حضرت عمرو بن العاص خود بھی اس ملک کے انتظار میں تھے جس کے بھیجنے کا امیر المومنین نے وعدہ فرمایا تھا۔ یہ ملک لامحالہ الفراء کے راستے سے ہی آسکتی تھی۔

چونکہ حضرت عمرو بن العاص کے پاس اتنی فوج نہ تھی کہ وہ اس میں سے کچھ حصہ شہر کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر بقیہ فوج کے ہمراہ آگے پیش قدمی کرتے اس لئے انہوں نے مجبوراً قطعہ کی تفصیلات دے دیکر عمارتوں کو منہدم کرنے کا حکم دیا تاکہ اگر دشمن کسی وقت شہر پر دوبارہ قابض ہو جائے تو وہ ان تفصیلات اور قلعوں سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے۔

اس سے قبل ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص نے ان کشتیوں کو بھی نذر آتش کرنے کا حکم دیا تھا جو شہر سے کچھ فاصلے پر بندرگاہ میں لنگر انداز تھیں۔ الفراء کی فتح کے بعد الفراء فتح ہو جانے کے بعد وہ بدو جو صحرائے مصر کی سرحدوں پر آباد تھے۔ غنیمت کے لالچ میں حضرت عمرو بن العاص کی فوج میں شامل ہو گئے۔ اور اس طرح وہ نقصان پورا ہو گیا جو مسلمانوں کو مصر میں اپنے محاصرے میں اٹھانا پڑا تھا۔

۲۔ جنگ بلبیس

بلبیس کی جانب پیش قدمی | حضرت عمرو بن العاص الفراء کی فتح کے بعد اپنے لشکر کو رے کر جنوب کی جانب روانہ ہوئے پہلے نجد کی پہاڑیوں سے آپ نے موجودہ ہنر سویز کے اس مقام کا رخ کیا جسے اب القطرہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ القطرہ سے آپ کی جانب مغرب صالحیہ (یا قضا صین) کی سمت پڑے۔ وہاں سے جنوب مغرب کی طرف وادی طیلات کے شیلوں سے لے کر یزنی نے کہا ہے کہ قبیلہ راشدہ اور غم کے جن قبائل جبل جلال کے نزدیک حضرت عمرو بن العاص سے مل گئے تھے۔

کچھ بعض کتابوں میں اس کا نام "مجدول" لکھا ہوا ہے یہ الفراء سے جنوب مغرب کی جانب ساحل سمندر کے قریب واقع ہے۔

گزر تے ہوئے (جو تل الکبیر کے قریب واقع ہیں) بلیس پہنچے جو شہر مصر سے تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ رہتے ہیں حضرت عمرو بن العاص کو کسی خاص اور قابل ذکر مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

مقوقس کی جانب سے صلح کی کوششیں | بعض روایات میں آتا ہے کہ بلیس میں حضرت عمرو بن العاص کے قیام کے دوران میں مقوقس نے بعض پادریوں کو ان کے پاس صلح کا پیغام دے کر بھیجا۔ حضرت عمرو بن العاص نے پادریوں کے اس گروہ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا حال بیان کیا اور کہا۔

”ہم آپ لوگوں کے سامنے اسلام پیش کرتے ہیں۔ اگر آپ لوگوں نے اسے قبول کر لیا تو ہم میں اور آپ میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ لیکن جو شخص اسلام لانا نہیں چاہے گا۔ اسے جزیرہ دینا ہوگا۔ اس کے بدلے میں ہم اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔ ہمیں چاہیے سے بتایا جا چکا ہے کہ ہم تم پر فتح پائیں گے اور ہمیں نصیحت کی گئی ہے کہ اگر تم ہماری دعوت قبول کر لو تو قربت داری کے احترام میں ہم تمہاری بطور خاص حفاظت کریں۔“

قربت داری کے لفظ سے حضرت عمرو بن العاص کا اشارہ حضرت اسماعیلؑ کی والدہ حضرت ماجرہ کے رشتے کی طرف تھا۔ پادری بھی اس اشارے کو سمجھ گئے اور انہوں نے کہا: ”یہ بہت دور کی رشتہ داری ہے اور اتنی دور کی رشتہ داری کو صرف اللہ کے نبی ہی زندہ کر سکتے ہیں۔“

اس کے بعد کہنے لگے۔

”ہم مقوقس کے پاس جا کر آپ کی تمام باتیں اُس سے کہہ دیں گے اور اس کے بعد پھر واپس آکر آپ پر ایمان لے آئیں گے۔“
حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا:۔

”مجھ جیسے شخص کو دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن میں تمہیں تین دن کی جہلت دیتا ہوں۔ اس دوران میں تم خود بھی سچ سمجھ لو اور اپنے حاکم اور اپنی قوم سے بھی مشورہ کر لو۔ اس کے بعد میں تم سے جنگ کروں گا۔“

انہوں نے کہا: "تین دن تو کم ہیں ہمیں کچھ مزید ہمت دیجئے" حضرت عمرؓ بن العاص نے چار دن کی ہمت دی آخر ان کے اصرار پر پانچ دن کر دیئے وہ متوقس کے پاس پہنچے اور اسے ساری روداد کہہ سنائی متوقس نے حضرت عمرؓ بن العاص کی پیش کش کو مسترد کرتے ہوئے مسلمانوں سے مقابلے کا ارادہ کر لیا۔ اور اپنے سپہ سالار طبلون کو جو اس سے قبل بیت المقدس کے محاصرے کے وقت رومی فوج کا سپہ سالار رہ چکا تھا۔ اور اپنے میں مسلمانوں سے مقابلے کی طاقت نہ پا کر مصر بھاگ آیا تھا، حضرت عمرؓ بن العاص کے مقابلے کے لئے روانہ ہونے کا حکم لیا جنگ | ارطبلون بارہ ہزار رومی فوج لے کر جو ہر طرح کیل کانٹے سے لیس تھی مسلمانوں کے مقابلے کے لئے نکلا اس کا ارادہ تھا کہ مسلمانوں پر اچانک حملہ کر کے ان کی طاقت کو نیست نابود کر دیا جائے۔ بلین حضرت عمرؓ بن العاص اپنی جگہ پورے طور پر تیار تھے۔ وہ پہلے ہی پادریوں کے وفد کے سامنے کہہ چکے تھے کہ مجھ جیسے آدمی کو دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔ ان کی تمام فوج عرب کے منتخب بہادروں پر مشتمل تھی وہ بھلا درمیں کو کیسے خاطر میں لاتی؟ گھمسان کا دل پڑا جس میں اگرچہ مسلمان بھی کافی تعداد میں شہید ہوئے لیکن درمیںوں کا تو بے اندازہ نقصان ہوا۔ ان کے ایک ہزار آدمی مارے گئے اور تین ہزار قیدی بنائے گئے۔ ارطبلون کا لشکر بالکل تباہ ہو گیا۔ اور اسے عبرت ناک شکست کھانی پڑی۔

۳۔ جنگ ام دین

جنگ کی تیاری فتح بلبیس کے بعد حضرت عمرؓ بن العاص صحرارہ کو قطع کرتے اور شہر ملیہ بلبیس کے قریب سے گزرتے ہوئے ام دین کے قریب خیمہ زن ہوئے۔ ام دین کا مستحکم قلعہ بائبلون کے شمال میں موجودہ شہر قاہرہ اور دریائے نیل کے درمیان واقع تھا۔ جب قاہرہ کی بنیاد ڈالی گئی اور شہر نے پھیلنا شروع کیا تو اس نے ام دین کو بھی لپیٹ میں لے لیا۔ آج کل اس کی جگہ قاہرہ کا محکمہ ازکیہ آباد ہے۔ یا قوت حموی نے معجم البلدان میں ام دین کا نام "المقس" لکھا ہے۔ مقررہ نے لکھا ہے کہ فتح کے وقت یہ مصر کی بندرگاہ تھی فتح سے پہلے اس کا نام "تندر نیاس" تھا۔ موجودہ نام اسے عربوں نے دیا تھا۔ درمیںوں نے اس لمبیب خطرے کی اہمیت کو خوب سمجھ لیا تھا۔ جوان کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اور انہیں اس حقیقت کا احساس ہو گیا تھا۔ کہ عمرؓ بن العاص کی مصر پر چڑھائی کہ

بد دیوں کی غارت گری سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی بلکہ یہ باقاعدہ سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق ایک منظم حملہ ہے جو ان کی عظمت کو مٹانے کے لئے مصر پر کیا گیا ہے۔ چنانچہ مقوقس جو مصر کا حاکم اور سکندر یہ کام سرکاری بطریق تھا۔ قلعہ بابلین پینچاس کے ساتھ رومی لشکر کا سپہ سالار بحقیدور بھی تھا۔ بابلین میں بیڑ کران دونوں نے بھاری تعداد میں فوجیں اکٹھی کیں اور قلعہ ام دُئین کو مضبوط و مستحکم بنانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ ان کی تیاریوں سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے اپنے آپ کو زندگی اور موت کی جنگ کے لئے تیار کر لیا ہے جس کے نتیجے میں یا تو وہ عربوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کریں گے اور یا ہرقل کی طرح یہ کہتے ہوئے خود وہاں سے رخصت ہو جائیں گے۔

”الوداع اسے سرزمین مصر بدوہ جدائی ہے جس کے بعد پھر ملنا ممکن نہیں“
حضرت عمر ذہن العاص کی تدابیر | حضرت عمر ذہن العاص نے بھی اپنی جگہ موقع کی نزاکت اور خطرے کو محسوس کیا۔ جاسوسوں کی اطلاعات سے انہیں معلوم ہو گیا کہ ان کے ہمراہ جوفج ہے وہ قلعہ بابلین کی فتح یا اس کے محاصرے کیلئے ناکافی ہے اسی طرح ان کی فوج کے لئے شہر مصر کو فتح کرنا بھی ناممکن ہے جو قلعہ بابلین کے قریب اور اس کے زیر حفاظت تھا۔ اب کریں تو کیا کریں؟ آخر بہت کچھ سوچ بچار کے بعد انہوں نے اپنی جگہ پالیسی کو اس طرح ترتیب دیا۔
۱۔ قلعہ بابلین کی بجائے ام دُئین کا محاصرہ کیا جائے اور اس کی فتح کے سے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا جائے۔ اگر وہ فتح ہو گیا تو اس کی بندرگاہ میں جو کشتیاں ہوں گی وہ سب ہمارے قبضے میں آجائیں گی اور ہم ان کے ذریعے مفید کام لے سکیں گے۔
۲۔ جس حد تک ممکن ہو سکے اپنے آدمیوں کی حفاظت کی جائے۔ انہیں اندھا دھند جنگ میں نہ جھونکا جائے اور کسی ایسی جگہ نہ بھیجا جائے جہاں قطعی طور پر ہلاکت اور بربادی کا خطرہ ہو۔

۳۔ امیر المومنین سے جلد از جلد مزید مدد بھیجنے کی درخواست کی جائے۔
چنانچہ عمر ذہن العاص آگے بڑھے اور ام دُئین کا محاصرہ کر کے ہر قسم کی فوجی کمک اور سامان رسد کو قلعہ میں پہنچنے سے روک دیا۔
قلعہ میں مقیم فوج وقتاً فوقتاً باہر نکلتی اور کچھ دیر کی دوبندو جنگ کے بعد پھر واپس قلعہ میں گھس جاتی۔ مقررہ یہی لکھتا ہے۔

”اسم دُنبین کے قریب رومیوں اور مسلمانوں کی متعدد شدید جھڑپیں ہوئیں اور قلعہ کی فتح میں دیر ہوتی چلی گئی۔“

ابو الحاسن نے لکھا ہے۔

”رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان جو جھڑپیں ہوئیں وہ بہت شدید تھیں۔ انہیں دیکھ کر کوئی نہ کہہ سکتا تھا کہ غلبہ کس فریق کو حاصل ہوگا۔“

اشائے محاصرہ میں بارگاہِ خلافت سے پہلی امدادی فوج بھی آگئی جس پر اسلامی فوج میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی اور ان کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اُدھر جب رومیوں کو مسلمانوں کی کمک کی آمد کا حال معلوم ہوا تو ان کے چہرے پر افسردگی چھا گئی اور ان کی قوت و طاقت جواب دینے لگی۔ پیسے تو آئے دن قلعہ سے باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ کرنا ان کا شعار بن چکا تھا لیکن جب سے کمک پہنچی تھی انہوں نے باہر نکلنا بہت کم کر دیا تھا۔

حضرت عمر بن العاص نے جو محاصرے کے دوران میں قلعہ کے اندر رولی اور بیرونی حالات سے خوب واقف ہو چکے تھے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ قلعہ پر پوری قوت و طاقت سے حملہ کر دیں۔ فوج کی ہمت بڑھانے کی خاطر وہ خود سب سے آگے آگے تھے۔ بڑے زور کا کد پڑا کچھ دیر لڑائی کے بعد مسلمان قلعہ کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گئے اور کشتوں کے پشتے لگاتے ہوئے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلے گئے بالآخر قلعہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ رومیوں کے بے شمار آدمی قتل ہوئے اور ان گنت لوگوں کو قیدی بنا لیا گیا۔

قلعہ کے فتح ہوجانے سے دریائے نیل پر بھی مسلمانوں کا فط ہو گیا۔ بندرگاہ میں جتنی کشتیاں تھیں وہ سب مسلمانوں کے قبضے میں آ گئیں یہ کشتیاں سارے اسلامی لشکر کو دریائے نیل عبور کرانے کے لئے کافی تھیں۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس آخری معرکہ کے وقت حضرت عمر بن العاص نے اپنی فوج کے بعض آدمیوں پر کچھ سختی کی تھی۔ انہوں نے ایک گروہ کو گریز پائی پر آمادہ پا کر انہیں ابھارا اور پیش قدمی کرنے کا حکم دیا جس پر ان میں سے ایک نے کہا ”ہم پتھر کے بنے ہوئے نہیں ہیں“ حضرت عمر بن العاص نے اسے چھڑکا اور کہا۔

”اسے کتنے خاموش رہ“

اس پر اس آدمی نے جواب دیا۔

”انجوم اندازہ ملے“ ابو الحاسن نے انجوم اندازہ یہی لکھا ہے کہ اس آدمی نے حضرت عمر بن العاص سے یہ کہا تھا۔

”ہم پتھر یا وجہ کے بنے ہوئے نہیں ہیں“

”اگر ہم کہتے ہیں تو آپ کتوں کے سردار ہیں“۔

حضرت عمرو بن العاص بہت بڑے متبرادر موقعہ شناس تھے۔ انہوں نے اس آدمی کی طرف توانفست نہ کیا البتہ منہ پھیر کر صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا:۔
”آگے بڑھیے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کے طفیل ہمیں کامیاب کرے گا“۔

چنانچہ صحابہ معرکہ میں کود پڑے۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے مسلمانوں نے بھی جوش سے لڑنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح و فخر سے ہمکنار فرمایا۔

۴۔ فیوم کی طرف پیش قدمی

ردمیوں کی فوجیں تھید ٹڈس کی قیادت میں قلعہ بابلیہ میں جمع تھیں۔

حضرت عمرو بن العاص اگرچہ ام دُنین پر قابض ہو چکے تھے لیکن انہیں اس بات کا احساس تھا کہ اگر وہ چندے ام دُنین میں مقیم رہے تو یہ امر ان کے اور ان کی فوجوں کے لئے خطرے کا باعث ہو گا اور ردمی فوجیں ضرور سان پر حملہ کر دیں گی۔ بہت کچھ غور و فکر کے بعد انہوں نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ لشکر کو خطرے کی جگہ سے ہٹا کر اسے کسی ایسی جگہ لے جایا جائے جہاں کامیابی کی امید ہو اور اس کا وصلہ برابر بلند ہوتا رہے تاکہ خلیفہ المسلمین کی طرف سے دوسری امدادی فوج نہ بھیج جاتے۔ چنانچہ انہوں نے ان کشتیوں کی مدد سے جو بندرگاہ میں ٹکرا انداز تھیں، دریائے نیل عبور کیا اور اہرام الجیزہ سے گزرتے ہوئے صحرا میں سرگرم سفر ہو گئے۔ اس مرتبہ ان کا ارادہ فیوم جا کر ردمیوں سے ہر دو آڑا ہونے کا تھا تاہم ایک طرف تو اس علاقے کے باشندوں کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کر سکیں اور دوسری طرف اطمینان سے بیٹھ کر امیر المومنین کی بھیجی ہوئی کمک کا انتظار کر گئیں۔

فیوم کی سرحد پر پہنچتے ہی حضرت عمرو بن العاص کو معلوم ہوا کہ ردمیوں نے اس صوبے کی حفاظت کے لئے زبردست تیاری کی ہوئی ہے اور صوبے میں داخل ہونے والے راستوں

۱۵۔ اسے ایشیہ نے یہ واقعہ جنگ میں شمس کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

۱۶۔ حضرت عمرو بن العاص نے اس مسئلہ کے اعلیٰ میں فیوم کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔ اس مہم میں انہیں کئی ہتھیارے جس کے بعد انہیں کثیر مال غنیمت ملتا آیا ان کے مقابلے میں ردمیوں کو شدید نقصانات سے دوچار ہونا پڑا۔

پر فوج متعین کر دی ہے۔ یہ سن کر عمرؓ بن العاص صحرا میں رک گئے اور چھوٹے چھوٹے دستوں کو اس پاس کی بستیوں پر چھاپے مارنے کیلئے بھیجنا شروع کر دیا تاکہ فوج کی غذائی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں

اسی اثنا میں اس علاقے کے بدویوں اور خود اسلامی فوج کے جاسوسوں سے معلوم ہوا کہ ردیہ میں ایک دستہ جس کی قیادت خنایہ نامی ایک شخص کر رہا ہے وہ کھجور کے باغوں کی آٹ لیتا ہوا عربوں کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے اور ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کی خاطر اسلامی فوج کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے۔

حضرت عمرؓ بن العاص نے فیصلہ کیا کہ خنایہ اور اس کی فوج سے نجات حاصل کرنی چاہیئے چنانچہ انہوں نے اپنی فوج کو پیچھے ہٹایا۔ یہاں تک کہ خنایہ اور اس کے دستے سے دور ہو گئے اس کے بعد اچانک پلٹے اور محاصرہ کر کے خنایہ اور اس کے ایک ایک ساتھی کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد خنایہ کی لاش دریائے یامین بہا دی۔

تقیہ ڈور کو خنایہ کے مارے جانے کا بے حد رنج ہوا اور اس نے اپنے آدمیوں کو اس کی لاش ڈھونڈنے کا حکم دیا۔ لاش ملنے پر اسے حنوط کر کے دریائے نیل کے ذریعے بابلین پہنچایا گیا۔ اہل بابلین پر بھی لاش کو دیکھ کر بے حد خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ وہاں سے اسے ہرقل کے پاس قسطنطنیہ بھیج دیا گیا۔ ہرقل کو بھی اسے دیکھ کر بے حد صدمہ ہوا۔ اور اس نے تقیہ ڈور کو ایک خط لکھا جس میں اپنے حزن و اطم کا حال درج تھا ساتھ ہی اس نے اس امر پر تأسف کا اظہار کیا تھا کہ ردیہ فوجیں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے سے پہلو ہتی کر رہی ہیں

حضرت عمرؓ بن العاص کے فیوم کی سرحد پہنچنے پر ردیہ فوج مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے فیوم سے روانہ ہوئی۔ لیکن حضرت عمرؓ بن العاص نے خنایہ کا میاں کے ذریعے اس صوبے کے لوگوں کے دلوں میں جو رعب قائم ہو گیا تھا اسی کو کافی سمجھا اور صحرا میں مورچہ بند ہو کر بیٹھ رہے۔ انہیں معلوم تھا کہ ردیہ صحرا میں جنگ کرنے سے بے حد ڈرتے ہیں اور انہیں اس میں اپنی موت چھپی ہوئی نظر آتی ہے۔ ردیہ میں نے جو انہیں صحرا کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو سمجھے کہ مسلمان ڈر کے مارے بھاگے جا رہے ہیں۔ وہ بہت خوش ہوئے اور فیوم واپس آ گئے۔

امدادی فوج کی آمد | اسی اثنا میں حضرت عمرؓ بن العاص کو خبر پہنچی کہ زبیر بن العوام کی زیر قیادت ایک امدادی فوج مصر پہنچ گئی ہے اور انفرما کے راستے بلیس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ حضرت

عمرو بن العاص کو خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں رومی اس فوج کو رد کرنے کی کوشش نہ کریں۔ اور اسے دریا پار کر کے ان کے پاس نہ پہنچنے دیں اس لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ ام دُہن واپس جائیں اور اس فوج سے مل جائیں۔

رومی دریا سے نیل کے کنارے قلعہ بابلیون میں موجود تھے۔ اور ان کے لئے بالکل ممکن تھا کہ وہ عمرو بن العاص کو دریا عبور کرنے سے روک دیتے۔ لیکن انہوں نے قلعہ سے باہر نکلے اور عمرو بن العاص کا راستہ روک کر انہیں واپس صحرا میں دھکیلنے کی تکلیف گوارا نہ کی۔ عمرو بن العاص کو موقع مل گیا کہ وہ فوج لے کر نیل کے مشرقی کنارے پر اتر جائیں اور اس ملک سے جا ملیں جو قلعہ بابلیون کے قریب حلیو پولیس میں خیمہ زن ہوئی تھی بعض مورخین سے رومیوں کی اس بے حسی کی یہ تائید ملتی ہے کہ انہیں ملک پہنچنے کا علم ہو چکا تھا اور وہ ڈرتے تھے کہ اگر قلعہ سے قدم باہر رکھا گیا تو یہ ملک ان پر دھاوا بول کر ان کا تیا پانچا کر دے گی۔ مگر نے حضرت عمرو بن العاص کے دریا عبور کرتے کا جو حال لکھا ہے اسے ہم یہاں درج کرتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے۔

عمرو بن العاص نے دریا عبور کر لیا چاہے طاقت کے بل پر چاہے رومیوں کو دھوکا دے کر گمان غالب یہ ہے کہ انہوں نے ام دُہن کے شمال میں نخلی طرف سے دریا عبور کیا۔۔۔۔۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی ملک و حصوں میں تقسیم ہو کر صین شمس یعنی حلیو پولیس کی طرف جا رہی ہے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مغربی سمت خطرے سے خالی نہیں حقیقت یہ ہے کہ عمرو بن العاص ڈرتے تھے کہ کہیں رومی ان کے راوے کو بجانب کران کے اور اس امدادی فوج کے درمیان حائل نہ ہو جائیں جو زبیر بن العوام لے کر آئے تھے لیکن رومی سپہ سالار تھیوڈور نے حسب عادت اس موقع کو بھی باغداد سے کھو دیا اور مسلمانوں پر فیصلہ کن ضرب نہ لگائی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عمرو بن العاص کے لئے امدادی فوجوں کی طرف بڑھنا ممکن ہو گیا۔ اور وہ حلیو پولیس میں اپنے ان ساتھیوں سے جاملے حوران کی مدد کے لئے آئے تھے۔ اس طرح ان کی فوج کے حوصلے بڑھ گئے اور اپنی اس شاندار کامیابی پر ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

۵۔ مصر کے حلیو پولیس

حلیو پولیس کی تاریخ | حلیو پولیس مصر کا ایک بہت بڑا شہر تھا قبیلوں کے عہد میں اس کا نام

اولن تھا جس کے معنی مسورج کے شہر کے ہوتے ہیں۔ یونانیوں نے بھی انہی معنوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا نام "علیہ پوس" رکھ دیا جب عرب یہاں آئے تو انہوں نے بھی انہی معنوں کی رعایت سے اس کا نام "عین شمس" رکھا۔

اس شہر کی قدیم تاریخ بڑی شاندار ہے۔ یہ مصری علوم و فنون کا مرکز تھا۔ بڑے بڑے فلسفی یہاں کی درس گاہوں میں بیٹھ کر علم و حکمت کا سبق سکھاتے تھے اور فلسفہ تحصیل ہونے کے بعد انہی مدرسوں میں فلسفہ اور مہیت کے درس دیتے تھے لیکن بعد میں جب مصر میں رومی حکومت قائم ہوئی تو علم و فلسفہ یہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا اور یہ شہر ہدست کی تاریکیوں میں چھپ گیا۔ علم کے رخصت ہونے کے ساتھ ساتھ اس شہر کی ظاہری شان و شوکت بھی ماند پڑی شروع ہو گئی چنانچہ جب عرب یہاں پہنچے ہیں تو چار ٹوٹی پھٹی فصیوں (ابو اہل کے بست) جس کا نصف حصہ زمین میں دبا ہوا تھا اور ایک سستون (جسے مسابک کہا جاتا تھا) کے سوا یہاں اور کچھ باقی نہ رہا تھا۔

حضرت عمر بن العاص نے نیچے زمان ہونے کیلئے شہر کے کھنڈرات منتخب کیے جس جگہ یہ کھنڈرات واقع تھے وہ جگہ زمین سے کچھ اونچی اور دفاعی سہولتوں کے لئے موزوں تھی۔ وہاں پانی بھی کثرت تھا اور غذائی سامان کی بھی کمی نہ تھی۔

امدادی فوج اہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی بھی ہوئی امدادی فوج مصر پہنچ چکی تھی اور عمر بن العاص بھی اس تک پہنچے ہیں کا یہاں ہو گئے تھے۔ عمر بن العاص کی اور امدادی فوج کو علاقہ اسلامی لشکر کی تعداد اب ساٹھ سو پندرہ ہزار ہو گئی تھی۔

یہ امدادی فوج حضرت زبیر بن العوام کی زیرکردگی آئی تھی ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عمر بن العاص کی مددگی مصر کے بعد صورت حال کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے حضرت زبیرؓ کو بارہ ہزار فوج کے ہمراہ عمر بن العاص کے پیچھے روانہ کر دیا۔ جس نے مصر پہنچ کر تمام فتوحات میں حصہ لیا۔ ایک دوسری روایت میں یہ آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عمر بن العاص کی مدد کے لئے

چار ہزار سپاہ پر مشتمل امدادی فوج بھیجی اور لکھا کہ میں تمہاری مدد کے لئے چار ہزار مجاہدین بھیج رہا ہوں۔ ایک ایک ہزار پر ایک ایک امیر ہے اور ہر ایک ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔ امیر یہ ہیں زبیر بن العوام، مقداد بن اسود، عبادہ بن جہات اور خارجہ بن حذافہ۔ تم یہ سمجھو کہ تمہارے ساتھ بارہ ہزار

۱۔ ابن عبد اللہ نے لکھا ہے کہ امدادی فوج میں حضرت زبیرؓ کے علاوہ یہ لوگ بھی شامل تھے۔ عبد اللہ بن عمر بن العاص

(بقیہ مآثر اگلے صفحہ پر)

مجاہدین ہیں اور بارہ ہزار مجاہدین قلت تعداد کی بنا پر مغلوب نہیں ہو سکتے۔
 حضرت زبیرؓ بن عوام کی آمد حضرت زبیرؓ نے دراصل انطاکیہ (شام) جا کر رومیوں
 کے مقابلے میں جہاد کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ جب حضرت عمرؓ کو ان کے ارادے کی اطلاع ہوئی تو
 آپ نے انہیں بلایا اور کہا ”کیا تم امارت کے خواہشمند ہو؟“ انہوں نے جواب دیا
 ”ہمیں مجھے امارت وغیرہ کی کوئی خواہش نہیں۔ میں تو جہاد اور مسلمانوں کی امداد کے لئے جانا
 چاہتا ہوں۔ اگر مجھے معلوم ہو کہ عمرؓ بن العاص نے مصر فتح کر لیا ہے تو میں ان کے کام میں دخل
 نہیں دوں گا۔ بلکہ ساحلی مقامات کی طرف نکل چاؤں گا۔ اور انہیں فتح کر کے عمرؓ بن العاص سے
 جا ملوں گا۔ لیکن اگر وہ ہندو جہاد میں مصروف ہوئے تو ان کے ساتھ مل کر جہاد میں حصہ لوں گا۔“
 حضرت عمرؓ نے یہ سن کر ان کے لئے دعا فرمائی اور انہیں امدادی فوج کا سردار بنا کر مصر
 روانہ کر دیا۔ عین شمس ہیں وہ حضرت عمرؓ بن العاص سے مل گئے۔

ذیل میں ہم حضرت زبیرؓ بن العوام کا مختصر سا حال درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ
 اسلام میں ان کا کیا مرتبہ تھا اور ان کی کن خوبیوں کے باعث حضرت عمرؓ نے انہیں اس اہم کام
 پر بھیجے جانے والی فوج کی قیادت کے لئے منتخب کیا؟

حضرت زبیرؓ ان دس آدمیوں میں سے تھے۔ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت
 کی خوشخبری دی تھی۔ آپ ان چھ آدمیوں کی کیٹی میں بھی شامل تھے جسے حضرت عمرؓ نے اپنے بعد
 خلیفہ کا انتخاب کرنے کیلئے مقرر کیا تھا اسلام قبول کرنے والوں میں آپ کا نمبر یا پچواں ہے آپ کی
 والدہ سفیہ بنت عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی بہن تھیں اور حضرت خدیجہؓ زوجہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ) عبد اللہ بن عمرؓ - سعد بن ابی وقاص (ان کے بارے میں اختلاف ہے) خالد بن
 حذافہ - قیس بن ابی العاص انس بنی - مقداد بن اسود - عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح - تابع بن عبد قیس الغبری
 ابراہیمؓ - سولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - ابن عبیدہ - شریح بن حسنہ کے دو لڑکے عبدالمطلب
 اور ربیعہ - وردان مولى عمرو - عبادہ بن صامت - محمد بن مسلمہ - ابوہریرہ - خالد بن یزید ابو الدرداء وغیرہ
 بن عامر -

ابوالمحاسن نے ”النجوم الزاہرہ فی ملوک مصر والنقاہۃ“ میں مذکورہ بالا ناموں کے علاوہ بعض اور
 نام بھی لکھے ہیں۔

رسول اللہ علیہ وسلم آپ کی پھوپھی تھیں۔ کیونکہ وہ آپ کے والد عوام بن خویلد کی بہن تھیں آپ کا شمار اسلام قبل کرنے والے ابتدائی لوگوں (السا بقون الاولون) میں ہوتا ہے۔ اسلام لانے کے وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی۔ اسلام کی راہ میں آپ نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں آپ کو چچا آپ کو چٹائی میں لپیٹ دیا تھا اور اسی حالت میں آپ کی ناک میں دھواں دیتا تھا۔ اس کی غرض یہ تھی کہ آپ ان مظالم کی تاب نہ لا کر اسلام سے برگشتہ ہو جائیں لیکن آپ کے پائے ثبات میں مطلق لغزش نہ آئی اور آپ آپ نے اسے صاف کہہ دیا کہ میں اسلام لانے کے بعد کفر اختیار نہیں کر سکتا۔

جب کفار کے مظالم نے شدت اختیار کی تو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے مطابق حبشہ ہجرت کر گئے۔ ہجرت مدینہ کے موقع پر آپ مدینہ چلے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور مسلمہ بن سلام کے درمیان مواخاۃ کرادی۔ آپ نے تمام غزوات رسول میں شرکت کی اور کسی بھی غزوہ میں پیچھے نہیں رہے۔ جنگ احد میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی۔ جنگ خندق کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کفار اور بنو قریظہ کی خبر لانے کے لئے کون شخص اپنے آپ کو پیش کرتا ہے۔ اس پر حضرت زبیرؓ نے آپ کو پیش کیا۔ تیسری مرتبہ پوچھا تب بھی حضرت زبیرؓ ہی کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

زبیرؓ کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرے حواری زبیر بن عوام ہیں فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاجرین کے تین دستے بنائے اور ایک دستہ کا علم حضرت زبیرؓ کو مرحمت فرمایا۔ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک وسیع قطعہ زمین اور کھجوروں کا ایک باغ جو قبل انہیں بنو نضیر کی ملکیت تھا، مرحمت فرما دیا تھا۔ آپ نے انہیں ریشم پہننے کی اجازت بھی دی ہوئی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی ان سے اسی طرح محبت کرتے اور لطف و کرم سے پیش آتے تھے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبت کرتے اور لطف و کرم سے پیش آتے تھے حضرت ابو بکرؓ نے انہیں جوف میں اور حضرت عمرؓ نے عقیق میں قطعات مرحمت فرمائے تھے۔

حضرت زبیرؓ نے فتوحات مصر میں نمایاں حصہ لیا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں جب باغیوں نے خلیفہ کے خلاف شورش برپا کی تو حضرت زبیرؓ نے اس میں مطلق حصہ نہیں لیا۔ البتہ جب خلافت حضرت علیؓ کے پاس آئی تو آپ ان کے خلاف نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن جب حضرت علیؓ نے جنگ

صفین کے موقع پر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول یاد دلایا کہ "ایک دن تم اس سے (ملی سے) لڑو گے۔ در انحالیکہ تم ظالم ہو گے" تو انہوں نے فوراً جنگ سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور واپس مدینہ روانہ ہو گئے۔ راستے میں عمر بن جرمز نے انہیں شہید کر ڈالا۔

جنگی تیاری | ہمدی تعداد کے لحاظ سے مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھے۔ مصر کے دیگر قلعوں میں متین فوجوں کے علاوہ جو فوجیں مسلمانوں کے مقابل پر نبرد آزما تھیں ان کی تعداد بیس ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی اس طرح ہمدی تفوق بہر حال ردیوں کو حاصل تھا۔ لیکن ہمدی روح جنت و نصرت کے لئے سب سے مزید ہے ان میں بالکل مختلف تھی۔ اس لحاظ سے عرب ان پر ہر طرح فائق تھے خود اہل مصر کو بھی اس امر کا اعتراف تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ گفتگو کے دوران میں ایک قبیلے نے دوسرے قبیلے کو کہا :-

"مجھے ان عربوں پر تعجب آتا ہے کہ تہی دست اور بے سر و سامان ہونے کی حالت میں یہاں پہنچ گئے ہیں اور عزم ہے کہ ردیوں کی افواج قاہرہ سے ٹکر لیں گے" دوسرے نے جواب دیا۔

مجبب یہ لوگ کسی ملک کو فتح کرنے کا ارادہ کریتے ہیں تو راہ کی مشکلات کو قطعاً خاطر میں نہیں لاتے اور اس وقت تک بس نہیں کرتے جب تک اپنے مقصد میں پورے طور پر کامیاب ہو کر اس ملک کو اپنے زیر نگین نہ لے آئیں۔

اس کے بالمقابل اگرچہ ردیوں کو ہمدی تفوق حاصل تھا لیکن ان میں مسلمانوں کے مقابلے کی طاقت نہ تھی۔ اور وہ برملا کہتے تھے۔

"ہم اس قوم کے مقابلے میں کیا تدابیر اختیار کریں جو کسریٰ پر غاب آگئی اور شام میں قیصر کے اقتدار کو بیخ بن سے اکھاڑ پھینکا؟"

اس امر میں کوئی شخص بھی ہم سے اختلاف نہیں کرے گا کہ عربوں کی ہمدی روح ردیوں کی ہمدی روح سے ہر لحاظ سے فائق تھی۔ اس ہمدی روح کے پیدا کرنے میں سب سے بڑا حصہ اسلام کا تھا۔ اسلام نہ صرف ان کی جنگی روح کو تروتازہ رکھتا تھا بلکہ انہیں ہر میدان میں کامیابی اور کامرانی کی بشارت بھی دیتا تھا۔ یہ کامیابی مومنوں کو دو طریق سے ملتی تھی میدان جنگ میں اپنی جان

قربان کرنے والوں کو جنت کی صورت میں اور غازیان صف شکن کو فتح و نصرت کی صورت میں حضرت عمرؓ بن العاص اپنے ساتھیوں کی جنگی روح کو تردید نذر دیکھتے اور ان میں قوت و طاقت اور صبر و استقلال پیدا کرنے کیلئے برابر ان کے سامنے قرآن کریم کی آیات تلاوت کرتے رہتے تھے اور خدا تعالیٰ کے ان وعدہ دل کو بار بار ان کے سامنے پیش کرتے رہتے تھے جو فتح و نصرت کے متعلق اس نے مجاہدین سے کیے ہوئے تھے۔ اس طرح اسلامی لشکر کے سوسلے پست ہونے کی بجائے ہمیشہ بلند رہتے تھے اور یہ امر ان کی فتوحات کے راستے میں بے حد مدد و معاون ثابت ہوتا تھا۔

دشمن کے مقابلے میں جنگی تدابیر لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضرت عمرؓ بن العاص نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور ان سے جنگی تدابیر کے متعلق مشورہ کیا۔ ان کی رائے یہ تھی کہ دشمن پر از خود حاد و بولنے سے پرہیز کیا جائے بلکہ اسے موقع دیا جائے کہ وہ قلعہ باغیوں سے نکل کر کھلے میدان میں ان کے مقابلے میں صف آرا ہو اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ دشمن کو اپنے مستقر سے دوری کی بنا پر قلعے کی تدبیر حفاطت میسر نہ ہوگی اور وہ کئی طور پر مسلمانوں کے رحم و کرم پر ہوگا۔

دو دن اور تھوڑے دن میں بھی اپنے آدمیوں کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ رومی سرداروں کا یہ خیال تھا کہ اتنے لمبے عرصے تک قلعہ بند رہنے سے اہل مصر انہیں بزدل اور کمزور سمجھنے لگے ہیں اور ان دلوں میں مسلمانوں سے مل جانے اور ان کی مدد کرنے کے جذبات پیدا ہونے لگے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے میدان میں نکل کر عربوں سے لڑنے کا فیصلہ کیا اور حلیو پولیس کی طرف بڑھے کہ مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیں۔ سوار و کستول کی قیادت انہوں نے تھیوڈوسیوس اور انٹاسیوس کے سپرد کی۔

حضرت عمرؓ بن العاص کو جب رومیوں کے ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے ان کے مقابلے کے لئے مندرجہ ذیل تدابیر اختیار کیں۔

روا، پانچ سو آدمی سات کی تاریکی میں پہاڑ کے عقبی حصے کی طرف بٹھادیئے اور انہیں ہدایت کی کہ وہ قلعہ ابجل کے قریب بنو داؤل کے فاروں میں جا کر چھپ جائیں۔

جب، پانچ سو آدمیوں کا ایک دوسرا دستہ خارجہ بن حذاقہ کی سرکردگی میں صبح سے کچھ پہلے اُن دین لے کی طرف روانہ کیا۔

(ج) بقیہ فوج کو لے کر حضرت عمر بن العاص عین شمس سے چھے اور اس جگہ پہنچے جسے آج کل "عباسیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہاں ٹھہر کر وہ قلعہ بابلین سے آنے والی رومی فوج کا انتظار کرنے لگے۔

آغاز جنگ اور رومیوں کی شکست | پوپھٹنے پر رومی بھی اپنے قلعے سے نکلے اور ان باغوں اور مکانوں سے گزرتے ہوئے جو قلعے کے شمال مشرقی جانب واقع تھے۔ میدان جنگ میں پہنچ گئے۔ دونوں فوجوں کی مڈ بھڑ عباسیہ پر ہوئی گھمسان کا دن پڑا اور ہر فریق نے موت سے بالکل پے پڑا ہو کر دوسرے فریق سے لڑنا شروع کیا۔ جب لڑائی نے شدت اختیار کی تو ہندو اہل کے غاروں میں چھپا ہوا دستہ نمودار ہوا اور آدمی کی طرح رومیوں کے عقب پر ٹوٹ پڑا۔ رومی اس آفت ناگہانی کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ ان کے دلوں پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ صفوں میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ اور وہ ام دین کی طرف پسپا ہونے لگے۔ اسی اشارے میں خارجہ بن حذافہ کا دستہ بھی اپنی کمین گاہ سے نکلا اور رومیوں کی صفوں میں گھس کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ رومی سمجھے کہ عربوں کے تین لشکر تین مختلف سمتوں سے ان پر حملہ آور ہوئے ہیں اور اب مقاومت کی کوئی صورت نہیں ہے وہ سخت گھبراٹھے اور ان کا سارا فوجی نظام درہم برہم ہو گیا۔ مفرورین کا ایک گروہ قلعے تک پہنچ گیا اور اس میں جا چھپا باقی لوگ زیریں مصر کی طرف بھاگ گئے اور مختلف علاقوں میں پہنچ کر پناہ لی۔

جنگ کے بعد پیش آنے والے واقعات | اس معرکہ کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کی مختصر کیفیت حسب ذیل ہے۔

- ۱۔ حضرت عمر بن العاص نے اپنے لشکر کو اس جگہ ٹھہرایا جہاں بعد میں شہر "سقاط" آباد ہوا۔
- ۲۔ عرب قلعہ ام دین پر دوبارہ قابض ہو گئے۔
- ۳۔ بیشتر رومی جنہوں نے قلعہ بابلین میں پناہ لی ہوئی تھی۔ قلعہ کو چھوڑ کر دریا کے راستے نقیوس چلے گئے۔
- ۴۔ قلعہ بابلین دریا کے کنارے واقع تھا عربوں نے آگے بڑھ کر دریا کے بالائی اور زمریں حصوں پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح قلعہ بابلین عربوں کے گھیرے میں آ گیا۔
- ۵۔ جب عربوں کی کامیابیوں کی خبریں فیوم پہنچیں تو وہاں کا حاکم رومنیاس نقیوس بھاگ گیا

یہ خبر سن کر حضرت عمر بن العاص نے ایک دستہ کو روانہ کیا جس نے دریائے نیل کو عبور کر کے قیوم اور ابریٹ کو فتح کر لیا اور قیوم کا پورا صوبہ اسلامی حکومت کے زیرِ نگین آ گیا۔
۶۔ حضرت عمر بن العاص نے کچھ سپاہ جنوبی ڈیٹا کی طرف روانہ کی جس نے صوبہ منوفیہ کے مد شہر مل اٹریب اور منوف پر قبضہ کر لیا۔

۷۔ اکثر رومی مسلمانوں کی بے درپے کامیابیوں کو دیکھ کر اسکندریہ کی جانب بھاگ گئے۔
حنا فیتوسی ان حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

عمر بن العاص نے حکم دیا کہ رومی حکام کو ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑ کر ان کے سامنے سامنے پیش کیا جائے۔ انہوں نے لوگوں پر دگلا ٹھیس لگا دیا اور اسلامی فوج کی تمام مزاحمت کا بار بھی مغرب مصریوں پر ڈال دیا۔ غرضیکہ انہوں نے ظلم و ستم کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے یہ سختی محض اس وجہ سے تھی کہ اہل مصر کی تاب ستاومت بالکل ختم ہو جائے اور وہ دل و جان سے ان کی اطاعت قبول کر کے اسلامی سلطنت کا اقتدار مصر پر تسلیم کر لیں اور کسی بغاوت اور شورش کی جرأت نہ کر سکیں۔

۸۔ منافقتی نہایت متعجب حیثیت مودع ہے اور اس نے مسلمانوں کی فتوحات مصر اور ان کے عہد حکومت کو نہایت بھیاں ک مروت میں پیش کیا ہے۔ قبل ازین بیان کیا جا چکا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمر بن العاص کو قبیلوں سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آنے کی حد درجہ تاکید کی تھی حضرت عمر بن العاص قبیل منافقتی مصریوں پر ظلم و ستم ڈھاکر غیظ کی سزا سے کچھ مبرا نہ ہو سکتے تھے؟

حضرت عمر بن العاص بھی نہایت ذریک انان تھے وہ مصریوں پر ظلم و ستم ڈھاکر اور ان پر دگلا جزیہ عائد کر کے انہیں اپنا مخالف کیسے بنا سکتے تھے جبکہ ابھی پورا مصر ان کے قبضے میں آیا ہی نہ تھا۔ جس کے واقعات بھی ثابت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن العاص نے مصر پر نہایت ذری اور عمل دانصاف سے حکومت کی۔
دربار خلافت کے تقاضے کے باوجود وہ مصریوں سے نفس کشی سے پہلے لگان لینے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان کے عہد حکومت میں ان کے خلاف ایک بار بھی شورش برپا نہیں ہوئی یہ تمام واقعات اس امر کا ثبوت ہیں کہ حضرت عمر بن العاص نے مصریوں پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کی۔ اور ان پر ظلم و ستم ڈھانے کے بارے میں منافقتی اور اسی قبیل کے دوسرے مورخین کی روایات بالکل من گھڑت ہیں۔

ابتدائی جنگوں سے اغذکر وہ بعض اہم امور اس ان جنگوں سے جو حضرت عمرؓ بن العاص کو مصر میں داخل ہونے کے بعد سے لے کر فتح حلیہ پر سین تک پیش آئیں۔ اس عظیم الشان اسلامی سپہ سالار کی جنگی مہارت، قیادت کی صلاحیتوں، جنگی تیاریوں، فوج کی ترتیب، اپنی فوج کو کامیابی و کامرانی سے ہم کنار کرنے اور دشمن کو ناکام و نامراد بنانے کی تدابیر کا واضح نقشہ ہمارے سامنے آ جاتا ہے۔

دشمن کے مقابلے میں حضرت عمرؓ بن العاص کی تدابیر ان ابتدائی معرکوں میں حضرت عمرؓ بن العاص نے فتح و نصرت حاصل کرنے کے لئے جو تدابیر سے کام لیا اسلام کی عسکری تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ان کا مختصر ماحصل ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ فوجوں کی فراہمی | حضرت عمرؓ بن العاص ان جنگوں میں اس امر کا خاص طور پر اہتمام رکھتے تھے کہ دشمن کے مقابلے میں جس حد تک ممکن ہو سکے زیادہ سے زیادہ فوج لائی جائے۔ انہیں اچھی طرح پتا تھا کہ ان کا دشمن طاقت و قوت اور تعداد میں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ لہذا وہ غلیظہ کی خدمت میں براہِ مہمہ امداد کے لئے لکھتے رہتے تھے تاکہ دشمن کا مقابلہ آسانی سے کیا جاسکے اور اس پر کاری ضرب لگائی جاسکے۔ خلیفۃ المسلمین کو بھی اس امر کا بخوبی احساس تھا اسی لئے جب انہوں نے حضرت عمرؓ بن العاص کو ایک خط کے ذریعے مصر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تو ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ میں براہِ تہا ری امداد کرتا رہوں گا۔

مصرائے سینا کی حدود پر جو بدو مقیم تھے انہوں نے جنگ اور غنیمت کے لالچ میں حضرت عمرؓ بن العاص کے ساتھ مل کر جنگوں میں حصہ لینے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت عمرؓ بن العاص نے بڑی خوشی سے انہیں اپنے ساتھ لایا۔ کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ دشمن کا زیادہ سے زیادہ فوج کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔

حضرت عمرؓ بن العاص نے ام دین کا محاصرہ کرنے کا ارادہ کیا تو دیگر بنیادی تدابیر اختیار کرنے کے علاوہ انہوں نے امیر المؤمنین کو جلد از جلد مزید فوج بھیجنے کے لئے لکھا۔ چنانچہ مصر کے وداران میں جب یہ بدو پہنچی تو عربوں کے دل خوشی کے مارے بلیوں اٹھنے لگے۔ ان کے مقابل جب ردیوں کو اس ملک کے پہنچنے کی خبر ملی تو ان پر یاس و نو میدی چھا گئی۔ اس سے پہلے وہ دقتاً وقتاً قحط سے باہر نکل کر حضرت عمرؓ بن العاص کی فوجوں پر حملہ کرتے تھے۔ لیکن اس ملک کے پہنچنے کے بعد انہوں نے باہر نکلنا بہت کم کر دیا۔ ان کی پشہ مردگی اور بددلی کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ انہیں بھی ملک پہنچنے کی امید تھی لیکن حضرت عمرؓ بن العاص نے راستہ بالکل بند کر دیا جس کی وجہ سے ان کی یہ آخری امید بھی جاتی رہی

بالیون میں مقیم ردی فوجیں اسلحہ، سامان، رسد اور تعداد کے لحاظ سے سمانوں سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر تھیں۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ بن العاص نے قلعہ بالیون پر حملہ کرنے کی بجائے قیہم

کارخ کیا دراصل وہ چاہتے تھے کہ انہیں اتنی ہمت مل جائے کہ دارالخلافہ سے امدادی فوجیں آجائیں ابھی فیم کے صوبے میں ان کے چھاپے جاری ہی تھے کہ ملک کے پہنچنے کی خبر مل گئی۔ جس پر وہ فوراً پلٹے اور تیزی سے سفر کرتے ہوئے اس امدادی فوج سے مل گئے۔ حلیہ پولیس پہنچ کر انہوں نے دشمن سے مقابلے کے لئے تیاری شروع کر دی۔ کیونکہ اب قلت تعداد کی بنا پر شکست کھانے کا خوف باقی نہ رہا تھا۔

ہر شخص کو معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ بن العاص ساڑھے تین ہزار فوج ہمراہ لے کر مصر روانہ ہوئے تھے لیکن جنگ حلیہ پولیس میں انہوں نے پندرہ ہزار کے لشکر کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا۔ تعداد کی اس زیادتی سے پتا چلتا ہے کہ خلیفۃ المسلمین اور اسلامی سپہ سالار کو فوجوں کی زیادہ سے زیادہ فراہمی کا کس قدر فکر رہتا تھا۔

۲۔ محاصرہ مصر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے حضرت عمرؓ بن العاص نے انصرہ کا محاصرہ کیا۔ یہ محاصرہ ایک یا دو ماہ جاری رہا۔ تاآنکہ شہر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ اس کے بعد دیکھیں کہ محاصرہ کیا اور ہر قسم کی رسد شہر میں جانی بند کر دی نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز بعد یہ شہر بھی عمرؓ بن العاص کے ہاتھ آ گیا۔

صوبہ فیم پر لشکر کشی کے دوران میں حضرت عمرؓ بن العاص کو معلوم ہوا کہ حاکم لشکران کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کے لئے ان کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے حضرت عمرؓ بن العاص نے یہ معلوم ہوتے ہی اپنے لشکر کو حاکم کے لشکر سے پرے ہٹایا۔ پھر یکدم آگے بڑھ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ اور ایک آدمی کو بھی زندہ نہ رکھ کر نہ جانے دیا۔

مذکورہ بالا تین موقعوں پر حضرت عمرؓ بن العاص دشمن کے مقابلے کے لئے محاصرے کو کام میں لائے۔ انہوں نے محاصرین اور روہی فوج کی قیادت کا بھی ربط بالکل ختم کر دیا کسی قسم کی بیرونی امداد ان تک نہ پہنچنے دی اور کھانے پینے کی چیزوں کا باہر سے قلعہ کے اندر پہنچنے کا سلسلہ بالکل منقطع کر دیا۔

اس طرح محاصرے کو انہوں نے دشمن پر ضرب کاری لگانے اور اس کی قوت و طاقت کو جلد از جلد ختم کرنے کا ایک عمدہ وسیلہ بنایا۔ جنگوں کے حالات و واقعات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ محاصرہ کیا گیا وہاں دشمن کو دوسری جگہوں کی نسبت بہت بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔

۳۔ دشمن کی سرزمین سے واقفیت زیادہ جاہلیت میں حضرت عمرؓ بن العاص کے مصر آنے اور

دہاں کے حالات سے گہری واقفیت رکھنے کے باعث انہیں اس سرزمین کی فتح میں بہت آسانی ہوئی۔

اپنی جرات کی بنا پر مصر آنے کا بہت بڑا فائدہ حضرت عمرو بن العاص کو یہ پہنچا کہ انہیں اس راستے سے کامل واقفیت ہوگئی جس سے وہ بعد میں اپنی فوج کو لے کر مصر میں داخل ہوئے کیونکہ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ مصر پر فوج کشی کے وقت حضرت عمرو بن العاص نے جو راستہ اختیار کیا وہ وہی تھا جس پر اس سے پہلے وہ شماس کے ساتھ گزر کر اسکندریہ پہنچے تھے۔ انہوں نے ابتدائی میں اس راستے کے نشیب و فراز کا گہری نظر سے جائزہ لے لیا تھا جس نے بعد میں انہیں بہت فائدہ پہنچایا۔

ام دین کے محاصرے کے دوران میں ان کی دور بین نظروں نے قلعہ کے اندرونی اور بیرونی حالات کا مکمل جائزہ لے لیا۔ جب انہیں تمام حالات کا بخوبی علم ہو گیا۔ تو انہوں نے قلعہ پر حملہ کرنے میں دیر نہ کی۔ اور اپنے لشکر کو پوری قوت سے شہر پر دھاوا بولنے کا حکم دیا نتیجہ یہ ہوا کہ قلعہ تھوڑی دیر میں مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

قلعہ ام دین پر مسلمانوں کے تسلط کے بعد رسمی فوجیں دہاں سے بھاگ کر قلعہ بابلیوں میں جمع ہو گئیں حضرت عمرو بن العاص کو دہاں کے حالات کا بھی علم حاصل کرنے کی وجہ لگی انہوں نے اس غرض کے لئے اپنے جاسوس روانہ کیے جنہوں نے آکر بتایا کہ قلعے میں مدیسوں کا کثیر لشکر جمع ہے۔ اس کے پاس کھانے پینے کی چیزیں اور اسلحہ کی مطلق کمی نہیں باور دہ دلیل سے تک مسلمانوں کے محاصرے کا بخوبی مقابلہ کر سکتا ہے۔ اور انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کے پاس اتنی فوجیں نہیں ہیں جو قلعہ کا محاصرہ کرنے کیلئے کافی ہو سکیں۔

حضرت عمرو بن العاص کی نظر میں یہ معلومات بے حد قیمتی تھیں لہذا انہوں نے بابلیوں کے محاصرے کا خیال چھوڑ کر یوم کے علاقے کا قصد کیا تاکہ جب تک دارا لختافے سے امدادی فوجیں نہ آجائیں اپنی فوجوں کو اس طرف مصروف نہ رکھا جاسکے۔

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ حضرت عمرو بن العاص تک جو معلومات پہنچی تھیں ان سے یہ امر واضح ہو گیا تھا کہ ان کا اور ان کی فوجوں کا قلعہ بابلیوں کے قریب رہنا خطرے سے خالی نہیں لہذا انہوں نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ اپنی فوجوں کو خطرے کے مقامات سے دور لے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے دہاں سے نکل کر عبور کیا اور اپنی فوجوں کے ہمراہ اہرام سے گزرتے ہوئے یوم چلے گئے

حضرت عمرؓ بن العاص کا جاسوسی کا انتظام اتنا عمدہ تھا کہ فیوم جاتے ہوئے انہیں راستے ہی میں معلوم ہو گیا کہ حنا ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کے لئے سائے کی طرح ان کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ اس پر انہوں نے فوراً پیش بندیاں شروع کر دیں اور حنا سے نجات حاصل کرنے کے لئے تمام تیاریاں سرعت تمام مکمل کر لی۔ کیونکہ انہیں علم تھا کہ اگر حنا ان کی فوج کے بعض رازہ حاصل کرنے اور ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لے کر انہیں ردیوں تکسب نہ جانے میں کامیاب ہو گیا کہ یہ چیز ان کے لئے اتھانی خطرناک ثابت ہوگی اور مصر کو فتح کر کے اسے اسلامی سلطنت کا ایک جزو بنانے کا جو خواب انہوں نے دیکھا تھا وہ کبھی مشر مندہ عمل نہ ہو سکے گا۔

۴۔ ناگہانی حملہ | ناگہانی حملے سے مراد یہ ہے کہ دشمن پر قطعاً بے خبری میں حملہ کر کے اس کی صفوں میں انتشار اور اس کی تیاریوں میں رکاوٹ پیدا کر دی جائے اور اسے ایسے غصے میں گرفتار کر دیا جائے جس سے ٹپکنے کی کوئی گنجائش اس کی سمجھ میں نہ آ سکے۔

اچانک حملہ کی بدولت دشمن کی تیاریاں درہم برہم ہو جاتی ہیں۔ لشکر کے لوگ ہمت ہار دیتے ہیں اور انہیں چاہنا چاہنا چھوڑنے ہی پڑتے ہیں اس کے مقابلہ حملہ کرنے والے فریق کو بے اندازہ فائدہ پہنچتا ہے۔ دشمن کو ہراساں کر کے اس کے لشکر کے لوگوں کے دل بڑھ جاتے ہیں اور وہ نئے نئے عزم اور حصے کے ساتھ دشمن پر مزید حملوں کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

حضرت عمرؓ بن العاص نے صوبہ فیوم میں اچانک حملوں کے ذریعے اپنا مقصد بہت عمدگی سے حاصل کر لیا۔ انہوں نے اس اقدام سے تمام علاقہ میں خوف و ہراس کی ایک لہر دوڑا دی اور ردی فوجوں کی ہمتیں بالکل پست کر دیں۔

اچانک حملے کے نتیجے ہی میں حنا کی فوج کو مکمل تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔ جب حضرت عمرؓ بن العاص کو پتہ چلا کہ وہ خفیہ طور پر ان کے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ تو انہوں نے اپنی فوج کو حنا کی فوج سے دور ہٹ جانے کا حکم دیا۔ حنا بے فکر تھا کہ عمرؓ بن العاص کی فوج اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ لیکن اسی اثنا میں عمرؓ بن العاص اپنی فوج کو لے کر یکدم پیٹھے اور بے خبری کی حالت میں اس کی فوج پر حملہ کر کے اس کا نیا پانچا کر دیا۔

مصر کے حبیبہ پولیس میں بھی انہی اچانک حملوں کی بدولت حضرت عمرؓ بن العاص نے غایاں کامیابی حاصل کی۔ انہوں نے لڑائی سے قبل اپنا ایک دستہ پہاڑ کی گھاٹی میں اور دوسرا ام دُنین کی کہیں گاہوں میں چھپا دیا اور انہیں ہدایت کر دی کہ وہ اس وقت تک کہیں گاہوں سے باہر نہ نکلیں جب تک

جنگ شدت اختیار کر کے اور مسلمانوں کے مقابلے میں رومیوں کے حوصلے پست نہ ہونے لگیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب طرح طرح کی شدت پیدا ہوئی اور رومیوں کی صفوں میں ضعف کے آثار نمودار ہونے لگے تو حضرت عمرؓ بن العاص کے چہرے ہوتے دستوں نے کہیں لگا ہوں سے نکل کر چاکر رومیوں کے صف پر چھو کر دیا۔ رومی اس اچانک حملے سے سخت بدحواس ہو گئے۔ انہوں نے خیال کیا کہ مسلمانوں کو کہیں سے ملک پہنچ گئی ہے اور اب ان کا مقابلہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ چنانچہ ان کی صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا اور انہوں نے ڈٹ کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے فرار ہونے کو ترجیح دی۔ بیشتر لوگ جان بچا نیدرین مصر کی طرف بھاگ گئے۔ بقیہ لوگوں نے قعر بالیلین میں پناہ لی۔

۵۔ لڑائی میں پہل | اس عنوان کا مطلب یہ ہے کہ دشمن کو حملے کا موقع دینے بغیر آگے بڑھ کر خود اس پر حملہ کر دیا جائے تاکہ اس کی طاقت پیسے ہی تپے میں ضائع ہو جائے اور وہ پٹ کر چھڑ کر نہ رہے۔ کامیاب نہ ہو سکے۔

الفرمانیس، ام دینین اور حبیبہ پور میں سب جگہ حملہ کرنے میں پہل حضرت عمرؓ بن العاص نے کی اس طریقے سے وہ ابتداء ہی میں میدان جنگ پر چھا جاتے تھے اور جنگ کو اپنے حسب مرضی جس جانب چاہتے موڑ دیتے تھے۔ اسی لئے انہیں ہر میدان میں کامیابی نصیب ہوتی تھی۔

حضرت عمرؓ بن العاص نے جنگ میں کبھی دفاعی پہلو اختیار نہیں کیا و دفاعی پہلو کرنے والا ہمیشہ اپنے بچاؤ کی فکر میں ہوتا ہے اسے دشمن پر کسی ضرب لگانے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ ذریعہ مخالف کے جارحانہ اور ناگزیر حملوں کی تاب نہ لا کر دفاعی صلاحیت بھی کھو بیٹھتا ہے اور شکست کھا جاتا ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ بن العاص نے ہمیشہ اپنے آپ کو دفاعی پہلو اختیار کرنے سے پہلے رکھا۔ قوم کے صوبے میں ان کے جارحانہ حملوں نے سارے صوبے میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ رہی تھی اور رومیوں کی نیندیں اس خوف سے حرام ہو گئی تھیں کہ نہ معلوم عمرؓ بن العاص کا لشکر کب ان پر آپڑے گا اور انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دے گا۔

۶۔ نقل و حرکت میں پھرتی | حضرت عمرؓ بن العاص نے دوران جنگ میں جن امور کو خاص طور پر ملحوظ خاطر رکھا ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ سفر کو حتی الامکان نہایت تیزی سے طے کیا جائے۔ غصیلین سے اعریش تک اور دہاں سے الفراء تک کا راستہ بے حد طویل ہے لیکن حضرت عمرؓ بن العاص نے اسے جس قدر تیزی کے ساتھ طے کیا اس سے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

جب انہیں یہ محسوس ہوا کہ ام دینین میں ان کا لشکر خطرے سے خالی نہیں تو انہوں نے اپنے لشکر

کے ہمراہ دریائے نیل کو عبور کیا اور صحرا کو قطع کرتے ہوئے بڑی تیزی سے فیم کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ ام دین سے فیم تک حضرت عمرؓ بن العاص کی نقل و حرکت جس پھرتی اور تیزی سے ہوئی اسے دیکھ کر رومی انگشت بدنداں رہ گئے۔ انہیں یہ گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ عمرؓ بن العاص ام دین کو چھوڑ کر فیم چلے جائیں گے۔ جب حضرت عمرؓ بن العاص کا وہ مقصد جس کی خاطر سے وہ فیم گئے تھے پہلا ہو گیا۔ اور انہیں یہ خبر ملی کہ ان کی امداد کے لئے فوجیں مصر پہنچ گئی ہیں تو وہ اسی تیزی سے ام دین کی طرف چلے جس تیزی سے وہ فیم پہنچے تھے تاکہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے وہ امدادی فوج سے جا کر مل جائیں۔ اگرچہ امدادی فوج تک پہنچنے کے لئے انہیں دریائے نیل عبور کر پڑنا تھا۔ اور دریائے نیل کے کنارے قلعہ بابلیون میں رومیوں کا لشکر تھا جو با آسانی ان کا راستہ روک سکتا تھا لیکن یہ عمرؓ بن العاص کی تیز روی ہی کا ثمرہ تھا کہ رومی یہ سوچتے ہی رہ گئے کہ عمرؓ بن العاص کا راستہ کس طرح روکیں اسی اشارہ میں مصر کا یہ عظیم الشان فاتح اپنا لشکر لے کر دریائے نیل کے پار پہنچ چکا تھا۔

یہ۔ فوجوں کی سلامتی کا خیال | حضرت عمرؓ بن العاص دوران جنگ میں اپنی فوجوں کی سلامتی اور حفاظت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ اور انہیں جان بوجھ کر کبھی ایسے مقامات پر نہ بھیجتے تھے۔ جہاں ہلاکت اور بربادی کا اندیشہ ہو۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ ان کی فوج ہر قسم کے نقصانات سے محفوظ رہے اور اس مقصد اور خواہش کے حصول کے لئے وہ ہر ممکن طریقے استعمال کرتے تھے۔

الفرما پر قبضے کے بعد انہیں اس راستے کی اہمیت کا اندازہ ہوا جو العرش اور الفرما کو ملاتا تھا اور جس پر سے گزر کر وہ الفرما تک پہنچے تھے۔ اگر خدا نخواستہ اس راستے پر رومی دوبارہ قبضہ کر لیتے تو شکست کی صورت میں اسلامی فوجوں کی مصر سے واپسی کا راستہ قطعی مسدود ہو جاتا اور سائیں صحرائے مصر ہی میں اپنی جانیں کھودینے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہتا۔ اس راستے پر رومیوں کے دوبارہ قبضے کی موجودگی میں دوبارہ خلافت سے کسی قسم کی ملک کے پہنچنے کا امکان بھی نہ رہتا اور یہ امر بھی مصر میں قائم اسلامی فوجوں کے لئے سخت خطرات کا موجب تھا۔ کیونکہ ملک پہنچنے کی صورت میں ان کی قوت مدافعت آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی۔

ان تمام امور پر غور کرتے کے بعد حضرت عمرؓ بن العاص اس نتیجے پر پہنچے کہ قلعہ الفرما کی فصیول اور عمارتوں کو بالکل منہدم کر دیا جائے تاکہ دوبارہ قبضے کی صورت میں رومی اس قلعے سے کسی طرح کا فائدہ حاصل نہ کر سکیں اور ان کے لئے قلعے پر قبضہ کرنا بالکل بے کار ثابت ہو۔ ساتھ ہی انہوں نے ان کشتیوں کو بھی نذرِ تاش کرنے کا حکم دے دیا جو الفرما کی قریبی بندرگاہ میں ٹکرا اندازہ تھیں۔ اس کاروائی

کا مقصد بھی یہی تھا کہ دشمن ان کشتیوں کو کسی طرح بھی مسلمانوں کے مقابلے میں استعمال نہ کر سکے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ ہنزہ عربوں کو بحری جنگوں کا مطلق تجربہ نہ تھا اور وہ جنگوں کے دوران میں کشتیوں اور جہازوں سے کام لینے اور انہیں جنگی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کے فن سے بالکل ناواقف تھے۔ اس صورت میں مناسب طریقہ وہی تھا۔ جو حضرت عمرؓ بن العاص نے اختیار کیا۔ یعنی انہیں آگ لگانے کا حکم دے دیا۔ تاکہ اگر عرب اپنی ناواقفیت کی وجہ سے کشتیوں کو کا حقہ استعمال کرنے سے قاصر رہیں تو رومیوں کو بھی ان سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانے نہ دیا جائے۔

حضرت عمرؓ بن العاص تھے ان لوگوں سے جو مقوقس کی جانب سے صلح کا پیغام لے کر آئے تھے کہا تھا:-

”مجھے دھکا دینے کی کوشش مت کرنا کیونکہ مجھ جیسے آدمی کو دھکا نہیں دیا جاسکتا“

رومیوں کو اس قریٰ کی صداقت اس وقت معلوم ہوئی جب ارطبلوں نے بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ جرمیکل کانٹے سے پوری طرح لیس تھا۔ بلیس میں مقیم حضرت عمرؓ بن العاص کی فوج پر بے خبری کی حالت میں اچانک حملہ کیا لیکن چونکہ اسلامی سپہ سالار کو فوج کی سلامتی کا بے حد خیال تھا اس لئے وہ ہر وقت اسے چرکنا رکھتا تھا تاکہ کوئی دشمن بے خبری کی حالت میں حملہ کر کے اسے نقصان نہ پہنچا سکے یہی وجہ تھی کہ جب ارطبلوں نے اپنی عظیم الشان فوج کے ساتھ اسلامی لشکر پر حملہ کیا تو اس نے اسے مقابلے کے لئے پوری طرح تیار پایا۔ بڑے دور کا رن پڑا جس میں ارطبلوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا اس کے ایک ہزار آدمی مقتول ہوئے اور تین ہزار قیدی بنائے گئے۔

ام دین میں حضرت عمرؓ بن العاص نے جنگی کارروائیوں کا آغاز کرتے ہوئے فوجوں کی حفاظت اور سلامتی کو خاص طور پر ہمیشہ نظر رکھا اور اس امر کے خاص طور پر انتظامات کیے کہ ان کی فوجوں کو کسی قسم کے نقصان اور تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اپنے لشکر کو ام دین میں قیوم لے جانے کا سب سے بڑا سبب بھی یہی تھا کہ ام دین میں قیام کرنے سے حضرت عمرؓ بن العاص کو اپنی فوجوں کے لئے سخت خطرہ محسوس ہوتا تھا۔ چنانچہ اس خطرے کے پیش نظر انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ فوجوں کو وہاں سے ہٹا کر قیوم منتقل کر دیا جائے۔

حنا کے دسے پر حملہ کر کے اسے موت کے گھاٹ اتارنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ اسلامی فوج ہر طرح خطرے سے محفوظ ہو جائے۔ اور حنا مسلمانوں کا کوئی راز رومیوں تک پہنچا کر انہیں نقصان پہنچانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

جب حضرت عمر دین العاص کو حضرت ذبیح بن العوام کی نیرتیا دت امدادی فوج کی آمداد کا حال معلوم ہوا تو انہیں غدشہ پیدا ہوا کہ کہیں رومی اس کا راستہ روکنے کی کوشش نہ کریں۔ مدد رک جانے کی صورت میں انہیں زبردست نقصان اٹھانا پڑتا اور مصر کی فتح کے جو منصوبہ انہوں نے اپنے دل میں سوچ رکھے تھے ان سب پر پانی پھر جاتا اور رومی ان کی مختصر فوج کو گھیرے میں لے کر بالکل تباہ کر دیتے لہذا وہ فوراً اپنی فوج کو لے کر پیٹھے اور دریائے نیل کو عبور کر کے حبشہ پر لپس ہیں امدادی فوج کے ساتھ مل گئے۔ عزم استقلال | یہ امر واضح ہے کہ حضرت عمر دین العاص کی زمیں مضبوط عزم دار اور اس کی ہلک ٹھیلی اور ایک عجیب جوش اور دلہلے کے ساتھ میدان جنگ میں دشمنوں کا مقابلہ کرتی تھیں عمر دین العاص ساٹھ تین ہزار فوج کے ہمراہ مصر روانہ ہوئے تھے جہاں انہیں ایک عظیم الشان فوج سے مقابلہ درپیش تھا۔ لیکن انہوں نے کسی مرتع پر ذرا بھی گھبراہٹ کا اظہار نہ کیا اور ہر مرتبہ نئے عزم و دلولہ کے ساتھ دشمنی کا مقابلہ کیا تمام معرکوں میں جو انہیں دو پیش آئے ان کے دشمنوں کی تعداد ان کے لشکر سے کہیں زیادہ تھی لیکن اس کے باوجود وہ تمام لڑائیوں میں کامیاب ہوئے۔ ان کی کامیابی کی اصل وجہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں یہ تھی کہ عزم و استقلال، صبر و استقامت اور جہد و جہد کے لحاظ سے ان کا پیمانہ کے دشمنوں پر بہر طرح بھاری تھا۔ اسی چیز کی کامیابی و کامیابی کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ وہ خوف و خطر کو دل میں لائے اور تردد و ضعف کا اظہار کئے بغیر دشمن کا مقابلہ کرتے تھے اور ان کے دشمنوں کو یہ چیز حاصل نہ تھی۔ ایک قبطی نے مسلمانوں کے عزم و استقلال کی تعریف بڑے جامع الفاظ میں کہنی تھی اُس سے اُس کے ساتھی نے کہا تھا۔

”مجھے ان عربوں پر تعجب آتا ہے۔ ان لوگوں نے تکت تعداد کے باوجود مصر پر حملہ کیا ہے اور ان کا عزم یہ ہے کہ رومیوں کی عظیم الشان افواج سے نبرد آزما ہوں۔“
اُس نے یہ سن کر جواب دیا۔

”یہ لوگ جب کسی قوم سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں تو اُس وقت تک بس نہیں کرتے جب تک اس پر پورے طعنہ پر غالب نہ آجائیں اور دشمنوں کو چن چن کر قتل نہ کر دیں۔“
”آپ آگے بڑھیے آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں فتح عطا فرمائے گا۔“

ام وین کی لڑائی کے دوران میں عمر دین العاص نے دیکھا کہ ان کی فوج کے بعض آدمی جنگ سے پہنچتی افیتہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے کہا۔

ان کلمات کا ان کی فوج پر بے حد اثر ہوا اور لشکر کا ہر شخص لڑائی میں ایک دوسرے سے گونے سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت زبیرؓ کو عمر بن العاصؓ کی مدد کے لئے بھیجا چاہا۔ انہوں نے انہیں بلا کر پوچھا۔
”کیا آپ کو مصر کی حکومت کی آرزو ہے؟“

حضرت زبیرؓ نے جواب دیا:-

”مجھے حکومت کی کوئی خواہش نہیں۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور
مسلمانوں کا تعاون و مددگار بنوں۔“

کتاب الفتوحات الاسلامیہ (جلد اول صفحہ ۵۵) میں مذکور ہے کہ شہنشاہ روم نے
مقوقس کو لکھا:-

”عربوں نے بارہ ہزار کی جمیعت کے ساتھ تم پر حملہ کیا ہے۔ تمہارے پاس مصر اور اسکندریہ میں
ایک لاکھ سے زیادہ فوج ہے جو اسلحہ سے ہر طرح لیس ہے عربوں کی تعداد بھی قلیل ہے۔ اور وہ
تبی دست بھی ہیں جس کا تمہیں اچھی طرح علم ہے لہذا ان سے لڑنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کرنا۔“
جب شہنشاہ روم کا یہ خط مقوقس کو ملا تو اس نے کہا:-

”خدا کی قسم! عرب اپنی قوت اور ضعف کے باوجود ہم طاقتور اور کثیر التعداد لوگوں کے مقابلے
میں زیادہ کامیاب ہیں ان کا ایک شخص ہمارے سو آدمیوں کے برابر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موت ان
کی نظر میں زندگی سے زیادہ محبوب ہے وہ لوگ جب نژاد کے لئے دھانہ ہوتے ہیں تو ان میں سے
ہر شخص کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کے پاس زندہ واپس نہ جائے۔ ان کا اعتقاد ہے کہ اگر
وہ میدان جنگ میں مارے گئے تو سیدھے جنت میں جائیں گے۔ لہذا ان میں سے ہر شخص جان و ثمن
لڑتا ہے۔ لیکن ان کے بالمقابل ہم لوگ موت سے ڈرتے ہیں اور زندگی کی آسائشوں پر دل و جان سے
فریفتہ ہیں لہذا اس صدمت میں ہم کیسے ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور ان کے مقابلے میں میدان جنگ میں
کس طرح صبر و استقلال کا مظاہرہ کر سکتے ہیں؟“

حضرت زبیرؓ کے قتل اور مقوقس کی راستے سے اس امر کا واضح ثبوت مل جاتا ہے کہ مسلمانوں کو جہاد
کا کس قدر دہشہ اور اللہ اور دین اسلام کے راستے میں اپنی جانیں قربان کرنے کا کس قدر جوش و شوق تھا۔
ان میں سے کس کس کے پیش نظر ذاتی مصیبت نہ ہوتی تھی بلکہ ہر شخص دین اسلام کی سر بلندی کی خاطر لڑتا تھا اور
بڑی خوشی سے اس راہ میں اپنی جان قربان کر دیتا تھا۔ کوئی موت کے خوف کو پاس بھی نہ پھکنے دیتا تھا بلکہ
شہادت اور فتح مندی کے شوق میں دشمن سے پوری جواں مردی کے ساتھ لڑتا تھا۔

مسلمانوں کے بالمقابل یومیوں پر ضعف و کمزوری۔ تردد اور خوف و ہراس کا غلبہ رہتا تھا جنگی روح

کا ان میں نام و نشان تک نہ رہا تھا۔ ان کے عزائم پسادس پڑ گئی تھی اور ان کے دل لے سرور پڑ گئے تھے ایسی صورت میں انہیں فتح مندی اور کامیابی کیے نصیب ہو سکتی تھی کامیابی ہمیشہ جبر و استقلال جو انہیں دی و شجاعت دلیر کا اور بے خبری کے باعث حاصل ہوتی ہے اور یہ نعمتیں رومیوں کو میسر نہ تھیں۔

رومیوں کے موقف پر ایک نظر اس وقت جبکہ عرب فتوحات پر فتوحات حاصل کر رہے تھے اور مصر کو فتح کرنے کے لئے ہر ممکن ذرائع سے کام لے رہے تھے۔ رومی پہ در پہ خطرناک غلطیوں کے مرتکب ہو رہے تھے اور ان سے ایسے افعال صادر ہو رہے تھے جو جنگی ربح سے قطعاً مناسبت نہ رکھتے تھے ان میں اتنی طاقت تھی کہ وہ عربوں کا کامیابی سے مقابلہ کر سکتے اور جنگی توازن کو اپنے حق میں برقرار رکھنے اور پہلے در پہلے فتوحات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ تمام حالات کلی طور پر ان کے موافق تھے۔ جنگ ان کی سر زمین پر لڑی جا رہی تھی اور وہ اپنے دشمنوں کی نسبت ٹہاں کے حالات سے بہت زیادہ واقف تھے۔ اس کے علاوہ وہ ہر جنگ میں عربوں کے مقابلے میں بھاری آسانی مطلق میسر نہ تھی۔ ذیل میں ہم ان موٹی موٹی غلطیوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو مسلمانوں سے جنگ کے دوران میں رومیوں سے صادر ہوئیں۔

۱۔ وہ غلطیاں جن کے رومی مرتکب ہوئے | جب رومیوں کو عمر بن العاص کی آمد اور سرحد عبور کر کے ان کے الفراء کی جانب پیش قدمی کا علم ہوا قرآن کی قیادت نے انہیں مقیم رومی فوج کی مدد اور مسلمانوں کا راستہ روکنے کیے لئے کوئی لشکر نہ روانہ کیا۔ بلکہ یہ خیال کر لیا کہ انہیں مقیم رومی فوج مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کیے لئے کافی ہے حتیٰ کہ جب شہر کا محاصرہ طویل پڑ گیا تب بھی رومی قیادت نے محصور فوج کی مدد اور مسلمانوں کو شہر سے ہٹانے کے لئے کوئی لشکر بھیجنے کی تکلیف گوارا نہ کی۔

۲۔ انہیں سے طلبیس تک حضرت عمر بن العاص کی پیش قدمی کے دوران میں عربوں اور رومیوں کے درمیان کوئی معرکہ پیش نہیں آیا۔ اور رومیوں نے نہ صرف مسلمانوں کا راستہ روکنے کی کوئی کوشش نہ کی بلکہ مصر کے اندرونی علاقوں میں ان کی پیش قدمی کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ حتیٰ کہ موضعین بھی رومیوں کی اس عظیم الشان فروگزاشت پر حیرت و استعجاب کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے۔

۳۔ فہم کے صوبے میں حضرت عمر بن العاص نے کئی ہفتوں تک فوجی کاؤوائی جاری رکھی لیکن رومیوں نے یہ لمبا عرصہ نہ صرف بالکل ضائع کر دیا بلکہ انہیں اس دوران میں بھاری نقصانات سے دوچار کر دیا۔ انہوں نے اس دفعہ سے فائدہ اٹھانے کی کوئی کوشش نہ کی اگر وہ چاہتے تو حضرت عمر بن العاص کی

فوجوں کے مقابلے میں اثنائی موقف اختیار کر سکتے تھے لیکن انہوں نے اس کی بجائے منفی موقف اختیار کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کو قیوم میں کثیر مال قیمت حاصل ہوا اور انہوں نے پورے علاقے میں دہشت و اضطراب اور خوف و ہراس کی لہر دوڑادی مزید برآں مسلمانوں نے خاک کے دستے کا بھی تلخ قہقہہ کر دیا۔

۴۔ جب حضرت زبیر بن عوام کی قیادت میں عربوں کا امدادی فوج مصر پہنچی تو مصری بڑی آسانی سے اسے عمر بن العاص کی روح کے ساتھ مٹنے سے روک سکتے تھے اسی طرح وہ حضرت عمر بن العاص کو دریائے نیل عبور کرنے سے بھی روک سکتے تھے لیکن انہوں نے ان موقعوں سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کی اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے اسی طرح قیوڈوڑ میں اتنی طاقت تھی کہ وہ یکے بعد دیگرے امدادی فوج اور عمر بن العاص کے لشکر پر حملہ کر کے ان کا قہقہہ کر دیتا۔ لیکن اس نے یہ بھی نہ کیا۔ اور حضرت عمر بن العاص کو خندہ دریائے نیل عبور کر کے حلیہ پولیس میں مقیم امدادی فوج تک پہنچنے کا موقع فراہم کر دیا۔

۵۔ حلیہ پولیس کی جگہ سے قبل رومی باغیوں میں قلعہ بند تھے۔ حضرت عمر بن العاص کی کوشش یہ تھی کہ رومیوں کو کھلے میدان میں نکل کر قلعہ سے دور مقابلہ کرنے پر مجبور کیا جائے۔ حضرت عمر بن العاص اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے اور رومی اپنے قلعے سے بہت کھلے میدان میں نکل کر مسلمانوں سے نیرو آزما ہوئے۔ اس طرح وہ ان فائدہ سے محروم ہو گئے۔ جو قلعہ کے قریب یا قلعہ میں رہ کر مقابلہ کرنے میں انہیں حاصل ہوتے۔ جب جنگ شروع ہوئی تو اسلامی فوجوں نے اس طرح ان پر تباہ توڑ حملے کیے کہ انہیں فرار ہوتے ہی بن پڑی اور وہ دوبارہ شہر میں گھس کر قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔

رومیوں کو کئی ندیوں کا قہقہہ ہوتا تھا جس سے اگر وہ فائدہ حاصل کرنا چاہتے تو آسانی کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے تمام موقعوں کو گنوا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں ہر موقع پر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور مسلمان ان پر غالب آتے چلے گئے۔

(۳)

تسخیر بابلیون

”ہمارے اور تمہارے درمیان صلح و جنگ کی صورتیں غلط ہیں“

۱۔ دین اسلام میں داخل ہو کر ہمارے برابر کے بھائی

بن جاؤ۔ اور جملہ حقوق میں ہمارے شریک رہو۔

۲۔ یہ منظور نہ ہو تو اپنی بالادستی ختم کر کے خلافت اسلامی

کی حمایت اور حفاظت میں آ جاؤ۔ اس صورت میں حفاظت

کا بہت قلیل معاوضہ ملے گا کہیں ہر پابندی سے آزاد کر دیا

جائے گا۔ بشرطیکہ حکومت کے وفادار رہو۔

۳۔ اگر بھی نہ کرنا چاہو تو پھر آخری فیصلہ اللہ کی طرف سے

جہاد کے میدان میں کر دیا جائے گا....

(عمر دین العاص - معروض سے)

عام موقف | طلیحہ پولیس میں عرب فتح یاب ہو چکے ہیں۔

رومی سمندر کی جانب فرار کا راستہ اختیار کر رہے ہیں۔

عرب اشریب اور منوف کے شاداب علاقوں کو فتح کر کے اپنی حکومت کا جال پوری سرزمین مصر پر پھیلا چکے ہیں منسرد العین پر ہر جگہ خوف و ہراس اور مسلمانوں کا رعب طاری ہے۔ اور وہ اپنا حال و متاع اور جاگیر و وطن سب کچھ چھوڑ کر اسکندریہ کی طرف سمٹتے جا رہے ہیں۔

ان حالات میں عمرو بن العاص کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ ان شکست خوردہ فوجوں اور جھڑپوں کے تعاقب میں اسکندریہ کا رخ کرے۔ لیکن اس کے راستے میں دور کاوٹیں حاصل ہیں۔ پہلی رکاوٹ یہ ہے کہ اگست کا مہینہ ہے۔ موسم سخت گرم اور نا سازگار ہے۔ دریا سائے نیل میں طغیانی شروع ہو چکی ہے۔ پانی تیز رفتاری کے ساتھ بڑھتا اور پھیلتا جا رہا ہے جس کی وجہ سے اس علاقے میں کسی قسم کی فوجی نقل و حرکت ممکن نہیں رہی۔

دوسری رکاوٹ یہ ہے کہ قلعہ بابیون میں رومی افواج کی کثیر تعداد موجود ہے اور یہ پاست مصارع جنگ کے سراسر خلاف ہے کہ ایک معقول فوجی طاقت کو اپنے عقب میں چھوڑ کر اسکندریہ کا رخ کیا جائے۔

اب حضرت عمرو بن العاص کے لئے مندرجہ ذیل دو باتوں میں سے ایک کا اختیار کرنا ضروری تھا۔

۱۔ پہلے قلعہ بابیون کو فتح کر کے اپنے عقب کو حملہ سے محفوظ کر لیں۔ اور پھر اس کے بعد اسکندریہ کا رخ کیا جائے۔

۲۔ یا یہ کہ اپنی طاقت کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ بابیون کے لئے چھوڑ دیا جائے اور دوسرا حصہ اسکندریہ روانہ کر دیا جائے۔

لیکن ان کی فوج اتنی زیادہ نہیں تھی کہ اسے دو اہم محاذوں پر تقسیم کیا جاسکتا۔ پھر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ رومی افواج اپنی کثرت تعداد کے باوجود اس غیرت و حمیت کی بنا پر جو اس کے اندر مختلف میدانوں میں شکست کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے۔ اس قلعہ کی حفاظت میں کوئی رقیہ فروگذاشت نہیں کریں گی۔ اور اگر عرب کسی نہ کسی طرح قلعہ کے اندر داخل ہو بھی گئے تو قلعہ کے اندر انہیں موت

۱۔ اب اس کا نام قصر نشیع ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ فتح کے وقت اس کا نام قطی نہان میں بابیون کا بھی
۲۔ بابیون مصر تھا۔ ابن عبد العزیز نے اس کا نام باب ایون لکھا ہے۔ ایک دوسرے قول میں اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ بیزنطینیوں نے بابل کے قیدیوں کی ایک جماعت کو یہاں رکھا تھا۔

کی جنگ لڑنی پڑے گی۔ اس کے ساتھ ان کی نگاہ تیسوس کا اندازہ بھی لگا رہی تھی کہ اس وقت وہ میں
کا جگہ متا د محاصرہ کے طبل ہیں ہے تاکہ ہر قل اس دوران میں ان کے لئے اسکندریہ سے مزید فوجی امداد
بہم پہنچا سکے۔ اس لئے عمرتین العاص نے اپنی پوری فوجی طاقت سے تھوڑے بائیںوں کا قبضہ کر لیا۔
میدان جنگ کا جغرافیہ | دوران حیات قیدی میں لکھا ہے کہ اس قلعہ کو بخت نصر نے اُس وقت تعمیر کیا تھا
جب اس نے مصر پر حملہ کیا تھا اور اسی نے اس کا نام اپنے پایہ تخت بائیںوں کے نام پر قلعہ بائیںوں رکھا تھا
اس کے بعد شاہ ورمز پانچویں نے قلعہ کی بنیادوں پر مزید تعمیر کا اضافہ کر کے نہ صرف یہ کہ اُسے
ایک نہایت مضبوط قلعہ بنا دیا بلکہ اس کے اندر سپاہی کے ایک بہت بڑے ذخیرے کا بھی بندوبست کر
کر دیا اور یہ پچیسویں سن میں پہلی جب اتفاق سے عیسوی صدی کا بھی آخری سال گزر رہا تھا۔ آج کل
اس مقام کو مصر قدیم کہا جاتا ہے۔

بیسویں صدی کے ادائن تک اس قلعہ کے تین حصے موجود تھے۔ اور اب تران میں سے بھی ایک
منہدم ہو کر صرف دو باقی رہ گئے تھے۔

قلعہ کی فصیلیں اٹھارہ تدم چڑی اور غیر مستطیل شکل میں قلعہ کا احاطہ کرتی ہیں تعمیر میں پتھر اور لاشیں
دو فل باری باری منزل دار لگائی گئی ہیں۔ قلعہ کی پیمائش مترین نے نہیں مکی قلعہ کے اندر دیاتے تل کی
ایک اندازہ گاہ بھی باقی گئی تھی جس کے نشانات مقررین کے زمانہ تک موجود رہے۔ قلعہ کے اندر متعدد
کینول مشابہتیں اور کینول معلقہ دیکھ کر بھی مقررین ہی کے شک پڑ جاتا ہے قلعہ کے مدھے جو آج
تک باقی ہیں جزلی اور مشرقی ہیں جن میں باہر کی طرف نکلے ہوئے چار برج تعمیر تھے۔ اور ان چاروں کا
باجی تاحہ کیساں نہیں تھا۔ ماضی قریب تک ان چاروں سے تین موجود تھے۔ اور اب ان میں سے ایک

مک مورشہ دستور کا بیان ہے کہ اس قلعہ کو شاہ قبیز نے جنگ فارس کے زمانہ میں تعمیر کیا تھا۔
مک میران حاتق قیدی کے مطابق یہودیوں نے جب اسکندریہ پر حملہ کیا تو شاہ و تراچان نے ان کی
سرکوبی کے لئے مقررین کی سرکردگی میں ایک عظیم فوج روانہ کی۔ اور پھر خود مصر آکر اس قلعہ کو تعمیر کیا۔ اور قلعہ
کے اندر ایک نہایت ہی مستحکم حفاظت گاہ بنا کر اس میں پانی کی دانر مقدار کا انتظام کیا۔
ستہ یوسہین مورشہ بشرکہ لکھتا ہے کہ اس وقت جو اس کو قاہرۃ القدیمرہ کہا جاتا ہے یہ غلط ہے اس کی بجائے اس کا
صحیح نام یہی نام مصر القدیمرہ ہے۔

نک یہ روایت ابوصالح نے خطوط سے نقل کی ہے۔ (ذیل الکتاب ص ۲۵۵)

منہدم ہو کر صرف وہ دو برج باقی رہ گئے ہیں جو اپنے درمیان ایک بڑے عالی شان دروازے کو اپنے
جوستے ہیں اور اس کے اظہار و حفظ کا سہرا و سرخ آئنا و قدیمہ آئیں ہر تیز کے سر ہے۔ قلعہ کی تعمیر کے وقت
چوڑے دریا نے نیل کی ویداروں سے ٹکراتا ہوا بہتا تھا اور اس میں کشتیاں چلائی جاتی تھیں اس لئے اس
سمت میں کوئی برج نہیں بنایا گیا۔

قلعہ کا ایک دروازہ نیل کی جانب بھی تھا۔

فصیل کی بلندی ساٹھ قدم تھی۔

کتاب (Ancient Coptic Churches) کے بیان کے مطابق اس قلعہ کی بلندی
کا یہ حال تھا کہ قلعہ کے اوپر سے دیکھا جاتا تو ملکہ سیدی شہر عین شمس تک پہنچ جاتی تھی
قلعہ کی جگہ اہمیت کو جزیرہ روضہ نے جس میں متعدد قلعے بنے ہوئے تھے کئی گنا بڑھا دیا تھا یہ جزیرہ
دریا نے نیل کے عین وسط میں واقع ہونے کی وجہ سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے دریا پر سوار ہے اور
نیل کی باگیں پر سی طرح اس کے قابو میں ہیں۔

کتاب (Coire Fifty Years Ago) کے مطابق عرب قلعہ با بلیون کے محاصرہ
کے دوران میں جزیرہ پر پہلے قبضہ کر چکے تھے۔

قلعہ کے منافات میں وسیع زراعتی فارم، باغات، انگو رستان، کینسوں اور گر جیل کا طویل
سلسلہ اس مقام تک چلا گیا تھا جہاں آج جامع ابن طولک اور قلعہ کیش واقع ہیں
رومی محاذ رومیوں نے قلعہ بند ہو کر مدافعتاً جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا ان کے اس فیصلے کی تائید
مندرجہ ذیل اسباب نے کی۔

۱۔ فصیل کی مضبوطی، ۲۔ برجوں کا استحکام ۳۔ موسم گرما کی شدت ۴۔ اور قلعہ کے چاروں طرف
پانی سے بھری ہوئی خندق۔

رومی یقین رکھتے تھے کہ مسلمان ان زبردست راکٹوں کو عبور کر کے قلعہ تک پہنچنے میں ایک طویل

سلاہ آج بھی قلعہ کے اوپر چڑھ کر دیکھا جائے تو ملکہ عظیم جینز اور صحرا کا شاہد کرتی ہوئی دریا نے نیل سے کافی فاصلہ تک
پہنچ جاتا ہے۔

۳۔ فصل ۱۳۔ ابن دقاق اس کی تائید کرتا ہے۔

۴۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ آج بھی موجود ہیں۔ کچھ قاصدوں کی فصیل کے اندر واقع ہیں اور کچھ باہر مقررہ ہی راہی ہے کہ
سلطان ناصر بن قلاوین نے چودھویں صدی میں ان میں سے بیشتر کو منہدم کر دیا تھا (خطبہ عبدالعزیز ۱۲۸۵ھ)

مذہب تک کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ امداس دو زبان میں یقیناً اسکندریہ سے ہمارے لئے فوجی امداد پہنچ جائے گی۔

عربی محاف حضرت عمرؓ نے غیر موافق حالات کے باوجود قلعہ کے محاصرے کا فیصلہ کر لیا۔ اور یہ سوچ کر کیا کہ دریا کی طغیانی زیادہ سے زیادہ ایک دو ماہ تک رہے گی اور اتنے عرصہ میں ہم دیوہیل پر نفسیاتی اثر ڈالنے اور ہاتھیں کمزور کرتے رہیں گے۔ پھر جب طغیانی ختم ہو جائے گی اور اس کے ساتھ ساتھ خندق کا پانی بھی معمول پر آجائے گا تو ہمارے لئے قلعہ میں داخل ہونے کا راستہ کھل جائے گا۔ باقی رہا اسکندریہ سے مدد کا اندیشہ۔ اس کی طرف سے ان کا دل مطمئن تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ اگر قلعہ کی خندق عربوں کو نہ مل سکتی ہے تو باہر سے آنے والے ردیوہیل کو بھی داخلہ سے روک سکتی ہے۔

قلعہ کا استحکام | قلعہ کی تمام فوج ردیوہیل پر مشتمل تھی اور جو قلعہ کے سے قبلی تھے وہ ردیوہیل کے گویا غلام تھے اور مردِ عجمی اس بات پر اتفاق ہے کہ موقوتس شمسہ کے شروع ہی سے قلعہ میں موجود تھا۔ اور قیوٹس کا بھی عجمی شمس کی جنگ تک تو یہاں ہونا ثابت ہے۔ البتہ محاصرہ کے وقت اس کی موجودگی سے تاریخ فاروقیؓ

قلعہ کی کمان دو شخصوں کے سپرد تھی محمودی قائد قیرس تھا جو ہر طرف کی طرف سے مصر کا دائرہ راستے بھی تھا۔ دوسرا قائد غیر عجمی تھا۔ جس کے پیرو فوج کا انتظام تھا۔ ان دو کے علاوہ بھی دو حقیقی عجمی اور دو قیافوس اور دو متیافوس قیادت کے منصب پر فائز تھے۔

فوج کی تعداد پانچ چھ ہزار کے قریب تھی جس کے لئے ان کے پاس خدال اور سند کے دافر ذخیرے موجود تھے۔ عام مصریوں اور گریجا کے بحار دیوں کی کثیر تعداد کو نیل کے راستے پہنچے ہی خارج کیا جا چکا تھا تاکہ ان کی جگہ مزید فوج رکھی جاسکے۔

محاصرہ | بالآخر عربوں نے قلعہ کا محاصرہ کر کے ردیوہیل کو قلعہ بند کر دیا۔ ردیوہیل نے قلعہ کے اندر سے مخفیقول کے ذریعہ سلافل پر سنگباری شروع کر دی جس کے جواب میں سلمان بھی تیرا مدد پتھر

۱۔ ابن عبدالحکم، یا قوت، ابن بطریق، مقریزی اور ابوالمحاسن

۲۔ مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ بطریق قیرس تھا

۳۔ ہو سکتا ہے کہ وہ محاصرہ میں شامل ہوا۔ پھر شکست خوردہ سپاہ کے ساتھ اسکندریہ کی طرف فرار کر گیا ہو۔

۴۔ شاید اعرج جرج کی بڑی بھتیجی تھی۔

پھیلے رہے۔ اگرچہ بظاہر حالات امیدوں کی منگ باری مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت سخت تھی مسلمانوں کی ثابت قدمی اور سخت جانی نے آخر کار مسلمانوں کی بہتری کو بہت اور جوصلوں کو شکست کر دیا۔ صلح کی بات چیت | جب امیدوں نے یہ دیکھا کہ عربوں نے نہایت استقلال کے ساتھ محاصرہ کا ایک جہیزہ گزار دیا ہے۔ اس دوسری طرف بیل کی طغیانی اور خندق کی سطح آب بھی اُترتی شروع ہو گئی نیز اسکندریہ کی طرف سے جس فوجی امداد کا ہمیں انتظار تھا وہ بھی نہیں آئی اور محاصرہ ہے کہ بدستور قائم اور وبال جان بنا ہوا ہے۔ تو سالار قیرس نے آنے والے خطرے کو اپنے سے بہت قریب پایا اور پہلے ہی سنجیدگی کے ساتھ معاملہ پر غور کرنے لگا۔

اکتوبر ۱۹۱۷ء میں اُس نے اپنے زیرِ اعتماد سرداروں اور سب سے بڑے پادری ملکائی کو مشورہ کے لئے جمع کیا اور صورتِ حال ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

یہ عرب ہماری افواج کا پہلے ہی خاتمہ کر چکے ہیں اور اب ہمیں بھی گھیرے میں لے لیا ہے مزید بڑوں یہ کہ ان کے پاس صحرا عرب سے تازہ دم امداد اور بھی آنے والی ہے۔ جس سے ان کی طاقت میں بہت زیادہ اضافہ ہو جائے گا۔ لہذا میری رائے یہ ہے کہ ان سے صلح کی گفت و شنید کا آغاز کیا جائے۔ امدادیں کام کے لئے میں خود بنفس نفیس تیار ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میں ان کے سامنے گرانقدر مال پیش کر کے نہ صرف یہ کہ موجودہ محاصرہ کو ختم کر اسوں گا۔ بلکہ سابق مقبوضہ علاقوں کو بھی واپس لے کر آؤں گا۔

اس مشورہ کی روشنی میں علیٰ منصوبہ بنایا گیا کہ مقوقس چند ساتھیوں کو لے کر خفیہ طریقہ سے جزیرہ رومہ جائے اور عمر ذہن العاص سے مجوزہ شرائط کے مطابق بات چیت کرے۔

چنانچہ وہ جزیرہ سے پہنچ گئے اور وہاں سے قلعہ کے بڑے پادری نے عمر ذہن کو مندرجہ ذیل مراسلہ بھیجا۔
تم لوگ ہمارے ملک میں داخل ہو کر ایک عرصہ سے ہمارا خون پی رہے ہو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ روسی سپاہ لاطینیہ اٹل، کیل کاشے سے عیس ہو کر تمہاری مزاج پرسی کے لئے روانہ ہو چکا ہے۔ وہ تمہیں ایک طرف سے اپنے اور دوسری طرف سے دیپائے نیل کے گھیرے میں لے کر تمہیں سے ایک ایک کو گرفتار کرے گا۔ اور تمہاری ساری امیدوں اور امنگوں کو خاک

لے قلعہ کا دریائے نیل میں کھنڈر والا ڈلا دی دمازہ کھل دیا گیا۔ نکلنے والوں نے کشتیوں پر سوار ہو کر جزیرہ کو چھوڑ دیا اور جارج کو قیرس کی مددگی کے متعلق اخطائے ملاز کا پرلاؤدہ مار بنا کر قلعہ میں چھوڑ دیا گیا۔

میں ملا کر رکھ دے گا۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اپنی سفارت ہمارے پاس پہنچے تاکہ ہم گھٹ و شنید کے ذریعہ کسی ایسے نتیجہ تک پہنچ سکیں جو فریقین کے لئے قابل قبول ہو اور وہ جنگ کے خاتمہ کا ذریعہ بن جائے اور بہتر ہے کہ یہ کام رومی افواج کے یہاں پہنچنے سے پہلے مکمل ہو جائے۔ ورنہ ان کے آجائے کے بعد پھر مصالحت کا کوئی بھی امکان باقی نہیں رہے گا۔

عمرو بن عاص نے مقوقس کے سفیروں کو دو دن تک روکے رکھا۔ اور آزادی کے ساتھ اپنی فوج میں چلنے پھرنے اور لشکر کی شان و شوکت سے باخبر ہونے کا موقع دیا۔

مقوقس نے جب دیکھا کہ سفیر واپس نہیں آتے تو وہ ان کے بارے میں اندیشہ میں پڑ گیا۔ اور اس نے اپنے ساتھیوں سے اس کا اظہار کر دیا۔ یہ لوگ کس قسم کے ہیں کہ سفیروں تک کو قید یا قتل کر دیتے ہیں۔ تیسرے دن عمرو نے ان سفیروں کو اپنا مندرجہ ذیل جواب دے کر واپس کر دیا۔

”میرے اور تمہارے درمیان صلح و جنگ کی صرف تین شرطیں ہیں۔ ۱۔

۱۔ اسلام میں داخل ہو کر ہمارے بھائی بن جاؤ۔ اور تمام حقوق میں ہمارے برابر کے شریک ہو جاؤ۔

۲۔ یہ نہ مانو تو پھر اپنی بالا دستی ختم کر کے ہمارے باج گزار بن کر رہو۔

۳۔ اس کو بھی منظور نہ کرو تو پھر میدانِ جہاد میں نکل آؤ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان خود فیصلہ کر

دیں گے اور وہی بہتر فیصلہ دینے والے ہیں۔“

مقوقس نے اپنے سفیروں سے عربوں کے متعلق معلومات حاصل کیں تو ان کے سردار نے مندرجہ

ذیل جواب دیا۔

”ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا جنہیں زندگی سے زیادہ موت اور بڑائی سے زیادہ عجز و انکساری

پست ہے۔ کسی ایک کو بھی ان میں سے دنیا کی طرف رغبت نہیں، مٹی پر بیٹھ جاتے اور

گھٹنوں کے اوپر رکھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ ان کا سردار بھی خود ان ہی جیسا ہے، نشان میں

کوئی اونچا ہے نہ نیچا اور نہ ہی ان کے آقا اور غلام کے درمیان کوئی تمیز کی جاسکتی ہے۔ نماز

کا وقت آ جاتا ہے۔ تو سب کے سب پانی سے منہ۔ ہاتھ اور پاؤں دھو کر شریک ہو جاتے

ہیں۔ اور ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہتا۔ اپنی غائز میں بھی وہ عاجزی اور انکساری کا

اظہار کرتے ہیں۔“

مقوقس نے اپنے سفیروں کی یہ باتیں سنیں تو یہاں تک متاثر ہوا کہ پھر اس اعتراف کے اُسے کچھ نہ بڑھا۔

”قسم ہے اُس فات کی جس کی قسم کھائی جاتی ہے اگر یہ لوگ پہاڑ سے بھی ٹکرائیں گے تو اسے بھی اپنی جگہ سے ہٹا کر چھوڑیں گے۔ ان کا مقابلہ کوئی طاقت نہیں کر سکتی ساگر آج ہم انہیں اس حال میں بھی آمادہ صلح نہ کر سکے جبکہ وہ دریائے نیل کے زرخیز آسے ہوئے ہیں تو پھر اس زرخیز سے جانے کے بعد کسی میدان میں بھی انہیں جھکایا نہ جاسکے گا۔“

مقوقس نے اس کے بعد ایک اور سفارت عمر بن العاص کے پاس بھیج کر درخواست کی کہ اپنے آدمی ہمارے پاس بھیجو۔ تاکہ ہم ان کے ساتھ ایسی شرائط پر معاملہ طے کر لیں جن میں تمہارے لئے بھی بہتری ہو اور ہمارے لئے بھی۔“

چنانچہ حضرت عمر بن العاص نے حضرت عبادہ بن صامت کی قیادت میں دس سلاخوں کی سفارت ترتیب دی اور سیاح نام عبادہ کو ان سب کی طرف سے شکم بناتے ہوئے ہدایت کی کہ رومی خواہ کچھ بھی شرائط پیش کریں لیکن تم ان تین شرائط کے سوا کسی شرط کو قبول نہ کرنا جو میں نے اپنے مراسلے میں اُس کے پاس بھیج دی ہیں۔

یہ سفارت مقوقس کے پاس پہنچی تو وہ سیاح نام عبادہ کو دیکھ کر حلقہ یا کہ اس کا لے کو مجھ سے دور رکھو۔ اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی بات کرنے کے لئے آگے آئے۔ پوری سفارت نے یک جاں ہو کر جواب دیا کہ ”ہی کالا آدمی علم و فضل اور مشورہ و رائے میں ہم سب سے بہتر ہے۔ ہمارے سپہ سالار نے اس کو کچھ ہدایات دے کر ہمارا سردار مقرر کیا ہے اور ہم پر اس کی اطاعت لازم کی ہے۔“

آخر عبادہ ہی نے مقوقس کے ساتھ بات چیت کی اور صاف صاف کہہ دیا کہ:

عبادہ:- ”ہم اپنے جن ساتھیوں کے نائندے بن کر یہاں آئے ہیں ان میں ایک ہزار آدمی تو ایسے ہیں جو مجھ سے بھی زیادہ سیاح نام ہیں۔ لیکن ہمارا ایک ایک آدمی بہادر بھی ایسا ہے کہ سو سو آدمیوں کے یکساں کی جلتے کو ناکام بنا سکتا ہے۔ اور اس شجاعت کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم اللہ کے دشمنوں سے کسی دنیاوی لالچ کے لئے جہاد نہیں کرتے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جلتی جہاد آخری مقصد ہوتا ہے۔ دنیا کی وقعت ہماری نگاہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ جسے دنیا کہتے ہیں اُس میں آدمی کا حصہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ کہ بعد کا ہوتا ایک نعلی سے اپنا پیٹ بھر لے اور تنگ ہو تو ایک چادر سے اپنا بدن چھپا لے۔ اصلی نعمت اس دنیا کی نعمت نہیں ہے اُس دوسری دنیا کی نعمت ہے جسے آخرت کہا جاتا ہے۔ اور اصل فراخی بھی دنیا کے بجائے آخرت ہی کی فراخی ہے۔“

مفوقس نے عبادہ کی تقریر سے حیرت زدہ ہو کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔
 ”کیا تم نے اس آدمی جیسی باتیں کبھی سنیں۔۔۔۔۔۔ اس کو اور اس کے ساتھیوں کو گویا
 اللہ تعالیٰ ہی نے زمین کی تباہی اور بربادی کے لئے نکال کر بھیجا ہے۔“
 مفوقس (عبادہ سے)

”پہلے آدمی میں نے وہ سب کچھ سن لیا ہے جو تو نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے بارے
 میں کہا ہے۔ اب تو بھی سن لے۔ اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم لوگوں نے زمین کے
 جس حصہ پر قبضہ جایا اور جو علاقے فتح کیے ہیں وہ سب دنیا کی محبت اور لالچ ہی ہیں
 کیے ہیں۔ کان کھول کر سن لے رومی بہادر کی جنگ آزمودہ افواج جو اعداء و دشمن
 سے باہر ہیں ہماری امداد اور تمہاری گوشالی کے لئے روانہ ہو چکی ہیں اور ہم تک
 پہنچنے ہی والی ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ تمہاری مٹھی سمر کنز و جمعیت اُن کا مقابلہ ہرگز
 نہیں کر سکتی۔ اب تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ اپنا دنیاوی لالچ پر راکر اور صلح کے
 ذریعے جنگ کا خاتمہ کر کے اپنے ملک کی طرف سلامتی کے ساتھ واپس لوٹ جاؤ۔ ہم
 تمہارے ہر سپاہی کو دو دوا شرفیاں سپہ سالار کو تین دوا شرفیاں اور خلیفہ کو ایک ہزار
 دوا شرفیاں دینے کے لئے تیار ہیں۔ نقد وصول کرو اور اپنے علاقوں کی طرف واپس چلے جاؤ۔“
 اس تقریر کا زخمیہ حقارت کے ساتھ عبادہ نے یہ جواب دیا :-

”اے مردِ رومی ! آنکھیں کھول، اپنے نفس اور اپنے ساتھیوں کو اندھیرے میں
 نہ رکھ تو نے جو ہمیں ضعف اور قلت تعداد کا طعنہ دیتے ہوئے رومی سپاہ کی کثرت
 سے ڈرانے کی کوشش کی ہے تو یقین کر لے کہ ہم ان باطل کو خاطر میں لانے والے نہیں
 ہیں ہم لوگ دشمن کی کثرت تعداد سے خوفزدہ ہونے کے بجائے شوق زدہ ہوتے ہیں
 اس لئے کہ اپنے گھروں سے زندگی کی تلاش میں نہیں بلکہ موت کی تلاش میں نکلے ہیں۔ ہم
 نے اپنے پروردگار کے سامنے اُس حالت میں سب سے زیادہ سُرخرو ہوں گے۔
 جب اپنے سب مجاہدین کو اس کے راستے میں ایک ایک کر کے قربان کرتے ہوئے
 اپنی جانوں کا حساب بے باق کر دیں گے ہمیں اس کے سوا کوئی دوسری کامیابی پسند ہی
 نہیں ہے۔ ہم تمہاری سرزمین پر دو فتنوں میں سے ایک فتنیت ضرور حاصل کریں گے
 ۱، دنیا کی فتنیت — تم لوگوں کو شکست دے کر ۲، آخرت کی فتنیت — اپنا
 آخری قطرہ خون بہا کر۔ لیکن یہ سمجھ لو کہ ہم دشمن کی کثرت اور ساز و سامان سے مرعوب

ہو کر بیڑ بکری کی طرح ذبح نہیں ہوں گے۔ بلکہ اپنا پورا پورا فرض ادا کر کے قربان ہوں گے۔
اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں کُتُبِ مَقْدِسَةٍ فِیْہِ تَقِیْبَلُہٗ تَحْلِیْطُ
فِیْہِہٖ کَیْثُہٗ یُؤْتِیْہِہٖ اَمَلُہٗ فَرَاکَہٗ ہمارے دلوں سے قلت اور کثرت کا احساس قطعاً
مٹا دیا ہے اور فتح و نصرت کا دار و مدار صرف صبر و ثبات پر رکھا ہے۔ یاد رکھیں
ذمہ نہ ہونے سے زیادہ مرنے کی تمنا ہے اور ہم میں سے ہر شخص اپنے مالِ منال دیوی
بچوں اور دوست احباب سب کو اللہ کی حفاظت میں دے کر اور ان کی محبت و
کفالت سے آزاد ہو کر اپنے وطن سے نکلتا ہے۔ اور اس کے بعد میدانِ جہاد میں بھی
صبح و شام اس کی یہی دعا ہوتی ہے کہ "اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنے وطن اور
اہل وطن کی طرف نہ لوٹا اور اپنے راستے میں قربان ہو جانے کا مرتبہ نصیب کر۔" غصہ
کہ ہمارا مقصد مدد و ہمارا منزل آگے ہی کی طرف ہوتی ہے پیچھے کی طرف نہیں۔

اب سوچ لے اے مردِ مدنی جو کچھ تجھے سوچنا ہے۔ ہماری طرف سے تو دو ٹوک
فیصلہ ہے۔ اسی فیصلہ کا ہمارے سالار نے حکم دیا ہے۔ اسی فیصلہ کی تربیت ہم نے اپنے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حاصل کی ہے۔ اور یہ فیصلہ وہی ہے جس کا
اظہار ہمارے سپہ سالار نے اپنے مراسلہ میں تم پر کر دیا ہے۔ یعنی تین میں سے ایک.....
مقوقس نے ایک بار پھر عبادہ کو اپنی پیش کش پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن عبادہ نہ مانے اور آسمان
کی طرف پناہ کے لہذا تھا کہ فرمایا:-

ہاں آسمان کے مالک کی قسم نہیں نہیں۔ اس زمین کے مالک کی قسم بھی نہیں، اس تمام
کائنات کے پروردگار کی قسم ہرگز نہیں۔ تین میں سے ایک کے سوا کوئی بشرِ طاقبل قبول نہیں
ہے اب تم ان میں سے جو فیصلہ چاہو اپنے لئے پسند کرو۔
عبادہ سے مایوس ہو کر مقوقس نے اپنے ساتھیوں کو بلایا اور مسلمانوں کے ساتھ صلح کرنے کا مشورہ دیا۔

۱۔ اس کا راوی ہیکل ہے (کتاب الفوائد جلد ۲ صفحہ ۱۱)۔ لیکن بکرنے اپنی کتاب فتح العرب المعرکۃ
میں ہیکل کی مخالفت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مقوقس نے جب اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا تو اس کے ساتھیوں نے جواب
دیا "جہاں تک بشرِ طاقبل کا تعلق ہے ہم سب ہی دین کو چھوڑ کر ایک ایسے دین پر گزرتے ہیں کہ جس کا ہمیں کوئی غم ہی نہیں ہے
دوسری بشرِ طاقبل یا بتیہ ہے کہ جب ہم مسلمانوں کے باجگناہ اور مدعی ہر جائیں گے تو ان کے غلام بن جائیں گے اس سے
دھتیارہ حاشیہ اگے صفر ۱۱)

ساتھ ہی نے پوچھا کہ پھر کوئی شرط پر صلح کا ہاتھ بڑھایا جائے ؟
مقوقس نے جواب دیا : ” جہاں تک پہلی شرط یعنی قبول اسلام کا تعلق ہے ، میں اس کے حق میں تو نہیں ہوں
مگر دوسری شرط یعنی جنگ ، سو میں اس کی طاقت بھی تم لوگوں میں نہیں پاتا ۔ اب رہ گئی تیسری شرط
یعنی تابعداری اور جزیہ تو اس پر غور کر لیا جائے ۔“
ساتھی بولے : ” گویا اس کا مطلب تیرہ ہوا کہ ہم ہمیشہ کے لئے ان کی غلامی کا طوق پہن لیں ۔“
مقوقس نے کہا : ” ہاں تم نام کے غلام ہو جاؤ گے ، لیکن فی الحقیقت اپنے علاقوں پر حکمران رہو گے ، تمہاری
املاک ، اولاد اور جا میں محفوظ رہوں گی ۔ اور یہ حالت اس حالت سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ تم میدان
جنگ میں قید ہو کر ہمیشہ کے لئے غلام بنائے جاؤ اور منڈلیوں میں بازار کے بھاؤ بکتے پھر دو پھر تھامے
بعد تمہاری تسوں کا بھی حشر ہی ہوتا رہے ۔ یا پھر بصورت دیگر میدان جنگ میں ایک ایک کر کے
قتل کر دیئے جاؤ اور اس طرح تمہارا نام و نشان دنیا سے مٹ جائے ۔“
لیکن ساتھیوں نے اس کی اس رائے کو ٹھکرا دیا ۔ اور یہ کہہ کر کہ غلامی سے ہر حال میں موت ہی بہتر
ہے ”جنگ ہی کا فیصلہ کر لیا۔“

جہلت : سرکردہ رہبروں کی طرف سے ایک تیسری بات یہ بھی پیش کی گئی کہ شرائط صلح پر مزید خوشنظر
کرنے کے لئے مسماروں سے ایک ماہ تک جنگ بندی کرالی جائے ۔ لیکن عمرو بن عاص نے انہیں ایک
جہلت کے بجائے صرف تین دن کی جہلت دی۔

قلعہ کی فوج کو جب مقوقس کی مصالحت گفت و شنید کا علم ہوا تو وہ اس سے بگڑ گئی ، اور جنگ ہی
پر مصر رہی ۔ اور اتوار کے ان تین ایام میں عربوں کے مقابلہ کے لئے پوری طرح ہتھیار بند ہو گئی ۔
مقابلے : چوتھے دن ابھی مسلمانوں کے سپہ سالار عمرو بن عاص آئندہ کے لئے نقشہ جنگ پر غور ہی
کر رہے تھے کہ اچانک رومی افواج قلعہ سے نکل کر ان پر ٹٹ پڑیں ۔ لیکن عرب بھی ایسے شب خونوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تو ہمارے لئے مر جانا ہی بہتر ہے۔“ اس کے جواب میں عبادہ نے فرمایا ہمارے
”ججزہ ادا کرنے کے بعد تمہارے جان مال اور اولاد محفوظ رہیں گے اور تم اپنے اپنے علاقوں میں حکومت پر قابض اور
منصرف بھی رہ سکو گے۔ تمہاری وراثتیں بھی ایک دوسرے کی طرف منتقل ہوتی رہیں گی۔ تمہاری عبادت گاہیں محفوظ اور آباد
ہوں گی اور تمہارے دین کے ساتھ ہی کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔“ مقوقس نے عبادہ کی یقین دہانی کو سنا
تو اس کا دل اطاعت کی طرف مائل ہوا۔ لیکن بالائی عیسائیوں نے اسکندریہ کے رومی جرنیل کے ساتھ اتفاق نہیں کیا۔

اور چھاپہ مار سکول سے اچھی طرح بٹھا جانتے تھے آن کی آن میں وہ بھی صلح ہو کر رومیوں سے گتھم گتھا ہو گئے اور اس بے جگری اور چابک دستی کے ساتھ لڑے کہ رومیوں پر بدحواسی چھا گئی اور وہ بھاری جانی دلی نقصان اٹھا کر میدان سے بھاگتے اور قلعہ کے اندر پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔

صلح مقوقس | رومیوں کی اس گونہالی نے مقوقس پر صلح کے موقف کو ایک بار پھر واضح کر دیا۔ اوساس نے وقت ضائع کیے بغیر اپنی قوم کو جزیرہ اور اطاعت پر آمادہ کرنے کی پوری کوشش کی جسے قوم نے بادل ناخواستہ منظرہ کر لیا۔ جس پر مقوقس نے عمرو کے پاس مندرجہ ذیل پیام بھیجا۔

”عمرو! مجھے امان دیدو۔ مجھ سے خود طعنات کرو۔ طعنات کے وقت چند آدمی ہمارے اور چند آدمی تمہارے ہوتے چاہئیں اگر بات کسی ٹھکانے پر پہنچ گئی تو سارا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔“

عمرو کے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ مقوقس کی امان طلبی کو مسترد کر دیا جائے۔ لیکن عمرو نے حضرت عمرؓ کے فرمان کا حوالہ دیتے ہوئے انہیں مطمئن کر دیا اور کہا کہ تم نہیں جانتے کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے مجھ سے کیا عہد لیا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ اگر دشمن تین شرائط میں سے کسی بشرط پر معاہدہ کرنا چاہے تو اسے قبول کرنے میں کبھی تاخیر نہ کرنا۔“

چنانچہ رومیوں اور عربوں کے درمیان مندرجہ ذیل شرائط پر صلح طے پا گئی۔

۱۔ قلعہ رومیوں کے پاس رہے اور اسلامی قریب اپنی جگہ پڑی رہیں۔

۲۔ سرزمین مصر کے تمام باشندے عام اس سے کہ وہ بالائی مصر سے تعلق رکھتے ہوں یا نشی مصر سے، رومی ہوں یا قبطی بلا امتیاز خاص و عام دو دینا رنی کس جزیرہ ادا کریں۔ مگر اس حکم میں عورتیں نابالغ بچے اور ناکارہ بوڑھے شامل نہیں ہیں۔

۳۔ اس صلح نامے پر شہنشاہ روم ہرتل کی منظوری حاصل کی جائے۔ جس کی ذمہ داری مقوقس پر ہوگی۔ مقوقس نے اسکندرید پہنچ کر ہرقل سے درخواست کی کہ سرزمین مصر کو جنگ کی تباہ کاریوں سے بچانے کے لئے اس صلح نامے پر دستخط کر دے جو ہم نے آپس میں طے کر لیا ہے۔

لے نیفردس (Nice phones) نے اپنی کتاب میں ایک روایت یہ بھی لکھی ہے کہ مقوقس نے ہرتل کو اس بات کا مشورہ بھی دیا تھا کہ اپنی بیٹی اور بقیہ خاندان کو عمرو بن العاص کے نکاح میں دے دیں جس کے اثر سے شاید وہ ہمارے مذہب نصرانیت کو قبول کرنے لگے۔ لیکن یہ روایت غیر مصدقہ ہونے کے علاوہ عقل اور قیاس (باقی ماحولہ) کے خلاف ہے۔

ہر قلعہ نامے کی شرائط پڑھ کر گہری سوچ میں پڑھ گیا اور کچھ اس قسم کے سوالات نے اس کے دل و دماغ کو مادف کر دیا :-

- ۱۔ "یہ صلیح صرف قلعہ بامبھون کے ساتھ مخصوص ہے یا تمام سرزمین مصر بشمول اسکندریہ پر حاوی ہے ؟
- ۲۔ جزیرہ و صول کرنے کے بعد عرب اپنے ملک کی طرف لوٹ جائیں گے یا یہیں موجود رہیں گے ؟
- ۳۔ کیا اس معاہدے کی رو سے ملک مصر و دیوں کی قیادت سے نکل کر عربوں کی قیادت میں داخل ہو جائے گا جس کے بعد عرب اور صرف عرب ہی اس سرزمین کے حکمران کی حیثیت سے اس کے خراج اور دوسری برکتوں سے مالا مال ہوا کریں گے ؟

ان سوالات کے جوابات اس نے متوقس سے طلب کیے۔ اور متوقس نے مندرجہ ذیل بنیادوں پر اپنے مصالحتی نقطہ نظر کی ترجمانی کی۔

- ۱۔ "عربوں کو مستقبل میں کسی وقت مصر سے ٹککنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔
- ۲۔ ادا کیا جانے والا جزیرہ اسکندریہ کی منڈیوں اور سامان تجارت سے وصول کر لیا جاسکے گا جس سے ملکی خزانے پر کوئی خاص بوجھ نہ پڑے پائے گا۔
- ۳۔ رومیوں میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ عربوں کو جنگ میں شکست دے سکیں۔ اس لئے کہ عرب دین کے لئے لڑتے ہیں دنیا کے لئے نہیں لڑتے۔ اور انہوں نے اپنی ضروریات زندگی کو نہایت خلوص کو رکھا ہے۔ وہ صرف معمولی غذا کھاتے ہیں اور انہوں نے اپنے لباس کو ایک چادر سے آگے نہیں بڑھایا ہے جس سے وہ اپنا بدن چھپا لیتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ موت ہی کے فرزند ہیں جنہیں موت کی گود میں جاتے کی ہر وقت آمد و رفت ہوتی ہے۔ اور قتل ہو جانے کا شوق بھی محض اس لئے رکھتے ہیں کہ یہی ان کے نزدیک جنت حاصل کرنے کا ایک یقینی راستہ ہے" متوقس نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے لکھا کہ :-

"اگر آپ اپنی آنکھوں سے ان لوگوں کی شمشیرنقہ کا مشاہدہ کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے کہ انہیں شکست دینا غیر ممکن نہیں تو آسان بھی نہیں۔ لہذا ہمارے لئے اب اس سے بہتر کوئی تجویز نہیں کہ عمرو کے ساتھ صلح کر لیں قبل اس کے کہ وہ قلعہ کو بزور شمشیر فتح کر کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کے بھی خلاف ہے۔ اس لئے کہ متوقس اتنا بے وقوف ہو گیا تھا کہ وہ عمرو بن العاص جیسے باکدار شخصیت سے اس بات کی امید رکھتا کہ وہ ایک لشکر کی خاطر اپنے دین کو چھوڑ دے گا۔ وہی دین جس کی سربلندی کے لئے وہ اپنی جان و مہملی پر لئے پھر رہا تھا۔

تمام علاقے کو اپنے لئے مال غنیمت بنائے

ہر قتل مقوقس کے اس جواب سے نہایت غضبناک ہوا اور اُسے کہا کہ تم نہایت فدا و بی وفا اور بے عمل ہو اور ہرگز مصر کی گورنری کے قابل نہیں

ہر قتل کو اپنی فوجی طاقت پر گھنڈہ تھا اور اُس کے لئے اس سے زیادہ قویہ اور کیا ہو سکتی تھی کہ اُس کی ایک لاکھ فوج کو صرف بارہ ہزار عربوں سے شکست کھا جانے کا طعنہ دیا جائے

صلح کا خاتمہ عربوں کو بھی صلح کے اس حشر کا پتہ چل گیا۔ اور جنگ کے حالات پھر عود کر آئے

جوں جوں دریائے نیل اور خندق کا پانی اُتر رہا تھا۔ رومیوں کے عزائم اور امیدوں کی سوتے بھی خشک ہوتے جاتے تھے۔ اور جب خندق پانی سے بالکل خالی ہو گئی تو رومیوں کی جان بھی گویا ٹپک گئی اور انہوں نے آخری سنبھال لینے کے لئے خندق میں فرار دیکھ کر کانٹے بھر دیئے۔ خاص طور پر قلعہ کے دروازوں کے سامنے۔ تاکہ عرب ان کو عبور کر کے قلعہ کی تفصیل تک نہ پہنچ سکیں۔

اب سردی کا موسم تقریباً ختم ہو رہا تھا اور محاذ کے عمومی حالات حسب ذیل تھے :-

۱۔ اہل قلعہ میں ایک دبا پھیل گئی جس سے ان کی تعداد میں نمایاں کمی واقع ہو گئی۔

۲۔ اب تک کسی طرف سے قلعہ والوں کو فوجی امداد نہیں پہنچی۔

۳۔ عرب گود و نواح کے علاقوں پر حملے کر کے اپنے خون کو گرم اور طاقت کو بڑھاتے رہے۔

۴۔ فردی مسئلہ میں ہر قتل شاہِ روم مر گیا اور اس کی موت کے ساتھ ہی رومیوں کے سپہ سے جوصلے بھی پست ہو گئے۔

سید علی نے ہر قتل کی موت کا ذکر کرتے ہوئے کیا عمدہ فقرہ کہا ہے (لقد ساء الله امر ورموتہ)

یعنی ہر قتل کی موت سے اللہ تعالیٰ نے رومیوں کی کمر توڑ دی۔ دوسری طرف اُس کی موت نے

عربوں کے حوصلوں کو پہلے سے کئی گنا زیادہ بلند کر دیا اور انہیں قلعہ کے بہت جلد فتح

ہو جانے کا یقین ہو گیا۔

۵۔ عرب برابر اس کوشش میں تھے کہ کسی تدبیر سے خندق کی دیوار میں شگاف پیدا کر کے

اندر جانے کا راستہ بنایا جائے۔

۶۔ فریقین کا مقابلہ زیادہ تر تیراندازی کی صورت میں ہوتا تھا لیکن کبھی کبھی رومی قلعہ سے باہر

لے ایک ہدایت کے مطابق یہ واقعات دسمبر ۳۶۳ء میں پیش آئے۔
۱۔ بعض ہدایات کے مطابق ہر قتل کی موت مارچ ۳۶۳ء میں واقع ہوئی۔

بھی آتے تھے اور عربوں کے شدید حملے کی تاب نہ لا کر دوبارہ قلعہ بند ہو جاتے تھے۔
 ردیموں کے حملے | ۱۔ ایک دفعہ محافظین قلعہ کی ایک جماعت نے عبادہ اور زبیرؓ کو نماز
 پڑھتے دیکھا۔ تو ان پر بے خبری کی حالت میں حملہ کر دیا۔ لیکن مسلمان فوراً گھوڑوں پر سوار ہوئے
 اور حملہ آوروں پر چھپٹ پڑے اور انہیں قلعہ کی طرف بھگا دیا۔ وہ بھاگے ہوئے راستے
 میں زیورات پھینکتے گئے تاکہ مسلمان ان کے جمع کرنے میں مشغول ہو جائیں اور وہ اس بہت
 سے فائدہ اٹھا کر قلعہ میں داخل ہو جائیں۔ اسی موقع پر حضرت عبادہ کو پتھر لگنے سے
 ہلاک سا صدمہ بھی پہنچا تھا۔

۲۔ ایک اور موقع پر سب مسلمان جمعہ کی نماز کے لئے جمع تھے اور عمر بن عاص جہاد کا خطبہ دے
 رہے تھے۔ ایک ردی نے اس کی خبر اپنی قوم کو کر دی۔ جو نبی عمرؓ نے خطبہ ختم کر کے نازکی
 نیت باندھی تو اچانک ردیوں کی فوج نے قلعہ سے نکل کر مسلمانوں پر بحالت نماز حملہ کر دیا جبکہ
 وہ سب کے سب غیر مسلح تھے۔

سمند کی جنگ | عمرو کو خبر ملی کہ ردیوں نے نیل میں نیل کی دو شاخوں کے درمیان قلعہ ڈور
 کی سرکردگی میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایک فوج جمع کی ہے۔ تو انہوں نے دشمن کی نقل و حرکت
 شروع ہونے سے پہلے ہی اس کی طرف پیش قدمی کا ارادہ کر لیا۔ فوج کے ایک حصہ کو قلعہ کے
 محاصرہ پر برقرار رکھا اور باقی فوج کو اپنے ساتھ لے کر نیل کی مشرقی شاخ کو اتریب کے مقام پر عبور
 کرتے ہوئے سمند کی طرف روانہ ہو گئے۔

قلعہ ڈور نے شہر کی حفاظت اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے دو سو سالہ اردوں کو بھیجا۔ یہ
 دونوں پہلے شہر کے محافظ دستے کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ ہمارے ساتھ مل کر عربوں سے جنگ
 کریں لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد وہ دونوں اپنی افواج کو لے کر شہر سمند سے کچھ فاصلے
 پر صف آرا ہو گئے۔ اور ایسی سخت جنگ کی کہ مسلمانوں پر ان کا پلہ بھاری رہا۔ ردیوں کو محض جانی نقصان

ملے اس واقعہ کا ذکر ابو الحسن نے انجوم الزماہرہ میں بھی کیا ہے۔ لیکن اس نے عبادہ کے ساتھ زبیرؓ کا ذکر نہیں کیا
 اسے یہ روایت واقف ہی کی ہے۔ جو نہایت جھوٹا اور کذاب ہونے کے علاوہ عقل و خرد سے بھی غاری ہے۔

یہ روایت گھڑے ہوئے اُسے اس بات کا خیال نہ آیا کہ عمرو جیسا ہوشیار اور مدبر سپہ سالار کس طرح ایسی نقلی
 حرکت بنا کر ساری فوج کے ساتھ نازکے لئے کھڑا ہو جاتا۔ دشمن سے جنگ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور
 (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے دو چار ہوتا پڑا۔ اس واقعہ کے بعد عمر ثوبن نے اندازہ کر لیا کہ شمالی مصر کی فتوحات آسان نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اس علاقے میں نہروں، خندقل اور قلعوں کا عام ہرج ہے جن کے سر کرنے کا سامان ہمارے پاس نہیں ہے۔ چنانچہ وہ واپس ہو گئے۔ اور اڑیب اور منوف کے قلعوں کی مرمت کرتے ہوئے واپس بالبیون کے محاصرہ میں شامل ہو گئے۔ مگر تھوڑے دنوں میں ان کا تعاقب کرنے اور جنگ کا تسلسل قائم رکھنے کی ہمت نہیں تھی۔

فتح عظیم | بالبیون کے محاصرے کو سات ماہ گزر چکے ہیں۔ اور عرب بھی اس کے طویل سے کچھ اکتائے جا رہے ہیں۔ اسی حال میں ایک چمک پیدا ہوئی۔ عرب کے مشہور بہادر اور شہادت کے آرزو مند زبیر بن العوام لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ "آج میں ارادہ کر چکا ہوں کہ اللہ کے راستے میں اپنی جان کو قربان کر دوں۔ اور امید کرنا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس قربانی کو مسلمانوں کی فتح و نصرت کا ذریعہ بنا دے گا۔"

چنانچہ وہ رات کے وقت چند ساتھیوں کو لے کر آغوشِ غلٹ میں چھپے ہوئے قلعہ کی دیوار کے قریب پہنچے۔ اور فیصل پر ایک سیڑھی لگا کر اوپر چڑھ گئے۔ قلعہ پر پہنچ کر ٹکیہ بلند کی ساتھ ساتھ دوسرے ساتھی بھی قلعہ پر پہنچ گئے اور فیصل کو اپنے پاؤں سے روندتے ہوئے سب نے مل کر ٹکیہ کا غنڈہ بلند کر دیا۔ باہر کے مسلمانوں نے بھی ان کی ہم نوائی کی۔ ٹکیہ کے نعروں نے قلعہ والوں کو یقین دلا دیا کہ عرب قلعہ میں داخل ہو چکے ہیں اس لئے وہ دروازہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ زبیر نے اندر سے دروازہ کھولا اور مسلمان قلعہ پر قابض ہو گئے۔

درتیبہ حاشیہ ص ۱۸۷ گزشتہ صفحہ پر کلام کا اتمام قاعدہ تھا کہ فتح کا ایک حصہ دشمن سے جنگ کے لئے تیار رہتا تھا اور دوسرا حصہ نازا ادا کرتا تھا۔ اس کے بعد دوسرا فرق نازی میں مشغول ہو جاتا تھا اور پہلا فرق اس کی حفاظت کرتا تھا۔ پس ایسے مشہور اور متعدد اول طریقہ کے خلاف حضرت عمر ثوبن العاص کس طرح کر سکتے تھے۔ (دعوا حصہ ۱) رات کے وقت حملہ کی روایت میں یعقوبی منفرد ہے جلد ۲ ص ۱۸۷) درتیبہ ص ۱۸۷ کے مطابق زبیر کا حملہ شام کے وقت ہوا تھا (ص ۱۸۷)

۱۸۷ معری نے لکھا ہے کہ معریوں نے جس جگہ سیڑھی لگائی تھی، اُس کا نام سوق الحام تھا۔ ابو الحامس نے اس کی تائید کی ہے۔ لیکن یا قوت کہتا ہے کہ وہ جگہ سوق کے قریب تھی۔ ابن بطریق راوی ہے کہ وہ جگہ قلعہ کے جنوب میں تھی۔ بلاذری اسی کا مرید ہے کیونکہ اس نے لکھا ہے۔ کہ زبیر شمال سے آیا تھا اور دوسری جانب سیڑھی لگائی تھی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سالارِ قلعہ جورج فوراً عمرکو کی خدمت میں اہل قلعہ کے لیے امن و سلامتی اور صلح کی درخواست کے لیے حاضر ہو گیا جسے عمرکو نے قبول کر لیا کہ لیکن حضرت نہ ہیر نے ان سے اختلاف رائے کہتے ہوئے عرض کیا کہ اگر آپ ذرا صبر کرتے تو میں فکیل سے آکر قلعہ میں داخل ہو جاتا اور پھر سب کچھ آپ کی عین مرضی کے مطابق ہوتا۔ لیکن عمرکو نے صلح نامہ میں یہ شرط داخل کر دی تھی کہ ردی فوج تین دن کے اندر راند قلعہ کو خالی کر دے گی اور اس کا جملہ سامان رسد اور اسلحہ وغیرہ ہمارے لیے مالِ قیمت ہوگا۔ فتح کے بعد جنگ کے خاتمہ اور قلعہ کی تسخیر کے بعد جو کچھ پیش آیا وہ بھی سن لیجئے :-

۱۔ ردی اپریل ۱۸۱۷ء کی چھ تاریخ کو عیدِ فصح کے دن قلعہ سے نکلے اور اس حال میں نکلے کہ ان کے دلوں میں اس دن کو کوئی احترام موجود نہ تھا۔ بلکہ انہوں نے اس دن کو مصر والوں کے لیے بھانے خوشی کے ماتم اور مصیبت کا دن بنا دیا تھا۔ اور اب وہ انہیں بھی اپنے ساتھ جلا وطنی میں بھیج کر بیجا ناچاہتے تھے۔ حالانکہ ان ردیوں نے ان پر اپنے وقت میں مظالم دیکھے اور قید و بند کی سزائیں دینے حتیٰ کہ ان کو شہید کرنے میں دیرینہ نہیں کیا تھا۔

بشپِ مصری حنا نقیوسی نے اپنے دیوان میں اس کا فکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-
 ”مسیح کے اصلی دشمن خود مسیحی ہیں جنہوں نے نئی بدعات سے دین کو ناپاک کیا اور عوام اناس کے ایمان کو سخت آزمائش میں مبتلا کر دیا۔ انہوں نے مسیح کی کھلی نافرمانی کرتے ہوئے دوسرے اپنے ہی جیسے مسیحیوں کو غلام اور ذلیل بتایا اور یہ اتنا بڑا صدمہ تھا جس سے بڑا صدمہ بتوں کے پر جنے والے بھی مسیحیت کو نہیں پہنچا سکے۔“

۲۔ قلعہ میں قبلی افواج کی ایک کثیر تعداد باقی رہ گئی۔ اور جب انہوں نے عربوں کی سادگی اور پچھے پرانے لباسوں کا مشاہدہ کیا۔ کہنے لگے کہ ہائے ! اب ہماری قسمت میں ایسے نیم برہمن اور خستہ حال لوگوں کی غلامی لکھی ہے۔ جو بہت ہی ذلیل اور کم حیثیت ہیں !

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

سٹہ عربوں کا یہ حملہ جمعہ کے دن ہوا۔ جس کے بعد مورخ ۶ اپریل ۱۸۱۷ء کو عیدِ فصح کا دن تھا۔ اور اسی دن ردیوں نے قلعہ خالی کیا تھا۔ — طبری کا بیان ہے کہ نہ ہیر جب قلعہ کے اندر داخل ہو گئے تو صلح پسند اہل قلعہ نے خود اپنے ہاتھوں سے قلعہ کا دروازہ کھولا۔ اور پھر نہ ہیر کی محبت میں وہ عمرکو کے پاس پہنچے۔

عمروؓ کو ان کے ان احساسات کا علم ہوا تو انہوں نے قبلیٰ شرفاً کو دروازہ دعوتِ طعام پر مدعو کیا۔ پہلے دن عربوں کے مذاق کے مطابق اونٹ کے گوشت کا صرف پانی اور نمک دار شراب تیار کیا جسے عرب زوح زوح کر کھانے لگے۔ قبلیٰ اس وحشت ناک منظر کی تاب نہ لائے اور بغیر کچھ کھائے پیے واپس چلے گئے۔ دوسرے دن مصری رواج کے مطابق طرح طرح کے لذیذ کھانے تیار کرائے گئے جنہیں قبلیوں نے خوش ہو کر کھایا پیا۔

اس کے بعد عمروؓ قبلیوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا :-

”یقین رکھو کہ تم ہمارے پڑوسی ہو اور پڑوس کی رعایت رکھتے ہوئے میں اپنے معاہدوں کا پوری طرح پابند رہوں گا۔ مجھے تمہارے اُن ناگوار اور پریشیدہ احساسات کا بخوبی اندازہ ہے جن کی بنا پر تم اطاعت سے نکل جانے کی غلطی کر سکتے ہو۔ دیکھو ایسا اقدام تمہارے لئے ہلاکت کا سبب بن جائے گا۔ میں نے دو دن کی ضیافت میں تمہیں اس بات کا مشاہدہ کرا دیا ہے۔ کہ جزیرہ عرب میں ہماری حیثیت اور خوراک کتنی ٹھیک تھی اور تمہارے ملک میں اگر ہمیں کیسے کیسے اعلیٰ اور مرغی کھانے میسر آ گئے ہیں۔ تو کیا اب تمہیں ہماری ذات سے یہ اُمید ہو سکتی ہے کہ ہم جیسے ہی اس سرزمین کو آسانی کے ساتھ چھوڑ دیں گے ! دیکھو اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ یا اسلام میں داخل ہو کر ہمارے برابر کے بھائی بن جاؤ۔ ورنہ پھر جزیرہ مطلوبہ کر کے اپنی اپنی بستیوں کو چلے جاؤ گے“

قبلی رخصت ہوئے تو آپس میں اس قسم کی سرگوشیاں کر رہے تھے کہ عربوں کو شکست نہیں دی جا سکتی۔ اور اب ہم پوری طرح اُن کے قدموں کے میچے پا مال ہو چکے ہیں۔

حضرت عمروؓ کو جب عمرو بن عاص کی اس تقریر کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ شبِ رگ تو قرار سے جنگ کرنے میں لیکن عمروؓ اپنی زبان کے ذریعہ جنگ کرتا ہے۔

لے طبری نے اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے کہ ”عمروؓ نے تیسرے دن اہل مصر کو بلایا اور ان کے سامنے اپنی فوج کو کراستہ کر کے اُن سے اس طرح خطاب کیا کہ ”عربوں کی معاشرت اور معیشت کو دیکھو کہ تمہارے دلوں میں کچھ دسادیں ابھر رہے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہاری ہلاکت کا پیش خیمہ بن جائیں۔ اس لئے میں نے تمہیں عربوں کی تیوں حالتوں کا مشاہدہ کرا دیا ہے کہ وہ اپنے جویرہ میں کیا تھے۔ مصر میں اگر کیا بن گئے اور (باقی حاشیہ لکھے صفحہ پر)“

۳۔ قبطیوں نے عربوں کی شوکت دیکھی تو نرم پڑ گئے اور اعلیٰ عزت اختیار کر لی۔ لیکن ان میں سے اسلام قبول کر کے مسلمانوں کے بھائی بن گئے اور بچہ حقوق و مراعات میں برابر کے شریک ہو گئے۔ جنسہ کی وصولی وغیرہ میں بھی انہوں نے مسلمانوں کی بہت مدد کی۔

۴۔ قبطیوں کے علاوہ کچھ رومی بھی فوجیوں اور غیر فوجیوں میں سے داخل اسلام ہوئے۔ واقعات سے اخذ کردہ نتائج یہ حالات تھے جنہوں نے عمرؓ بن عاص کی شخصیت کو مختصرہ علاقوں میں مضبوط کر دیا اور آئندہ فتوحات کے لئے راستے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ فراغ عمر کی یہ سرزمین قیامت تک کے لئے اسلام کی سرزمین بن گئی۔

۱۔ محاصرہ اس جنگ میں عمرؓ بن عاص نے جادعانہ حیثیت اختیار کی اور رومیوں نے مدافعت ایک طرف محاصرے کی ناکر بندی نے رومیوں کے لئے بیرونی امداد کے تمام ذرائع بند کر دیئے تو دوسری طرف قیدیوں کی طرح مجبور رہنے کی وجہ سے ان کے مردانہ اور بہادریانہ جذبات پر نفیاتی طور سے بڑا اثر پڑا۔ اور اس کے بالمقابل مسلمان کھلی فضا میں آزادانہ نقل و حرکت کے ذریعہ اپنی جسمانی قوتوں کو بحال اور پرورش کرتے رہے۔

۲۔ قیادت عرب عمرؓ بن عاص کی واحد کان کے تحت لڑ رہے تھے۔ اور ان کے واحد سپہ سالار ہی تدبیر جنگ۔ تنقید جنگ اور محاذ جنگ سب کاموں کے ذمہ دار تھے۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا لفظ ایک ایک مجاہد کے لئے قانون اور حرف آخر تھا۔ اس کے برخلاف رومیوں پر ایک سے زیادہ قیادتیں مسلط تھیں بقوتس کے علاوہ جانچ بھی ان کا کاٹنڈر تھا۔ امدان دو کے علاوہ دو اور حقیقی بھائی اور دو قیادتیں اور دو منتیائیں بھی ان کے کاٹنڈر تھے۔ ذمہ داری کی اس تقسیم کا قدرتی نتیجہ ہی ہوا کرتا ہے کہ ذمہ داری کا پورا احساس کسی کو بھی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ عربوں کے ساتھ پہلے ہی لڑنے والوں کو صلح کی طرف مائل کر دیا۔ اور پھر اس کے بعد یہ صلح بھی اسی اختلاف قیادت کی بھینٹ چڑھ کر رہ گئی۔ داعی صلح متوقس اپنی جگہ پر با اختیار تھا اور داعی جنگ ہر قتل اپنی جگہ۔ دونوں اپنے اپنے موقف پر جمے رہے اور باطلیوں کے صلح نامے پر اس کے دستخط نہ

بقیہ حاشیہ معرکہ گوثدر جب وہ میدان جنگ میں اترتے ہیں تو کیا ہوجاتے ہیں۔

بلکہ ایک روایت میں ہے الخاقین خدا کی قسم عمرؓ کی جگہ بڑی نرم ہے۔ نہ اس میں دوسروں کی طرح

سختی ہے۔ اور نہ جوش و خروش ہے۔

ہونے کی وجہ سے اہل قلعہ نہ صلح ہی کے قائل نہ ہو سکے اور نہ جنگ ہی کر سکے۔
۳۔ باطنی اسباب جنگ کے میدان میں ظاہری اسلحہ کی طرح کچھ باطنی اسلحہ بھی فیصلہ کن اثر رکھتے
 ہیں۔ رومیوں کے حوصلے عربوں کے مقابلہ میں پست تھے۔ اور وہ اس حد تک مرعوب تھے کہ
 جب بھی ان محبا دین پر نظر ڈالتے تھے۔ تو حقارت کے بجائے انہیں مرعوبیت کی نظر سے
 دیکھتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ عربوں کی یہ جگہ کی تھی کہ ان کا سب سے بڑا تعارف رومیوں میں
 اس طرح کرایا تھا کہ یہ لوگ موت کے شائق، جنت کے عاشق، دنیا سے متنفر اور فتح مندی سے
 زیادہ شہادت کو محبوب سمجھتے ہیں۔

دوسری اچھی شہرت جو ان کے درمیان عربوں کو حاصل تھی وہ ان کی باہمی مساوات تھی اور
 جو رومیوں کے درمیان یکسر غنا اور مفقود تھی۔ چنانچہ ان کے قلوب کو مسخر کرنے کے لئے ایک ہی
 نظارہ کافی تھا کہ یہ لوگ زمین پر بیٹھ جاتے ہیں۔ گھٹنوں پر رکھ کر سہمیٹھا لیتے ہیں۔ ان کے درمیان
 بڑے کو چھوٹے اور آقا کو غلام سے الگ نہیں پہچانا جاسکتا۔

۴۔ نصب العین کی حفاظت تین باتوں میں سے ایک بات مسلمانوں کا متعین نصب العین تھا۔
 اسلام۔ جبرہ۔ یا توار۔ اسی نصب العین کا تعین ان کے غیظ نے ان کے لئے کر دیا تھا۔ اسی
 کی پیش کش عمر بن عاص نے مقوقس کو کی تھی۔ اور جب مقوقس نے عبادہ بن صامت کا رخ دوسری
 طرف پھیرنا چاہا تو انہوں نے انہی تین شرائط پر تین زبردست قسمیں کھا کر اسے یقین دلایا تھا۔ کہ
 مسلمانوں کے پاس نین کے علاوہ چوتھی کوئی شرط نہیں ہے۔ اور یہی نصب العین تھا کہ جب نہ بیتر
 نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر باہیوں کا دردناک کھوللا اور جارج نے ان سے سبقت کر کے عمر بن عاص
 سے صلح منظور کرائی۔ جس پر نہ بیتر نے غضبناک ہو کر عمرو بن العاص کی طرف ڈرا تو قف کرتے
 تو سارا معاملہ جاری مرضی کے مطابق ہی ہو جاتا۔ تو عمر بن عاص نے اسی نصب العین کا حوالہ دے کر
 نہ بیتر کو خاموش اور اپنے مفاد کو قربان کر دیا تھا۔

۵۔ قبول صلح عمر بن عاص کے سامنے ہر مہر علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد رہا وَإِنْ جَنَحُوا
بِلِسَانِهِمْ فَاجْزِهِمْ ذَبًا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ یعنی اگر دشمن صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اللہ پر بھروسہ
 کر کے جھک جاؤ۔

مقوقس نے عین دوران جنگ میں صلح کا مطالبہ کیا تو عمرو نے جنگ بند کر دی۔ اور گنٹ بٹینڈ
 کو لبا کرنا چاہا تو اسے بھی لمبا پھرنے دیا۔ پھر جب صلح نامہ ہو گئی تو دوبارہ جنگ شروع کر دی۔

دوسری جھڑپ کے بعد بھی متوقف نہ ہو بلکہ چاہی تو اس دفعہ بھی صلح کر لی گئی۔ اور اس وقت تک جنگ ہتھی رہی جب تک متوقف نہ ہو جس نے دوبارہ جنگ شروع نہ کر دی۔ معلوم ہوا کہ عمر بن العاص آیت کریمہ کی حدود کا ہر حکم خیال رکھتے تھے۔ دشمن کے رُک جانے پر رُک جاتے تھے اور دشمن کے بھڑ جانے پھر جاتے تھے۔

۶۔ طبعی اسباب | قدرتی حالات کو جنگ میں بڑا دخل ہوتا ہے۔

اس قلعہ کی تعمیر میں زیادہ وقت خرچ ہوئے کی بڑی وجہ گہری کا موسم اور دریا کی طغیانی تھی۔ جب طغیانی ختم اور خندق خشک ہو گئی تو قلعہ کی تعمیر فوراً ہو گئی۔

۷۔ داخلی اسباب | رومیوں نے قبضوں کے جذبات کو اپنے خلاف بھڑکایا تھا جس کی وجہ سے ان میں رومیوں کے رجحانات اور مفادات سے کوئی دلچسپی باقی نہ رہی گئی تھی۔ اور اس سلسلہ میں

سب سے اہم پارٹے خود قیس نے ادا کیا تھا۔ جس نے اپنے مذہب کی تردید کے لئے تشدد کے ذرائع استعمال کرنے سے بھی گریز نہ کیا تھا۔ اور اسی کے تشدد کی وجہ سے ایک بہت بڑی مذہبی شخصیت بنیامین کو وطن چھوڑ کر فرار ہو جانا پڑا تھا۔ اسی طرز عمل کا یہ نتیجہ تھا کہ قبلی مصر کی سرزمین میں رومی اقتدار کو ایک لمحہ کے لئے بھی دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے اور ان کی سب سے زیادہ دغائیں و کُسن کے زوال کے لئے بنتی تھیں۔

اسی اندرونِ منافرت کا مظاہرہ تھا جب تغیر دور نے سمند کی مدافعت کے لئے اپنے دوسپہ سالاروں کو بھیجا اور انہوں نے اہل شہر کو اپنے ساتھ لانے کی کوشش کی تو انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہم عربوں کے مقابلہ میں تمہارا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں۔

مورخین کے بیانات تو یہاں تک ہیں کہ مصر کے قبلی عرب مجاہدین کی افواج میں اتنی کثرت سے شریک ہوئے کہ انہوں نے شہداء جنگ کی کمی کے کھاتے کو بڑا کر دیا۔

۸۔ مذہب میدان جنگ میں | عرب اگرچہ میدان جنگ میں برسرِ ہیکار ہوتے تھے لیکن وہ

اپنے دین۔ تعلیمات دین۔ فرائض دین اور بالخصوص نماز کو کسی حال میں فراموش نہیں کرتے تھے۔

یہاں تک کہ نماز کی امامت خود نوح کے سب سے بڑے سپہ سالار عمر بن العاص کرتے تھے۔ جیسے کہ ہم اس سے قبل ذکر کر چکے ہیں کہ اہل قلعہ نے دو مرتبہ مسلمانوں پر بھارتِ غارت خانہ کیے۔

پہلی مرتبہ غارت خانہ اور دوسری مرتبہ جمعہ کی نماز میں تمام فوج پر۔

اور اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ دین ہی روحانی، جذباتی اور ایمانی محرکات میں سب سے

بڑا کامیاب ٹھکر ہے جو انسان کے اندر شوق جہاد اور عشق شہادت کا ہوش اور دلولہ پیدا کرتا ہے۔
۹۔ شب خوار اور سلامتی افواج عمر کو نے عقیدہ دور کی نقل و حرکت سنی تو انہوں نے خیال کیا کہ اس کا فوری تدارک نہ کیا گیا تو وہ بابلین کے محاصرہ پر اثر انداز ہو کر محصورین کے حوصلے بلند اور محاصرین کے حوصلے پست کر سکتی ہے۔ چنانچہ وہ بلا توقف اپنی فوج کا ایک حصہ قلعہ کے لئے چھوڑ کر باقی فوج کے ساتھ سمند کے قریب دشمن سے جا ٹکرائے۔ اور جب دیکھا کہ مسلمانوں کی جمعیت رومی سپاہ کے مقابلہ کے لئے کافی نہیں ہے۔ اور ایک ہی جھڑپ میں ان کا کافی نقصان ہو گیا ہے تو نہایت ہشیاری کے ساتھ بقیہ فوج کی بچا کر قلعہ کی طرف لے آئے اور اس مقابلہ سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ عقیدہ دور کو مسلمانوں کی شجاعت کا اندازہ ہو گیا اور اس کی فوجیں نہ تو مسلمانوں کے تعاقب میں کی جرات کر سکیں اور نہ قلعہ بابلین کی مدد کو آسکے بڑھ سکیں۔

قلعہ کی دیوار پر چڑھنے کا واقعہ رات کے وقت پیش آیا اور اس معرکہ کو رومی طرح صیغہ رازہ میں رکھا گیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے خبری کے چلنے سے دشمن کے حواس پر اگندہ ہو گئے اور ان کے قائد نے اس صبح کی تکمیل میں جلدی کی جس کے لئے وہ بہت پہلے سے تیار تھے لیکن بلاوجہ دیر کر کے مسلمانوں کا وقت ضائع کر رہے تھے۔

۱۰۔ عمر و بن عاص کی ایک غلطی اس میں شک نہیں کہ عمر و بن عاص نے رومی سپاہ کو تین دن کے فوج سے قلعہ بدر کر کے ایک سیاسی غلطی کا ارتکاب کیا۔ اور ان کی یہ فرد گداشت ان کے اس ارادے کے ساتھ کھلا تعارض رکھتی ہے کہ وہ اپنی افواج کی سلامتی کا پورا لحاظ رکھتے تھے آخر اس میں کیا مصلحت تھی کہ دشمن کی فوج کو قلعہ سے نکال کر اپنے ہی مقابلہ کے لئے آزاد کر دیا گیا۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ اس حکم کو بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور ایسے بیماروں کے ساتھ مخصوص کر دیا جاتا جن کی طرف سے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ وہ دوبارہ بہتیار بند ہو کر مقابلہ پر آجائیں گے۔

مورخین اگرچہ یہ بات بتاتے ہیں کہ رومیوں کا جلاوطن شدہ لشکر کہاں چلا گیا۔ لیکن ملک کے عمومی حالات اس بات کی طرف صاف اشارہ کر رہے کہ مصر پر بھی تک مسلمانوں کا مکمل قبضہ نہیں ہوا تھا۔ اور کئی مقامات پر رومی افواج مقابلہ کے لئے تیار ہو رہی تھیں۔ اس لئے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ قلعہ بدر رومی بھی انہی کے ساتھ شامل ہو گئے ہوں گے۔ بہر حال مورخین جس طرح ان کی جلاوطنی کی وجہ بتاتے ہیں قاصر ہیں اسی طرح اس بات کے بتانے سے بھی خاموش

ہیں کہ وہ جلاوطن ہو کر کہاں چلے گئے۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اگر ردی سپاہ کو قلعہ ہی کے اندر زیر حراست رکھا جاتا تو اس سے مسلمانوں کو کئی مشکلات پیش آجائیں مثلاً:-

۱۔ اُن کی نگرانی کے لئے مسلمانوں کی کثیر فوج قلعہ میں رکھنی پڑتی جس سے مزید فتوحات کے لئے فوج کم ہو جاتی۔

۲۔ اتنی کثیر تعداد کے لئے خوراک کی فراہمی بھی ایک مسئلہ کی صورت اختیار کر جاتی۔

۳۔ خوراک کے علاوہ اُن کی نگرانی کے لئے محکمہ نگرانی اور قید کی صورت میں محکمہ جیل کا قیام کرنا پڑتا۔ اور اس طرح کئی نئے مسائل کھڑے ہو جاتے جن کے لئے سرِ دست سلطان تیار نہ تھے اور اُن کے پاس افرادی طاقت ملتی نہ تھی۔ بالخصوص اس حال میں جبکہ انہیں مستقبل قریب میں اسکندریہ کی سب سے بڑی جنگ ابھی لڑنی باقی تھی۔

(۴)

اسکندریہ اور ساحلی علاقہ کی فتوحات

اللہ تعالیٰ نے وہ شہر بھی فتح کرا دیا جس میں
چار ہزار محلات و قصور، چار ہزار حمام،
چار سو گھیل کے میدان، بارہ ہزار بھل فروش
اور چالیس ہزار ذمی یہودی آباد ہیں۔
(خط عمرو بن العاص بنام خلیفہ عمر رضی)

(۱) اسکندریہ کی طرف پیش قدمی

عربی موقف | راہ عمر د جانتے تھے کہ اب سے تین ماہ بعد دریائے نیل میں طغیانی شروع ہو جائیگی اس لئے انہوں نے فوراً ہی حضرت عمرؓ کے پاس اسکندریہ کی طرف پیش قدمی کی اجازت اور مزید فوجی امداد کے لئے پیغام بھیج دیا۔

۲۔ قلعہ بابلیون کی مرمت وغیرہ کر کے خارجہ بن حذاقہ کی سرکردگی میں ایک دستہ اس کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیا۔ اور خود آئندہ نقل و حرکت کے لئے شاہ راہوں کی درستی اور دریائے نیل پر پل بنانے میں مشغول ہو گئے۔ اس کام میں واقف کار قبیلوں سے بہت کچھ امداد ملی۔ تاکہ خلیفہ کی طرف سے اجازت آتے ہی فوراً بلا تاخیر اور پوری تیز رفتاری کے ساتھ اسکندریہ کی طرف کوچ کر دیا جائے۔

۳۔ چونکہ نشی مصر میں دریائے نیل کے ڈیلے کو سیراب کرنے والی کئی نہریں نکلتی تھیں۔ اور یہ سب نیل کی غربی شاخ کے مشرقی ساحل سے نکلتی تھیں جو فوج راستے میں حائل اور اس کی رفتار کو سست کرنے والی تھیں اس لئے عمرؓ نے اس سے مغربی ساحل کو اپنے سفر کا راستہ بنایا۔

رومی موقف | راہ ہرقل کی موت کے بعد روم کی بادشاہت اس کی بیوی مریتیا اور اس کے دو بیٹوں قسطنطین اور ہرقلیوناس میں تین جگہ تقسیم ہو گئی۔ لیکن ان میں سے قسطنطین بھی تین ماہ کے بعد فوت ہو گیا تو پھر اس کے بیٹے کونستانس نے اپنے باپ کے قتل کی ذمہ دار مریتیا کو گڑھ بنائے اس کے خلاف شورش برپا کر دی جس کا انجام یہ ہوا کہ کونستانس کو اس کے باپ کا حق دے دیا گیا۔ اور اس طرح اسے قلیوناس کے ساتھ بادشاہت میں شریک بنا دیا گیا۔

۲۔ قسطنطین قسطنطینیہ واپس آ گیا اور مریتیا کی مہربانی سے اپنے سابق منصب پر فائز کر دیا گیا۔
۳۔ شہنشاہ روم نے ایک بہت بڑا لشکر تیار فرما دیا اور اسے مصر کے دفاع کی خاطر اسکندریہ روانہ کر دیا۔

پیش قدمی | عمرو نے دریائے نیل کے ساحل پر صحرا کی طرف سے سفر شروع کیا جندی نالوں سے خالی ہونے کی وجہ سے فوجی سفر کے لئے مناسب تھا۔ اس سفر میں اس نے اپنے ہمراہ بھروسہ کے قابل قبلی سردار امدل کو بھی لے لیا تھا۔ تاکہ وہ اہل ملک ہونے کی وجہ سے مناسب رہنمائی بھی کریں اور ضرورت پیش آنے پر اہل مصر اور عربوں کے درمیان ترجمانی کے فرائض بھی انجام دیں۔

ایک روایت کے مطابق سفر کے وقت عمرو کو خیمہ اکھاڑا جانے لگا تو معلوم ہوا کہ اس میں ایک کبوتری تے انڈے دے رکھے ہیں عمرو نے فوج کو خیمہ اٹھانے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ یہ ہمارا قابل احترام ساتھی ہے۔ اسے تکلیف نہ ہو۔ اور اس وقت تک خیمہ کو یونہی لگا رہنے دو جب تک کہ یہ انڈوں میں سے بچے نکال لے امددہ ہندش پا کر اڑ جائیں۔ دوسری روایت میں اس پر یہ اضافہ بھی ہے کہ کبوتر کی حفاظت کے لئے ایک چوکیدار بھی مقرر کر دیا گیا۔

طوفان | عمرو کو ارادہ براہ راست نقیوس پہنچنے کا تھا جہاں رومیوں نے اپنی فوجیں جمع کر رکھی تھیں لیکن رومی مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے طوفان اچکے تھے۔

اسکندریہ جاتے کے لئے اس مقام پر دریائے نیل کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ اور صحرا لیبیا کے قبلی علاقوں کی طرف یہاں سے ایک شاہراہ بھی نکلتی ہے۔ اسی اہمیت کی بنا پر رومیوں نے یہاں سخت دفاعی جنگ لڑی اور شجاعت دیباوری کا زبردست مظاہرہ کیا۔ لیکن بالآخر شکست کھائی اور فوجوں کی ہزیمت کے بعد عمرو دین العاص کو شہر پر قبضہ کرنے میں کوئی خاص وقت نہیں ہوا۔
نقیوس | نقیوس ایک شاندار شہر ہونے کے ساتھ ساتھ مستحکم قلعہ بھی ہے جو نیل کی مغربی شاخ

۱۷۱ مدیریۃ البحر

۱۷۲ مدیریۃ المنوفیہ

۱۷۳ اس کا ایک نام طوقہ بھی ہے۔ عرب اس کو طواف کہتے ہیں۔ اس کا محل وقوع رزین کے زاویہ کے متقابل اور منوف جنوب میں ہے طبری نے اس کا نام مروہ لکھا ہے۔ مگر یہ تحریر کی غلطی معلوم ہوتی ہے

جلد ۲ صفحہ ۱۷۴

۱۷۴ آج کل نقیوس کی جگہ ساحل نیل پر منوف کے شمال مغرب میں شب شیرامی بستی آباد ہے۔
۱۷۵ رستش کی شاخ

کے مشرقی ساحل پر واقع ہے۔ جس کا فاصلہ بابلون سے ایک دن کی مسافت ہے اور صوف سے صرف دو گھنٹے کے برابر۔ اس جگہ دو دروازے کے کچھ آثار قدیمہ بھی موجود ہیں۔ یہ شہر ایک بہت بڑے مسیحی رہنما کی قیام گاہ ہونے کی وجہ سے اور بھی زیادہ مشہور ہے۔ اور چونکہ اسکندریہ اور بابلون کی درمیانی شاہراہ پر واقع ہے۔ اس لئے سیاسی اور جنگی اعتبار سے بھی بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس وجہ سے عمرو نے اسے بلا تخریب چھوڑ کر اسکندریہ کی طرف بڑھنا مناسب نہ سمجھا۔

اس شہر کا سپہ سالار دو مہینوں کا جس کے پاس ایک معمولی سی جمعیت اور محدودے چند کشتیاں تھیں جن پر سوار ہو کر اسے مسلمانوں کے مقابلے کے لئے نکلنا تھا لیکن جوہی اس کی نظر مسلمان سپاہ پر پڑی اسی کے دل پر دہشت طاری ہو گئی اس کے قوسے عمل نے جواب دے دیا اور وہ فوج کو وہیں چھوڑ کر اپنی خاص کشتی میں بیٹھا اسکندریہ کی جانب بھاگ گیا۔ فوج نے اپنے سالار کو بھاگتا دیکھا تو اس نے بھی ہتھیار پھینک کر کشتیوں کا رخ کیا۔ لیکن فاتح ان کے پیچھے سے پیسے ہی اپنی جانیں بچانے کے لئے کشتیوں کے ننگ کاٹ چکے تھے۔

ابھی سر اسیمبلی کی حالت میں بلا ہتھیار فوج پانی ہی میں تھی کہ عرب حملہ آوروں نے انہیں جالیا اور ایک ایک کو موت کے گھاٹ اتار دیا ان میں سے صرف ایک فرد بیچ کا جس کا نام ذکر یا تھا۔ اس کے بعد عرب شہر میں داخل ہو گئے۔ اور اسے خراج کر لیا۔

حنانقیوسی کی روایت ہے کہ "عرب شہر میں داخل ہوئے اور جس جس کو بھی راستے میں پایا قتل کرتے گئے یہاں تک کہ اگر کسی نے کینسہ میں داخل ہو کر بھی پناہ لینی چاہی تو وہ بھی ان کی تلوار سے نہ بچ سکا۔ نہ انہوں نے کوئی مرد چھوڑا نہ عورت اور نہ بچہ۔ اس کے بعد شہر کی مضافاتی بستیوں میں بیخ کو غارت گری کی۔ شہر صوفاپنچے تو وہاں قہیوڈر کا ایک رشتہ دار اسکو تاؤس اپنے بال بچوں کے ساتھ انگور کے ایک باغ میں چھپا ہوا تھا۔ ان سب کو عربوں نے بھی نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا۔"

لے حنانقیوسی نے اس روایت میں عربوں کے خلاف اپنے تعصب کا رنگ بھرا ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں نے اپنی کسی جگہ میں بھی اس واضح ہدایت کی خلاف ورزی نہیں کی کہ "اس کے طالبوں، بوڑھوں، عورتوں، بچوں اور راہبوں کو کسی حال میں قتل نہ کرو۔" اور اس کی سخت تاکید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی طرف سے (باق حاشیہ اگلے پر)

شہر نقیوس فتح ہو چکا تو جو ردی کشتیاں نیل پر پڑی ہوئی تھیں وہ منتشر ہو گئیں اور راستہ تمام رکاوٹوں سے خالی ہو گیا۔

گرم شریک | عمرو نے چند روز نقیوس میں قیام کیا اور اسی دوران میں اپنے ایک بہادر ساتھی شریک کو عقیدہ دہ کی فوجوں کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔ یہ فوجیں اسکندریہ کی طرف جا رہی تھیں مسلمانوں کی میل کی مسافت پر طرزیوں کے قریب جا پڑا۔ تین دن تک شدید مقابلہ رہا جب ردی مسلحوں کا گھیراؤ اٹھنے میں کامیاب ہو گئے تو شریک نے خط سے کہ قریب پا کر مالک بن نعام کو حکم دیا کہ وہ اپنے لشکر گھوڑے پر سوار ہو کر ردی محاصرہ کو چیرتا ہوا برق رفتاری کے ساتھ عمرو بن عاص کو میدان کی نزاکت سے باخبر کر دے۔

مالک نے تعمیل حکم کی۔ ردیوں نے ہزاروں کوشش کی کہ کسی طرح مالک کو پکڑ لیں لیکن ناکام رہے جو نہی حضرت عمرو بن العاص کو یہ پیغام ملا انہوں نے بلا تاخیر تیز رفتار ملک روانہ کر دی۔ امداد کو پہنچا تھا کہ ردیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور شریک کی مٹی بھر جاتے زخم سے نکل آئی۔

جس موقع پر یہ جنگ پیش آئی اس کا نام گرم شریک (یعنی شریک کا ٹیلہ) رکھ دیا گیا۔ کریون | عمرو ردیوں کے تعاقب میں ان کو دھکیلتے ہوئے دلچسپت تک لے گئے۔ وہاں سے دمنہور کا رخ کیا۔ سنگھیس کے مقام پر ردیوں کے ساتھ سخت معرکہ پیش آیا جس کے نتیجے میں ردیوں کو شکست ہوئی اور ان کے پاؤں ایسی بُری طرح اکھڑے کہ وہ دمنہور میں رُکے بغیر نہ بے اسکندریہ کا رخ کر کے قلعہ کریون پہنچے جہاں عقیدہ دہ رہنے پھر ایک دفعہ ردیوں کی کثیر تعداد فوج اکٹھی کر کے

رہیقہ حاشیہ منقولہ شدہ، ہمیشہ کی جاتی رہی ہے۔ اس نے نقیوسی کا یہ بیان سرا سر کذب و افتراء اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

۱۔ ابن عبدالمکرم کی روایت میں کرام الشریک ابن بطریق کی روایت میں گرم شریک لکھا ہے۔

۲۔ مقریزی کی روایت میں سنگھیس، ابن بطریق کی روایت میں سستان (SALSTAN) اور بعض دوسری روایات میں سیمائیس آیا ہے۔ ادھر یہ کریون اور گرم شریک کے درمیان دمنہور سے چھریل جزب کی ایک بستی کا نام ہے۔

۳۔ باہیون اور اسکندریہ کے درمیان جتنے بھی قلعے ہیں ان میں اسکندریہ کے قریب سب سے آخری قلعہ کریون ہی ہے یہ گندم کی سب سے بڑی منڈی ہونے کے علاوہ سیاسی اعتبار سے بھی بہت اہم ہے۔ اس لئے کہ اسکندریہ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنا حوصلہ نکالنے کی تیاری کر رکھی تھی۔ اور اسے یقین تھا کہ شہر کی بیرونی نہر اور اندرون شہر کا مستحکم قلعہ دونوں چیزیں اس کی خاطر خواہ امداد کریں گی۔ اور اسکندریہ جانے کا راستہ اس کے سوا کوئی دوسرا ہے ہی نہیں جس کے ذریعہ سمان بالا بالا شہر میں داخل ہو سکیں۔ جنگ کا آغاز ہو گیا۔ اور دوران جنگ میں مغیبات، خبیث، سخا اور بے یقینی وغیرہ مقامات سے ردیوں کو تازہ دم امداد پہنچتی رہی۔ لڑائی تقریباً بارہ چودہ دن تک طول پکڑ گئی۔ سمان ہمت باندھ باندھ کر سخت سے سخت حملہ کرتے تھے۔ لیکن ردی ہر حملہ برداشت کر جاتے۔ آخر کار نصرت یہاں تک پہنچی کہ مسلمانوں نے غازیہ خوف ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے دعائے نصرت مانگی جس کے بعد اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہو گئی۔ ردی شکست کھا کر اسکندریہ کی طرف بھاگ گئے اور شہر مع قلعہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

کریوں کی فتح کے بعد اسکندریہ کا راستہ بالکل صاف تھا۔ عمرو نے یہاں کچھ عرصہ اپنی فوج کو آرام دیا اور اس کے بعد وہاں سے بلا مزاحمت سیدھے اسکندریہ جا پہنچے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کریوں کی جنگ میں عربوں کی کمان عمرو کے بجائے ان کے غلام ورنان کے ہاتھ میں تھی۔ عبداللہ بن عمر بن عاص اس لڑائی میں زخمی ہو گئے۔ تو انہوں نے وردان سے بعرض آرام کیمپ کی طرف لوٹ جانے کی اجازت مانگی تو ان سے وردان نے پوچھا کیا آرام کرنے کے لئے جانا چاہتے ہو؟ سن کر آرام تمہارے آگے ہے، پیچھے نہیں ہے۔ یہ بات کر کے دونوں آگے کی طرف بڑھ گئے اور لڑتے رہے۔ عمرو کو بیٹے کے زخمی ہونے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کسی آدمی کو ان کی خبریت معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ جواب میں عبد اللہ نے چند اشعار پڑھے جن کا مطلع یہ تھا:

أَقُولُ لَهَا إِذَا اجْتَاثَتْ وَجَاثَتْ
مَكَائِلُ حَمْدِي أَدْنَى نَحْبِ

ابن عبدالعزیز (گذشتہ) کی خدایک درد تمام اسی نہر کے ذریعہ پہنچائی جاتی ہے۔ جس کے کنارے پر یہ شہر واقع ہے اگرچہ اس کے قلعے باغیوں جیسے مستحکم تو نہیں تھے۔ لیکن ردیوں نے ان کی مرمت وغیرہ کر کے انکو پہلے سے بہت زیادہ مضبوط بنا دیا تھا۔

ابن عبدالعزیز کے الفاظ یہ ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور انہوں نے ردیوں کو خوب قتل کیا اور اس کے بعد ان کا بیٹھا اسکندریہ تک نہ چھوڑا۔

ابن عمرو کے اسکندریہ تک پہنچنے اور راستہ کی فتوحات وغیرہ میں بائیس جینے گئے۔

سے مغربی کابیان ہے کہ عبداللہ نے صرف ایک ہی شعر پڑھا تھا۔ اور اس شعر کا اصل قائل عمرو بن الاطہ ہے۔

رجب وہ اُٹھنے اور جوش مارنے لگتی ہے تو میں اسے کہتا ہوں کہ دیکھو اپنے محاذ کو نہ چھوڑو۔
راحت حاصل کرنی ہے تو اسی جگہ حاصل کرو اور حد بیان کرنی ہے تو اسی جگہ بیان کرو۔
عمر نے بیٹے کو یہ پیغام سنا تو خوشی سے اُچھل پڑے اور فرمایا کہ یقیناً میرے بیٹے کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔

فتح اسکندریہ

عرب اسکندریہ کے قریب پہنچے اور اس کے در و دیوار پر نظر ڈالی تو ان پر حیرت و استعجاب کا علم
ظاہر ہو گیا۔ اور دمشق بیت المقدس اور انطاکیہ کے منافرجن سے وہ اب تک مرعوب تھے۔ سب
اسکندریہ کے سامنے گرد ہو کر رہ گئے۔

یہ وہی اسکندریہ ہے جسے اسکندر اعظم نے بحر اربعہ پر تعمیر کیا اور اپنے ہی نام پر اس کا نام بھی
رکھا۔ اور اب اسکندر اعظم کی اسی یادگار کو عمرو بن عاص اسلامی یادگار بنانے آئے ہیں اب وہ
اس کی سر زمین پر اس کے محلات و قصور پر، اس کے قبول اور مینا محل پر سکندر اور اسکندریہ
دونوں کے حقیقی مالک خدا سے واحد و قہار کی عیدیت کا علم لہرانے کا عزم کر چکے ہیں۔

اسکندریہ رومانی شہنشاہی کا دوسرا دار الخلافہ اور ساری دنیا کا اہم تجارتی مرکز تھا۔ اور اسی
اہمیت کی بنا پر رومیوں اور ان کے پیشرو بطلسمہ نے ہمیشہ اس کی قلعہ بندی اور استحکام کو اولین
حیثیت دی تاکہ غارتگران دنیا اور فاتحین عالم اس کو کسی طرح کا صدمہ نہ پہنچا سکیں۔

اسکندریہ اپنی رونق، خوبصورتی، چمک و دمک، استحکام، فصیول، عمارتوں، بازاروں، بھلوں، اور
باغوں کے لحاظ سے یکتائے زمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ انجینیئری کا شاہکار اور اپنے سیاسی و جغرافی
محل وقوع کے لحاظ سے بہت بڑی عظمت کا حامل تھا۔

اصطخری کہتا ہے کہ "اسکندریہ کی تعمیرات میں زرخوشی، ستونوں اور دیواروں کے لئے زیادہ تر
سنگ مرمر ہی استعمال کیا گیا ہے"۔

سیوطی کہتا ہے کہ سارا شہر دن کی طرح رات کو بھی سفید، براق اور چمکدار دکھائی دیتا ہے۔۔۔

۱۵ ابوالیم بن محمد اصطخری -

۱۶ مسک الملک جلد ۱ ص ۵۰ -

۱۷ حسن المحاضرہ -

”چونکہ اس کے فرش فردش اور در و دیوار میں سفید براق مرمر لگایا گیا ہے اس لئے ناہوں اور تارکین دنیا نے اپنے لباس کا رنگ سیاہ قرار دے لیا تھا۔ اور جب ان میں سے کوئی شہر میں داخل ہونے پر مجبور ہوتا تو آنکھوں پر پردہ ڈال کر داخل ہوتا تھا تاکہ اس عروس دنیا کے چہرے پر اس کی نظر پڑ کر ضبط اعمال کا سبب نہ بن جائے۔۔۔۔۔“ کوئی جلاہ اگر چاہتا کہ رات کے وقت سوئی میں دعا گو پر دستے تودہ اپنے چراغ کے بجائے اس چمک میں پڑتا تھا جو چاند کی چاندنی سے سفید رنگ مرمر میں پیدا ہوتی تھی۔

مسعودی کہتا ہے کہ لوگ مرمر کی چمک چوند سے بچنے کے لئے عام طور پر بزرنگ کے پردے راستوں پر ڈال دیا کرتے تھے۔

”راستے جتنے بھی تھے ستونوں کے درمیان سے نکلتے تھے بڑی شاہراہیں دو تھیں ایک مشرق سے مغرب کو باب الشمس سے باب القمر تک نکل جاتی تھی اور دوسری جنوب سے شمال کی طرف چلی جاتی تھی۔ اور دونوں کے چوراہے پر ایک وسیع میدان تھا جس کو باغیچوں اور محلات و قصور سے آراستہ کیا گیا تھا۔“

سیوطی نے ابن عبدالحکم سے نقل کیا ہے کہ ”اسکندریہ تین علاقوں پر تقسیم تھا۔ معری علاقہ رودی علاقہ اور یہودی علاقہ ہر علاقہ کی ایک جدا گانہ اپنی تفصیل بھی تھی اور ایک سب سے بڑی مشترکہ تفصیل تھی جو تینوں علاقوں کی بیک وقت حفاظت کرتی تھی۔“

حنا سکوس کہتا ہے کہ ”شہر کے وسط میں بھی بہت سے باغات موجود تھے۔“

عبد اللہ بن عارف کہتا ہے کہ ”شہر میں سات قلعے اور سات خندقیں تھیں۔“

سیوطی کہتا ہے کہ ”اسکندریہ جیسا متحدہ شہر دنیا کے تختے پر کہیں نہیں پایا جاتا۔“

اسکندریہ میں بلند اور ضخیم میدانوں کی کمی نہیں تھی۔ بطابشہ کے محلات سے یہ شہر بھرا پڑا تھا اسی میں وہ عظیم الشان مقبرہ ہے جس میں اسکندر اعظم کی لاش سونے کا پرت چڑھا کر رکھی گئی ہے۔

مقبرہ تتراموس کے یکینہ مادیہ درودی کے یکینہ مرتضیٰ کے یکینہ قیوڈوراد کے یکینہ قیصرین اسی شہر میں ہیں۔

۱۷ مقصد یہ ہے کہ چاند کی چاندنی میں مرمر کے اندر بہت زیادہ روشنی پیدا ہوتی تھی۔

۱۸ مروج الذهب ص ۲۹

۱۹ یہ ستون سے گھر سے جوئے برآمد کے درمیان ایک عالیشان محل ہے کی ایک روایت کے مطابق اسکندر نے ارمیاہ پیغمبر کیماں دفن کیا تھا اور اسی وجہ سے لوگ اس مقبرے کا بچھڑا حرم کرتے ہیں (بقیہ حاشیہ کے مغیرہ)

عربوں کے دلوں میں جس عمارت نے سب سے زیادہ اثر کیا وہ سراپوٹم ہے جو دہل کئی نو بصورت عمارتوں کا ایک حسین مجموعہ ہے۔ اور یہ عمارت مصری علاقہ میں اُس موقع پر ہے جہاں دقلدیانوس کا مینار بنا چکا ہے اور جسے عربوں نے عمرو السواری کا نام دے دیا ہے۔ اس کے پہلو میں بہت اونچے طلائی قبة والی ایک اور عمارت ہے جو ستونوں پر قائم ہے۔ اور اس کا نام اٹوس ہے۔

سب سے زیادہ حیرت انگیز وہ منارہ ہے جسے جہازوں کی رہنمائی کے لئے بظلیوس فلاولوس کے عہد میں سوستراتوس کنیدی نے تعمیر کیا تھا۔ یہ منارہ عربی فتوحات کے وقت صحیح حالت میں تھا دن کے وقت سورج کی روشنی سے چمکتا تھا اور رات کے وقت اپنی روشنی سے یہ کئی فرسخ کے کے فاصلے سے دکھائی دیتا تھا۔

محاذ جنگ یہی اسکندریہ آج محاذ جنگ ہے۔

اس کی محافظ فوج پچاس ہزار کے لگ بھگ ہے جس کے لئے سلمان رسد بھی دافر مقدار میں شہر کے اندر موجود ہے۔ چاروں طرف نہایت مستحکم فصیلیں ہیں جن پر جدید ترین آلات حرب اور بڑی بڑی طاقت کی مینینیں نصب ہیں۔

(بقیہ حاشیہ منور شدہ) اسے اس کا بانی اور جیوس بتایا جاتا ہے۔

۱۰۰ حانقوسی کہتا ہے کہ یہ گینہ شہر کے ایک دروازے کے قریب مندر کے کنارے واقع ہے (منور شدہ) اور کولوس کا بیان ہے کہ جب تم مصر کی طرف سے شہر میں داخل ہو تو قریب شہر کے شمال میں ایک بہت بڑا گینہ دکھائی دے گا جس میں مرقس انجیلی کا جسد دفن ہے۔ یہ گینہ کے شمال حصہ میں بالکل عراب کے سامنے ہے اور اُس کے اوپر رنگ مرمر کا ایک ستون بطور نشان کھڑا کر دیا گیا ہے۔

۱۰۱ شہر کا سب سے بڑا گھر یہی ہے جو شہر کے سب سے بڑے محلے پر دیوں میں واقع ہے۔ اور اپنی عظمت و شان کی وجہ سے گینہ کبریٰ کا مقام سمجھا جاتا ہے۔ اس کے صحن میں دو قدیم قرارے تھے اس گینہ کو عجیب و غریب تعداد میں اور نقش و نگار سے مزین کیا گیا تھا۔ چاندی سونے کے زیور زدن نے اسے بالکل دلہن بنا دیا تھا اُس زمانہ میں قریباں اور نذرانے پیش کئے گئے اس سے بڑی کوئی دوسری قرآن گاہ نہیں تھی۔ حانقوسی نے اسے تصریح کر دیا ہے۔ یعقوبی کا بیان بھی یہی ہے کہ اس میں رنگیں اور نقشیں پتھروں کے بنے ہوئے دروازے تھے۔

۱۰۲ ابن حوقل کہتا ہے کہ اس کی تعمیر شاید پتھروں سے کی گئی تھی جنہیں سیسہ کے ذریعہ جوڑا گیا تھا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شمال میں شہر کی حفاظت سمندر کر رہا ہے۔ جنوب میں بحیرہ مربوط اور ایک نہر محفوظ ہے۔ اور مغرب میں نہر ثعبان اس کا پہرہ دے رہی ہے۔

اور اب عربوں کی پیش قدمی کے لئے صرف ایک رخ یعنی... کچھ حصہ جنوب مشرقی باقی رہ گیا ہے۔

فریقین کے آلات جنگ | جیسے ہم نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے سیکم فصیلیں اسکندر یہ کام سب سے بڑا دفاعی ہتھیار ہیں۔

اس کے علاوہ درمیوں کے پاس دیو سکل مخفی قوت کی کمی نہیں ہے جن کے ذریعے وہ فضیل پر چڑھ کر بھاری بھاری پتھر مل کی بارش برسات سکتے ہیں۔

لیکن عربوں کے پاس قلعہ شکن آلات میں سے ایک بھی نہیں ہے۔ مفتوحہ علاقوں کے مالی نعمت میں جو آلات ان کے قبضہ میں آئے تھے انہیں بھاری ہونے کی وجہ سے دوسری جگہ منتقل ہی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

بس لے دے کر ان کے پاس کوئی ہتھیار ہے تو ان کے عربی گھوڑے ہیں جنہیں وہ ہرمیدان میں ڈال دیتے ہیں۔ یا پھر ایمان راسخ عشق جہاد ثابت قدمی اور شجاعت و شہادت کے اخلاقی ہتھیار ہیں جنہیں وہ فلاح کے ہتھیاروں نے زیادہ قابل اعتماد اور کارگر سمجھتے ہیں۔ اور اب تک ہر میدان میں یہی ان کے امتیازی ہتھیار رہتے آئے ہیں۔

محاذ کا جائزہ | ابتداریں عمر و قحط کا نقشہ جنگ یہ تھا کہ وہ عادت کے مطابق شہر کا کئی محاصرہ کر لیں۔ لیکن تین اطراف میں پانی ہونے کی وجہ سے محاصرہ صرف خفگی ہی کی طرف ہو سکتا تھا۔ اور وہ بھی شہر سے دور مخفی قوت کی زد سے بچ کر۔ اس لئے کہ ابتدائی حملہ میں مسلمان مخفی قوت کی تنگ باری کا تلخ تجربہ کر چکے تھے۔ اس لئے عمر و نے صرف اس بات پر اکتفا کی کہ اسلامی فوج اپنے کیمپوں ہی میں پڑی رہے۔

بقیہ حاشیہ منور گزشتہ | ایسی تعمیر کی مثال دنیا میں کسی دوسری جگہ نہیں ملتی اور ایسی کہتا ہے کہ ایسے سخت پتھر اور پھر ان کے جوڑنے کا ایسا مضبوط مسئلہ اور ترتیب کا ایسا درالا و تنگ دنیا کے کسی خطے میں نہیں پایا گیا۔
 ————— اصطلاحی کہتا ہے کہ اس عمارت میں تین سو سے زیادہ کمر لکیاں ہیں جن کی سیر کسی رہنما کے بغیر ممکن نہیں۔
 ————— مغربی نے بھی اپنے الفاظ میں اس کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس عمارت میں دروازوں، راستوں اور منزلیں کی اتنی بھول بھلیاں ہے کہ جو ذرا تر بھی داخل ہوتا ہے۔ وہ سرگرم ہرگز راستے سے ہٹک جاتا ہے۔
 (بقیہ حاشیہ منور گزشتہ)

مسلمانوں کا سکندریہ کے دروازے پر اس طرح پڑے رہنا بھی مفید ہی رہا۔ کیونکہ اس ناکہ بندی سے سکندریہ کا تعلق بیرونی دنیا سے کچھ قطع ہو گیا تھا اور اسل و رسائل کا تقطاع بھی ایک بہت بڑی موثر تدبیر جنگ ہے۔

شہر کے فتح ہونے کی اب صرف ایک ہی صورت رہ گئی تھی۔ امداد یہ کہ رومی افواج محاصرہ سے تنگ آکر میدان میں نکلیں اور پھر سلطان انہیں شکست دے کر پیچھے دھکیلتے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ ہی شہر کے اندر داخل ہو جائیں۔ اور عمرو کو یقین تھا کہ جلد یا بدیر ایسا ہی ہوتا ہے۔ رومی افواج اپنی کثرت تعداد کے بھرپور سے پرکھی نہ کبھی شہر سے باہر ضرور نکلیں گی۔ اور یہاں کام بن جائے گا۔

اس کے علاوہ عمرو کو یہ بھی احساس تھا کہ گرمی کا موسم ہو اور موسم کے ساتھ ہی نیل کی طبعانی قریب ہے جس کے بعد اسلامی فوجوں کی نشیبی مصر کی طرف مراجعت ہو جائے گی اس لئے انہوں نے فوج کو حکم دیا کہ وہ سکندریہ کی ان مضافاتی بستیوں میں فروکش ہو جائیں جن کے مالک انہیں خالی کر کے سکندریہ بھاگ گئے ہیں۔

نقشہ جنگ | محاذ جنگ کا مذکورہ بالا جائزہ لینے کے بعد عمرو نے مندرجہ ذیل خطہ پر نقشہ جنگ مرتب کیا :-

- ۱۔ فوج کا ایک حصہ سکندریہ کی ناکہ بندی کے لئے اسی جگہ پڑاؤ ڈالے رہے۔
- ۲۔ اس کے ساتھ ساتھ نشیبی مصر کی فتوحات کا سلسلہ بھی جاری رہے۔
- ۳۔ رومیوں کے متروکہ محلات و قصور کے قریب سے باغیوں کے قریب نیل پر ایک پل تعمیر کیا جائے۔

مسلمانوں کا شہر میں داخلہ اور سپاہی | ابھی عمرو اس منصوبہ پر عمل شروع کرنے بھی نہ پاسے تھے کہ ان کی خواہش پوری ہوئی۔ رومی مقابلہ کے لئے میدان میں نکل آئے۔ گھسان کی جنگ ہوئی اور سلطان رومیوں کو دھکیلتے ہوئے شہر کے اندر داخل ہو گئے۔ لیکن اندر داخل ہوتے ہی رومیوں کا زور بڑھ گیا اور وہ مسلمانوں کو باہر نکلانے میں کامیاب ہو گئے۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) | سلسلہ سیر مل کو بیان ہے کہ جس جگہ عربوں نے پڑاؤ ڈالا تھا وہ صحرہ اور قصر فارس کے

درمیان کا میدان تھا۔ قصر فارس سکندریہ کے مشرق میں واقع ہے۔ ابن عبد الحکم نے بھی اس کی تائید میں لکھا ہے کہ

عرب عداہ تک صحرہ میں رہے۔ فارس کا نام بعض کتابوں میں قصر فارس ہی آیا ہے۔

ایک عجیب واقعہ | اس حملہ میں مسلمانوں کے دو آدمی اندر ہی رہ گئے۔ جن میں سے ایک خود عمروؓ اور دوسرے مسک بن مخلد۔ رومیوں نے ترجمان کے ذریعہ ان سے بات چیت شروع کی اور کہا دیکھو تمہارے ساتھی ہمارے آدمیوں کو پکڑ کر لے گئے ہیں اور تم ہمارے قبضے میں ہو۔ معاملہ کا اس طرح تصفیہ کرو کہ ہم تمہیں قتل کرنے کی بجائے اپنے آدمیوں کے ذریعہ میں آزاد کر دیتے ہیں۔ تم ہمارے قیدیوں کو آزاد کر دو۔ لیکن انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ رومیوں نے دوسری متبادل صورت یہ پیش کی کہ ”تمہارا ایک آدمی ہمارے ایک آدمی سے مقابلہ کرے۔ اگر ہمارا آدمی غائب آجائے تو تم اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو۔ اور اگر تمہارا آدمی غائب آجائے تو ہم تمہیں آزاد کر کے تمہارے ساتھیوں کے پاس پہنچا دیں گے۔“ وہ اس شرط پر رضی ہو گئے۔ رومیوں کی طرف سے ایک جنگجو بہادر سامنے آیا جو اپنی بہادری شجاعت میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ اوامر سے عمروؓ نے اس کی طرف بڑھنے کا قصد کیا۔ لیکن مسکؓ نے فرار دیکھا کہ ہائیں یہ کیا کرنے لگے ہو، وہ مری غلطی کرتے ہو، تم امیر لشکر ہو، مسلمان تمہاری طرف سے سخت فکر مند ہوں گے کہ یہ معلوم تمہارا کیا شہر ہو۔ اگر بات بگڑ گئی تو مسلمانوں کے دل ٹوٹ جائیں گے اور سارا انتظام درہم برہم ہو جائے گا۔ ٹھہر جاؤ، تمہارا منشا رائدؓ نے چاہا تو میں پورا کر دوں گا۔ یہ کہتے ہی مسکؓ رومی کی طرف چھپے اور قابو پاتے ہی اس کا کام تمام کر دیا۔ رومیوں نے اپنا معاہدہ پورا کیا اور انہیں قلعے سے باہر نکال دیا۔ اس کے بعد جب رومیوں کو پتہ چلا کہ ان میں تو خود سپہ سالار عمروؓ بھی موجود تھا تو بے حد پشیمان ہوئے اور مخالف سردار کے اس طرح مچلنے پر کف افسوس کئے رہ گئے۔

اس واقعہ کے متعلق دوسری روایت | اردو لک اپنی کتاب ”تاریخ معادن محمدؐ میں لکھتا ہے کہ عمروؓ نے حاکم شہر کے سامنے ہتھی کر ایسی گفتگو کی جس سے اُن کی بہادری اور سرداری کا خیال ہوتا تھا اس لیے حاکم کو ان کے سردار ہوتے کا شبہ ہوا اور اس نے ان کے قتل کا حکم دیدیا۔ عمروؓ کا غلام وردان جو ان کے قریب ہی کھڑا تھا اس بات کو تاڑ گیا اور حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے عمروؓ کے منہ پر ایک پتھر مارا اور کہا ”اگتے“ اپنے سرداروں کے سامنے لب کشائی کر رہا ہے۔ زبان بند کر۔“ پھر رومی حاکم سے مخاطب ہو کر بولا کہ ہمارے غلیبہ نے ہمارے سپہ سالار عمروؓ بن عاص

کے پاس ایک فرمان بھیجا ہے۔ جس میں اسے محاصرہ ختم کرنے اور رومیوں کے ساتھ صلح کر لینے کا حکم دیا ہے اور حاکم کو مشورہ دیا کہ یہ شخص صلح کی گفت و شنید کرنے کے لئے درمیان رابطہ کا کام بخوبی انجام دے سکتا ہے۔ چنانچہ حاکم نے دردان کی رائے منظور کر لی اور عمروؓ کو آزاد کر دیا۔ ایک اور جھڑپ ایک دفعہ اور بھی اسی طرح رومی شہر سے باہر نکل کر حملہ آور ہوئے۔ اور ہری قبیلہ کے ایک آدمی کا سر کاٹ کر لے گئے۔ ہریوں نے عہد کر لیا کہ وہ اپنے آدمی کو سر کے بغیر برگزہ دفن نہ کریں گے۔ اس پر عمروؓ نے یہ تدبیر بتائی کہ تندرہ جب بھی رومی باہر نکلیں تو تم ان پر حملہ کر کے ان کے ایک آدمی کا سر کاٹ لینا اور پھر اس شرط پر واپس کرنا کہ وہ تمہارے آدمی کا سر دے دیں چنانچہ یہی ہوا۔ جب رومی حملے کے لئے نکلے تو مسلمانوں نے ان کے ایک بطریق کا سر کاٹ لیا اور پھر اس کے ساتھ ہری کے سر کا تبادلہ کر لیا۔

سریہ عمروؓ اس کے بعد عمروؓ نے فوج کو محاصرہ جاری رکھنے کا حکم دیا اور خود ایک مختصر سادستہ سے کرکریوں ہوتے ہوئے دھند رہیں۔ اور وہاں سے مشرق کی سمت مرطکہ اس صوبہ میں پہنچ گئے جس کا موجودہ نام غریبہ ہے۔ شہر سخا ان کا نشانہ تھا۔ اور وہ اس پر بے خبری کے حال میں اپنا کچھ مارنا چاہتے تھے۔ لیکن قریب پہنچے پر معلوم ہوا کہ شہر کا احاطہ نصیبوں اور نہروں سے کیا گیا ہے اس لئے وہ منصوبہ کامیاب نہ ہو سکا۔ بقیہ حنا نقیوسی عمروؓ کا سخا پر کئی قابو نہ چل سکا۔ عمروؓ سخا سے ہٹ کر جنوبی بستیوں کی طرف لڑاؤ ہو گئے۔ پہلے طوخ پر کیمپ ڈالا اور پھر اس کے بعد مسیس پہنچے لیکن یہ دونوں بستیاں بھی عربوں کے حملے ڈٹ گئیں جنہیں عمروؓ دشوار سمجھ کر واپس ہو گئے۔

۱۶۵ مکنی کہتا ہے کہ محاصرہ اسکندریہ تین مہینے جاری رہا۔ مقررہ چار ماہ بتلاتا ہے (جلد ۱ ص ۱۶۵)

ابن عبد الحکم (ص ۲۲) سیوطی (جلد ۱ ص ۵۳) اور اردو لکھنے بھی اسی کی تائید کی ہے۔

۱۶۷ عمروؓ کو امید نہیں تھی کہ اسے اس علاقہ میں کوئی جنگ پیش آئے گی۔ اس لئے زیادہ فوج کی ضرورت نہ سمجھی۔ کیونکہ اس کی ضرورت فقط بتہ شہروں میں پیش آتی ہے۔

۱۶۸ یہ شہر طسلا کے شمال میں ۲۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

۱۶۹ وہاں ص ۱۷۵

۱۷۰ یہاں طوخ سے مراد یا تو وہ طوخ مزید ہے جو صوبہ غریبہ میں واقع ہے۔ یا قبلیہ کا طوخ اکلام مراد ہے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک روایت کے مطابق عمروؓ نے نقل و حرکت میں ۱۲ مہینے خرچ کیے یہاں تک کہ وہ شہر دماط تک جا پہنچے۔ لیکن بقول حنفیسی معمرؓ اس علاقہ کے شہروں کو فتح نہیں کر سکا۔
مہرچہ خاں صاحبؒ کو معلوم ہوا کہ صوبہ صعید میں رومی افواج جمع ہیں تو انہوں نے خارجہ بن حذافہ کی سرکردگی میں ایک دستہ اس طرف روانہ کر دیا۔ یہ دستہ شہر الطوبہ پہنچا تو شہر والوں نے صوبہ کے گورنر حنا کو اس کی اطلاع دی اور اس سے جنگ کے لئے تیار ہونے کا مطالبہ کیا۔ لیکن اس کے دل میں عربوں کا خوف پیدا ہو گیا اور اس نے یہ سوچ کر کہ میرا حشر بھی کہیں ویسا ہی نہ ہو جیسا قیوم والوں کا ہو چکا ہے اس نے قومی خزانہ اپنے ساتھ لیا اور قوم کو چھوڑ کر اسکندریہ کی طرف بھاگ گیا۔

صوبہ صعید کی فتوحات اس مقام پر مکمل ہو گئیں اور اسلئے میں اس کے اکثر دہشت گردی علاقہ کو خالی کر گئے جو قدر قلیل باقی رہے۔ انہوں نے مکمل طور پر اطاعت قبول کر لی۔

اسکندریہ کا اندرونی خلفشار | رومیوں میں گروہی اور قومی تفریق پیدا ہو گئی۔ اور سیاسی سطح پر وہ بڑی جماعتوں روم اخضر اور روم الرزق (یعنی یمن رومی اور نیلے رومی) میں تقسیم ہو گئے۔ اور اس اختلاف میں ایسے اندھے ہوئے کہ انہیں اپنا وہ مشترک اور طاقتور دشمن بھی دکھائی نہ دیا جو اسکندریہ کے عین دروازے پر دستک دے رہا تھا اور جس کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز وہ اپنے بہرے کا نواں تک سے سن رہے تھے۔

حنفیسوی کا بیان ہے کہ اس اختلاف کی اصل بنیاد دینی فرقہ بندی کے سوا کوئی دوسری نہیں تھی پھر اس نے ان کے باہمی جنگ و جمل کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے بڑے بڑے لکھا کہ "یہ سارا کرشمہ ان کے ذاتی مفاد پرستی کا تھا۔"

قیس کی واپسی | قیس عرصہ دیر تک اسکندریہ سے غائب رہنے کے بعد اب پھر واپس آ گیا۔ اور اس کی واپسی پر رومیوں نے خوشی کے شادیانے بجائے۔ قیسوی لکھتا ہے کہ قیس کی واپسی سے اہل شہر پر خوشی کے مارے عالم وجد طاری ہو گیا اور انہوں نے اللہ کا شکر ادا کرتے کے ساتھ ساتھ اس کا زبردست شادمانہ استقبال کیا۔

(بقیہ حاشیہ ملاحظہ) اصل بات یہ ہے کہ نیل میں طرخ نام کی بہت سی بستیاں ہیں مثلاً طرخ دکھ، طرخ یعظہ، طرخ طنبش اور طرخ الملک۔

۱۔ اس کا موجودہ نام بیت دسیس ہے جو طرخ مزید سے چند میل مشرق میں واقع ہے اور شاخ دیانا ط سے ہی مشرق ہی کی طرف لے صوبہ طیبہ کا پایہ تخت جس کا موجودہ نام انصا ہے۔
۲۔ وہاں متکھ

بعض روایات کے مطابق قیرس کی واپسی اس نیت سے تھی کہ وہ بارے مصر کو عربوں کے حوالے کر کے اُن کی خوشنودی سے اسکندریہ میں اپنے ذاتی مشورہ سابق دینی تفریق کو دوبارہ حاصل کرنا چاہتا تھا اگرچہ اُس نے اپنے اس ارادے کو انتہائی طور پر صیغہ راند میں رکھا تھا تاہم شہنشاہِ روم پراس کا انکشاف کرنے بعد اُسے بھی اپنا ہم نوا بنا چکا تھا۔ بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھا کہ وہ خود عمرو بن العاص کے ساتھ اس بارے میں خفیہ مذاکرات بھی کر چکا تھا۔

شہنشاہِ روم ہرقل اکتوبر سن ۶۰۱ء میں مصر میں کا شہنشاہ بنا تھا۔

اور اب فردوسی سن ۶۰۱ء میں اُس کی موت نے اس کی شہنشاہی کا خاتمہ کر دیا۔

اس کے بعد اقتدار اس کے دو بیٹوں قسطنطین اور ہرقل کی طرف منتقل کر دیا گیا اور ہرقل کی ماں مرتینا کو بھی حکومت میں تیسرا شریک بنا دیا گیا۔ لیکن مرتینا اپنے بیٹے ہرقل کے ساتھ قسطنطین کی شرکت کو پسند نہیں کرتی تھی۔

قسطنطین عمر میں بڑھا ہونے کے علاوہ ہرقل کی بہ نسبت عوام میں زیادہ مقبول تھا۔ نیز دربارِ شاہی کا سب سے بڑا مذہبی قائدہ بیرس بھی مرتینا اور اس کے بیٹے ہرقل کی بہ نسبت قسطنطین کی طرف زیادہ میلان رکھتا تھا اس لئے اُسی کے ہاتھ پر اس نے حکومت کی بیعت کی۔

پوری سائنس نے دکھایا ہے کہ ”مرتینا حکومت کے بارے میں بطریق بیرس کی مرضی کے مطابق چلنا چاہتی تھی اس لئے ہرقل ہے کہ اس لالچ نے اُس کی رائے میں کچھ تبدیلی پیدا کر دی ہو۔“

قسطنطین نے اقتدار حاصل کرتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایک طرف جلاوطن تیرس کو واپسی کا پیغام بھیجا اور دوسری طرف قسطنطین کو بھی مصر کی موجودہ پوزیشن معلوم کرنے کے لئے بلا لیا۔

قسطنطین نے ہرقل سے یہ رائے دی کہ رومیوں کو چاہیے کہ وہ عربوں کے ساتھ کسی صلح میں شریک نہ ہوں قسطنطین نے اس رائے پر عمل کرتے ہوئے آئندہ موبہم گرما میں مصر کی طرف کثیر التعداد رومی افواج بھیجنے کا ارادہ کر لیا۔ اور نئی افواج جہانوں کی تیاری اور نوجوانوں کی آواستہ کی احکامات جاری کر دیئے۔

سے بعض روایات میں اس کا نام ہرقلیس اور ہرتوناس بھی آیا ہے۔ سے Bury
سے حاتم جو قیرس کے واپس بلائے والی مرتینا کو قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قسطنطین کو حاصل مرتینا ہی نے
تیار کیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مرتینا کی طرف قسطنطین کو رجحان رکھتا تھا۔
سے قسطنطین اور اسکندریہ میں آتے سینز کو اپنا نائب مقرر کر کے چلا گیا تھا۔

لیکن اسی دوران میں بہت جلد اس کی موت کا پہلا نشانہ آگیا اور وہ اپنی ساری تیاریاں اپنے ساتھ ہی لے کر اس جہاں رخصت ہو گیا۔

مرتینا سے موقع کو غنیمت جانا اور اپنے بیٹے ہرقل کے ہاتھ پر حکومت کی بیعت یعنی شرمع کر دی لیکن اعیان حکومت کی بڑی جماعت نے لاشش کر کے قسطنطین کے بیٹے کونستانس کو بھی اپنے باپ کی جگہ حکومت میں حصہ دار بنادیا۔

ہرقل نے قیروس کو بھی اسکندریہ بلا کر شریک اقتدار کر لیا۔ اور اس کے ساتھ مل کر یہ بات طے کی کہ عربوں کے ساتھ صلح کر کے مصر کے طول و عرض سے جنگ و جدل کا سلسلہ ختم کرنا چاہیے۔ شاید اس کا یہ خیال ہو کہ صلح کے بعد بھی مصر پر ستور رومی اقتدار ہی کے ماتحت رہے گا۔ چنانچہ یہ فیصلہ پختہ ہو گیا اور اس کے حق میں مجلس مدبرین، مجلس علمائے دین اور خاص طور پر حکم مرتینا کی تائیدات بھی حاصل کر لی گئی تھیں۔

بابلیون کی طرف | محمد بن عاص اپنی فوج کو آرام دینے کے لئے نین کی طغیان کا لہجہ قلعہ بابلیون میں گزار رہے تھے قیروس خود غنیمت تنہا صلح سامان کا پیغام لے کر ان کے پاس پہنچ گیا۔ محمد بن عاص اس کا پورا پورا نیر مقدم کیا۔ جب اس نے صلح کی بات چیت شروع کرنی چاہی تو عمرؤ نے فرمایا: ”آپ کی خود تشریف آوری قابل قدر ہے۔“ قیروس نے جواب دیا: ”اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ سرزمین عطا فرمادی ہے اس لئے آج کے بعد مدیوں سے جنگ کا سلسلہ کلیۃً ختم ہو جانا چاہیے۔“

صلح اس کے بعد صلح کی باقاعدہ بات چیت ہوئی رہی۔ اور بالآخر صلح ہی کی توثیق پر بات ختم اور فتوحات مصر کی تکمیل ہو گئی۔ شرانہ صلح درج ذیل ہیں۔

سنہ ۳۵۰ روایت خاقانی کا مرض الموت حکومت نین کے بعد ہی شروع ہو گیا تھا۔ اور اس کی موت آخری وقت کو دنگ کے پھٹ جانے کی وجہ سے ہوئی تھی جس کی وجہ سے اسے متواتر خون کی قے آمد ہی تھی۔

سنہ ۳۵۱ بعض کتابوں میں اس کا قلعہ کونستانس بھی آیا ہے۔

سنہ ۳۵۱ بزرگ و موثر ہے کہ قیروس نے بلاشبہ بھولے بھالے ہرقل کو جس کی ذاتی رائے عربوں کے ساتھ صلح کی نہیں تھی کوئی نہ کوئی بہتر راہ دکھا کر ہی تنگ آمد صلح کیا تھا۔ اور ایسی ہی چالاک سے اس نے بڑے شدید، بزدل، عمار اور کمزور مرتینا کی تائیدات بھی حاصل کی تھیں حقیقت یہ ہے کہ قیروس ذاتی طور پر ہمیشہ ہی سے مصالحانہ مزاج رکھتا اور مناسبات سے دور بھاگتا تھا۔

سنہ ۳۵۱ ایک روایت کے مطابق قیروس تنہا نہیں گیا تھا بلکہ اپنے ساتھ درامیوں کا ایک وفد لے گیا تھا۔

سنہ ۳۵۱ بعض روایات میں قیروس کے اٹھنا یہ ہیں کہ بارہ اور تھارے دریاں پلے ہی کوئی عداوت نہیں تھی (بقیہ عاشرے کے صفحہ ۲۴۹)

- ۱۔ جو کوئی بھی اس صلح میں داخل ہوگا اسے جزیہ ادا کرنا پڑے گا۔
 - ۲۔ گیارہ جیسے کے لئے دونوں طرف سے جنگ کمیٹی بند رہے گی۔ اور یہ مدت ۸ ستمبر ۶۲۲ء کو ختم ہو جائے گی
 - ۳۔ عربی فوجیں اپنے موجودہ کیمپوں میں پڑی رہیں گی۔ اور جانبین میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر حملہ آور نہیں ہوگا۔
 - ۴۔ اسکندریہ کی رومی افواج اپنا ساز و سامان لئے کمر بھری راستے سے روم کی طرف روانہ ہو جائیں گی
 - ۵۔ اس کے بعد پھر کبھی رومی فوجیں مصر کی واپسی کے ارادے سے مصر کا رخ نہ کریں گی۔
 - ۶۔ عیسائی گرجوں پر نہ مسلمان قبضہ کریں گے اور نہ ان کے مذہبی معاملات میں دخل ہوں گے۔
 - ۷۔ یہودیوں کو اسکندریہ میں رہنے کی اجازت ہوگی۔
 - ۸۔ معاہدہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے اور عملی جامہ پہنانے کی ضمانت ایک یرغمال کی صورت میں رومیوں کو ادا کرنی ہوگی
- طبری نے صلح کا متن مندرجہ ذیل الفاظ میں پیش کیا ہے۔
- ”عربوں کی طرف سے مصر والوں کو ان کی جان، مال، مذہب، عبادت گاہوں اور

(بقیہ ماضیہ صفحہ ۲۴۸) یہ شرطیں صلح مختلف روایات میں مختلف آئی ہیں لیکن جتنے ان میں اہم شرائط برآستے ہیں جزیہ کی مقدار دو یا تین کس شرط کی کمی اور ان سے ناکارہ بڑھوں اور چھوٹے بچوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا۔ اس شرح کے مطابق جزیہ کی کل مقدار ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ بیس تھی تاہم تاریخ اور مارع ارضی صحت، مصر دانوں پر جزیہ کے علاوہ زمین اور جائیداد پر بھی مندرجہ ذیل محاصل عائد تھے۔ تین ارب گدام۔ ودقسط شہر ودقسط سرکر۔ اور ودقسط مذہب و بن غلدر دن کے مطابق عربوں نے جزیہ کی پہلی قسط کا قرض مطالبہ کیا تھا جسے ابن اثیر نے انکار کیا کہ یہ کم بیان کی ہے۔ نیز اس کی وجہ یہ پیش کی ہے کہ اس عرصہ میں وہ حضرت عمرؓ سے جنگی قیدیوں کے بارے میں رائے معلوم کرنا چاہتے تھے۔

۱۔ اگر کوئی رومی جنگی کے راستے جانا چاہے تو اس کے لئے یہ شرط ہے پائی کہ وہ دوران سفر میں جتنی مدت سرزمین مصر میں رہے گا اسے مقررہ رقم مادمہ ادا کرنی پڑے گی۔

۲۔ ایک روایت کے مطابق یہ یرغمال ڈیڑھ سو فوجی اور سیکاس غیر فوجی تو اس پر مشتمل تھا۔

۵۰ مسلیوں کی امان دی جاتی ہے۔ اس میں نہ کوئی کمی کی جائے گی نہ زیادتی۔ نو بکے لوگ ان کے دوش بدوش نہیں رہ سکیں گے۔ مصر ملے اس صلح پر متفق ہو جانے کے بعد فوراً ہنہ کی وادی میں شروع کر دیں گے جس کی زیادہ سے زیادہ مجموعی مقدار پچاس کروڑ دینار ہو سکتی ہے اس صلح میں اگر نہیوں اور زمینوں میں سے کوئی شریک ہونا چاہے گا تو وہ بھی جلد شرائط کا پابند ہوگا۔ اور جوان میں سے ایک چھوڑ کر جانا چاہے گا تو اسے بھی امن کے ساتھ ملک سے رخصت کر دیا جائے گا مقرر کردہ جزیہ تین سادی اقساط میں وصول کیا جائے گا۔ صلح کے اس مضمون پر اللہ تعالیٰ کی گواہی، اللہ تعالیٰ کے رسول کی ضمانت اور امیر المومنین کی تصدیق ہے۔

پہری نے لکھا ہے کہ اس معاہدے کی کتابت و ردان تے کی اور گواہ زبیر عبد اللہ اور محمد بن عمرو کو بنایا گیا۔

۵۱ کیا مصر زور شمشیر فتح کیا گیا؟ | بیشتر روایات اس بات پر متفق ہیں کہ مصر کی مجموعی فتح حرباً نہیں بلکہ صلحاً مکمل ہوئی۔ لیکن اس کے برخلاف بعض مورخین اس طرف بھی گئے ہیں کہ اسکندریہ کی فتح حرباً ہوئی ہے چنانچہ ابن عبد الحکم اور بلاذری حوفل کی روایت یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسکندریہ پر کامیاب حملہ کیا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی سادہ اس فتح کا حصہ محرم سنہ ہجری تھا۔ اسی ذیل میں وہ حضرت عمرؓ کے ایک خط کا بھی ذکر کرتے ہیں جس میں انہوں نے عمرو بن عاص کو بدیں الفاظ متوجہ کیا تھا۔ ”میرے اس خط کے پیچھے ہی مسلمانوں کے سامنے ایک موثر تقریر کرو اور انہیں جہاد کا شوق دلائے ہوئے ثابت قدمی اور اخلاص نیت کی تلقین کرو۔“

ان دونوں کا بیان یہ بھی ہے کہ اس خط کی تعمیل میں عمروؓ نے لوگوں کو جمع کیا اور خلیفۃ المسلمین کا خط انہیں سنایا جس پر سب کی رائے یہ پھری کہ آئندہ حملہ میں محاذ اسکندریہ کا علمبردار حضرت عبد اللہ بن مسعود کو بنایا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اسکندریہ کو فتح کر دیا۔ بلاذری مزید کہتا ہے کہ عمرو بن عاص نے قیس کے پیغام صلح کو مسترد کر دیا تھا جس کی وجہ سے وہ اشتعال میں آیا۔ اور مسلمانوں کو اپنی کثرتِ افواج سے مرعوب کرنے کے لئے یہ ترکیب کی کہ اسکندریہ کی فصیل پر قلعہ کے تمام مرد و زن کو لاکھڑا کر دیا اور عورتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی پیٹھ باہر کی طرف کریں تاکہ پہنچائی نہ جاسکیں۔

۵۲ یعنی ایک ایک حصہ میں حصہ کی ایک ایک تہائی مقدار وصول کی جائے گی۔

عمروؓ نے اس ڈرامہ کا جواب قیرس کے پاس مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ بھیجا۔
 قیرس ! تیرا یہ ظلم ہو بشر یا ہم نے ابھی طرح دیکھ لیا ہے کان کھل کر سن لے، تو جتنا ناز
 اپنی کثرتِ تعداد پر کر رہا ہے ہم اس سے زیادہ ناز اپنی قلتِ تعداد پر کرتے ہیں۔ اور
 اس قلتِ ہی کے ساتھ ہر جگہ کثرت پر غلبہ پاتے رہے ہیں۔ تمہارے ہتھل کے ساتھ
 ہماری ہی قلتِ نبرد آڑا ہو چکی ہے اور اس کا جو حشر ہوا اس سے بھی تم لوگ بے خبر
 نہیں ہو۔

عمروؓ کے دندانِ شکن جواب نے قیرس کا سارا زور کا فور کر دیا۔ اور اس نے اپنی قوم سے مخاطب
 ہو کر کہا۔ بات بالکل سچی ہے جب ان لوگوں نے ہمارے بادشاہ کو اپنے دارالسلطنتِ طرابلس کی طرف
 بھاگتے پر مجبور کر دیا تو اس کے بعد ہماری تو کیا ہستی ہو سکتی ہے؟
 اس بزدلی پر اس کی قوم اس سے بہیم ہو گئی اور اسے بہت کچھ سخت سست کہا۔ ہوتے ہوتے
 رطائی کا آغاز ہو گیا۔ مسالوں کے محاصرے میں اور زیادہ شدت اختیار کی۔ یہاں تک کہ تین چھینے کی
 شدید جنگ کے بعد درود شمشیر ممکنہ حد پر قبضہ کر لیا۔
 صلح کے بعد تمام مصر فتح ہو گیا ہے۔ مصر والے عربوں کی اطاعت قبول کر چکے ہیں اور اب کسی طرف
 بھی مسالوں کے ساتھ مقابلہ کی تیاری نہیں ہے۔ مطلع ہر طرف سے صاف ہے۔
 اب اس کے بعد عربوں نے مصر میں رہ کر کیا کیا خدمت انجام دی؟
 اور دروہیوں کا اونٹ کس کر دٹ بیٹھا؟

تاریخ کی زبانی اس کی تفصیلات بھی سن لیجئے۔
 خلیفہ المسلمین کو خوشخبری | عمرو بن العاصؓ نے خلیفہ عمرؓ تک مژدہ فتح پہنچی نے کی خدمت
 معاویہ بن جندبؓ لکھی کے پہر کی۔ معاویہ نے عرض کیا بہتر ہو کہ آپ اس اہم خبر کو اپنے ہی الفاظ

سے لکھی نے مدتِ حصار تین ماہ بیان کی ہے۔ مقررہ (جلد ۲ ص ۱۲۵) چار ماہ بتاتا ہے۔ اور اسی کا پتہ
 ابن عبدالحکم (ص ۲۳۱) اور سیوطی (جلد ۱ ص ۳۳) نے بھی کی ہے۔ بلاذری کی روایت بھی تین ماہ ہے۔
 (جیسے کہ ہم نے دوسرے پہلے بیان کیا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک چار ماہ کی روایت قابلِ ترجیح ہے۔
 بلاذری نے قاعدہ کا نام خدیج اور مقررہ نے خدیج لکھا ہے۔ بعض، خندوں میں خدیج ہے۔ اور اسی
 کہ ہم نے اپنی تحریر میں اختیار کیا ہے۔

میں لکھوا کر مجھے دیدیں۔ اس پر عمرو نے جواب دیا کہ ”تو میری کیا ضرورت ہے۔ کیا تم مرد عربی نہیں ہو۔ اور اس بات پر تلمذت نہیں رکھتے کہ جو کچھ تم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے۔ اس کو اپنے الفاظ میں خلیفہ کے سامنے بیان کر دو۔“

معاویہ صحرا کی طویل مسافت کو مسرت کے ساتھ طے کرتے ہوئے مدینہ میں ظہر کے وقت داخل ہوئے اور حضرت عمرؓ کو ان مختصر الفاظ میں مژدہ فتح سنادیا ”ابھی خبر ہے اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے اسکندریہ کو مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح کرا دیا ہے۔“

حضرت عمرؓ فرط مسرت میں مسجد کی طرف تشریف لے گئے اور نماز شکر ادا کرنے کے بعد معاویہ کو واپس اپنے مکان پر لے آئے۔ اور پھر گھر آکر بھی دوبارہ نماز شکر ادا کی۔

ایک مورخؒ نے واقعہ کی تصویریں پیش کی ہے۔۔۔ معاویہ عین ظہر کے وقت مدینہ میں داخل ہوئے اور مسجد کے دروازے پر اپنی ادنیٰ کراچی بٹھا ہی رہے تھے کہ حضرت عمرؓ کی خادمہ گھر سے نکلی اور ایک اجنبی مسافر کو دیکھ کر اس کا نام اور کام دریافت کیا۔ معاویہ نے جواب دیا کہ ”میں عمرو بن العاص کی طرف سے ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔“ یہ سن کر وہ دوڑی ہوئی حضرت عمرؓ کے پاس پہنچی اور اٹھ پائوں لٹ کر معاویہ کو اپنے ساتھ اندر لے گئی۔ حضرت عمرؓ نے خبر دریافت فرمائی تو انہوں نے عرض کیا: خبر بہت اچھی ہے اے امیر المؤمنین۔ اللہ تعالیٰ نے اسکندریہ کو مسلمانوں کے لئے فتح فرما دیا ہے۔“

حضرت عمرؓ فوراً مسجد میں تشریف لے گئے اور اذان دلا کر فتح کے شکر یہ میں نماز ادا فرمائی اور پھر واپس مکان پر تشریف لے آئے اور دوبارہ گھر میں بھی نماز شکر ادا کی۔ اس کے بعد کھانا کھا دیا۔ روٹی اور دغن زیتون پیش کیا گیا جسے انہوں نے یہاں کے سامنے رکھ دیا۔ معاویہ نے تواضعاً اس میں سے ٹھوڑا سا کھا لیا، اس کے بعد کھجوریں لائی گئیں۔

بس یہی تھے وہ مکلف اور لذیذ کھانے جنہیں حضرت عمرؓ خود بھی استعمال فرماتے تھے اور عزیز جہانوں کے سامنے بھی پیش کرتے تھے۔۔۔ اس کے بعد معاویہ نے عرض کیا کہ میں تو مدینہ میں ظہر کے وقت آچکا تھا۔ اور میں نے اُسی وقت یہ خبر آپ کو اس لئے نہیں پہنچائی کہ وہ قبولہ کا وقت تھا۔ اور میرا خیال تھا کہ آپ استراحت فرما رہے ہوں گے۔ اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

”تمہارا یہ مکان درست نہیں تھا۔ اس لئے کہ اگر میں دن میں سونا شروع کر دوں تو یقیناً

روحیت کو ضائع کر دیں گا۔ اور اگر رات میں سوئے لگوں تو خود میرا نفس ضائع

ہو جائے گا۔ اپنی بڑی دوزمہ داریوں کی موجودگی میں بھلا سونے کا کیا کام؟

۲۔ اعلان صلح | دوسری طرف قیرس شرائط صلح لے کر تھوڑے دنوں میں سالار اعظم کے پاس پہنچا۔ اور پھر اس کے بعد صلح نامے کو شہنشاہ ہرتقلو ناس کے پاس بغرن آخری منظوری بھیج دیا۔ شہر میں بھی اگستہ ہستہ صلح کی خبر گشت کرنے لگی۔ اور اس کے بعد قیرس نے ہائیڈین سلطنت اور قائدین افواج کی ایک مجلس بلا کر ان سب کے سامنے صلح کا صاف صاف اعلان کر دیا۔

اس اعلان کا ابتدائی رد عمل تو یہ ہوا کہ سامعین قیرس کے خلاف غم و غصہ سے بھر گئے اور قریب تھا کہ اس پر حملہ آور بھی ہو جائیں۔ لیکن قیرس نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے آخر کو ردائے اعلیٰ اور رافعات کی روشنی میں مجمع کو خاموش کر دیا۔ اس بات کے ثابت کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ اس نے یہ صلح خوب سوچ سمجھ کر کی ہے اور ایسی میں ہمارے لئے خیر و برکت ہے۔ پھر اس کی تقریر یہاں تک کامیاب ہوئی کہ وہی فوجی جو چند منٹ پہلے صلح کے خلاف غضبناک تھے اب دوسرے ہی لمحے میں سرگرمی کے ساتھ لوگوں سے جزیہ وصول کرتے دکھائی دینے لگے۔ یہاں تک کہ جزیہ کی مقررہ مقدار سے بھی زیادہ سونا جمع کر لیا۔

قیرس اس جمع شدہ مال کو ایک کشتی میں رکھ کر بذات خود جنوبی دروازے سے نکل کر عمر دین کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔

۳۔ تعمیر قسطنطنیہ | عمر دین عاص نے بابلین اور پہاڑ کے درمیان والی نرم زمین میں بابلین کے قریب مسکانوں کے لئے ایک نیا شہر تعمیر کرنے کا ارادہ کر لیا۔

بروایت بلاذری شہر کا نقشہ حضرت زبیرؓ نے تیار کیا۔ اور پھر اس میں اپنا گھر بنا کر وہ تاریخی سیرابی محفوظ رکھی جس کی مدد سے انہوں نے قلعہ کی تفصیل پر چڑھ کر بابلین کا دروازہ کھولا تھا۔ یا قوت کی روایت کے مطابق عمر دین نے شہر کا نقشہ بنائے اور زمینوں کی تقسیم کا کام چار آدمیوں کی ایک کمیٹی کے سپرد کیا تھا۔

بعض روایات کے مطابق یہ سارا کام مصر کے وائے کار قبطیوں نے انجام دیا تھا۔

شہر بسا دیگی اداس کا نام فسطاط یا فسطاط مصر رکھ دیگی۔

ابتداء میں اگرچہ اس کی آبادی مختصر تھی لیکن ایک سال کے بعد تیزی کے ساتھ ترقی کرنے لگی۔ اور پھر تو اس حد تک ترقی کی کہ خلیفۃ المسیح حضرت عمرؓ نے اسکندریہ کے بجائے فسطاط ہی کو دار الخلافہ بنا دیا۔

بیشتر مکانات یک منزلہ اور کچی اینٹوں کے تھے لیکن جب تسلی ہوئی تو چارپانچ منزل تک پہنچ گئے۔
ہمدایت ضعیف و عاجزین حذافہ نے اپنے مکان میں ایک بالافانہ بنوایا تھا۔ لیکن جب حضرت
عمرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اسے منہدم کر دیا۔

عمر بن عاص نے خود اپنے لئے اسی مکان کو پسند فرمایا جس میں ان کا جھنڈا رکھا جاتا تھا۔ اور اسی کے اندر ایک مسجد بھی بنائی جس کا نام مسجد اہل الراہ (یعنی جھنڈے والوں کی مسجد) مشہور ہو گیا۔ اس کا محل وقوع نیل کا کنارہ اور ریاضات دانگورستان کا عین وسط تھا۔ مسجد کا رقبہ ۵۰ × ۳۰ گز تھا چھت پنجی تھی۔ صحن بالکل نہیں تھا۔ باہر کے کھلے میدان ہی کو صحن کا قائم مقام سمجھ لیا گیا تھا۔ چاروں طرف سڑک بنائی گئی تھی جس پر مسجد کے چھ دروازے کھلتے تھے۔ نمازی زیادہ ہو جاتے تو باہر کے کھلے میدان میں کھڑے ہو جاتے۔ مسجد میں ایک منبر بنایا گیا تھا۔ جس پر کھڑے ہو کر عمر بن عاص خطبہ دیتے تھے۔

۱۔ ایک قول کے مطابق فسطاط غیر عربی لفظ ہے۔ دوسرے قول کے مطابق فسطاط رومی لفظ Fossat um ہے بنایا گیا ہے۔ جسے ہامیرن کے مدنی سنانوں کے کیمپ کے لئے استعمال کرتے تھے۔ خطا متریزی (جلد اول صفحہ ۱) میں لکھا ہے کہ فسطاط کے معنی شہر ہیں۔ یازت نے اس کو صحیح تلفظ لکھے ہیں :- فُسطَاط - فِسطَاط - قُسطَاط - فِسطَاط اور فُسطَاط ... ۔ نیز یا زوت ہی کے بیان کے مطابق اس لفظ کا ذکر حدیث نبوی میں بھی اس طرح آیا ہے :- عَنِكَمُ الْإِحْتِمَاعُ مَبَاقَاتُ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ - (یعنی اجتماعی زندگی اختیار کرنا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ فسطاط پر ہے) جس کے معنی اس حدیث میں شہر کے ہیں جہاں لوگ اجتماعی زندگی گزار رہے ہیں۔ ابن القفقیہ کا قول ہے کہ شہر بصرہ کا نام فسطاط تھا۔

۲۔ نسطاط کی تاریخ تعمیر میں اختلاف ہے۔ بقول بلاذری اس کی تکمیل بائیسہاں کی تعمیر کے بعد ہوئی۔ لیکن اکثریت کی رائے اس کے برخلاف یہ ہے کہ وہ سقوط اسکندریہ کے بعد اُس وقت مکمل ہوا جب حضرت عمرؓ نے اسکندریہ کے دارالخلافہ بنانے سے انکار کرتے ہوئے نسطاط کے دارالخلافہ بنائے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ اور اس بات کی اجازت دی کہ عمرؓ وہاں اگر چاہیں تو اس میں مستقل سکونت اختیار کر سکتے ہیں۔

۳۔ اس کے برادرِ یاقوت۔ ابراہیم صاحب اور سیوطی بھائی ابن عبدالحکم ہیں۔

برداشت ضعیف اس مسجد کی تعمیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آٹھ جلیل القدر صحابہ نے حصہ لیا تھا۔ جن میں حضرت زبیر، حضرت مقداد بن الاسود اور حضرت عباد بن صامت بھی شامل تھے۔ عمرو بن عاص نے مسلمانوں کے لئے ایک قبرستان بھی تعمیر کیا جس میں چار صحابی بشمول عمرو بن عاص دفن کئے گئے۔

شہر میں متعدد حمام بھی بنائے گئے جن میں سے ایک کا نام حَمَّامُ الْفَاسِ (یعنی چوبیوں کا حمام) پڑ گیا۔ اور اس نام کی وجہ تسمیہ صرف یہ تھی کہ یہ حمام رومی حماموں کے مقابلے میں نہایت چھوٹے اور حقیر تھے۔

۴. خلیج تراجان | عمرو بن عاص نے تراجان نامی ایک خلیج کھدوائی جو بالبدین کے شمال میں دریائے نیل سے نکل کر شہر عین شمس کے پاس سے گزرتی ہوئی وادی طیلات کو عبور کر کے موضع قنطرہ تک پہنچتی تھی۔ اور وہاں جا کر قنطرہ کے قریب بحر احمر کے ساتھ مل جاتی تھی۔

لے سہولت نے ان کی تدبیر میں تباہی ہے اور دوسروں نے اسی لے علی پاشا مبارک اپنے خط میں لکھا ہے کہ مغربی کی تقریرات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ خلیج اسی پرانی خلیج کا حصہ تھی جو عربوں کے زمانے میں جازرانی کے کام آتی تھی اور جو نیل اور بحر احمر کو باہم ملاتی تھی۔ مغربی کے خط میں لکھا ہوا ہے کہ یہ خلیج قاہرہ کے مغرب میں قاہرہ اور عس کے درمیان واقع ہے۔ اب اسلام کے ابتدائی دور میں خلیج اہیر المونین کے نام سے مشہور تھی؟ اور یہ وہی پرانی خلیج ہے جسے سب سے پہلے طویس بن ملیح نے کھودا تھا؟ مصر کے اُن بادشاہوں میں سے ایک تراجان کا پایہ تخت مشہر صنف ہوا کرتا تھا۔ پھر اس خلیج کو دوبارہ قبیر دم اندر ومانس نے کھدوایا۔ جب ہیرودت مصر پہنچا تو اس نے وہاں کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نیل کو بحر احمر کے ساتھ ملانے کی پہلی کوشش نجوس بھی اسی حکم سے کی تھی۔ لیکن وہ خود اپنے ہاتھوں سے اسے پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکا۔ پھر جب مصر میں اہل فارس داخل ہوئے تو دارا نے اس کی کھدائی شروع کرائی۔

برداشت ضعیف حضرت عمرؓ نے عمرو بن عاص سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر مصر کا دروازہ کھول دیا ہے اور یہ ملک نہایت زرخیز اور کثیر الغنایہ ہے۔ میرے دل میں کبھی کبھی یہ خیال گشت لگایا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مصر کو فتح کر دے تو اس کے ذریعہ مکہ اور مدینہ والوں کی تنگ حالی بھی دور ہو جائے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے مصر کو مسلمانوں کے لئے فتح فرما دیا ہے۔ تو میں چاہتا ہوں کہ دریائے نیل سے بحر احمر تک ایک خلیج کھدوادی جائے جس کے ذریعہ وہاں سے آسانی کے ساتھ حریم تک غذا اور خوراک لائی جاسکے۔

برصغیر میں عربوں نے بحیرہ قساح اور بحیرہ اریط کے درمیان خلیج کھودنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن خلیفہ عمرؓ نے اس منصوبے کو اس بنا پر مسترد کر دیا تھا کہ پھر اس کے ذریعے رومی آسانی کے ساتھ بحرا بحر کی طرف پیش قدمی کر سکیں گے۔ اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ وہ اس کی مدد سے عاجلوں کا راستہ مدد کئے لگ جائیں۔

۵۔ **نیشی مصر** | نیشی مصر کے بعض شمالی علاقوں نے عربوں کی اطاعت سے روگردانی اختیار کی۔ اس لئے عمرؓ بن عباس نے کچھ فوج اُدھر معانہ کی جو کرپوں سے گزرتی ہوئی، خنا پہنچی جہاں کے حاکم طمانے بغاوت اختیار کر رکھی تھی۔ فوج نے دوبارہ اُس کی گردن جھکائی اور بہت سولی کو قید کر کے عمرؓ کے پاس روانہ کر دیا۔

عمرؓ اُختا سے فراغت پا کر بیت کی طرف روانہ ہو گئے۔ جہاں پہنچ کر انہیں حضرت عمرؓ کا جواب وصول ہوا۔ اس خط میں حضرت عمرؓ کی طرف سے صبح اسکندریہ کی تشریف درج تھی۔ عمرؓ نے اس خط کو لوگوں کے سامنے پڑھ کر سُنا دیا۔ جس سے متاثر ہو کر انہوں نے بغاوت ترک کر دی اور اطاعت قبول کر لی۔ بلکہ بہت سے ان میں سے مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

عمرؓ نے علاقہ رشید کے حاکم قزمان اور برلس کے حاکم حنا کے ساتھ بھی صلح کے پیمانے کئے۔ ختم برلس کے بعد ساحل سمندر پر بڑھتے بڑھتے عمرؓ بن عباس و مباحہ تک پہنچ گئے۔ اور اُسے فتح کرنے

۱۰۔ عمرؓ بن عباس نے طمان کے پاس تحریری پیغام بھیجا کہ ان شرائط پر قریس ہمارے ساتھ صلح کر چکا ہے۔ اور اس کی رُو سے مجدہ صرح ہمارے علاقے داخل صلح ہے۔ اس لئے تم ہمارے مطیع بن کر رہو۔ تو اس نے تحریر کو مسترد کرتے ہوئے رُو در روبات چیت کی خواہش ظاہر کی۔ ملاقات طے پا گئی۔ دوران ملاقات میں اُس نے جزیرہ کی مقدار پوچھی تو عمرؓ نے تیرہ ہزار ملے ہوئے قریبی گرجا کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ اگر تم اس گرجے کے ستون سے چھت تک بھی رُوں عطا کر دو تو میں یہ باغ بھر بھی نہ ہٹاؤں گا۔ تم تو ہمارا خزانہ ہو۔ اگر زیادہ دو گئے تو تم ہی پر زیادہ خرچ کر دیا جائے گا اور کم دو گئے تو یہ کمی بھی تمہاری طرف سے اپنے ہی لئے ہوگی۔

اس پر طمان نے اطاعت سے انکار کر دیا۔ جس کے بعد عمرؓ نے اُختا کو بدر شمشیر فتح کر لیا۔

۱۱۔ یہ شہر رشید کے جنوب میں چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اور بلاد رومی نے اس کا نام بہت لکھا ہے۔

۱۲۔ بعض روایتوں میں قزمان اس آیا ہے۔

۱۳۔ یہ شہر دریائے نیل کی شاخ بنیتی کے دہانے پر واقع ہے۔

کے بعد نیل کے جہد منافذ پر تاحہ سمندر قابض ہو گئے۔

دمياط کے قریبی شہر قنص کو بھی دمیاط ہی کے ساتھ فتح کر لیا گیا تھا۔

۴. تنیس اور شطا | تنیس ایک مشہور و معروف اچھا خاصا وسیع اور خوبصورت شہر تھا۔ باہمیک اور تنیس کپڑا اس کی مخصوص صنعت تھی۔ تجارتی اہمیت بھی اس وجہ رکھتا تھا کہ صرف عراق ہی کے ساتھ اس کی درآمد و برآمد میں سے تیس ہزار دینار سالانہ تک پہنچ جاتی تھی۔ یہ شہر ایک کشادہ جزیرے پر واقع تھا۔ جس میں جنوب کی طرف سے بحر روم کی ایک نہر داخل ہوتی تھی۔ شہر کے گرد متعدد فصیلیں تھیں جن کے اندر انیس لڑادی دروازے بنے ہوئے تھے۔

شاہ روم نے درخواست کی کہ یہ شہر میرے لئے چھوڑ دیا جائے اور میں اس کے بدلے میں تو شہر تک دینے کے لئے تیار ہوں، لیکن عمرو نے اس کی درخواست مسترد کر دی۔

اس کا حاکم ابوطور بن ہزار کا لشکر جوارے کر مسلمانوں کے مقابل صف آرا ہو گیا۔ اس لشکر میں قبلی، رومی اور عرب ہر قوم کے جنگجو بہادر شامل تھے۔ متعدد مقامات پر یہ لشکر مسلمانوں سے مقتادہ ہوئے اور میدانِ حرب و ضرب میں دل کھول کر اپنے حوصلے نکالے۔ لیکن آخری فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ اس ٹڈی دل کو مسلمان بہادروں نے شرمناک ہزیمت دی اور شہر میں فائنمانہ داخل ہو کر اموال غنیمت حاصل کئے۔

یہاں سے قراعت پاکر عمرو بن عاص فرما کی طرف روانہ ہو گئے۔

بلواری یزید بن ابی حبیب بن جثینانی سے رداہیت کرتے ہیں کہ یزید نے خود فاطمین مصر کی

۱۔ شہر رشید نیل غربی کے مدخل پر ادپر کی طرف واقع تھا۔ اور بلہیب مجرائے نیل پر اس کی شاخ رشید اور اسکندریہ کے درمیان واقع تھا اور برلس نیل کی شاخ سنہیتی پر واقع تھا۔

۲۔ بقول یاقوت یہ شہر غزنی کہل سے پر تھا اور اس کو خارجہ بن خذاف نے فتح کیا تھا۔ (جلد ۲، ص ۵۰)

۳۔ برداہیت ضعیف یہ نام لڑائی لفظ نمبر ۳ سے نکلا ہے۔ جس کے شروع میں قبلی زبان کی علامت تانیث لگادی

گئی ہے۔ THINNESS

۴۔ برداہیت سعودی یہاں خلیفہ کے لئے ایک خاص کپڑا تیار کیا گیا تھا جس کی قیمت ایک ہزار اشرفی تھی۔ اس کی بناوٹ میں سونے اور لکڑی کے تار استعمال کیے گئے تھے۔

۵۔ بعض رعاتیل میں ابوطور ملتا ہے۔

۶۔ بعض حوالہ جات میں اس تعداد کو غلط قرار دیتے ہوئے صرف دو ہزار زوج کا ذکر کیا گیا ہے۔

ایک جماعت سے منہا ہے کہ عمر بن عاص نے فسطاط کو فتح کرنے کے بعد عبداللہ بن خذافہ سہمی کو عین شمس کی طرف بھیجا جنہوں نے اس علاقہ کو فسطاط ہی کی شرائط صلح کے مطابق صلح سے فتح کیا۔ خارجی بن خذافہ عارضی کو مقامات فیوم، اشمونین، انجیم، بسترودات اور صجد کے دوسرے دیہات کی جانب لشکر لے کر بھیجا اور انہوں نے بھی اس سارے علاقے کو تسخیر کیا۔ عیبر بن دسب حمی کو تنیس، اومباط، تونہ، دمیرہ، شطا، دقہلہ، بنا اور بوسیر کی طرف فوج کشی کی اور انہوں نے بھی ان سب کو صلح سے فتح کیا۔ عقبہ بن عامر جہنی کو بقیہ شیبی علاقے سوچے اور انہیں وہ صلحا مسخر کر آئے۔

اس طرح عمر بن عاص نے فتوحات مصر کی تکمیل کی اور اس کی تمام زمین کو خراجی زمین بنالیا۔ مقرئہ رادی ہے کہ تنیس اور دمباط کے درمیان شطانی نامی ایک شہر ہے جس کے حاکم نے اسلام کا تحقیقی مطالعہ کیا اور پھر مسلمانوں کے پاس آکر اسلام قبول کر لیا۔ اور اس کے بعد تنیس کی جنگ کے دوران ہی میں اہل بلس، دمیرہ، اشمون اور طناخ کا لشکر اپنے ہمراہ لے کر مسلمانوں کی فوج میں شامل ہو گیا۔ اور نہایت دلیری کے ساتھ رومیوں کے خلاف جنگ کی۔ یہاں تک کہ خود اپنے ہاتھ سے بارہ دشمنوں کو قتل کیا، اور سات تک برابر تلوار چلاتا رہا۔ یہاں تک کہ جام شہادت نوش کیا اور اپنی ماری

۱۔ تونہ مصر کا ایک نواحی جزیرہ ہے (علی مبارک، خطط توفیقیہ میں)

۲۔ دمیرہ (فتح اعلیٰ دکنرانی، دیماط کا قریبی گاؤں ہے) (یا قوت محمد البلدان میں)

۳۔ دقہلہ بردایت یا قوت دیماط سے چار فرسخ اور دمیرہ سے چھ فرسخ کے فاصلہ پر ایک پہاڑی اور مقدن شہر ہے۔

علی مبارک نے اپنے خطط میں لکھا ہے کہ یہ شہر صوبہ دقہلہ کا پرانا شہر ہے جو فارسکورد کے مرکز میں واقع ہے۔ اند صوبہ کا نام بھی اسی کے نام پر رکھا گیا ہے۔

۴۔ فسطاط سے اٹھارہ میل کے فاصلہ پر ایک پرانا شہر ہے۔

۵۔ بوسیر (کسبر اعداد)، سمندر کے ساحل پر اس نام کے چار شہر اور فیوم اور حبزہ اور بہنسہ واقع ہیں۔

۶۔ فتوح البلدان ص ۱۲۲

۷۔ اس قصہ کو واقعی نے بھی فتوح مصر ص ۱۳ پر لکھا ہے۔

۸۔ اس حاکم کا نام شطابن الموم تھا جو مقدس کا چچا تھا۔ اور ایک روایت کے مطابق شہر کا نام بھی اُسی کے نام پر رکھا گیا تھا۔ واقعی شطاک ولایت ہارک بیان کرتا ہے۔

زندگی کو پاک کر گیا۔ یہ مات شعبان ۱۱۳۰ ہجری کی درمیانی سات تھی (انٹلٹروانا الیہ ماجعون) مقریزی
اسی کے بقول اس کی قبر عرصہ دراز تک نیدل لگاؤ خلائق بنی رہی۔ دور دور سے لوگ سفر کر کے آتے اور
اس کی قبر پر دعا لیں کر کے واپس جاتے تھے۔

۷۔ قبرس کی موت | قسطنطنیہ میں سیاسی خلفشار پیدا ہونے کی وجہ سے ملکہ مرتینا اور اس کے بیٹے کا
اقتدار ختم ہو کر روم کی شہنشاہی صرت کونستانس کی ذات پر منحصر ہو گئی تھی۔ ایسے سیاسی ماحول
میں قبرس کا اثر و نفوذ باقی رہنا مشکل تھا۔ اس لئے اس پر نہ صرف اپنے زوال اقتدار کا بلکہ جلا وطنی
اور قتل تک کا خوف طاری رہنے لگا۔ اس رنج و غم نے اس کی صحت کو بیان تک متحمل کر لیا کہ
بالآخر وہ مہلک بچش کا شکار ہو کر مورخہ ۱۲ مارچ ۱۱۳۲ء کو فوت ہو گیا۔

حنانہ قبری کے الفاظ میں اس کی کہانی یہ ہے:۔ اُس پر رنج و غم کا بہار ٹوٹ پڑا جس
کی وجہ سے وہ سخت بچش میں مبتلا ہو کر ہمیشہ کی نیند سو گیا۔ وہ اسی رنج و غم میں خون کے
آنسو روتا تھا کہ مبادا وہ پہلے کی طرح اب دوبارہ پھر جلا وطن نہ کر دیا جائے اور یہ صدمہ اس کے
اعصاب پر کچھ اس طرح مستولی ہوا کہ اس کی روح اُس سے جھٹکارا نہ پاسکی اور وہ اسی حالت میں فوت
ہو گیا۔

۸۔ بہلت کا خاتمہ | آج ستمبر ۱۱۳۲ء کی اُنہیں تاریخ ہے۔ رومی جہازوں کا بیڑہ تنقید دور کی نگرانی میں اپنے
نظر اٹھائے ہوئے ہے اور بادبان کھولے ہوئے روانگی کے لئے تیار کھڑا ہے۔ اس بیڑے میں تنقید دور
اپنی ہزیمت خوردہ فوج کو سوار کر کے قبرص کی طرف کوچ کر جائے گا اور اسکندریہ کو خالی کر دے گا۔
کیوں؟۔ اس لئے کہ اس ماہ کی اُنہیں تاریخ کو بہلت کی رہ میعاد ختم ہو جائے گی جس کا ذکر شرائط
صلح میں کیا جا چکا ہے۔

۱۰ مطابق ۱۹ جولائی ۱۱۳۲ء

۱۱۔ ایک قطعی روایت میں دقت قبرس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے کہ عمرو نے جب سکندریہ پر قبضہ کر لیا تو وہاں
کے حاکم کو اس بات کا اندیشہ ہو گیا کہ کہیں ایسا دہوکہ عمو اسے قتل کر دے۔ وہ حاکم بدگمان طبیعت کا آدمی
تھا جو شر کے دہی اور دہیوں دوزخ شہوں کے ذمہ دار کی حیثیت رکھتا تھا۔ جب اس کے دماغ پر اس مہم
بدگمانی کا پورا غلبہ ہوا تو اس نے زمہ کی انگشتی اپنے منہ میں رکھ لی جس کے اثر سے وہ فوراً مر گیا۔

۱۲۔ دیون ص ۵۸

۱۳۔ دیوان ص ۵۸۔ ۵۹ ایک روایت کے مطابق اس بیڑے میں نو کشتیاں تھیں

وہ دیکھو، اسکندریہ نے بھی اپنے دروازے کھل دیئے ہیں۔ کس کے لئے؟
 عمر دین عاص اور اس کی افواج کا استقبال کرنے اور انہیں اپنے آغوش میں لینے کے لئے۔
 بس اب عمر دین عاص کو بھی خلیفہ المسلمین حضرت عمرؓ کے پاس مزدہ خادمانی بھیجنے کے
 لئے مزید انتظار کی حاجت نہیں رہی۔ انہوں نے ان الفاظ میں فتح کی خوش خبری حضرت امیر المؤمنین
 کو بھیجی۔

”اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم پر اس حد تک بلاد شہر کے دروازے کھل دیئے
 ہیں جس کی خانہ یہ ہے کہ اس میں چار ہزار عالیشان محلات و قصور ہیں۔ چار ہزار حمام اور
 اور طعام خانے ہیں۔ چار سو کھیل کے میدان ہیں۔ بارہ ہزار میوہ فروش ہیں اور چالیس ہزار
 یہودی ذمی آباد ہیں۔“

۹۔ بنیامین کی دایسی | حضرت عمر دین عاص کو بطریق بنیامین کے ساتھ قبطیوں کی ’العنت و محبت
 کا اندازہ ہوا تو اس کی تلاش کے لئے یہ تدبیر کی کہ ملک میں قبطیوں کے متعلق امن عام کا اعلان
 کرایا اور اس اعلان میں بنیامین کے نام کا خصوصیت کے ساتھ اظہار کرتے ہوئے منادی کرا دی
 گئی کہ ہر وہ بطریق کو جس نے تمام قبطیوں کے امان دی جاتی ہے جو سرزمین مصر میں رہو تو اس میں یا
 اس سے باہر کسی دوسرے ملک میں جا چکے ہیں۔ انہیں کوئی تکلیف نہیں دی جائے گی۔ اور ان کو
 ہماری طرف سے کسی بد عہدی کا بھی اندیشہ نہ رکھنا چاہیئے۔
 ایک روایت میں منادی کے یہ الفاظ لکھے ہیں۔

”قبطی بطریق بنیامین جہاں کہیں بھی موجود ہوں اُسے حفاظت جان اور امان کا یقین
 دلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اس عہد پر گواہ ٹھہراتے ہیں۔ بطریق کو پورے امن و اطمینان کے
 ساتھ یہاں پہنچ کر اپنی قوم کی دینی رہنمائی کا منصب بہ ستر سابق حاصل کر لیا جائیئے۔
 یہ امان بنیامین تک پہنچی تو وہ صحرا سے اپنا پوشیدہ مقام چھوڑ کر اسکندریہ چلا گیا۔ اسکندریہ
 پہنچ کر حسب لہ پورے اطمینان کے ساتھ اپنے معتقدین میں قیام پذیر ہو گیا تو عمر دین نے ایک دن اُسے

اسے اصطفیٰ کی سالک الملک میں اس تعداد کو مبالغہ آمیز قرار دیا گیا ہے (جلد ماہ)
 معریزی نے حماموں کی تعداد بارہ ہزار بیان کی ہے اور لکھا ہے کہ سب سے چھوٹے حمام میں ایک ہزار
 نشستیں بنی ہوئی تھیں۔

اپنے پاس بلایا اور پرے اعزاز و تکریم کے ساتھ اس سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم نے جتنے علاقے بھی فتح کیے ہیں اُن میں آپ جیسا پیشوائے دین میری نظر سے کہیں نہیں گزرا۔
اس کے بعد عروڑ نے حکم صادر کیا کہ قبلی قوم کی دینی پیشوائی کا منصب باقاعدہ طور پر بنیامین کے سپرد کر دیا جائے۔

بنیامین اس عزت افزائی پر شادان و فرحان اور جذباتِ مہوینیت لئے ہوئے عروڑ کے پاس سے روانہ ہو گیا اور اپنے متبعین کے حلقہ میں پہنچ کر مندرجہ ذیل الفاظ میں اللہ تعالیٰ کا شکریا ادا کیا۔
”مجھے اپنے شہر اسکندریہ کی طرف پھر ایک بار لوٹ آنے کا موقع اللہ تعالیٰ نے مرحمت فرمایا۔ اور اس حال میں فرمایا کہ اب یہاں خوف کے بعد امن کا اندر مصیبت کے بعد اطمینان کا دور دورہ ہے اور کافروں کے جوہر استبداد کا خاتمہ ہو چکا ہے۔
یہ احساسِ حریت قریب قریب سارے ہی قبیلوں میں پایا جاتا تھا۔ اور اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ سادیکس بھی مندرجہ ذیل الفاظ میں اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا۔
”قبیلی قوم رومی استبداد سے آزاد ہو کر سبکی خوش ہوئی جیسے بکری کا بچہ اس وقت خوش ہوتا ہے۔ جب اس کی رسی کھول دی جائے اور وہ اپنی مال کے تھنوں کی طرف دوڑھپنے کے لئے جھپٹ پڑے۔“

اس اعترافِ حقیقت سے مشہور منتصب نصیوسی بھی اپنے قلم کو روک نہ سکا۔
لکھتا ہے:-

”عروڑ نے گرجوں کی اٹلاک میں سے کسی چیز کو بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ اور نہ ہی اُن کا ایک تنکا غصب یا غنیمت میں حاصل کیا۔ بلکہ اس کے برعکس وہ اپنی زندگی کے آخری سال تک کنیسوں کی حمایت و حفاظت کرتا رہا۔
مذہبی معاملات کے علاوہ رعایا کی عام خوش حالی اور ملک کی سیاسی ترقی کے بارے میں بھی عروڑ بن عاصم دقتاً و دقتاً بنیامین سے صلاح و مشورہ لیتے اور اس کے مناسب مشوروں پر عمل کرتے رہے۔“

مثلاً بنیامین کی ایک رائے یہ تھی کہ زمین کے غلہ کا خراج اس وقت وصول کیا جائے جب کسان

اور باغبان پیداوار تیار کر کے فراغت پا چکے ہیں۔ چنانچہ عمرؓ نے اس رائے کو قبول کیا اور جلد تحصیلداران کے نام ضروری احکام جاری کر دیئے۔

اسی طرح اندامصر کی کھدائی، صفائی، اُن کے پلوں کی تعمیر و مرمت، تالیوں کی سالانہ دیکھ بھال، محال کو رشوت ستانی سے محفوظ رکھنے کے لئے اُن کی تنخواہوں کی وقت پر ادائیگی اور مناصب پر رحم دل لوگوں کا تقرر، ان سب اصلاحات میں بنیامین کے مشورہ منہل کو عمرؓ نے کھلے دل کے ساتھ قبول کیا اور مستعدی کے ساتھ انہیں نافذ کیا۔

۱۔ شہری آزادیوں | عمرؓ بن عاص نے مذہبی اور فکری آزادی مکمل طور پر دے رکھی تھی۔ احد اسی آزادی کا یہ نتیجہ تھا کہ روم اور مصر کے بہت سے فلسفی اپنی اپنی مذہبی درسگاہیں قائم کر کے اپنے اپنے مذاہب کی تعلیم دینے لگے۔ اور جب انہوں نے اپنے آزادانہ مطالعہ اور تحقیق کے ذریعہ مسیحیت میں الجھاؤ اور متبعین نصرانیت میں باہمی ٹکراؤ دیکھا تو اس آزادی فکر کی برکت سے وہ کسی ایسے مذہب کو تلاش کرنے لگے جو مذکورہ بالا نقائص سے پاک ہو چنانچہ اس قسم کے حقیقت جو اور غیر متعصب عقلاء کی نظر تحقیق و تدقیق نے اسلام کو مطلوبہ معیار پر پایا تو ان کی اکثریت بطیب خاطر اسلام میں داخل ہو گئی گویا انہیں اسلام کی خوبیوں نے اتنا پی لیا تھا کہ اپنی طرف کھینچا۔ نہ کہ مسیحیت کے نقائص نے سببی طور پر اسلام کی طرف دھکیلا۔ جیسا کہ سبلا اپنی اپنی مندرجہ ذیل تحریر سے غلط تاثر دینا چاہتا ہے۔

یہ کہنا قرین انصاف نہیں ہے کہ قبطیوں میں سے ہر وہ شخص جو اسلام میں داخل ہوا، طلب دنیا ہی کے لئے داخل ہوا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ان داخل ہونے والوں میں دونوں طرح کے آدمی تھے۔ کچھ تو بلاشبہ اسی لالچ سے مسلمان ہوئے کہ وہ تاجین کے برابر کے بھائی بن جائیں۔ جس کے بعد ان کا جذبہ بھی محاف ہو جائے گا اور باقی تمام حقوق میں بھی اُن کی حیثیت مساویانہ ہوگی۔ لیکن اصل ناگوار حقیقت یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں کی اکثریت اُن عقلاء اور اہل الرائے پر مشتمل نظر آتی ہے جنہوں نے مسیحیت کے نقائص و محائب کو دیکھ کر اُسے ناپسند کیا تھا۔ اور اس کراہت کی پوری ذمہ داری خود مسیحیوں ہی پر عائد ہوتی ہے۔ جن کے اعمال سراسر اُن کی تعلیمات کے منافی تھے۔ غضب خدا کہ مسیحیت نے جس محبت الہی اور شفقتِ خلاق کی تلقین سب سے زیادہ کی تھی، مسیحیوں نے سب سے زیادہ خلاف ورزی اُسی کی کی اور طرفہ یہ کہ

خود اپنے ہی دینی اور مسیحی بھائیوں کے مقابل میں کی۔

اس کا قد قتی نتیجہ یہ ہی ہونا تھا کہ جب مصر کے ارباب عقل و شعور کے سامنے اسلام اپنا پیغام امن لے کر آیا تو انہوں نے مسیحوں کی بدکرداریوں سے پناہ مانگتے ہوئے اسلام کے داعی عافیت میں پناہ لی۔

۱۱۔ ملکیت زمین میں مساوات | چونکہ مسلمان ہمیشہ جہاد کے لئے دور دراز علاقوں میں جاتے رہتے تھے۔ اور اسلام کے مفتوحہ وسیع علاقوں میں جگہ جگہ دفاعی ضروریات پیش آتی رہتی تھیں۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے اپنے دو خلافت میں مسلمانوں کے لئے زمین کی ملکیت کا دروازہ بند ہی رکھا۔ اور اس کے بجائے اُن کے ذاتی اور عائلی اخراجات کے لئے تسلی بخش وظائف مقرر کیئے۔ چنانچہ ابن عبدالحکم لکھتا ہے کہ:-

”حضرت عمرؓ نے ایک شخص ابن مستور کے سوا کسی مسلمان کو بھی مصر کی زمین کا کوئی ٹکڑا عطا نہیں کیا اور اُس کو بھی اس لئے دے دیا تھا کہ وہ غلام تھا جس کے کا فر آقا نے اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر اُسے اپا بیچ کر دیا تھا اور اب نہ وہ کمانے ہی کے قابل تھا اور نہ ہی جنگ میں جاسکتا تھا۔ اور اسے آزاد بھی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کرایا تھا۔“

اس کے بعد جب مسلمان مصر میں پوری طرح مطمئن ہو گئے اور کسی طرف سے کسی قسم کے سیاسی خطرے کا اندیشہ نہ رہا تو پھر انہیں بھی زمینیں حاصل کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ عام اہل مصر سے زیادہ زمین نہیں لے سکتے۔ اور جو بھی زمین حاصل کریں گے اُس پر عوام کی طرح وہ بھی محصول ادا کریں گے۔

اس طرح گویا عمر بن عاص نے فاتح مسلمانوں اور مصر کی عام رعایا کے درمیان مساوات کا ایک عدیم المثال نمونہ پیش کیا۔

۱۲۔ فوجی مصارف | فوج کے مصارف تین ذریعوں سے پورے کیئے جاتے تھے

- ۱۔ حمزیہ سے جو رنم وصول ہوتی تھی اُس میں سے فوجیوں کے لئے وظائف مقرر تھے۔
- ۲۔ جس علاقہ میں فوج بھیجی جاتی تھی اُس علاقہ سے اُس کی سر روزہ مہانداری کا خرچ وصول کیا جاتا تھا۔
- ۳۔ ہر بستی میں کچھ زمین شخصی ملکیت سے مستثنیٰ اور مفاد عامہ کے لئے محفوظ کر لی گئی تھی جس سے مختلف قسم کے مفاد وابستہ تھے۔ اور اس بارے میں عمر بن عاص کی طرف سے فوج کے لئے

مندرجہ ذیل مہایات تھیں:-

نہر ماعی پر اپنی رعیت اور ہر نگران پر اپنے حلقہ نگرانی کی حفاظت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سبزہ زاروں کی شکل میں تم پر اپنی برکات نازل کی ہیں۔ تمہیں چاہیے کہ ان سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤ۔ ان کی پیداوار ان کے مویشیوں کا دودھ ان کے بڑے قالوں اور شکاروں کو اپنی خوراک بناؤ۔ اور اپنے گھوڑوں کو بھی ان چراگاہوں میں چرا کر فربہ اور طاقتور کر لو اور ان کی نگہداشت میں کسی طرح کی کوتاہی اور کمی نہ رکھو۔ اس لئے کہ یہی گھوڑے دشمن کے مقابلہ میں تمہاری سپر ہیں۔ اور انہی کی بدولت تم میدان جہاد میں غنیمت حاصل کرتے ہو۔ یقین جانو کہ میری نگاہ میں گھوڑوں کو بھی اتنی ہی اہمیت حاصل ہے جتنی اہمیت خود ان کے سواروں کو ہے۔ یاد رکھو جس مجاہد کے گھوڑے کو میں نے بغیر کسی بیادہی کے خفیہ و لاغر دیکھ لیا اُس کے وظیفہ میں سے اتنی ہی رقم کاٹ لوں گا۔

اس بات کو بھی نہ بھولنا کہ تم ہر چہار طرف سے دشمنوں کے رخسے میں ہو اور وہ تمہاری غفلت کے مواقع کو نہایت غور اور احتیاط سے دیکھ رہے ہیں۔ اُن کے دل اس سرزمین سے اٹکے ہوئے ہیں جو اپنی زرخیزی، کثرت پیداوار اور دیگر بے شمار برکات سے مالا مال اور ہر لمحہ ترقی پذیر ہے۔ اس لئے یقین رکھو کہ تم قیامت تک کے لئے رات دن جہاد کے میدان میں دست بہ تیغ اور پا بہ رکاب ہو۔

۱۴۔ نظام محاصل | مروین عاص نے محاصل کا ایسا عمدہ اور جدید نظام جاری کیا جس سے قبلی ہیبت ختم ہوئے۔ اس انتظام میں بطریق بنیامین کے مشوروں سے بھی مدد لی گئی تھی۔

سابقہ رومی نظام کے مقابلہ میں جدید اسلامی نظام کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس میں خراج کی مقدار کو فصل کے حالات، پانی کی مقدار اور پیداوار کی کمی بیشی کا تابع کر دیا گیا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے ان لوگوں کو ہر حال میں مقررہ مقدار ادا کرنی پڑتی تھی خواہ موسمی حالات کیسے ہی مخالف کیوں نہ ہوں۔

پیداوار کے اندازے کی یہ صورت کی گئی تھی کہ ہر پرگنہ اور گاؤں کے نمبردار اپنے اپنے علاقہ کے نمائندہ بن کر ہر سال تشخیص کنندہ کمیٹی کی صورت میں ایک جگہ جمع ہو جاتے تھے اور ان میں سے ہر ایک ایسا اندازہ کے ساتھ اپنے علاقہ کے موسمی حالات کو سامنے رکھ کر اُس سال کا خراج متعین کرتا تھا۔ اور اس طریقہ میں اگر کبھی کمی کا امکان تھا تو دوسرے وقت اضافہ کا بھی پورا امکان موجود تھا۔ اور جب کبھی خراج اپنی مقررہ مقدار سے زیادہ ہو جاتا تھا تو اُس کی مقدار نائد کو بھی اُسی علاقہ کے عام مفاد پر

خارج کر دیا جاتا تھا۔

عمرو بن عاص اہل مصر سے جتنا خراج وصول کرتے تھے وہ اُن محاصل سے بہت کم تھا جو رومیوں نے تم تقسم کے بھاری ٹکیوں کی صورت میں اُن پر عائد کر رکھے تھے۔

اسکندریہ والے اسکندریہ کی تعمیر کے بعد ہی سے شاہی معافی کے ماتحت ٹکیوں اور منساقاتی زمین کے خراج سے مستثنیٰ رہتے چلے آئے تھے اور اس طرح رومی اور یہودی دونوں قوموں نے اہل مصر کے مقابلہ میں اپنے لئے خصوصی امتیازات قائم کر رکھے تھے۔ عمرو نے اپنے دور میں ان شاہی امتیازات کو یکسر ختم کرتے ہوئے نظام محاصل کو اسکندریہ والوں پر عائد کیا۔ جس سے مصر والے بھید خوش ہوئے۔ اور اُن کی فحائے قلوب سے احصائے کتری کی ساری گھٹائیں دور ہو کر اُن پر حریت اور مساوات کے چاند سورج ضیا بار ہو گئے۔

ہر شہر میں عمرو نے معتد بہ زمین مفاد عامہ کے لئے بھی مخصوص کر دی جس کی ساری آمدنی کنسیوں، حاملوں اور سرطکوں وغیرہ پر خرچ کی جاتی تھی۔

محاصل مصر کی مجموعی آمدنی کے بارے میں مورخین کا اختلاف ہے

بلاذری کے نزدیک اُس کی مقدار ایک کروڑ دینار بنتی ہے

مقریزی ایک کروڑ بیس لاکھ بیان کرتا ہے۔

اس اختلاف روایت کو اپنی جگہ رکھتے ہوئے وصولی کا اصل ضابطہ وہی دو دینار فی کس تھا جس

کا ذکر ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔

خراج کی اس ثقیل وصولی کے باوجود بھی عمرو اس بات کے زیادہ حریص تھے کہ اہل مصر کو زیادہ سے زیادہ خوش رکھیں۔ اور اس مقدار میں بھی مولیٰ مولیٰ ہانڈوں سے کمی کر دیا کریں۔ اور اس طرح جزیرہ خراج کی جو رقم بھی وصول ہوتی اُسے بھی زیادہ سے زیادہ اُنہی کے قری اور ملکی مفاد میں خرچ کر دیں۔ مثلاً اُن کے لئے نہریں کھودا دیں، پل اور پکیاں بنوا دیں اور اُن کی معافی اور حفاظت کی خاطر احتیاط کی۔ اس کے علاوہ جس علاقہ کے بارے میں بھی معلوم ہو جاتا کہ اُس کی پیداوار پر کسی مرضی یا سماوی آفت

سے اہل اسکندریہ کو خود اسکندریہ اعظم نے خراج کی معافی دے رکھی تھی۔ جسے بطا سنے بھی بجا رکھا۔ اور اب رومیوں

نے بھی دھرت اپنی ذات کے لئے بلکہ اپنی نسلوں تک کے لئے اس حق کو محفوظ کر رکھا تھا اور اہل اسکندریہ خراج اور جزیرہ کی طرح سرکاری بیچارے بھی مستثنیٰ تھے۔

سے ناگوار انداز پر ہے تو اس کا خراج معاف فرما دیتے۔

ایک کمزور روایت میں ہے کہ خلیفہ عمرؓ کو جزیرہ عرب کے سیاسی استحکام کے لئے کثیر رقم کی ضرورت تھی۔ اس لئے وہ عمرو بن عاص سے اس بات کا برابر اصرار کرتے رہتے تھے کہ وہ مصر کا سارا خراج مرکزی بیت المال کے لئے روانہ کیا کریں۔ لیکن عمرو بن عاص کی مصر فرازی اس فرمان کے راستہ میں برابر حائل رہی۔ یہاں تک کہ خلیفہ کو مجبور ہو کر مصلحت میں اپنا لب و لہجہ بدلتا پڑا جس کا اندازہ اُن کے مندرجہ ذیل خط سے ہوتا ہے:-

”افسوس ہے کہ میں تمہیں خراج روکنے کے بارے میں اتنے خطوط لکھ چکا ہوں، لیکن تم ان کا معقول جواب نہیں دیتے۔ حالانکہ تمہیں میری طبیعت کا پورا پورا اندازہ ہے، کہ میں تمہارے صبح اور عشاء طرزِ عمل ہی سے خوش ہو سکتا ہوں لاگ لپیٹ کو پسند نہیں کرتا۔ میں نے بہتیں مصر اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ اُسے تمہاری ذات اور تمہاری قوم کے لئے لغو تر بنا دو بلکہ اس لئے بھیجا تھا کہ تم اپنے حسن تدبیر و سیاست سے اُس کے خراج میں خاطر خواہ اضافہ کر دو گے۔

مختصر بات یہ ہے کہ جس وقت تمہارے پاس میرا یہ خط پہنچے تو فوراً خراج کی رقم مدینہ روانہ کر دو۔ اس لئے کہ وہ مسلمانوں کا حق ہے۔۔۔۔۔۔“

اس کے جواب میں عمرو نے لکھا:-

”خدا کی قسم آپ کے پیش کردہ مضامین سے مجھے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ زمینداروں نے مجھ سے غلہ تیار ہونے تک مہلت مانگ رکھی ہے۔ اور ان کے ساتھ اتنی سختی مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنی اصلی ضروریات فروخت کر کے خراج ادا کریں۔“

اس روایت سے اس بات کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے کہ عمروؓ اہل مصر کی ترقی کو ہر چیز سے زیادہ مقدم اور ضروری سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپنی اس مصر فرازی کی بدولت اپنے خلیفہ ملک کو ناراض کر لیا تھا۔

۱۴۔ عروسِ نعل کی کہانی | قبلی مہینہ بوند میں اہل مصر کا ایک وفد عمروؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا کہ ”ہمارے دریلئے نعل کی ایک قدیم عادت یہ ہے کہ یہ اس وقت تک طینیانی میں نہیں آتا جب تک کہ اس کی سالانہ بحیثیت ادا نہ کر دی جائے۔“

عمرؓ نے دریافت کیا وہ بھینٹ کیا ہوتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ جب اس مینے کی باہری تاریخ گزر جاتی ہے تو ہم کسی کنواری لڑکی کو اس کے والدین سے منہ مانگی قیمت پر خرید کر پھر اُسے بہتر سے بہتر قیمتی لباس اور زیورات پہنا کر دریا میں پھینک دیتے ہیں۔ جس کے بعد وہ اپنی روانی بکھڑکتا ہے! عمروؓ نے فرمایا اسلام سے پہلے جو کچھ ہو چکا، ہو چکا لیکن اب اسلامی دور میں اتنا بڑا ظلم نہیں ہو سکتا!

بات ختم ہو گئی۔ بوڈنہ کا سارا مہینہ گزر گیا مگر دریائے نیل بیدار نہ ہوا۔ اس کے بعد کا مہینہ ایسا بھی خشکی ہی میں گزر گیا۔ اور پھر قیسرے مہینے میں بھی نیل سوتا ہی رہا۔ اب تو اہل مصر کو قحط سالی کا پورا یقین ہو گیا۔ اور اکثر و بیشتر افراد نے تو مصر کو چھوڑ کر چلے جانے کا ارادہ کر لیا۔ عمروؓ کو بھی متفکر ہو گئے۔ اور تمام صورت حال حضرت عمروؓ کے پاس لکھ کر بھیج دی۔ حضرت عمروؓ نے جواب میں لکھا کہ:-
”تم اس ظالمانہ رسم کے ختم کرنے میں حق بجانب ہو۔ اپنے موقف پر ڈٹے رہو۔ اور میں اپنے خط کے ساتھ جو پڑنہ بھیج رہا ہوں اُسے فوراً دریا کے اندر ڈال دینا۔ پرنہ سے پر جو عبادت لکھی تھی وہ یہ تھی:-

”اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمرؓ کی طرف سے دریائے نیل کے نام۔ اما بعد اے نیل اگر تو اپنے اختیار سے بہا کرتا تھا تو بیٹیک سویا پڑا رہ۔ اور اگر اللہ واحد و قہار کے حکم سے بہتا تھا تو ہم اللہ واحد و قہار سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ تجھ کو رواں کر دے“

عمرؓ بن عاصؓ نے لوگوں کو خلیفہ کے خط اور پڑے کی اطلاع دے کر اس پڑے کو عیسائیوں کی عید سے ایک دن پہلے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ کل تک تو لوگوں کا یہ حال تھا کہ وہ مصر سے نکل جانے کے لئے پوریا بستر باندھے بیٹھے تھے۔ لیکن آج عید کی صبح کو جو بیدار ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ نیل ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور ایک ہی رات میں ۱۶ ماہ طغیانی لا چکا ہے۔
عروہ میں نیل کی کہانی مسلمان مورخین نے اکثر کتابوں میں نقل کی ہے۔ ہم نے اسے نجوم زاہدہ سے لیا ہے۔

شکر اس کہانی کی تاریخی اصلیت کو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن مسیحی دور میں اس پر عمل کیئے جانے کو تسلیم نہیں کرتا۔ اور کہتا ہے کہ:-

”مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ یہ قصہ تاریخی میں مذکور ہے۔ لیکن میں اس بات کو سفید جھوٹ سمجھتا ہوں کہ مسیحیوں نے اپنے دور اقتدار میں اس فعل شنیع پر عمل درآمد بھی

کیا ہوگا۔ جبکہ یہ اُن کے مذہب اور دیانت کے سراسر خلاف اور متناقض تھا۔
عروسِ نیل کا افسانہ دراصل قصہٴ افریقیہ کی نقل و نقل ہے۔ افریقیہ کی کہانی سورخ پلدارک نے
اس طرح بیان کی ہے کہ مصر کا ایک قدیم بادشاہ اچیتوس جب مختلف ملکی مصائب و آفات میں
گھر گیا تو اُس نے اپنے پروردگار سے التجا کی کہ وہ الہامی طریقہ سے ان مصائب کا علاج اُسے بتائے
چنانچہ اس پر یہ بات منکشف ہوئی کہ وہ اپنی بیٹی کو دریائے نیل کی بحینٹ چڑھا دے، چنانچہ اُس نے
اس پر عمل کیا۔ بیٹی کو غرق کر دینے کے بعد اُسے اپنے ظلم پر سخت ندامت ہوئی اور اُس نے
جوشِ انتقام میں خود کو بھی نیل کی موجوں کے حوالے کر دیا اور ہلاک ہو گیا۔

۱۵۔ اسکندریہ کا کتب خانہ | اسکندریہ میں ایک عظیم الشان کتب خانہ بھی تھا۔ یہ کتب خانہ دنیا کے عظیم الشان
کتب خانوں میں سے ایک تھا جس میں علوم و فنون کی بہترین کتابیں جمع کی گئی تھیں۔ اس کو بطارک نے
شاہی محلات کے متصل عجائب خانہ کی عمارت کے کئی عالیشان کمروں میں قائم کیا تھا اور ہر سال لاکھ
کے قریب کتابیں اس میں جمع تھیں۔

یہی وہ کتب خانہ تھا جس کے حوالے دینے کا جھوٹا الزام عرصہ دراز تک عمر ڈاور عمر ڈور کے ذمہ لگایا جاتا
رہا۔ یہاں تک کہ دیگر علوم و فنون کی ترقی کے ساتھ علمِ نقد و تبصرہ نے بھی ترقی کی اور جب علما نے
تاریخ نے اس الزام کو تنقید و تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا تو اس کا دروغ کھل کر سامنے آ گیا۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ فتوحاتِ مصر کے بعد پوری پانچ صدیوں تک یہ قصہ کسی تاریخ میں
دکھائی نہیں دیتا۔ حالانکہ اُس دور کا قلم تنوینی صدی اُن برصغیر کے ہاتھ میں تھا جنہوں نے مسلمانوں
کو مطعون کرنے اور سہمی کا بھلا اور رائی کا پہاڑ بنانے میں کوئی دقیقہ فراموش نہیں کیا۔

اس قصہ احوال کو سب سے پہلے ابو الفرج بن عسری نے مختصر تاریخ الدول میں درج کیا۔ پھر اُس
سے ابو الحسن الغضنی نے اپنی تاریخ الحکماء میں نقل کیا۔ یہی پھر کیا تھا۔ ان کے بعد آنے والے تمام مؤرخین ان
ی کی کبھی پرکھی مارتے چلے گئے۔

سید ذکریٰ حسن الہم کہتا ہے کہ واقعہ حرقِ کمر دین عام کی طرف سب سے پہلے سورخ عبداللطیف
لبنادی بہ متوفی ۱۲۲۶ھ نے اپنی کتاب القادۃ والاعتبار میں بیان کیا۔

(تاریخ محمد بن العاص ص ۱۳۴)

۱۶۔ یہ دواں سورخ تیرہویں صدی سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ قدر مؤرخین کی زبان سے اس طرح بیان کیا جاتا ہے :-

اسکندریہ کا رہنے والا حنا احمدی ایک قبلی پادری تھا جسے بد عقیدگی کے الزام میں پادریوں کی مجلس کے معادل کر دیا تھا۔ یہ شخص انقلاب اسکندریہ کے بعد عروڑ سے نکلا اور اپنی ذکاوت و ذہانت اور علم و فضل کی بنا پر اُن کا ترقیب حاصل کر لیا۔ جب اُس نے عروڑ کے دل میں رنوخ و نفوذ حاصل کر لیا تو ایک دن موقع پا کر کہنے لگا :-

حنا احمدی! عروڑ! آپ نے تمام اسکندریہ دیکھ لیا ہے اور اس کے عجائبات پر بھی حیر لگا دی ہے۔ لیکن آج میں آپ سے ایک ایسی چیز مانگتا چاہتا ہوں جو آپ کے لئے تو کچھ مفید نہیں ہے۔

لیکن میرے لئے بڑے کام کی ہے۔

عروبن اعاص! وہ کیا چیز ہے؟

حنا احمدی: میرا شمار رومی کتبہ کی حکمت آمیز کتابوں کی طرف ہے۔

عروبن اعاص: یہ تو ایک اہم معاملہ ہے۔ اب غلطی عروڑ کی امانت کے بغیر ہی خدا اس بارے میں کوئی حکم نہیں دے سکتا۔ چنانچہ عروڑ نے خلیفہ کو سلام و احوال بھیجا جس کا جواب وہاں سے یہ آیا کہ تم نے جو کتابوں کا ذکر کیا ہے تو اس بارے میں یہ ہے کہ اگر اُن کتابوں کے مضامین کتاب اللہ کے موافق ہیں تو ہمیں کتاب اللہ کی موجودگی میں اُن کی کوئی حاجت نہیں۔ اور اگر وہ کتاب اللہ کے خلاف ہیں تو ہمیں اُن سے کوئی بہتر ردی نہیں، اس لئے انہیں آگ کے حوالے کر دو۔

مؤرخین نے اس واقعہ پر مزید اس بات کا اضافہ کیا کہ عروڑ نے اس حکم کے بعد کتابوں کو اسکندریہ کے حماموں پر تقسیم کر دیا۔ جنہیں وہ چھ مہینے تک برابر جلاتے رہے۔ اب ہم تاریخ کے ہسپتال میں واقعات کی میز پر تنقید کے نشتر سے اس پتیلے کا پرسٹ مارٹم کرتے ہیں۔

۱۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کہانی کا راوی حنا احمدی مسلمانوں کے داخلہ مصر کے وقت سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔ اس لئے کہ تاریخ سے اُس کے دور حیات کا تہہ ۹۲۶ء

سے بعض مسلمان موزوں نے اس کا نام بھی لکھا ہے۔ اور بعض نے یحنا غری۔

میں چلتا ہے۔ جو انقلاب مصر سے ایک سو پندرہ برس پہلے کا زمانہ ہے۔
۲۔ دوسری بات یہ قابل غور ہے کہ مورخین کا اتفاق ہے کہ بطالعہ کا کتبخانہ شہداء میں اُس وقت
نذر آتش ہو چکا تھا۔ جب قیصر اسکندریہ پہنچ کر اس کی بندرگاہ پر ہی محصور کر دیا گیا تھا۔ جس
کے بعد اس نے اپنے بحری بیڑے کو خود اپنے ہی ہاتھ سے آگ لگا دی تھی۔ اور اس آگ کی
لپٹوں نے کتبخانہ کو جلا دیا تھا۔

امیازوس نامی مورخ جس کی تائید ایک دوسرے مورخ سیڈوس نے کی ہے۔ لکھتا ہے کہ
اسکندریہ کا کتبخانہ جو سات سو کتابوں پر مشتمل تھا اور جسے بطالعہ نے بڑی کا دغوں سے جمع کیا
تھا، اسکندریہ کے حملے کے وقت نذر آتش ہو گیا تھا۔

مورخ اور سیلوس لکھتا ہے کہ دوران جنگ میں قیصر نے شاہی بیڑے کو جلا دینے کا حکم
دیا۔ اور یہ بیڑا چونکہ سمندر کے کنارے پر تھا اس لئے اس کی آگ شہر کے ایک حصے تک پہنچی۔ اور
انہوں نے چار لاکھ کتابوں کے اس کتبخانہ کو خاکستر بنا دیا جو اس کے بالکل قریب ہی تھا۔
مورخ دیو کا سیلوس لکھتا ہے کہ "..... آگ بندرگاہ سے تجاوز کر کے علامات تک پہنچی۔
اور اُس نے گنیم کے ذخیرہ داروں اور کتابوں کی لائبریری کو بھی بھسم کر دیا؟

۳۔ یہ بات بھی باریہ ثروت تک پہنچ چکی ہے کہ کتبخانہ اسکندریہ کے ایک دفعہ جلنے کے بعد دوبارہ
پھر جو جگتے قائم کئے گئے تھے وہ بھی مسلمانوں کے داخلہ مصر سے پہلے ہی توف ہو چکے تھے۔
..... ایک روایت میں ہے کہ اسکندریہ میں دو کتبخانے تھے۔ ایک بردیون کا۔ جو ۶۶۲ء
میں بزمانہ جالیفاس تلف کیا جا چکا تھا۔ دوسرا سراہیم کا جو ۶۶۱ء میں یوفیلوس کے حملے کے
وقت تلف ہو چکا تھا۔ اور اس طرح ان دونوں کتبخانوں کا نام و نشان فتح مصر سے دوسو چار
سال پہلے ہی مٹ گیا تھا۔

مگر کہتا ہے کہ تم نے حالات سابقہ سے اس بات کا مشاہدہ کر لیا ہو گا کہ ۶۶۱ء کے مذہبی
مناقشات میں پرستانان قیصر کس بُری طرح لُوٹے اور باد کیے گئے۔ اور گمان غالب یہی ہے
کہ وہاں کا کتبخانہ بھی ان ہی مناقشات کی بھینٹ چڑھ گیا..... اور وہ بھی دعویٰ داران
سیحیت ہی تھے جن کا ٹوٹ یوفیلوس کی سرکردگی میں مقدس عبادت گاہ معبد سراہیم پر اُسے
اپنے ہی ہاتھوں سے سدا کرنے کے لیے پل پڑا تھا۔ ان حادثات کا سال ۶۶۱ء تھا۔ اور
واقعات کی صداقت میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ کتبخانہ اُن ہی

کرد میں تھا جو اس معبد کے متصل تھے اور یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ وہ معبد کی کالں برباد کر دیا گیا تھا۔ جس سے لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ معبد کے ساتھ کتب خانہ بھی برباد کر دیا گیا تھا۔

۴۔ پانچویں صدی اچھی صدی اور پھر ساتویں صدی کے ابتدائی دور کے تاریخ نگار دونوں باتوں میں خاموش ہیں۔ یعنی نہ وہ کتب خانہ کا ذکر کرتے ہیں اور نہ اس کے حلائے جانے کا۔

۵۔ اگر یہ بات فرض بھی کر لی جائے کہ صلح اسکندریہ کے وقت کوئی کتب خانہ وہاں موجود تھا تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ کتب خانہ روم کی طرف گیارہ مہینے کی اس مہلت میں منتقل بھی کیا جچکا تھا جو اتفاقاً صلح اور نفاذ صلح کے درمیان رومیوں کو دی گئی تھی۔ خاص طور پر جبکہ صلح نامہ کے متن میں واضح طور پر رومیوں کو اجازت دے دی گئی تھی کہ وہ اپنے ساتھ جو کچھ بھی لے جانا چاہیں لے جاسکتے ہیں۔

۶۔ اگر مسلمانوں کے دخیل اسکندریہ کے وقت کتب خانہ موجود تھا تو یقیناً عمرؤ اس کی پوری پوری حفاظت کرتے۔ اس لئے کہ آزادی فکر اسلام کا جوہر حیات ہے۔ اور اسی جوہر حیات کی حفاظت اسلام کے دورِ اول میں سب سے زیادہ کی جاتی رہی ہے۔

۷۔ اصلاحی تعلیمات میں اس بات پر پورا زور دیا گیا ہے کہ یہودیوں اور نصاریوں کے مذہب اور مذہبی کتابوں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ ان تعلیمات کی موجودگی میں کتب خانہ کا حلا یا جانا مسلمانوں کے لئے قطعاً ناممکن ہو جاتا ہے۔

۸۔ باقی رہا اب الفرج کا یہ قول کہ کتابیں چار ہزار جماعوں میں تقسیم کی گئیں جنہیں وہ چھ مہینے تک پھونکتے رہے، اس قول میں واقفیت سے زیادہ اضافیت نظر آرہی ہے۔ اور عقل سلیم اسے قبول کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہے۔

۹۔ نیز اب الفرج کی یہ روایت جس کے بلکے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بغدادی سے نقل کی گئی ہے پوری چھ صدیوں کے بعد ظہور پذیر ہوئی ہے۔ اور اتنی لمبی مدت تک کسی نسخہ پر اس کا انکشاف نہیں ہوا۔

مورخ ادبیات جس کا خصوصی موضوع ہی فتح اسکندریہ تھا، اس کہانی سے لاعلم رہا۔ اور اسی طرح طبری، یعقوبی، کندی، ابن عبدالحکم اور بلاذری میں سے بھی کسی کے رسائل علم اس تک نہ پہنچ سکے۔

۱۰۔ سب سے آخری اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ حنا نقیوسی جس نے عربوں کے دخول مصر کو اپنا موضوع تحریر بنایا اور جو مسلمانوں کے خلاف صفحہ اول کا علمی حملہ آور ہے اس تک نے

کتبخانہ اسکندریہ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے

سلاج ماخوذہ

ہیک مصر اپنے تمام شمال اور جنوب ایشیائی اور دیاتوں، قلعوں اور خندقوں کے ساتھ عرب فرمانروائی میں آچکا ہے۔ عربوں نے اس میں ہر طرح کی شہری آبادیوں کا اعلان کر دیا ہے۔ عرب اور باشندگان مصر کے درمیان تعاون و اعتماد کے خوشگوار رابطے پیدا ہو چکے ہیں۔ اس فضا کے پیدا کرنے میں سب سے بڑا دخل سرکاری محاصل کو ہے جن کی وصولی کو عمرؤ نے اٹھا ہی ہلکا آسٹن اور سہل بنا دیا ہے جتنا کہ اُسے روٹیوں نے بھاری دشوار اور سخت بنا دیا تھا۔ سیاسی مہترین جو فتح و شکست کو اسباب و عوامل کی روشنی میں دیکھنے کے عادی ہیں۔ مصری فتوحات کے اسباب و عوامل کا مندرجہ ذیل جائزہ پیش کرتے ہیں۔

فتوحات مصر کے اسباب اہم عوامل

۱۔ نظم و ضبط | فوجی طاقت خواہ کتنی ہی قلیل التعداد ہو، اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے لئے نظم و نسق کے جن مختلف اداروں اور تنظیمات کی محتاج ہوتی ہے۔ عمرؤ بن العاص نے اُن کے اہتمام میں حتی المقدور پوری توجہ سے کام لیا۔

اسلامی افواج قلعہ بابلون کو فتح کرنے کے بعد جب شمالی جانب اسکندریہ کی طرف مدائن ہوئیں تو عمرؤ نے قبلی انجینئروں کو نظم حکومت میں دخل کر کے اُن کی صلاحیتوں اور فنون سے قدم قدم پر کام لیا۔ اور شاہد ہوں اور پلوں کی تعمیر خاص طور پر اُن ہی سے کرائی۔ اس کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ عمرؤ کی دور بین نگاہ اس بات کا شعور رکھتی تھی کہ اگر پلوں اور سڑکوں وغیرہ

۱۔ اردو میں سب سے پہلے سرسید احمد خاں مرحوم نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور ایک مضمون اس فائدہ کے فرضی ہونے کے بیان میں اپنے اخبار علیحدہ راسخنیف سرائٹی میں لکھا اس کے بعد ایک نہایت معتاد عالم دین اور فاضلہ مقالہ اس قصہ کے لغو اور غلط ہونے کے متعلق شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی نے کتب خانہ اسکندریہ کے موزوں سے تحریر فرمایا جو کتابی شکل میں چھپ گیا۔ اور مولانا کے مجروح مضامین "مقالات شبلی" میں بھی شامل ہے۔

(مما حدیثی)

کے پر مشقت کاموں میں عرب فوج کو اکٹھا دیا گیا تو ان کے وہ اندرونی قومی مضطرب ہو جائیں گے جن سے انہیں دشمن کے مقابلہ میں کام لینا ہے۔ اس لئے انہوں نے ہر مرحلہ پر ایک بالغ نظر جنرل کی طرح اس بات کا خصوصیت کے ساتھ لحاظ رکھا کہ جب بھی فوج کو دشمن سے لڑائیں اس حالت میں لڑائیں کہ وہ حتی الامکان تازہ دم اور محفوظ القوی ہو۔ عقلی ماندہ اور مضطرب نہ ہو۔

سرداروں کی درستی اور لڑائی کی تعمیر میں بھی یہی مصلحت کارفرما تھی کہ فوجوں کو جگہ جگہ نامور اساتذہ اور حائل ندی نالوں کو عبور کرنے میں اپنے وقت اور اپنی قوتوں کو ضائع نہ کرنا پڑے۔ عمرو کی دوسری حملہ فراست یہ تھی کہ انہوں نے قبلی شرفاء اور سرداروں کو حسن سلوک کے ذریعہ اپنا گرویدہ بنا کر ان کی ایک جماعت کو سفر میں اپنے ساتھ لے لیا۔ تاکہ وہ ان کے ذریعہ ان اہل ملک سے گفت و شنید اور تبادلہ خیالات کر سکیں جو عربی زبان سے اسی طرح ناواقف تھے جس طرح عرب ان کی زبان سے نا آشنا تھے۔

یہ بھی عمرو کی دانائی ہی تھی کہ جب انہوں نے اسکندریہ کے مضافاتی علاقے کو خالی پایا تو متروکہ مکانات کے ملبہ سے دریائے نیل کے پل کی تعمیر کا حکم دے دیا جسے وہ فوجی اور ملکی ضرورت کے لئے قلعہ بابلون کے قریب تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ اور جس کے لئے ان کے پاس مسالین تعمیر کا کچھ نقدان تھا۔ اگر عمرو اس موقع سے فائدہ نہ اٹھاتے تو پل کی تعمیر نہایت دشوار اور مؤخر ہو جاتی۔ فوجی نظم و ضبط کے سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم شعبہ فوجی مواصلات یعنی فوج اور قائد کے درمیان ربط و اتصال کا شعبہ ہے۔ اسی کے ذریعہ سہ سالار کے احکام فوجیوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ اور اسی کی مدد سے فوج کے پیش آمدہ حالات سے سپہ سالار کو آگاہ کیا جاتا ہے۔ عمرو بن عاص نے اس اہم شعبہ کو کسی وقت بھی نظر انداز نہیں کیا۔

جس میدان میں اس رابطہ کی بھاری اہمیت ظاہر ہوئی وہ کوم شریک کا میدان تھا۔ جہاں رومیوں نے اپنی کثرت تعداد کی بنا پر عربوں کو چاروں طرف سے محاصرہ میں لے لیا تھا۔ اور اپنے چوڑی حملوں سے انہیں ہراساں کر دیا تھا۔ شریک نے سنگین صورت حال کا اندازہ لگانے کے بعد مالک کو ایک صہار قمار گھوڑے پر سوار کر کے حکم دیا تھا کہ جس طرح بھی ہو سکے رومی حصار کو توڑ کر عمرو تک پہنچ جائے اور صورت حال سے آگاہ کر دے۔ جس کے بعد عمرو نے تیز رفتار ملک بھیج کر رومی حصار کو توڑ دیا تھا۔ اور جنہی عربوں کا رابطہ اپنے قائد کے ساتھ دوبارہ قائم ہوا۔ تو ان کے حوصلے بکرم بلند ہو گئے۔ اور شکست قریب کو فتح مبین کی صورت میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

یہ بھی فوجی مواصلات ہی کی برکت تھی کہ جب اسکندریہ کا محاصرہ طویل ہو گیا اور مسلمانوں میں کچھ مایوسی کے آثار پیدا ہو چلے تو فرار خلیفہ عمرؓ کے احکامات اُن کے پاس پہنچ گئے، جن سے ان کے اندر ایک نیا دہلہ اور جوش پیدا ہو گیا اور تازہ دم حملہ سے انہوں نے اسکندریہ کو فتح کر لیا۔ غرض یہ کہ مواصلات ایک ایسا اہم شعبہ ہے جس پر فوج کی کامیابی تمام تر موقوف ہے اور عمرؓ نے جتنی فتوحات بھی کیں اُن میں اس عامل موثر کی کار فرمائی نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

مستقل کیمپ یا چھاؤنی بھی فوج کی اولین ضروریات میں سے ہے۔ عمرؓ نے اس کے اہتمام میں بھی زیادہ دیر نہیں لگائی۔ جونہی وہ اسکندریہ سے فارغ ہوئے بلاتاخر مصلطہ کی چھاؤنی بسا میں مصروف ہو گئے۔

آپؓ نے فوج کی رسد اور خوراک کے شعبہ کو یقین ذرائع سے مکمل کیا۔ (۱) جزیہ میں فوج کا حصہ مقرر کر دیا۔ (۲) جہاں کہیں فوج اپنا کیمپ ڈالے وہاں کے باشندوں پر اُس کی قین دن کی خاک عالم کر دی۔ (۳) اللہ آگے چل کر فوجیوں کو زمین خریدنے کی بھی اجازت دے دی۔ بشرطیکہ وہ اُس کا مقررہ پلایا ادا کرتے رہیں۔

عربوں کا سب سے بڑا فوجی سہیارا اُن کے گھوڑے ہی تھے، اس لئے عمرؓ نے ان کی غور و پرداخت کو پوری اہمیت دی۔ اور اُن کا اس بارے میں اس مضمون کا حکم آپؓ گذشتہ ادراک میں پڑھ چکے ہیں کہ گھوڑوں کی نگہداشت میں کسی طرح کسی نہ کی جائے۔ اور اگر میں نے بیماری کے بغیر کسی گھوڑے کو تحیث و لاغریا یا تو اُس کے سوار کا وظیفہ اسی مقدار سے کم کر دیا جائے گا۔

۲۔ قائم کی شخصیت میدان جنگ میں | فوج کے سپہ سالار کے لئے یہ بات اشد ضروری ہے کہ وہ میدان جنگ میں اپنی فوج کے درمیان موجودہ ایک ایک سپاہی کے ساتھ مربوط اور میدان کے ہر نشیب و فراز سے باخبر رہے اور اس سے دو اہم فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ پہلا فائدہ تو یہی ہے جسے ہم نے ابھی ذکر کیا کہ قائم اپنی آنکھوں سے حالات کا صحیح مشاہدہ کر کے میدان کے بدلے ہوئے تقاضوں کو بروقت پورا کر سکتا ہے۔

۲۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اپنے سپہ سالار کو اپنے شانہ بشانہ دیکھ کر فوج کے حوصلے بلند اور جذبات اُٹھانے لگتے ہیں۔ وہ اُس کے جوش و خروش کو خود اپنے اندر جذب کرتے ہیں، اس جیسی ذمہ داری کا احساس کرتے ہیں۔ اُس کی دُور و صوب کی نقل اتارتے ہیں اور اس کی مجموعی صفات ہمت و شجاعت و دلیری و جرات اور شوق جہاد کو نمونہ تقلید بنا کر دیکھے ہی بننے کی کوشش کرتے ہیں۔

تسخیر بابلیوں اور سقوط سکندریہ کے درمیانی وقفہ کی لڑائیوں میں عمرو بن عامر خود میدان میں مجاہدین کے دوش ہوش ہو کر جنگ کرتے تو یقیناً میدان کا رخ کچھ دوسرا ہی ہو جاتا۔
حقیقت تو یہ ہے کہ کثرت تعداد کے باوجود رومیوں کی پہلے درپے شکست کے اسباب میں سے ایک قومی سبب یہ بھی تھا کہ ان کے سپہ سالار یا دوسرے سے میدان میں آتے ہی نہیں بچتے یا پھر آتے بھی تھے تو نیم دلی اور بزدلی کے احساسات لیے ہوئے آتے تھے۔ جن کا عکس غیر شعوری طور سے فوج پر بھی پڑتا تھا۔ اور وہ ان سے پہلے ہمت ہار بیٹھتے تھے اس کیفیت کا شاندار مظاہرہ نقیوس کی مہم میں دیکھا جا چکا ہے۔ جب رومی قائد دمنیقوس مسلمانوں کی صورت دیکھتے ہی ابھار عجب ہوا کہ بدحواسی کے عالم میں فوج اور بیڑے کو چھوڑ چار اسکندریہ کی طرف بھاگ نکلا۔ اور پھر اُس کے بعد اُس کی فوج کا جو حشر ہونا چاہیے تھا وہ بھی آپ گزشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں۔

کویم شریک کی جنگ میں بھی اگر قائد فوج شریک رقیع پر موجود نہ ہوتے تو مالک کو برکت عمرو کے پاس امداد طلبی کے لئے نہ بھیج سکتے اور ایک لمحہ کی تاخیر سے فتح کا امکان شکست میں تبدیل ہو کر رہ جاتا۔ نیز یہ کہ اگر شریک اپنی فوج کے ساتھ خود شریک جنگ نہ ہوتے تو مسلمانوں کی مصیبت بھر جہت بھی ہو مگر تھوڑا بلکہ اس طرح ڈٹ کر کہیں نہ کر سکتی۔

قلوہ کرپن کی جنگ میں غویل محاصرہ کی اسفردگی کو جوش اور دلولہ میں جس چیز نے تبدیل کیا وہ بھی یہی تھی کہ عمرو نے ناز غوت ادا کر کے پہلے خود اپنے اندر آہنی عزم اور انگلیں حوصلہ پیدا کیا اور پھر ان کے کونٹ نے ایک ایک فوجی کے دل کو گرا دیا۔ جس کے بعد انہوں نے ایک آخری حملہ کر کے کرپن کی مہم کو سر کر ہی لیا۔

اس عسکری داند کی اہمیت کو صرف عمرو ہی نہیں جانتے تھے بلکہ ہر مسلمان کو اس بات کا پورا احساں تھا کہ ہمارے درمیان عمرو کی شخصیت کا وجود ہر چیز سے زیادہ ضروری ہے۔ اس کا ثبوت ہمیں اُس وقت ملتا ہے جب اسکندریہ کے حملہ میں عمرو اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ شہر کے اندر محصور ہو گئے تھے۔ اور پھر رومیوں کے ساتھ طے کردہ شرائط کے مطابق ایک رومی بارہ انفرادی مقابلہ کے لیے مبارز طلب ہوا تو مسلمانوں نے یہ کہہ کر عمرو کو اس کے مقابلہ پر جانے سے روکا تھا کہ مسلمانوں کا نظم و نسق اور ان کے دل تمہاری فات کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اس لیے اپنے آپ کو آزمائش میں نہ ڈالو۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی وابستگی عمرو کی شخصیت کے ساتھ کس درجہ تھی۔

اسی طرح اسکندریہ میں جب رومی سالار کو عمرو کی باتوں سے اُس کے سردار ہونے کا شبہ ہوا تھا اور قریب تھا کہ وہ اُن کو قتل کر دے تو اُن کے غلام نے اُن کے چہرے پر طمانچہ رسید کر کے اُن کی جان بچالی تھی اور ثابت کر دیا تھا کہ مسلمان عمرو بن عاص کی شخصیت کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز اور قابلِ حفاظت سمجھتے ہیں۔

اس کے مقابلہ میں رومیوں کا معاملہ عکس تھا۔ جب اُن کا شہنشاہ زندہ تھا تو وہ خود اُس کے مقابلہ میں بھی سرکشی کرتے دہتے تھے۔ پھر جب وہ مر گیا تو اس کے درہیڈوں کے درمیان سیاسی مباحثہ شروع ہو گئی اور جب اسی کشاکش میں ہر مجلسِ تخت نشین ہو گیا تو پھر بھی فوج میں شورش اُٹھی اور اُس نے کولتانی کو بجز شریک تاج کرایا۔

مزید برآں رومی افواج کا سالار اعظم تھیوڈور نبات خود ایک کمزور طبیعت کا شخص تھا۔ یہاں تک کہ اُس کی اس کمزوری کا علم خود اس کی فوجوں کو بھی ہو گیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ جب سپہ سالار کمزور ہوتا ہے تو فوج میں اس سے پہلے کمزوری اور نزولی آ جاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ فتح و نصرت کے عوامل میں سے ایک بہت بڑا عامل یہ ہے کہ فوج کی قیادت مضبوط اور فولادی شخصیت کے ہاتھ میں ہوتا کہ وہ اُس سے بہتر سے بہتر کام لے سکے۔

۳۔ حملہ | ہابیون اور سکندریہ کے درمیان جتنے مقابلے پیش آئے اُن کے حالات صاف بتا رہے ہیں کہ ہر مقام پر عمرو بن عاص نے حملہ آور کی پوزیشن اختیار کی اور رومیوں نے مدافعت کی۔ کہیں کہیں اگر رومیوں کی طرف سے حملہ ہوا بھی تو وہ ضمنی اور مقامی حیثیت کا تھا اور صرف اس لئے کیا گیا تھا کہ حاصرے کی شدت میں کچھ کمی ہو جائے۔

عمرو نے شعوری طور پر ایسا کیا تھا۔ اس لیے کہ وہ اس فوجی لاز سے بخوبی واقف تھے کہ فتح و نصرت کا دار مدار منفی عمل کا ہے جیسے اسرا ثباتی عمل پر ہے۔ حملہ آور کا حوصلہ نفسیاتی طور پر بلند ہوتا ہے اور اس کے مقابلہ میں حملہ زدہ کا حوصلہ لپٹ اور قدرتی طور پر کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ عمرو اسی لیے دشمن کو پیش قدمی کا موقع بہت کم دیتے تھے اور اُس کے میدان میں ٹکھنے سے پہلے ہی اُس پر جا پڑتے تھے۔

یہ بات بھی ضروری نہیں ہے کہ حملہ آور اپنے ہر حملہ میں فوری طور پر کامیاب بھی ضرور ہو جائے۔ اگر ظاہری کامیابی حاصل نہ بھی ہو تب بھی اُس کے بہت سے دوسرے معنوی فوائد اور نفسیاتی اثرات ایسے ہوتے ہیں جو دیر میں ظاہر ہوتے ہیں اور دُور رس نتائج پیدا کرتے ہیں۔ ایسے حملوں سے دشمن کے جانی اور مالی نقصان کے علاوہ بڑا فائدہ یہ ہے کہ دشمن حملہ آور کی شجاعت و شہامت اور قوتِ المادی سے

مغرب ہو کر دوسرے مقامات پر اُس کا راستہ روکنے کی جرات کم ہی کرتا ہے۔ اور ایسا اوقات مناسب موقع پر قابلِ مصلح بھی ہو جاتا ہے۔

نیشی مصر کے علاقوں میں عمروں کے بیشتر حملے اسی قسم کے تھے۔ جاگیر بنانا ہر ان معنی میں نامکام رہے کہ وہ قلعوں کے دروازے تنوار کے زور سے فدی طور پر نہ کھلا سکے۔ لیکن اُس اعتبار سے ضرر کامیاب رہے کہ رومیوں کو مسلمانوں کی طاقت کا صحیح اندازہ ہو گیا اور وہ ہر حملہ میں بھاری جانی و مالی نقصان اٹھانے کے بعد آخر کار صلح پر آمادہ ہو کر سچائی جو یاد کرنے لگے۔

۴۔ فوج کا بچاؤ | عمروں عاص اپنی فوج کی سلامتی اور اُس کے مفاد کے تحفظ کا ہر وقت خیال رکھتے تھے یہی وجہ تھی اسکندریہ کی طرف کوچ کرنے سے پہلے انہوں نے اپنی فوج کا ایک دستہ خادجہ بن صفاد کی سرکردگی میں بابلون پر متعین کر دیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی فوج عقب سے محفوظ ہو جائے۔ اور ایسا نہ ہو کہ ہم اسکندریہ کی طرف روانہ ہو جائیں تو ہمارے پیچھے بابلون پر دوبارہ دشمن قبضہ کر کے ہمارے لیے نیا خطرہ کھڑا کر دے۔

اسکندریہ کی طرف مارچ کرنے کے لئے نیل کے مغربی ساحل کو بھی اسی بنا پر منتخب کیا گیا کہ یہ نہروں اور نالوں سے محفوظ تھا۔ بخلاف مشرقی ساحل کے جس میں جگہ جگہ نہریں اور نالے تھے جن کو عبور کرنے میں فوج کو کھلیٹ اٹھانی پڑتی اور اُن کے گھوڑوں کو بھی دشواری کا سامنا ہوتا جو اُن کی سب سے زیادہ محبوب سواہی اور سب سے زیادہ کارگر سامان جنگ تھا۔

ماستہ میں جب انہوں نے شہر نقیوس کے قلعہ اور اس کی فوجی اہمیت کو دیکھا تو اُسے بھی اپنے عقب میں آزاد چھوڑ کر آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا اور اُسے بھی اسی فوجی مصلحت کے پیش نظر تسخیر کیا کہ اسکندریہ کی جنگ میں اُس کی طرف سے کوئی اندیشہ مسلمانوں کے دل میں باقی نہ رہ جائے محاصرہ اسکندریہ کی طوالت کا اندازہ کرنے کے بعد جب عمروں عاص نے فوج کے ایک حصہ کے ساتھ نیشی مصر کا رخ کیا تو اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ آخری اور فیصلہ کن حملے کا وقت آنے سے پہلے ہی نیشی علاقوں کی طرف سے بھی اطمینان کر لیا جائے تاکہ اسکندریہ پر بھرپور حملہ کے وقت فوج اُس طرف سے مطمئن رہے۔

۵۔ اخلاقی طاقت | عمروں عاص کی فوج اسلام کی سربلندی کے لیے جنگ کر رہی تھی۔ اُن میں سے ہر ایک موت کا شائق اور ایک دوسرے سے بڑھ کر شہادت کا طلبکار تھا۔ اس لیے کہ ان سب کو یقین تھا کہ شہادت ہی ایک ایسا راستہ ہے کہ جس کے ذریعے وہ یقینی طور پر جنت حاصل کر سکتے ہیں۔ جس فوج کا شعور اتنا بلند اور مقصد اس قدر مخلصانہ ہو جس کے دل سے موت کا خوف

کلیتہً ہندو چکا ہو اور جس کا ایک ایک فرد قتل ہو جانے کو سوادست ابدی تصور کرتا ہو تو پھر وہ میلان جنگ میں پہاڑ کی چٹان ثابت نہ ہوں گے تو اور کون ہو گا۔

ایسی فوج تھی جس کو لے کر عمرؤ بن عاص اس وقت کی سب سے بڑی متمدن اور شریک اکثر الفوج اور کثیر الاسلحہ حکومت سے جائگرائے اور قدم قدم پر فتوحات حاصل کرتے چلے گئے۔ یہیں تک کہ اس کا کلیتہً استیصال کر دیا۔

مسلمانوں کی اس اخلاقی اور ایمانی طاقت کا اعتراف خود وہ بھی کو بھی تھا۔ جس کا ذکر وہ اپنی مجلسوں میں بھی کرتے تھے۔ مسلمانوں کی اسی طاقت نے اُن کے عوام و خواص پر اس درجہ تسلط پالیا تھا کہ وہ اپنی کثرت تعداد کے باوجود مسلمانوں سے ہر وقت خوفزدہ رہتے تھے۔

محاصرہ اسکندریہ کے دوران جب مقوقس نے قلعہ کے تمام مردوزن کو فیصل کے ادھر کھڑ کر کے اپنی کثرت تعداد کا مظاہرہ کیا تھا تو اس کے جواب میں عمروؓ کے یہ الفاظ کہتے تھے کہ۔

ہم نے اب تک جتنی فتوحات کی ہیں وہ قلت ہی کی طاقت سے کی ہیں۔ اہم تمہارے ہر قتل کا جو عبرتناک انجام ہو چکا ہے وہ بھی اسی اقلیت کے ہاتھوں ہوا تھا۔ عمروؓ کے اس بہادمانہ جواب ہی نے قبریں کا پتہ پانی کیا تھا۔ جس کے بعد اُسے صلح کے سرا اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔

اس کے برخلاف رومی محاذ میں اخلاق اور کردار کی طاقت کا بہت زیادہ فقدان تھا۔ رہا سہا حوصلہ عراق اور شام کی شکستوں اور خود ہر قتل کے تسلطیہ کی طرف ذہن نے ختم کر دیا تھا۔ اور اُن کے تحت الشعور میں یہ احساس کمتری پیوست ہو گیا تھا کہ خواہ ہم عربوں کے مقابل میں مقدار کے لحاظ سے کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں لیکن ان کا مقابلہ کسی حالت میں بھی نہیں کر سکتے۔ اور وہ تقریباً ہی اسی قسم کے مواد پر مشتمل تھی جس کے ذریعہ قبریں نے اسکندریہ میں اعلان صلح کے وقت اپنے فوجی انصران کو صلح پر آمادہ کیا تھا۔

۶۔ تدبیر علی (پالیٹکس)

قائد کے لئے دیگر صفات کے ساتھ تدبیر اور فراست کی بھی اشد ضرورت ہے۔ اس لئے کہ بہت سے اہم معاملات ایسے ہوتے ہیں جو جن تدبیر ہی سے سلجھ سکتے ہیں اور طاقت کے استعمال کی ذمت ہی نہیں آئے پاتی۔ اور خود طاقت استعمال کرتے وقت بھی طاقت سے زیادہ تدبیر کی کامرمانی ہوتی ہے۔ اور اُس وقت تک کسی جنگ کا نقشہ بتا ہی نہیں جب تک قائد اپنے دشمن کے مزاج اور رجحان، طاقت اور

مردی حالات اور ماحول کے تقاضوں، اُن کی دل انگیزی اور جذبات وغیرہ کا گہرا مطالعہ نہ کر لے اور پھر اس مطالعہ کی روشنی میں سوچ سمجھ کر ایسا جامع نقشہ نہ بنائے جو قبل جنگ، دوران جنگ اور پھر بعد جنگ کے تقاضوں پر حاوی رہے۔

عمر بن عاص کو اس صفت کا بھی مافر حصہ ملا تھا۔ وہ ایک اچھے مدبر اور پالیٹیشن قرار کیے جاتے تھے اور مصر کے غزوات و فتوحات اس کی روشن شہادت ہیں۔

یہ عمر بنی فرات، تبر اور بالغ نظری ہی تھی جس کی بدولت انہوں نے مصر کے خواص کو بہت جلد مانوس کر کے اپنے گرد جمع کر لیا اور اُن سے بڑے بڑے کام لینے اور اُن کے عوام کو بھی ملکی اصلاحات کے ذریعے ایسا خوش کیا کہ وہ اسلامی نظام عدول مساوات کے ترانے گانے لگے اور بہت جلد ان کے دلوں سے ان مظالم و مصائب کے احساسات کو محو کر دیا۔ جو رومی دور میں اُن کے صبر برداشت کا پیمانہ برہنہ کر چکے تھے۔

مصر کے قبلی اسلام کی اعتقادی، اعلیٰ اور سیاسی برکات کے چرچے تو بہت پہلے سے سُن رہے تھے اور وہ محلوں کے مالکوں کو ہر تار سے تنگ اگر نجات دہندہ کے لیے دعائیں بھی کیا کرتے تھے لیکن اسلام کی برکات کا معنی مشاہدہ اور عملی تجربہ انہیں عمر بنی فتوحات کے بعد ملا۔ جب انہوں نے وہاں کے سیاہ فام کو مکرم روشنی کے دور میں تبدیل کر دیا اور غلامی کی بجائے مساوات، ظلم کی جگہ عدل و انصاف اور خود غرضی کی جگہ ایشاد و قربانی کی فرمانروائی قائم کر دکھائی۔

عمر بنی فاتح اور مفتوح کے امتیاز کو ختم کر کے زمین کے خراج میں مسلمانوں کو بھی اہل مہر کے برابر کیا۔ اہل مصر کو عقیدہ، فکرمذہب کی بھی مکمل آزادی عطا کی۔ عمر بنی نے جب دیکھا کہ مصر والوں کے دل اپنے سب سے بڑے مذہبی پیشوا نبیائین کی گم شدگی کی وجہ سے شکستہ ہیں تو انہوں نے اعلان غزو کے ذریعہ اُس کو تلاش کیا اور پھر اپنے حسن سلوک کے نتیجہ میں اُن کی زبان سے مندرجہ ذیل اعلان کرایا جو اہل مصر کے لیے شاہی پرمانہ تھا۔

”میں دوبارہ اپنے وطن میں داخل ہو رہا ہوں۔ اور اس حال میں ہو رہا ہوں جبکہ یہاں خوں کے بعد امن کا سہل ہے اور مصیبت کے بعد راحت کا دور دورہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے جبر و تسلط سے ہم سب کو آزاد کر دیا ہے۔“

اہل مصر کو جس چیز نے زیادہ مطمئن کیا وہ محاصل کا جدید نظام تھا جس میں اُن کے حالات اور گنجائش کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا تھا۔

رعایا پروری اور ایثار و قربانی کی ایک بہترین مثال یہ پیش کی گئی کہ اگر کبھی خراج پیداوار کے اضافہ کی بنا پر مقررہ مقدار سے زیادہ وصول ہوتا تھا تو اُسے اُسی علاقہ کی بہبود پر خرچ کر دیا جاتا تھا عمرؤ نے کنیسوں اور عبادت گاہوں کو کبھی کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچنے دیا۔ ہر شہر میں کچھ زمین مفاو عامہ کے لیے مخصوص کر دی گئی جس سے فوج اور رعایا دونوں کے مصالح وابستہ تھے۔

عمرؤ نے یہ نہیں کیا کہ افسرانِ علاقہ کو ہٹا کر اُن کی جگہ عربوں کو مقرر کر دیا ہو۔ بلکہ سابق خطیوں ہی کو ان کے استخانات پر برقرار رکھا۔

عمرؤ قابلِ ذکر ملکی اصلاحات میں بنیامین کا مشورہ حاصل کرتے رہے۔ اور ان کا یہ طریقہ عملی تقاضائے اخلاص تھا۔ اس لئے کہ وہ مصر کی حقیقی خدمت کرنا چاہتے تھے اور کسی ملک کی حقیقی ضروریات کو وہی لوگ صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں جو اس ملک کے باشندے ہوں۔

سیاست، تہذیب اور پالیٹکس کے یہی مذکورہ بالا عوامل تھے جنہیں عمرؤ نے مصر میں اختیار کیا۔ اور یہ انہی عوامل کی برکت تھی کہ مصر کی سرزمین پر اسلامی حکومت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مضبوط اور مستحکم ہو گئی۔

اسکندریہ کی بازیابی

رومی مصر سے فگنے کو تو نکل گئے تھے لیکن اُن کے دل بدستور اُس میں اٹکے ہوئے تھے۔ وہ ہمارے اپنی گردنیں لمبی کر کے اُس کی طوتِ حسرت کی نظر دل سے دیکھ رہے تھے۔ مصر اُن کے لیے مرنے کی چڑیا تھا اور انہیں اُس کے نکل جانے کا صدمہ شام اور فلسطین کے نکل جانے سے بھی بہت زیادہ تھا۔ اس لیے وہ اس کی بازیابی کے لیے مناسب موقع کی تاک میں تھے اور یہ موقع انہیں جلد ہی مل گیا۔

خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ شہید کر دیے گئے۔ اُن کے بعد حضرت عثمانؓ نے خلافت پر حکم ہو کر ۱۶ ذی الحجہ ۳۵ھ مطابق ۶ نومبر ۶۵۵ء کو حضرت مغیرہؓ بن شعبہؓ کے محبِ غلام مالو لڑاکے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔ یہ شخص فاطمہؓ کا سہنے والا تھا۔ جنگِ نہاد میں گرفتار کر کے مدینہ لایا گیا تھا۔ محمود فرج نے حضرت غلام کی شہادت پر زہر کو مکھی ہے جو غلط ہے، مدامد پانی پی

۱۶ ذی الحجہ ۳۵ھ مطابق ۶ نومبر ۶۵۵ء کو خلیفہؓ نے حضرت عمرؓ بن العاصؓ کی معزول بقول طبریؒ ۳۵ھ میں ابو بکر بن ابی شریحہؓ میں واقع ہوئی۔ مصر کے نامور مہتر ڈاکٹر احسن ابی بکرؒ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت عمرؓ بن العاصؓ کی معزولی اسکندریہ پر رومیوں کے حملے کے بعد ۳۵ھ کے آخر یا ۳۶ھ کے اوائل میں ہوئی۔ عمرؓ بن العاصؓ کو لڑاکہ ڈاکٹر احسن ابی بکرؒ (عمرؓ مد پانی پی)

عمرو بن عاص کو قیادت مصر سے سزا دی کہ وہ ادران کی حکم عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو والی مصر بنایا۔ عمرو بن عاص نے مصر چھوڑ کر حبشہ عرب میں قیام اختیار کر لیا اور آنے والے حالات کا انتظار کرنے لگے۔

اسکندریہ سے رومیوں کو دعوت | ادر برہایت ابن الاثیر اسکندریہ میں کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہو گئے جو مسلمانوں کے نظام سے متغیر اور رومی نظام کی واپسی کے آرزو مند تھے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرتے اور تمام حالات سے رومیوں کو باخبر کرتے رہے بالخصوص عمرو بن عاص کی معرفتی کے بعد تو انہوں نے شاہ روم کو صفات الفاظ میں مطلع کر دیا کہ اس وقت عمرو کی عدم موجودگی بہت عمدہ موقع ہے کہ اسکندریہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا جائے۔

ان لوگوں کے مسلمانوں سے ناخوش ہونے کی وجہ یہ تھی کہ جدید والی مصر عبداللہ کی توجہ تمام تر حجاز پر مرکوز ہو گئی اور نئے نئے ٹیکس عائد کرنے کی طرف متوجہ تھے جسے وہ لوگ برداشت نہ کر سکے اور حکومت کا تختہ الٹنے کی سازشیں کرنے لگے۔

شاہ روم کی رائے | شاہ روم کو مصر کا ہاتھ سے جاتے رہنے لاپتہ زبردست قلق تھا اور اس کے زخم ہزیمت سے بھی ابھی تک تازہ اور گرم خون جاری تھا۔ اہل اسکندریہ کے دعوت نامے کو دیکھ کر اُس نے ایک بار پھر اپنی بے عزتی کا بھرپور انتقام لینے اور مصر کی اس سرزمین کو جس کی آمدنی اُس کے خزانہ عامرد کی سب سے بڑی کفیل تھی۔ عربوں کے پیچھے سے واکزار کرنے کا پختہ عزم کر لیا۔

۱۱۱۱ | یا قوت نے عبداللہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ قریش کے سب سے زیادہ معقول اور شریف آدمی تھے لیکن طبری کی رائے اس کے خلاف یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے گونہروں میں عبداللہ دلی مصر سب سے بُرا آدمی تھا (ج ۳ ص ۵۵۴) ایک روایت یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عین حیات میں ہی عبداللہ مرتد ہو کر مشرکین میں جا ملا تھا۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد اس کا خون بدو کو دیا تھا۔ لیکن طبری حضرت عثمانؓ نے اُس کے لئے امان حاصل کر لی۔ جس کے بعد وہ دوبارہ داخل اسلام ہو گیا۔

۱۱۱۲ | بقول طبری عمروؓ اس دوران میں مکہ میں مقیم رہے۔ — بقول ابوالحسن حضرت عثمانؓ نے عمروؓ کو اس لئے معزول کیا تھا کہ وہ ذیل سے جنگ کرنے کے لئے فارغ ہو جائیں۔ (ص ۵۵۴) لیکن یہ روایت مشکوک ہے۔

شاہ نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اسکندریہ پر فوج کشی کے لئے بحری فوج کا ایک عظیم الشان دستہ تیار کرنے کا حکم دے دیا اور اس بات کی محنت تاکید کر دی کہ اس تیاری کو تاہتر صیغہ راز میں رکھا جائے اور کانوں کان کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔

بحر یہ تیار ہو گیا۔ شاہ کے حکم سے حملہ کی تیارات بہادر منوبل کے سپرد کی گئی۔ ننگر کاٹ کر دیے گئے اور بحریہ اپنی سیلابی موجوں اور عرفانی عزائم کے ساتھ اسکندریہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ قلعہ ابوسعین سو بحری جہازوں کا بیڑہ جسے خبری کے عالم میں عربوں کے سر پر جا پڑا اور ساحل اسکندریہ پر ننگر انداز ہو گیا۔

اسکندریہ کی عرب فوج صرف ایک ہزار ہے۔ لیکن اس قلت کے باوجود دفاع پر ڈٹ گئی ہے۔ لڑتے جاتے ہیں اور شہادت کا جام نوش کرتے جاتے ہیں۔ سب نے اپنی محبوب منزل پالی ہے۔ کسی کی قسمت میں بچنا تھا تو بچ بھی نکلا ہے۔ اسکندریہ کے دروازے ایک بار پھر رومیوں کے لیے کھل گئے ہیں اور انہوں نے دوبارہ اس پر قبضہ کر لیا ہے۔

اسکندریہ پر قبضہ جمانے کے بعد غارتگرانِ روم کا سیلاب اپنی تعداد میں اہل اسکندریہ کا مزید اضافہ کر کے اسلامی دارالخلافتِ منطاہ کی طرف روانہ ہو گیا ہے اور راستہ میں جس بستی سے گزرتا ہے جب لوٹ مار کا بازار گرم کرتا جاتا ہے۔ اور بعض روایات کے مطابق ان درمیانی بستیوں سے بھی آٹھ کروڑ رومیوں کی فوجی تعداد میں اضافہ کرتے جاتے ہیں۔

مسلمان اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ اس سیلاب کے آگے بند باندھ سکیں۔ اس لیے کہ جدید حالی مصر عبداللہ نے قلعوں کی مرمت، شہروں کی حفاظت اور سیاسی استحکام کی طرف سرے سے کوئی توجہ ہی نہیں کی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب ضرورت کے وقت سب کے سب کھڑے کے کھڑے رہ گئے اور رومیوں کی پیش قدمی کو کسی مرحلہ پر بھی نہ روک سکے۔

خزائنِ عاصی کی بحالی | رومی پیش قدمی کی اطلاع خلیفہ عثمانی کو پہنچی تو وہ مصیبتِ علانیہ سے پریشان ہو گئے۔ اور ایسے سپہ سالار کی جستجو کرنے لگے جو اس نازک مرحلہ پر کام آسکے۔ بلاخر ان کی نظر اسحاق نے

ملے۔ اسی وقت وہی سمیر کے بادشاہ تھے۔ اس لیے انہیں بحری جنگوں میں مہارت تارہ حاصل تھی۔

۱۔ عرب مرضی کا اس بہت پر اتفاق ہے کہ اسکندریہ پر رومیوں کا دوبارہ قبضہ ۳۵۰ ہجری مطابق (۹۶۰ء) میں ہوا۔

یہی فیصلہ کیا کہ عمرو بن عاص کے موافق دھڑے شخص میں یہ حوصلہ نہیں ہو سکتا کہ وہ صرف یہ کہ رومیوں کے سیلاب کو مزید پیش قدمی سے روک دے۔ بلکہ انہیں شکست دے کر ہٹا بھی کر دے۔ عمرو بن عاص ایک ایسی آزمودہ شخصیت ہے جس کے ساتھ پنجہ آزمائی کر کے رومی اُس کی شدت و صولت کا اندازہ کر چکے ہیں۔ اور وہ خود بھی رومیوں کے مزاج اور اُن کی کمزوریوں سے ایک حد تک واقف ہو چکا ہے۔ اس وقت رومیوں کے مقابلہ کے لئے زور بازو کے ساتھ ساتھ تدبیر و حکمت کی بھی اشد ضرورت ہے۔ اور عمرو بن عاص دونوں صفات کا جامع ہے۔ وہ صرف میدان سیف ہی میں حرب و ضرب اور تلوار کا دھن نہیں بلکہ بساط تدبیر و سیاست کا بھی ماہر و شاطر ہے۔ جیسی بھرپور جنگ لڑتا ہے ویسا ہی جامع نقشہ جنگ بھی بناتا ہے۔

حضرت عثمانؓ نے ایک لمحہ میں یہ سب کچھ سوچ لیا اور دوسرے ہی لمحے حکم صادر فرما دیا کہ عمرو بن عاص فوراً روانہ ہو جائیں اور مصر پہنچ کر افواج اسلامی کی قیادت سنبھال لیں۔
عمروؓ روانہ ہو گئے۔ مصر پہنچ کر قیادت سنبھال لی۔ اہل کشتی کے اسلامی پرچم کے نیچے ہزار ہزار مجاہدین کا جم غفیر ترتیب دے لیا۔

سلاطین باغیہ خارجیہ و منافقہ کی رائے تھی کہ قبل اس کے کہ دشمن کو تازہ ملک پہنچے یا وہ مزید اہل مصر کو اپنے ساتھ لاکھ فوجی قہار و بڑھائے۔ ہمیں چاہیے کہ آگے بڑھ کر اُس کی پیش قدمی کو روک دیں۔ لیکن عمروؓ کی رائے اس کے خلاف تھی۔ وہ کہتے تھے کہ ہمیں دشمنوں کا اسی جگہ انتظار کرنا چاہئے اور انہیں اس بات کی کھلی چھٹی دے دیں چاہئے کہ وہ جن جن علاقوں سے آئیں اُن میں خوب لٹ مار کرتے ہوئے آئیں غالباً عمروؓ کے پیش نظر یہ مصیبت تھی کہ رومی جہاں کہیں بھی ہوں گے اور جتنی بڑی قہار و باغیہ ہوں گے پاس ہوگی ہم پر حال انہیں شکست دیں گے۔ اس لئے انہیں اپنے ظلم و ستم کے ذریعہ اہل مصر کی رائے کو اچھی طرح اپنے خلاف کر لینے اور تاکہ ان کی آئندہ شکست سے مصر والوں کی رائے عام ہمارے حق میں پہلے سے بھی زیادہ سازگار اور بخیر ہر جائے۔ — تبادلہ خیالات کے بعد آخری فیصلہ پیش قدمی کا ہی ٹھہرا۔

اسلامی افواج نے رومی افواج کو نفیوس میں جالیا۔ مدوں سیلاب ایک دوسرے سے ٹکوا گئے۔ جم کر مقتل ہوا۔ خنک میں بھی جنگ ہوئی۔ اور اُس دیا میں بھی جو شہر کے قریب

سے جبریل باغی مدیوں کی فوج سلاطین سے اب بھی قہار و باغیہ تھی (دوسرا) اور اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلاطین کی فوج ایک ہزار باغی تھی لیکن یا علیؓ کی قریب مسلمان ہو گئی ہے۔

سے گزرتا تھا۔

رُومی پوسے جوش و خروش کے ساتھ اس عزم کو لیے ہوئے جنگ کر رہے تھے کہ مصر ہمارا ہے، ہمیں ہر قیمت پر اسے حاصل کرنا، غاصبوں سے چھڑانا اور انہیں مار مار کر چیرہ عرب کی طرف بھگا دینا ہے۔

مسلمان اس حوصلے سے لڑ رہے تھے کہ مصر جب ایک دفعہ اسلامی مملکت میں داخل ہو چکا ہے تو اب یہ ہمارے نزدیک جو چیرہ عرب ہی کا ایک حصہ ہے۔ اور اسلامی مملکت کے کسی حصے کو کسی قیمت پر بھی ہم کا فردل کے حوالے نہیں کر سکتے۔

جانبین سے تیروں کی بارش اور تلواروں کی یورش اور ہی تھی اور لڑائی پر مار مار پکڑ چکی تھی کہ اسی دوران میں عمروؓ کے گھوڑے کو صدمہ پہنچا اور وہ اس کی پیٹھ سے اتر کر پاپیادہ ہو گئے۔ اسی حالت میں فوج کی کان بھی کر رہے تھے اور دشمن پر تلوار بھی چلاتے جاتے تھے۔

دوہوں نے بھی اس جنگ میں بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کیا، یہاں تک کہ میدان کے بعض گوشوں میں عربوں کو پسپا بھی کر دیا۔

اجتماعی مقابلے کے ساتھ ساتھ انفرادی مقابلے بھی ہوئے۔ ایک موقع پر ایک رومی بہادر میدان میں نکل کر مبارز طلب ہوا اور لڑکا مارا کہ کسی عرب میں اگر حوصلہ ہے تو نکل کر آئے اور میرے ساتھ دو رد اٹھ کرے۔ اس کے مقابلے کے لئے قبیلہ زبید کا ایک بہادر حوصلہ نکلا۔ دونوں کے درمیان پہلے تو کافی دیر تک نیزہ بازی ہوتی رہی۔ اس کے بعد دونوں نے تلواریں سونت لیں۔ طرفین کی فوجیں اپنے اپنے بہادروں کو داد شجاعت دیتی اور بے چینی کے ساتھ اُس کے غلبہ کا انتظار کرتی رہیں۔ رومی نے حوصلہ پر ایک بھرپور ہاتھ مارا جس نے انہیں کاری زخم پہنچایا۔ لیکن اسی حالت میں اُس کے حملہ کا جواب دیتے ہوئے حوصلہ نے رومی پر بھی ایسی ضرب لگائی جس سے اُس کا کام تمام ہو گیا۔ اور اس کے چند دن بعد خود حوصلہ بھی زخموں کی تاب نہ آ کر جاں بحق ہو گئے تھے۔

لے بقول مقریزی یہ جنگ خشکی اور تری ملاقا میں لڑی گئی۔ "بقول یاقوت" عمرو اور دوہوں کے مابین جنگ فیرس میں ہوئی ۴ ص ۸۷

لے بقول مقریزی حوصلہ نے ملاقا سے خیر نکالا اور رومی کی گردن میں پرست کر دیا۔ پھر اس پر چھپٹ کر اس کا سارو سلاح اُتار دیا۔ عمروؓ نے حوصلہ کی نعش کو منظرِ صحنہ کر مقامِ مقلعہ کے قریب دفن کر دیا۔

اس انفرادی حملہ کے بعد پھر دوبارہ گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ اور اب کی بار تو مسلمان ایسی بے جگری اور بے خوفی کے ساتھ حملہ آور ہوئے کہ بالآخر دشمن پر غلبہ حاصل ہو گیا۔ رومی پس پا ہوئے اور اسکندریہ کی طرف راہ فرار اختیار کر لی۔ مسلمانوں نے بھی اسکندریہ تک ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔

عمر بن العاص دوبارہ اسکندریہ میں | رومی فوج نے اسکندریہ میں داخل ہو کر دروازے بند کر لیے اور محاصرہ کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

عمرؓ کے سامنے ایک بار پھر وہی محاصرہ کی سابق مشکلات آکھڑی ہوئیں۔ سب سے بڑا مانع شہر کی مضبوط فصیل تھی۔ جس کو دیکھ دیکھ کر وہ دل ہی دل میں اس بات کی حسرت کر کے رہ جاتے تھے کہ اسے کاش میں اس فصیل کو اپنے سابق قبضہ کے وقت سہارا دیتا۔ اور اب تو انہوں نے قسم کھالی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے دوبارہ اس پر قبضہ دے دیا تو اس فصیل کو ضرور منہدم کرادوں گا۔

ایک روایت کے مطابق اسکندریہ کے ایک شخص ابن ہمارہ نے عمرؓ کے سامنے اس خدمت کی پیش کش کی کہ اگر آپ میرے اہل و عیال اور مال و مالک کی سلامتی کا وعدہ فرمائیں تو میں آپ کے لیے اسکندریہ کا دروازہ کھول دوں۔ عمرؓ نے امان دے دی اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ مسلمان اندر داخل ہو گئے۔ رومی بھی مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ جنگ ہوتی رہی اور مسلمان بڑھتے بڑھتے شہر کے درمیان تک پہنچ گئے۔ عمرؓ نے رومیوں کو ہاتھ کھڑے کرنے کا حکم دیا اور پھر تلوار کے ٹکھٹا اتارنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ان کے سردار منوبل کو بھی قتل کیا۔ پھر اس کے بعد شہر میں آگ لگا دینے لگے۔ فصیلوں کو سہارا کر دیئے اور عورتوں اور بچوں کو مال لئے بنا لینے کا حکم دے دیا۔

نبیامین کا معاملہ | بطریق نبیامین کو عمر بن العاص کا عدل و انصاف بھی یاد تھا۔ اور وہ اس احسان کو بھی فراموش نہیں کر سکتا تھا جو عمرؓ نے دیورشی سے نکال کر اسکندریہ بلا لینے کی صورت میں اُس پر کیا تھا۔ اس لیے وہ اپنی قبلی جماعت کے ساتھ عمرؓ کی عدم موجودگی اور رومیوں کی عہد شکنی کے زمانہ میں اسکندریہ کے رومیوں سے کنارہ کش اور عربوں کے ساتھ ہی اپنی اخلاقی مہم رومی کا اظہار کرتا رہا۔ اس لیے عمرؓ نے اب پھر اُسے اس کے سابق دینی منصب پر فائز کر دیا۔

اس مقام پر عمرؓ نے ایک مسجد تعمیر کرائی جس کا نام مسجد الرحمة رکھا گیا۔

اسے ایک روایت کے مطابق اس آگ میں شرقی باک کے دروازے کے آس پاس جو کچھ تھا سب کچھ بھڑک کر کنیشتہ مرقع خاکستر ہو گیا۔

اسے ایک روایت کے مطابق نبیامین اسکندریہ سے بھاگ گیا تھا۔

(٥)

فتوحات بلاد افریقیة وبلاد النوبة

- فتح برقة
- فتح طرابلس
- فتح شمالی افریقیة
- فتح طانة نوبة

(۱)

فتح برقہ

جنگ کی تیاری اسکندریہ فتح کرنے اور رومیوں سے مصر کو خالی کرالینے کے بعد سیاسی حالات کا طبعی تقاضا تھا کہ عمرو بن العاص علاقہ برقہ کی جانب پیش قدمی فرماتے۔ ویسے عمرو بن العاص کا شوق جہاد بھی اسی کا متقاضی تھا کہ وہ مسئلہ ہو کر نہ بیٹھ جائیں۔ اور برابر فتوحات کرتے چلے جائیں۔ وہ ابی فلسطین سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ فوراً مصر کی تیاری میں لگ گئے۔ اور اب مصر سے فراغت پائی ہے تو برقہ کی تیاری ہے۔ اس سے فارغ ہو کر انہیں طرابلس کا رخ کرنا پڑا۔ اور جب وہ اُس سے بھی فارغ ہو جائیں گے۔ تو پھر غلیطہ سے آتی افریقیہ کے لئے اجازت طلب فرمائیں گے۔ جیسا کہ آپ آئندہ صفحات میں پڑھ لیں گے۔

عمرو کی طرح ان کی افواج بھی جہاد کی طرف پوری رغبت رکھتی تھیں۔ اسکندریہ کے فتح ہو جانے کے بعد بظاہر فرحانہ اور حصول غنائم کا سلسلہ منقطع ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ اور یہ تعطل کی حالت ان

سے ابن عبدالحکم اور ہارونی کے نزدیک افریقیہ کا اطلاق ان تمام علاقوں پر ہوتا ہے جو بر اعظم افریقیہ کے شمال میں واقع ہیں اور نژی مصر کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ لیکن اس وقت صورت حال یہ تھی کہ برقہ اور طرابلس کو افریقیہ اور مصر دونوں سے جدا ایک مستقل صوبہ قرار دے دیا گیا تھا۔

غینیقیوں نے آفری A P H R A کا تعلق ان لوگوں کے لئے استعمال کیا ہے جو شہر برقہ T I G A کے مضائقہ میں رہتے تھے۔ انہی سے یہ یوں نے اس تعلق کو لے کر ایک کے ان اہل باشندوں پر ولنا شروع کر دیا جو مصر کے مغرب میں حدود مصر سے لے کر حبش تک بے ہوش تھے اور اسی وجہ سے اس سرزمین کو آفری کا یعنی ملک آفری نام دے دیا گیا۔ یہروڈوس آفریہ کے تعلق کو اس نام علاقہ کے لئے استعمال کرتا ہے جو مغرب کی طرف سے لے کر طرابلس تک چلا گیا ہے۔ بکری نے لکھا ہے کہ کچھ لوگوں کے نزدیک یہ تعلق اصل میں افریقیہ ہے جس کے معنی آسمان والے کے ہیں۔

بعض لوگوں نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ اسے افریقیس بنابرہ بن ریش نے اس وقت آباد کیا۔ آفریقی آئندہ صفحہ پر

کے لئے ہر گز پسندیدہ نہ تھی۔ اس لئے وہ سرزمین مصر کے قرب و جوار اور صحرائی علاقوں میں جا کر چھوٹی چھوٹی فتوحات اور مال غنیمت حاصل کرتے رہے۔ برقعہ اور افریقیہ کی اطلاعات عمرو بن العاص کو سواس فتح مصر کے دوران ہی ہیں اور ہی نہیں آ رہی تھیں جن سے وہ اس بات کا اندازہ لگا رہے تھے کہ یہ علاقے بھی رومیوں ہی کی نوابیت ہیں اور ان کی پوزیشن دہل نہایت مضبوط ہے۔ اور یہ بھی معلوم تھا کہ ان علاقوں کے بعد اطلال مصر کے ساتھ بہت ہی قریبی ہیں۔ سچی کہ وہاں کے بہت سے قبائل مصر کے قبایلوں پر مشتمل ہیں۔

مصر اور برقعہ کو لانے والے راستے پختہ اور بے خطر تھے۔ اس لئے عمرو نے اسکندریہ کے بعد فیصلہ کر لیا کہ برقعہ کی طرف پیش قدمی میں زیادہ دیر لگا تا مگر مناسب نہیں ہے۔

عمرو اس بات کا یقین کامل رکھتے تھے کہ مصر کی فتح، برقعہ کی فتح کے بغیر تکمیل نہیں پاسکتی جیسے کہ ابن عسلی کی مندرجہ ذیل روایت سے واضح ہوتا ہے۔

”عمرو نے فتوحات مصر ہی کے دوران میں فتح برقعہ کی داغ بیل بھی اسی طرح ڈال دی تھی کہ عقبہ بن نافع کو کچھ مسلمانوں کی معیت میں جاسوسی کی خاطر برقعہ کی طرف روانہ کر دیا تھا تا کہ وہ وہاں کے حالات کی صحیح معلومات حاصل کر کے آئیں۔“

اسی ابن عسلی کا یہ قول یہی ہے کہ۔

”عمرو بن العاص نے عقبہ بن نافع فدوی کو کہہ دیا اور برقعہ کی طرف روانہ کیا جس نے ان دونوں کو فتح کیا۔ اور عمرو بن نافع خود برقعہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور اس کے باشندوں سے صلح کا معاہدہ کیا۔“

ابن ابی دنیا نے بھی مندرجہ ذیل روایت میں ابن عسلی کی تائید کی ہے۔ اور جاسوسی کی ہمہ کی جانب ایک ضمنی سا اشارہ بھی کیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تعجب و تعجب کی طرف فتوحات کرتا ہوا برقعہ کے علاقہ میں مقام نجد تک پہنچ گیا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کا نام افریقہ بن ابراہیم علیہ اسلام کے نام پر رکھا گیا ہے جو حضرت ابراہیم کی دوسری بیوی قطریہ کے شکم سے پیدا ہوئے تھے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس ملک کے باشندے چونکہ فاروق بن مصریم کی اولاد سے تھے۔ اس لئے وہ خود افریقہ کنام سے مشہور ہو گئے تھے اور انہی کی طرف نسبت کر کے ان کے ملک کو افریقیا کہا جاتا تھا

جب عمرو بن اعاص مصر اور اسکندریہ کو فتح کر چکے۔ تو انہوں نے عقبہ بن نافع کو
برزہ، زبیلہ اور ان کے مضافاتی علاقوں کی طرف روانہ کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں وہ علاقہ اسلام
کی حفاظت میں آ گیا۔ اس کے بعد عمرو بن اعاص طرابلس کی طرف بڑھ گئے۔
پیش قدمی | عمرو بن اعاص اسکندریہ سے فارغ ہو گئے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ مصر کی فتوحات
پورے طور پر مکمل پا چکی ہیں۔ اور عقبہ بن نافع کے خطوط بھی برزہ کے تفصیلی حالات لئے ہوئے ان کے پاس
پہنچ گئے ہیں جن کا انہوں نے غار نظر سے مطالعہ کر لیا ہے۔ حالات سازگار نظر آ رہے ہیں۔ اس کتاب
عمرو کو برزہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دینی چاہیے۔

سہ عقبہ بن نافع بن عبد قیس بن لہیع قرشی ہجرت سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے۔ ان کا مسئلہ نسب ان کی طرف سے
عمرو بن اعاص کے ساتھ مل جاتا ہے۔

اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۸۱ میں ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ عقبہ عمرو کے خالہ زاد بھائی تھے۔ اور اسی قریابتی کا وجہ
سے عمرو بن لہیع سے کرتے اور انہیں مختلف مواقع پر ترجیحات عطا فرما کر ایک تاریخی شخصیت بناتے جا رہے تھے۔ چنانچہ
انہیں قرآن کی ایک نہایت کاہلیاب ہم پر روانہ کرنے کے بعد انہیں ہند کا حاکم بھی بنا دیا تھا۔ جس پر وہ شہر میں عبد اللہ
بن سعد کی تقرری تک برقرار رہا ہے۔ اور گمان غالب یہی ہے کہ عبد اللہ بن سعد نے بھی ان کے منصب پر برقرار رکھا تھا۔
اس لئے کہ تاریخ میں اس بات کی طرف کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا کہ عقبہ کو بعد ازاں کسی نئے حادثہ سے دوچار کیا جو عبد اللہ
گمان غالب یہ بھی ہے کہ عقبہ شہر میں معزول ہو گئے تھے۔ اور وہاں رہ کر ان سیاسی الجھنوں کا مطالعہ کرتے رہے جن سے
اسلامی حکومت اس وقت گذر رہی تھی۔ اور جن کے نتیجہ میں خلافت کا منصب حضرت امیر معاویہؓ کے حصہ میں آچکا تھا۔ اور جس کے
بعد عمرو بن اعاص نے دورانہ مصر پہنچ کر سلسلہ میں عقبہ کو افریقیہ پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا۔ اور پھر اس کے بعد حضرت
معاویہؓ نے انہیں شہر میں اس علاقہ کا گورنر بنا دیا تھا۔ یہ سارا بیان کنطوی کی کتاب القضاۃ والولاۃ میں مذکور ہے۔
سہ ابن ابی دنیا کی روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابی عمرو معز سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ انہوں نے عقبہ کو ہند کی
طرف روانہ کر دیا تھا۔ اور عقبہ نے اسے فتح کر لیا تھا۔ پھر اس کے بعد عمرو خود روانہ ہوئے اور طرابلس کو فتح کیا۔ لیکن یہ ایک ایسی
دلت ہے جس کی تائید نہ حوالہ جات سے ہوتی ہے اور نہ ہی واقعات اس کے حق میں ہیں۔ قرین قیاس جو بات ہے وہ تو یہ ہے
کہ عمرو نے عقبہ کے ساتھ ایک جا سوسی دوستہ روانہ کیا تھا کہ دوسرے طرف پہنچنے تک وہاں کے حالات کا علم پہنچاتے۔ اس کے بعد
جب وہ مصر سے فارغ ہو گئے تو پھر انہوں نے ثبات خود ہند اور طرابلس دونوں کو فتح کیا اور معاویہؓ سے اس قیاس کی دلیل بھی
اور وہ یہ ہے کہ عمرو نے اس وقت ایک ایسی جا سوسی ہم علاقہ زبیلہ کی طرف بھی روانہ کی تھی۔

جیسے کہ ہم اس سے پہلے بھی لکھ چکے ہیں، اسلامی فتوحات سے پہلے برقعہ پر رومیوں کا قبضہ تھا۔ اور مصر کی فتوحات ان کے کاول میں برابر پہنچ رہی تھیں۔ جن سے انہوں نے اس بات کا بخوبی اندازہ لگا لیا تھا۔ کہ مسلمانوں نے رومیوں کے مقابلہ میں ہر جگہ نہایت شجاعت اور بہادری کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور انہیں مصر سے نکالنے کے بعد جو حکومت قائم کی ہے۔ وہ سراسر عدل و مساوات اور نہ ہی اور کسی آئاد کی حکومت ہے۔

ان خبروں نے اہل برقعہ کے دلوں کو ایک طرف مسلمانوں کے مقابلہ میں مرعوب کر دیا اور دوسری طرف ان کے اندر اس بات کا بھی لالچ پیدا کر دیا۔ کہ ہم کو بھی مصر والوں کی طرح رومی تسلط سے چھٹکارا پا کر مسلم کے فائدہ سے نفع یاب ہو جانا چاہیے۔

برقعہ کب فتح ہوا | فتح برقعہ کی تاریخ متعین کرنے میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں ہے۔

بلادی کے نزدیک اس کی تکمیل ۱۱۰ھ میں ہوئی ہے

اسی کی تائید ابوالحسن اور بکری نے بھی کی ہے

میکس ابن عبدالحکم ۱۱۰ھ بتاتا ہے اور ابن الاثیر اور کوئل نے بھی اسی کے قول کو نقل کیا ہے۔

یعقوبی کے نزدیک فتح برقعہ کا سال ۱۱۰ھ ہے اور ابن خلدون اور ڈی سلین نے اسی کو قبول کیا ہے

لیکن حالات کا جائزہ یہ ہے۔ کہ عمرو نے فتح اسکندریہ سے اواخر ستمبر ۱۱۰ھ میں فراغت پائی ہے جس کی تاریخ طبرکے مندرجہ ذیل قول کی روشنی سے معلوم ہوتی ہے۔

” اسی مہینہ کی ۲۰ تاریخ کو نیو دور کا بحری بیڑہ اپنے سنگر کاٹ رہا اور

بادبان کھول رہا تھا۔ تاکہ نہایت خوردہ رومیوں کو لے کر قبرص کی طرف روانہ ہو جائے“

اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ عمرو نے برقعہ کی جنگ اسکندریہ کے فوراً ہی بعد شروع کر دی تھی۔ جب

ہم ستمبر ۱۱۰ھ کو اسلامی بیڑہ سے مطابقت دیتے ہیں۔ تو وہ ذوالقعدہ ۱۱۰ھ تکلتا ہے۔ اس کے بعد

۱۱۰ھ فتح ابلدان ۲۳

۱۱۰ھ انجم ہزارہ ج ۱ ص ۲ المسالک والمالک ص ۱۴۵

۱۱۰ھ ابن عبدالحکم ر فتوح مصر والمغرب والاندلس ص ۱۴ ابن الاثیر الکامل فی التاريخ ج ۲ ص ۱۱۰

کوئل دشمال افریقیا قبل الفزوال عربی ص ۱۱۰ CAUDE

۱۱۰ھ ابن یعقوب بن جعفر تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۲۴ DE SLANE P. 422

اگر ہم اس سلسلہ کے باقی مہینوں کو پیش قدمی کی تیاری میں شمار کر لیں۔ تو واضح طور پر برقعہ کی جنگ کا سہل سلسلہ ہی برآمد ہوتا ہے :-
اہل برقعہ | اہل برقعہ بر بر تھے۔
ابن خلدون کہتا ہے کہ :-

”بربر سے مراد مغرب کے وہ قدیم باشندے ہیں جن کا رنگ گندمی تھا۔ اور جو اپنی کثرت آبادی کی بنا پر میداؤں اور پہاڑوں، ٹیلوں اور وادیوں، جنگلوں اور شہروں میں پھیلے ہوئے تھے۔ مٹی، پتھر اور لکڑی وغیرہ کے مکانات بناتے تھے۔ بھیڑ بکری اور گائے بیل پالنا ان کا ذریعہ معاش تھا۔ سواری کے لئے گھوڑے استعمال کرتے تھے۔ اور جو ان میں سے خوشحال تھے وہ اونٹ پالتے تھے۔ غرض اگر محاللات میں وہ اہل عرب کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے۔“
مکرور اور پسماندہ لوگوں کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی اور چرنے چگنے والے مویشی پالنا تھا۔ اور اہل ثروت کا ذریعہ آمدنی اونٹوں کی نسل کشی وغیرہ تھا۔

بربر کا لفظ چار زبانوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ ہومر کے زمانے میں اس کا اطلاق ان قبائل کے مجموعہ پر ہوتا تھا۔ جن کی زبانیں اور لہجے باہم مختلف ہوں۔ ہیرودوٹس کے زمانے میں اس کا اطلاق ان قوموں پر کیا جاتا تھا۔ جو یونانیوں کی زبان اور ان کی تہذیب سے نا آشنا ہوں۔ بلقوس کے زمانے میں باشندگان روم کے علاوہ باقی سب رومیوں پر اس کا اطلاق ہوتا تھا۔ اور عربوں نے افریقیا کے ساحلی باشندوں پر اس لئے اس کا اطلاق کیا کہ ان کی زبان ان کے لئے ناقابل فہم تھی۔

بربر افریقہ میں کب داخل ہوئے۔ اس بارے میں ابن خلدون کی رائے یہ ہے کہ :-
”ان کی ابتداء کا کسی کو علم ہے اور نہ ہی تاریخ یہ بتاتی ہے۔ کہ افریقہ میں ان سے پہلے کون لوگ آباد تھے۔“
مورخ تونس کے نزدیک :-

”سب سے پہلے بربروں کا اکتشاف کرنے والے قرطانی دور کے قدیم مصری تھے۔ جو انہیں لیبیو رہا شدگان لیبیا کہہ کر کہاتے تھے۔“
اس سے پتہ چلا کہ لیبیوں سے مراد یہی بربر ہیں۔ جبکہ دیگر مورخین کی روایات اس کے برخلاف یہ

سہ یہ بات پیش نظر ہے کہ عرب لفظ بربر کو ایسی آوازوں کے لئے استعمال کرتے تھے جو گراں وضوٹ اور غیر مہم ہوں

پتہ دیتی ہیں۔ کہ بربروں کا دور شمال افریقیا کے لیبیوں سے بہت پہلے کا دور تھا۔
ابن خلدون کہتا ہے کہ:-

یہ حقیقت ناقابل انکار ہے۔ کہ بربر کے مورث اعلیٰ کا نام مازیغ تھا
اور یہ لوگ کنعا بن حام بن نوح کی اولاد سے ہیں۔

ابن حزم نے جہرۃ الناساب میں لکھا ہے کہ:-

بربر کے بعض قبائل نے یمنی اور حمیری ہونے کا دلوئی بھی کیا ہے۔ اور
بعض نے اپنا نسب بر بن قیس عیلان کے ساتھ دیا ہے۔
لیکن ابن خلدون اس کا انکار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:-

یہ بات بالکل لغو ہے۔ اس لئے کہ علمائے انساب نے قیس ابن عیلان
کے کسی ایسے بیٹے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ جس کا نام بر ہو۔ اور حمیر کے لئے بربروں
کے علاوہ کی طرف جانے کا بھی کوئی سراغ یعنی مؤرخین کی دروغ بیانی کے سوا
کسی اور مستند تاریخ میں نہیں ملتا۔

اسلام سے قبل بربروں کا مذہب جو سیت تھا۔ لیکن وہ خارجی اثرات اور بیرونی
حملہ آوروں کے ماتحت اپنے مذہب کو بدلتے بھی رہتے تھے۔ چنانچہ اسلام کے لگ بھگ
بیزنٹیوں نے ان کے مذہب کو مسیحیت میں تبدیل کر دیا تھا۔

اسلام سے قبل بربر افریقیا اور مغرب میں بڑی کثرت اور قوت کے حامل تھے اور سیاسی
طور پر فرنگیوں کے اطاعت گزار تھے۔ اور جب بھی انہیں لگ اور اعداد کی ضرورت پڑتی۔ تو
وہ ان کی پوری مدد کرتے تھے۔ جب مسلمان افریقیا میں داخل ہوئے۔ تو انہوں نے ان کے
مقابلہ میں جر حیر کی مدد کی۔ پھر جب جر حیر قتل ہو گیا تو ان کا شیرازہ منتشر ہو کر ان کی حکومت
متعدد ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔..... موسیٰ بن نصیر کے دور سے پہلے ان کا قبول اسلام ثابت نہیں ہے۔

ابن خلدون کہتا ہے کہ: یہ قوم قرنگی کے نام سے بھی مشہور تھی۔ اور حوام اس کو ان کے اس شہر کی طرف
نسبت کر کے انیس میں بھی کہتے تھے۔ جو ان کے علاوہ کا ام البلاد تھا۔ اور جو جزیرہ اندلس اور قسطنطنیہ
میںگ تائے زمین کے درمیان واقع تھا۔

ابن خلدون

پیش قدمی | عمروؓ آج اُسی سرزمین کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں۔ اور پہلا شہر جو ان کے سامنے آئے گا۔ وہ الطائیس ہوگا جس کے معنی عربی میں پانچ شہروں کا مجموعہ ہیں، الطائیس جن پانچ شہروں کے مجموعہ کا نام ہے۔ وہ یہ ہیں :- طوشیش۔ سیرین۔ برنیق۔ اولونیا۔ بارش۔ یہ سب پہلے شہر ہیں۔ جنہیں یونانیوں نے مختلف زبانوں میں آباد کیا۔ اور فتح اسلامی سے پہلے یہ سب موجود تھے۔ قدیم تاریخ میں ان شہروں کا مقام بہت بلند تھا۔ عمروؓ نے ان سب کی مضبوط فصیلوں کو منہدم کرنے کا حکم دے دیا۔ تاکہ باشندگان شہر کسی وقت ان کی آٹھ اور حفاظت کے بل بوتے پر طاقت سے مغرور اور بغاوت پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ شہریناہوں کو منہدم کرنا بیرونی حملہ آوروں کا ایک قدیم اور ضروری حربہ تھا۔ جیسا کہ اس کے برعکس دفاع کنندگان ان کی تعمیر کو ایک اہم ذریعہ حفاظت سمجھتے تھے۔

برزہ میں عمروؓ کی فوج کو کوئی قابلِ ذکر مقابلہ پیش نہیں آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ باشندگان ملک پہلے ہی سے اس بات کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ کہ کب مسلمان ہمارے ملک کی طرف آئیں۔ اور ہم اسلام کے پرچم کے ماتحت آجائیں۔ اور ان فوائد و تمناات سے بہرہ مند ہوں جن کی امید وہ اسلام کے نظریہ عدل و مساوات سے وابستہ رکھتے تھے۔

چنانچہ انہوں نے صلح کا مطالبہ کیا اور تیرہ ہزار فرعونی دینار سالانہ پر معاہدہ صلح طے پا گیا جسے وہ کسی وصول کنندہ کا اختیار کیے بغیر ہی اسلامی حکومت کو بھیج دیا کرتے تھے۔

صلح کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ اپنی اولاد کو بھی ان کے جزیرہ میں فروخت کر دیا کریں گے۔

۱۔ رومی لفظ ہے

۲۔ بعد کے زمانہ میں اس کو اسی قول کہا جانے لگا۔ جسے عرب طوک کہتے تھے۔

۳۔ اس کا ایک قریب نام حمیدین بھی ہے۔ اور آج کل اسے قرظ کہا جاتا ہے۔

۴۔ اب اس کے کھندہات پر ہی قازی تعمیر کیا گیا ہے۔

۵۔ اس کا موجودہ نام سورہ ہے۔

۶۔ کچھ عرصہ بعد اس کا نام ابطلیمائیس ہو گیا تھا۔ اور آج کل اسے مزج کہا جاتا ہے۔

۷۔ اس جہازت سے پتہ چلتا ہے۔ کہ عمروؓ نے یہ شرط تعداد لگی کہ دشمن ہرنے کی صورت میں لگائی ہوگی۔ کیونکہ یہ

دعا اہل عرب کے ہاں بالکل حتمی تھی۔ اور کسی بھی عربی قائد نے غزوہ میں کسی کی اولاد کو خریدنے کی شرط کسی صلح میں نہیں

رہی تھی۔

شلیبی کا بیان ہے کہ ۱۔

”برقہ کے ربوں نے عربوں کی اطاعت کرنے میں نہ صرف یہ کہ بہت جلد بازی سے کام لیا بلکہ انہوں نے عربوں کو اسی وقت اپنی طرف سے دخولِ اسلام کی پیش کش بھیج دی تھی جب وہ مصر میں فتوحات کر رہے تھے۔ اور اس پیش کش کو عمروؓ نے زحمان کی مدد سے سمجھا تھا۔ اور عمروؓ نے پیش کش لانے والی سنات کو جوں کا توں خلیفہ عمرؓ کے پاس روانہ کر دیا تھا۔ جس کا انہوں نے کھلے جلی سے استقبال کیا تھا۔ اور اس استقبال کی ایک وجہ یہ تھی۔ کہ حاضرین میں سے کسی شخص نے اس بات کا انکشاف کیا تھا۔ کہ یہ برابر برہنہ کیس کی اولاد میں سے ہیں۔ پھر جب حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کی تہذیب و تمدن اور بود و باش کی تفصیلات معلوم کیں۔ تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان صفات کی قوموں کو فتح کرنے کی پیش گوئی فرما چکے تھے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اور ان کے وفد کو تحفہ تحائف سے کرخصت کرنے کے ساتھ حضورِ اسماں کو اس بات کا حکم بھیجا۔ کہ وہ ان لوگوں کو اسلامی افواج کی صفِ اول میں جگہ دیں“

بعض روایات میں تو اس سے بھی زیادہ تفصیل مذکور ہے۔ بہر حال ان روایات سے ابن عبدالحکم کی اس بات کی پوری پوری تائید ہوتی ہے۔ کہ برقہ کے برابر اپنا عائد شدہ خراجِ نہایت خوش دلی کے ساتھ وقتِ مقررہ پر از خود روانہ کر دیتے تھے۔ اور کسی محصل کا انتظار نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ہی اس پر مزید اضافہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ۲۔

”اہل برقہ اپنا خراج دلی مصر کو خود بخود ارسال کر دیتے تھے۔ اور ایسی خوشدلی کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ کہ انہیں کسی قسم کی یاد دہانی کی بھی ضرورت پیش نہیں

(حاشیہ: قیامِ صفحہ گذشتہ) لکھا تھا ہو سکتا ہے کہ برہنہ نے جو یہ کی ادائیگی کی تاکید اور تقبیل دہانی کی خاطر اپنا طوط سے اس مبالغہ آمیز ضمانت کا ذکر کر دیا ہو۔

۱۔ کتاب الجہن فی ہذا لسان بوفہ محمد شلیبی مغربی زلی ۱۳۲۵ ۲۔ صفحہ ۱۵۵۱ لکھتے ہیں

۳۔ فتح مصر مغربہ الامام ۱۵۱

۴۔ برہانیت محمد بن سعد بن ابی وقاص عن مسلم بن سعید عن اصحاب بن عبد اللہ بن ابی فروہ

آتی تھی۔ اور اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ یہ لوگ مغرب میں سب سے زیادہ خوش مال تھے۔
 اور انہیں کبھی کسی مصیبت کا بھی سامنا کرنا نہیں پڑا تھا۔
 شاید عربوں کی اس مبالغہ افراط و تفسیر۔ اور اسے جزیہ اور اولاد کی فروخت تک کی پیش
 کا اصلی باعث یہ ہو۔ کہ عربوں نے محاصرہ اسکندریہ کے دوران میں جو چھوٹی چھوٹی مہمات قرب و جوار
 میں بھیجی تھیں۔ ان کی شجاعت و مرواگی کی خبروں سے بالخصوص عقبہ کی ہم سے ان کے دل پہلے
 ہی نرم اور مائل بہ اطاعت ہو چکے تھے۔
 بیہوشی کا بیان ہے کہ :-
 ”عمر نے بڑھ کی ہسم میں صوف گھوڑ سوار فرج ہی رعانہ کی تھی۔“

(۱۲) فتح طرابلس

عمومی حالات | بڑھ کی تفسیر کے بعد عمرؓ نے علاقہ مغرب کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا۔ جس کے لئے ان کے
 سامنے دو راستے تھے۔

- ۱۔ ساحل کاراستہ جس پر طرابلس وغیرہ ساحلی شہر واقع تھے۔
- ۲۔ اندرونی صحرائی راستہ جسے اختیار کرنے کے بعد وہ اندرونی صحرائی بستیوں اور ڈیرہ

۲۲۲ فتح البلدان ص ۲۲۲

۱۔ بربروں کے ان اولاد کی فروخت داخل رولج تھی۔ ویل نے اس کی مثال میں اہل کورسیکا کو پیش
 کیا ہے۔ جو بیزنطی حکومت کے ٹیکسوں کی ادائیگی کے لئے اپنی اولاد کو بیچ دیا کرتے تھے۔ ذیل کی
 حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

”تھیسفل وار نہایت سختی کے ساتھ حکومت کے بوجھل و اہجاء وصول کرتے تھے۔ یہاں تک کہ
 کورسیکا کے ٹیکس گزار اپنی اولاد تک کو غلاموں کی صورت میں فروخت کرنے کے لئے مجبور ہو جاتے
 تھے۔ اور مغرب، اناطولیہ اور بے لوقات اپنی زمینیں فروخت کر کے بربروں کے علاقہ کی طرف پناہ گزین
 ہو جاتے تھے۔“ DIHL - L. AFRIQUE BYZANTINE P. 565

۲۲۲ حسن الحاضر ص ۲۲۲

پر قبضہ کر سکتے تھے۔ جہاں قبائل لواتہ، نفوسہ اور ہوارہ رہائش رکھتے تھے۔

عمرو اس بات کی اہمیت کو سمجھتے تھے۔ کہ اگر ساحلی علاقوں کو مسلمانوں نے رو میوں سے داغ دیکر لے لیا۔ تو ملک کے اندرونی مرکز بدستور مسلمانوں کے لئے درد سر بنے رہیں گے۔ اور موقع پا کر مسلمانوں کے خلاف وہ حملہ آور ہونے سے بھی دریغ نہ کریں گے۔ اور علین ممکن ہے کہ ادھر ہم ساحلی علاقوں میں مصروف جہاد ہوں اور ادھر ان کی طرف سے خطرات پیش آجائیں۔

اس لئے عمرو نے بیک وقت دونوں جانب پیش قدمی کو ضروری قرار دیتے ہوئے اپنے لئے مندرجہ ذیل نقشہ جنگ تیار کیا۔

- ۱۔ عمرو بذات خود طرابلس روانہ ہو جائیں اور
 - ۲۔ فوج کا کچھ حصہ اندرونی علاقہ کی طرف روانہ کر دیں۔
- یہ دو فیصلے روٹ کا بیان ہے کہ :-

”عمرو ایک ہوشمند اور ذریک قائد تھے۔ اس لئے انہوں نے ضروری سمجھا کہ جس وقت وہ مغربی سمت مصروف جہاد ہوں۔ اشد ضروری ہے کہ قرآن پر بھی نگرانی روانہ کر دی جائے۔ چنانچہ انہوں نے عقبہ بن نافع کو اس طرف روانہ کر دیا جو اندرونی علاقوں کو تیز رفتاری کے ساتھ مسخر کرتے ہوئے نہر یلہ (نہر یلہ السودان) تک پہنچ گئے۔ اور انہیں کوئی اہم معرکہ پیش نہیں آیا۔“

ابن عبد الحکم نے کہا ہے کہ :-

لواتہ، فتح اسلامی کے وقت بمذہب سب سے زیادہ مشہور قبیلہ تھا۔ جس کا سلسلہ نسب بو اصفہ بن ابی اکر سے ملتا تھا۔ چونکہ بر کسی نقطہ میں عوم پیدا کرنے کے لئے آخر میں لواتہ اور تا زیادہ کیا کرتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے لواتہ کو اپنا رہنما بنایا۔ پھر عربوں نے اپنی طرف سے اس کے آخر میں لواتہ کا اضافہ کر کے لواتہ کر لیا۔

لواتہ نفوسہ طرابلس کا مشہور قبیلہ ہے۔ جس کی نسبت نفوس بن زعلیک بن اذینس کی طرف سے غزوہ بنو کھورہ اور ما طوسہ اسی کی شاخیں ہیں۔

لواتہ ROTH کتاب عقبہ بن نافع سے

لواتہ فتوح مصر والمغرب دالاندلس

”عمرو بن العاص نے عقبہ بن نافع کو روانہ کیا۔ اور وہ زویہ تک پہنچ گئے۔ اور اس طرح گویا زویہ اور برفہ کا درمیانی علاقہ سب مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔
اس روایت کے ناقل ابو الحسن ابن خلدون اور مالکی ہیں۔ لیکن ابن عساکر کی روایت ان کے خلاف ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ عقبہ نزان کو فتح کرنے کے لئے برفہ کے بجائے مسرے روانہ ہوئے تھے۔ اس روایت کا متن یہ ہے :-

”عمرو نے مسرہ کو سندھ میں فتح کیا اور عقبہ بن نافع کو زویہ اور برفہ (براقہ) کی طرف روانہ کر دیا۔ جنہوں نے ان دونوں کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد عمرو بنہمت خود برفہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس کے باشندوں سے صلح کی۔

زویہ نزان کا ایک قدیم شہر تھا۔ جس کا نام مدطراہیں کی جنوب مشرقی سمت میں تقریباً ۷۰ کیلو میٹر تھا۔ فتح اسلامی کے وقت نزان کا پایہ تخت یہی شہر تھا۔ جس کا اسلامی نام فتح کے بعد بلد الاشرف رکھ دیا گیا تھا۔

عمرو نے برفہ سے نزاحت کے بعد اور طراہیں کی طرف پیش قدمی سے پہلے عقبہ کو زویہ کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ عقبہ اپنی فوج کے ساتھ جنوب مغربی سمت قدم زن ہوئے۔ یہاں تک کہ زویہ پہنچ گئے۔ اور اسے سندھ میں فتح کر لیا۔ اور باشندوں پر تین صد غلاموں کا جزیہ مقرر کر دیا۔

عمرو بن العاص نے خلیفہ عمرؓ کو لکھ دیا تھا۔ کہ زویہ اور برفہ کے درمیان کا تمام علاقہ مسطح و فراخ و آباد ہو گیا ہے۔ جو ان میں سے مسلمان ہو گئے ہیں۔ انہوں نے صدقہ ادا کر دی ہے اور جو ذمی ہیں۔ انہوں نے جزیہ قبول کر لیا ہے۔ اور میں نے محصلین کو حکم دے دیا ہے۔ کہ وہ

سلسلہ اس کا لحاظ رکھتے ہوئے زات کے زہر اور جنتِ داؤ کے زہر کے ساتھ ڈیڑھ ہے۔ اور بعض مورخین اسے زہرِ السودان بھی کہتے ہیں۔ تاکہ وہ زویہ و برفہ سے ممتاز ہو جائے۔ جسے عبداللہ المہدی نے تونس کے قریب تعمیر کیا تھا۔

۱۔ بیان المغرب ج ۱ ص ۱۷

۲۔ ایک قول کے مطابق اس کا نام زویہ خطاب بھی ہے۔ اس لئے کہ بنو خطاب نے اس میں رہائش اختیار کر کے اپنی حکومت قائم کی تھی۔

۳۔ مسالک الملوک میں لکھا ہے کہ یہ نہ تو جزیہ تھا نہ خراج۔

مالدار مسلمانوں سے صدقہ وصول کر کے غریبوں تک پہنچائیں۔ اور ذمہ داروں سے جو جزیہ وصول ہوا اسے معمر کے بیت المال میں پہنچا دیا جائے۔ نیز یہ کہ مسلمانوں کی زمین سے عشر یا نصف عشر وصول کیا جائے۔ اور معاہدین سے مطابق صلح وصول کیا جائے۔

فتح سمرت | شہر سمرت اسی نام کی ایک جگہ پر واقع ہے۔ جو ہمدان کے جنوب میں تقریباً چار کیلو میٹر کے فاصلہ پر اور طرابلس کے جنوب مشرق میں ۵۵ کیلو میٹر پر واقع ہے۔ یہ شہر سمرجہاہ دریا کی ایک فیصل سے گرا ہوا تھا۔ اس کے باشندوں کی بولی بھی عجیب تھی۔ جو نہ تو عربی ہی تھی اور نہ قبطی اور نہ بربری اور عجیب۔ ممکن ہے کہ وہ سوڈانی زبان ہو جو سوڈانی رملہ کی وجہ سے ان لوگوں میں سلاحت کر گئی ہو۔

طرابلس ہاتے ہوئے عمروؓ اس شہر سے گزرے تھے۔ راستہ میں اسے بھی لگتے ہاتھ فتح کرتے چلے گئے۔ یہ تفصیل کسی مؤرخ نے بیان نہیں کی۔ کہ وہ علماً فتح ہوا تھا یا غزوہ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ آسانی سے فتح ہو گیا ہو گا۔ اور اسی بنا پر اس کی تفصیل میں پڑنا غیر ضروری سمجھا گیا۔ **فتح لبدہ** | لبدہ شمالی افریقہ کے بڑے شہروں میں سے تھا۔ اور یہ طرابلس کے مشرق میں تقریباً نوے کیلو میٹر کے فاصلہ پر واقع تھا۔ جسے فنیقیوں نے افریقہ پر تسلط جمانے وقت مسیح قبل مسیح میں آباد کیا تھا۔ اور وہ قرطاجینوں کے درمیان لیبی کے نام سے مشہور تھا۔ جسے بعد میں برتانیوں نے لیبشش کے لفظ سے تبدیل کر لیا تھا۔ پھر وہ لیبشش سے لیبشش ہوا۔ بعد ازاں اس کے آخر میں مائیکا لفظ بڑھا کر لیبشش مائیکا پکارا جانے لگا جس کے معنی لبدہ کبیر یا لبدہ عظیمہ کے ہیں۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ لبدہ ان میں بھی ایک شہر لیبشش نام کا موجود تھا۔ اس لیے انہوں نے مائیکا لفظ بڑھا کر اس کے ساتھ مشابہت کو دور کر دیا۔

عمروؓ کا طرابلس کے راستہ میں اس پر گزر ہوا تو انہوں نے اس شہر کو غیر آباد پایادہ پرانے محلات و محصورہ کے کھنڈرات پر مشتمل تھا جس میں کچھ بچے کچھ غلوٹا فصل باشندے سر چھپائے

۱۰ جو کھیتی بارش کے ذریعہ سیراب ہوتی تھی۔ اس کی زکوٰۃ عشر یعنی پیدوار کا دسواں حصہ تھی۔ اور جو آلات آب پاشی کے ذریعہ مخصص و مشقت سے سیراب کی جاتی تھی۔ اس کی زکوٰۃ نصف عشر یعنی بیسواں حصہ وصول کی جاتی تھی۔
۱۱ باشندے رومیوں اور بربروں سے غلوٹے تھے۔

پہلے تھے۔ اس نے عمرو نے اسے نہ جانے جوئے کوئی اہمیت دی اور نہ وہیں جیسے وقت بہ
شہر طرابلس اطرابلس کی تاریخ تعمیر اگرچہ متعین نہیں ہے۔ لیکن واضح احوال کی روشنی میں اتنا
منور معلوم ہے۔ کہ یہ شہر فنیقی دور کا ہے۔ اور یہ بھی ثابت شدہ ہے۔ کہ وہ صبرتہ اور لیبہ
کے بعد آباد ہوا ہے۔ اور اہمیت میں ان سے کم درجہ کا تھا۔ شہر کے گروہینیقوں نے اس میں
کوئی فیصل بھی تعمیر نہیں کی تھی۔

پھر جب رومی شمال افریقا میں وارد ہوئے تو قیصر وقت (اسرار میں نے اس کے مشرق
مغرب اور جنوب کو فیصل سے محصور کر دیا۔

فتح اسلامی کے وقت یہ علاقہ قسطنطنیہ کی رومی شہنشاہی کے ماتحت تھا۔ جہوں نے
برقہ اور طرابلس کو اکٹھا کر کے مصر کے ماتحت ایک صوبہ بنا دیا تھا۔ اور اس کے باشندوں کی
اکثریت بھی رومیوں پر مشتمل تھی۔ اور یہ صوبہ مملکت روم کے دوسرے حصوں کے ساتھ ہر
طرح مربوط تھا۔ اور اس کے تاجر بحیرہ میض کی تمام ساحلی منڈیوں پر اپنے تجارتی جہاز لے جاتے تھے۔
تاہی روایات اس بات پر متفق ہیں کہ طرابلس جوہجوریوس ثانی کے زیر فرمان تھا۔
ابن عبد الحکم کہتا ہے کہ:-

اس علاقہ کا حکمران جو چیز نام کا ایک شخص تھا۔ جسے ہرقل شہنشاہ روم نے
اپنا نائب بنا کر یہاں بھیج رکھا تھا۔ لیکن اس نے خود مختاری کا دعویٰ کر کے
سرکاری سکے پر اپنی تصویر کندہ کرالی تھی۔ اس کی حدود سلطنت طرابلس سے لے کر

شمالی جانب فیصل کی گیل سلسلہ میں ہرقل بن عبد اللہ نے کی
رومی سلطنت انتظامی لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم تھی۔ مغربی حصے کا دار الحکومت روم تھا۔ اور مشرقی
حصہ کا پایہ تخت یزیدہ رسلطین تھا۔

Gregorius نے ہرقل کا حقیقی بھائی حکمران اس کا دست و بازو تھا۔ ہرقل کی موت کے
بعد جب اس کا بیٹا ہرقلیس جانشین ہوا تو اس نے بھی اُسے افریقا کی حکومت پر ہرقل کے پیر اس کا جانشینی
علی انتریب قیسریوس بنیقنا میں بن جوہجوریوس اور جوہجوریوس بن یقیناس کی طرف منتقل ہوتی رہی۔ آہستہ آہستہ
جوہجوریوس کو جریر بھی کہا جاتا تھا۔ اس نے اپنی ہی جوہجوریوس کو ہرقل قسطنطنیہ کے نکاح میں دے دیا تھا جس
کے بعد ملک میں اس کی قوت و شوکت بہت بڑھ گئی (Diehl, p. 515)

تک نفیس^۱

مقریزی کہتا ہے کہ:-

”اس علاقہ کے بادشاہ کا نام جو حیر تھا۔ اور اس کی سلطنت کی حدود طرابلس سے طنجہ تک وسعت رکھتی تھیں۔“

محاصرہ طرابلس | عمرو کی قیادت میں عرب طرابلس تک پہنچ گئے۔ اب شہر کی مضبوط فصیلیں اور اس کے مستحکم قلعے اُس کے سامنے جہاد طلبی کر رہے تھے۔ لیکن اُس کے باشندوں نے اُن کے پیچھے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا تھا۔ عمرو نے شہر کے محاصرے کا حکم دے دیا۔

جو حیر نے اُس کے جواب میں کوئی قابل ذکر مدافعت نہ اہم کیا یا نہیں۔ اس کے ذکر سے مؤرخین خاموش ہیں۔ اور نہ ہی انہوں نے یہ بتایا ہے کہ قلعہ میں روزیموں کی کوئی خاص حفاظتی فوج تھی یا نہیں۔

عربوں نے محاصرہ نہ کر لیا۔ لیکن شہر کی فصیل اتنی مضبوط تھی۔ کہ انہیں نہ اُس کے اوپر چڑھنے کی کوئی سبیل دکھائی دیتی تھی اور نہ دروازوں کے ذریعہ داخل ہونے کی۔ ابن ہشام الحکم مادی ہے کہ:-

”عمرو بن العاص^۲ سترہ میں طرابلس پہنچے۔ اور اُس قلعہ پر پڑاؤ ڈال دیا۔ جو مشرقی جانب ایک اونچے ٹیلے پر واقع تھا۔ البیان المغرب میں لکھا ہے کہ:-

”طرابلس کے باشندوں نے اہل لغوسہ سے اعاد طلب کی تھی۔“

۱۔ فزح مصر والمغرب والاندلس ص ۱۸

۲۔ تہایت الادب ص ۶

۳۔ اس سے مراد شیخ عبد اللہ شتاب کا قلعہ ہے۔

۴۔ ابن العذاری المراكشی

۵۔ کسی ایک مورخ نے بھی یہ بات نہیں لکھی۔ کہ نفیس سے باہر بھی مسلمانوں کو کچھ قسم کی مزاحمت پیش آئی تھی۔ اور یہ بات اس امداد طلبی کی روایت میں شک پیدا کرتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ رہاؤ اگلے صفحہ پر

غزوہ تکبیر بلند کیا۔ انہوں کی آوازیں باہر کے مسلمانوں نے سنیں تو وہ دوڑ کر ان سے جا ملے اور نہایت مستعدی کے ساتھ رومیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ جس کی تاب وہ زیادہ دیر نہ لاسکے آخر خوفزدہ ہو کر راہ فرار اختیار کی اور گرتے پڑتے اس سمت بھاگ نکلے۔ جہاں انہوں نے پہلے ہی سے فراہی جہاز تیار کر رکھے تھے۔

شہر پر مسلمانوں کا پوری طرح قبضہ ہو گیا۔ بڑی مقدار میں مالی غنیمت ہاتھ آیا جسے عمروؓ نے فروخت کر کے قیمت مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دی۔

ابن عبد الحكم کی روایت ابن عبد الحكم تسخیر طرابلس کی حکایت ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

”عمروؓ کی فوج میں سے جو مدینہ کا ایک شخص سات آدمیوں کی معیت میں ایک دن شکار کے لئے نکلا۔ چلتے چلتے وہ لوگ مغرب کی جانب اپنے کیمپ سے بہت دور نکل گئے۔ گرمی کی شدت ناقابل برداشت ہو گئی۔ تو وہ لوٹ گئے۔ جب وہ ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے دریا کے کنارے پہنچے۔ تو انہیں نظر آیا کہ یہ دریا تو شہر سے بالکل ملحق ہے۔ اور اس طرف شہر کی فصیل بھی کچھ کٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ وہ جو کشتیاں پانی میں پڑی ہوئی ہیں۔ ان کے ٹکڑے بھی مکانات کے دروازوں کے ساتھ ہی بندھے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ مدینہ نے اور زیادہ غور سے دیکھا۔ تو یوں معلوم ہوا کہ اس طرف دریا کا پانی بھی کم گہرا ہے۔ نگاہ تفتیش نے اور گہرا جائزہ لیا۔ تو اندازہ ہوا کہ جس حصہ میں پانی کم ہے۔ وہاں ایک راستہ بھی دکھائی دے رہا ہے۔ پس پھر کیا تھا۔ ساتوں نے دریا میں گھوڑے ڈال دیئے اور کنیرہ کے قریب سے شہر میں داخل ہو گئے۔ اور تکبیروں کا غلغلہ بلند کر دیا۔ عمروؓ

صلہ ابن الاثیر کی روایت یہ ہے۔ عمروؓ اور اس کے ساتھیوں نے غور کر کے دیکھا تو شہر کے اندر انہیں تلواروں کی چمک اور شور کی آواز سنائی دی اور اس نے فوراً اپنی فوج کو اندر داخل ہو جانے کا حکم دے دیا (ج ۳ ص ۱۸)۔

صلہ بلاذری نے لکھا ہے۔ — عمرو ابی اسامی چلتے رہے۔ یہاں تک کہ سائنہ میں طرابلس پہنچ کر چٹاؤ ڈال دیا۔ جہاں انہیں مقابلہ پیش آیا اور بالآخر انہوں نے جو دشمن اس سے فتح کر لیا۔

مغلہ مال غنیمت کے انہیں کسی بڑے تاجر کے زیتون سے لے کرے ہوئے ادنیٰ لگے جنہیں انہوں نے فروخت کر کے ان کی قیمت کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔

نے جب اپنے آدمیوں کو شہر کے اندر دیکھا۔ تو پھر باقی فوج کے باہر رہنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے آدمیوں کے پاؤں اکٹڑ گئے۔ اور انہیں تیار کشتیوں میں بیٹھ کر راہِ ذرا اختیار کینے بغیر کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔

فصیل طرابلس کا انہدام | مندرجہ بالا روایات سے معلوم ہو گیا کہ آدمیوں کی طرف سے شہر کے اندر اور باہر کسی جگہ بھی کوئی جگہ بھی کوئی مقابلہ پیش نہیں آیا۔ بلکہ ان پر پہلے ہی عربوں کی دہشت طاری ہو چکی تھی۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پہلے ہی سے ان کے مقابلہ کے لئے تیار نہیں تھے اور ان کا حال بھی ضعف و انحطاط میں اہل برقعہ سے کچھ کم نہ تھا۔ اور ہیز نیلیوں کی ظالمانہ حکومت اور تشددانہ وصولیات نے انہیں جسمانی، روحانی اور مالی افلاس میں عبرتناک حد تک مبتلا کر دیا تھا۔ شہر پر قبضہ ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے باقی رعایا کو امن و امان دے دیا۔ ان کے مال و ملک پر انہیں بحال کر دیا اور مذہبی اور شہری آدمیوں کا اعلان عام کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق مسلمانوں نے شہر میں ایک مسجد بھی تعمیر کی۔

یہاں سے فارغ ہو کر حبشہ طرف نے اپنی افواج کے ساتھ مغرب کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا۔ تو مندرجہ ذیل مصلح کی بنا پر ضروری سمجھا کہ شہر کی تمام فصیل کو منہدم کر دیں۔

۱۔ رومی دوبارہ قلعہ بند ہو کر مسلمانوں کے لئے درد سرنہ بننے پائیں۔

۲۔ مسلمان آدمیوں اور ان کے مرد گادوں کی بہ نسبت نہایت قلیل التعداد تھے۔

۳۔ مسلمان اس علاقہ میں نو وارد تھے۔ اس لئے وہ دشمن کی طرف سے بہت زیادہ محتاط رہتے تھے۔

۴۔ مسلمانوں کا مرکزی دار الخلافہ جہاں سے انہیں امداد پہنچ سکتی تھی بہت دور ہو چکا تھا۔

۱۔ فتوح مصر و المغرب، ملا فیلس ص ۱۴

۲۔ اس پیش نظر ہے کہ واقعہ کی اس تفصیل میں ابن عبد البرم مغربہ نے حدیث اختصار کے ساتھ اصل و اصل کو ہی غلوں، طبری، ہافری وغیرہ کے علاوہ بعض بیرونی مؤرخین تک نے پیش کیا ہے۔ مثلاً فرزلی نے اپنی کتاب "البیروت" FARNEL - LES BERTERES میں اور کول نے اپنی کتاب

شمالی افریقہ میں CAUDEL - L'AFRIQUE DU NORD

۳۔ یعنی عربہ منورہ

۵۔ اگر اتفاقاً مسلمانوں کو اس سوراخ کا پتہ نہ چلتا جس سے وہ داخل شہر ہوئے تھے۔ تو یہ فیصلیں خدا جانے کتنے طویل عرصہ تک ان کا وقت ضائع کرتیں۔

سوراج شمالی افریقیا

فتح صبراتہ | طرابلس کے مغرب میں ۱۰ کیلو میٹر کے فاصلہ پر ایک پرانا شہر صبراتہ تھا جسے فنیقیوں نے نویں صدی قبل مسیح میں آباد کیا تھا۔ اور یہ شہر شمالی افریقیا میں سب سے بڑا تھا اور آبادی تمدن اور تجارتی حیثیت میں طرابلس سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ اس لئے کہ اس کی بندرگاہ بھی غمرہ تھی۔ اور اسے اندرونی ملک کے ساتھ بہت سے تجارتی راستوں کے ذریعے مربوط کر دیا گیا تھا۔

اہل صبراتہ کو مسلمانوں کی آمد کا یقین اسی کا وقت ہو گیا تھا۔ جب وہ طرابلس کا محاصرہ کر رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے پہلے ہی سے قلعہ بند ہونے کی تیاری مکمل کر لی تھی لیکن جب اُن تک طرابلس کے محاصرہ کی ناکامی اور غیر معمولی تاخیر کی خبریں پہنچیں۔ تو انہوں نے خیال کیا کہ جب مسلمان طرابلس کی فتح سے عاجز رہ گئے ہیں۔ تو یقیناً وہ صبراتہ کو بھی کبھی فتح نہ کر سکیں گے۔ اس لئے کہ صبراتہ طرابلس کے مقابلہ میں کہیں زیادہ مستحکم ہے۔ اور یہاں کے باشندے بھی وہاں کے مقابلہ میں کثیر التعداد ہیں۔ یہ سوچ کر وہ لوگ مطمئن ہو گئے۔ اور تمام تحفظات ختم کر کے اپنی روزانہ زندگی کے مشاغل میں مصروف ہو گئے۔

ادھر عمرو بن عبد الحمید اچانک طرابلس پر قابض ہو گئے۔ تو فوراً اپنی فوج کو صبراتہ کی طرف روانہ کر دیا اور قائدین کو سختی کے ساتھ ہدایت کر دی کہ وہ درمیان میں اس کے بغیر راتوں رات صبراتہ پہنچ جائیں۔

سوار فوج عبداللہ بن زبیر کی قیادت میں صبراتہ پہنچ گئی۔ ادھر صبح صادق طلوع ہو رہی تھی

سلا بعض حوالہ جات میں صبراتہ نام لاطینی نام SABRATA سے زیادہ قریب ہے۔ لیکن مؤرخین جغرافیہ صبراتہ ہی لکھتے ہیں۔

۶۔ اس کی تجارتی حیثیت فتح امباہی کے بعد ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ اور زیادہ ترقی پا گئی۔ عربوں نے اس کا نام ہوق قدیم یعنی پرانی منڈی رکھ دیا۔ یہاں تک کہ عبدالرحمان بن عیوب نے اس منڈی کو سلاطین میں اس کے محلے طرابلس کی طرف منتقل کر دیا۔

اور ادھر عمار بن ابی اسد طے کر چکے تھے۔ شہر ان کے سامنے تھا۔ فہیل کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ اور اہل شہر عادت کے مطابق اپنے مال مویشی لے کر باہر نکل رہے تھے۔ اس سے زیادہ سنہری موقع اور کیا ہو سکتا تھا۔ چھاپہ نہایت کامیاب رہا اور مسلمان فوج شہر کے اندر داخل ہو گئی۔ اور بروایت یحسانی، "ہائند گان شہر میں سے کوئی شخص بھی عماروں کے ہاتھ سے نہ بچ سکا۔ سوائے ان لوگوں نے جو سمندر کے راستے صقلیہ کی طرف بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔"

اس شہر کی فہیل کو بھی مسلمانوں نے منہدم کیا اور یہ شمار مال غنیمت پر قابض ہوئے۔ اور اس کے بعد عمر بن العاص کے پاس فتح کی خوشخبری بھیج دی۔ جس پر وہ آکر اپنی فوج کے ساتھ مل گئے۔

ابن عبد الحکم کی روایت یہ ہے کہ:-

"صبرائہ والے پہلے ہی سے قلعہ بند ہو چکے تھے۔ لیکن جب انہیں طرابلس کے محاصرہ کی ناکامی کا علم ہوا تو پھر وہ مطمئن ہو گئے۔ اور عمر بن العاص جب طرابلس میں کامیاب ہو گئے۔ تو انہوں نے کثیر تعداد سواروں کو راتوں رات صبرائہ پہنچ جانے کا حکم دے دیا۔ یہ فوج صبح کو عین اس وقت پہنچی۔ جبکہ اہل شہر قطعاً بے خبر تھے۔ اور اپنے مویشیوں کو شہر نپاہ کے دروازوں سے چرنے چگئے۔ انہیں باہر لے جا رہے تھے۔ مسلمان انہی دروازوں سے اندر داخل ہو گئے۔ اور پھر ان کے ہاتھ سے کوئی بھی نہ بچ سکا۔ اور اس طرح عمر شہر کی ہر چیز پر دروہت قابض اور متصرف ہو گئے۔"

ابن عبد الحکم کی یہ روایت حرف بحرف یحسانی کی روایت سے مطابقت رکھتی ہے۔ جو کتاب ہے کہ:-

"صبرائہ کو حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ نے افریقہ میں داخل ہونے ہوتے ہی طرابلس کے بعد فتح کیا۔ ان کی فوجیں علی الصبح اس حال میں پہنچ گئیں کہ اہل شہر اپنے مویشی دروازوں سے نکال رہے تھے۔ فوج کی قیادت اس

وقت عبد اللہ بن زبیر کے ہاتھ میں تھی۔ یہ فوج شہر کے اندر داخل ہو گئی۔ اور پھر ان کے ہاتھوں سے کوئی بھی نہ بچ سکا۔ سوائے چند اشخاص کے جو اپنی کشتیوں میں بیٹھ کر صقلیہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور شہر کی ہر شے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے عمرو کی طرف شہر پرانے کے بارے میں رجوع کیا جس پر انہوں نے اسے منہدم کرنے اور جلا دینے کا حکم دے دیا۔

ابن اثیر ان دونوں راویوں سے اختلاف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ:-

”عمرو نے صبرائہ پر معمولی جمعیت نہیں بلکہ بھاری فوج بھیجی تھی۔“

اور کہتا ہے کہ:-

”عمرو ابھی طرابلس ہی پہنچے تھے کہ اہل صبرائہ قلعہ بند ہو گئے تھے پھر جب طرابلس کا حاصرہ طویل پکڑ گیا۔ تو وہ لوگ مسلمانوں کے عجز کے پیش نظر مطمئن اور بحال ہو گئے۔ اس کے بعد جب طرابلس فتح ہو گیا۔ تو عمرو نے ایک بھاری فوج صبرائہ روانہ کی جو علی الصباح منزل مقصود پر پہنچ گئی۔ در آن حالیکہ شہر کے باشندے دروازے کھول کر اپنے پیشانی باہر نکال رہے تھے۔ اور طرابلس کی فتح سے بالکل بے خبر تھے۔ مسلمانوں نے ان پر یکایک چھاپہ مارا اور وہ دنگلنے ہوئے شہر کے اندر داخل ہو گئے۔ اور جو کچھ بھی اُس میں تھا سب کو مال غنیمت بنا لیا اور عمرو کی طرف لوٹ آئے۔“

مذکورہ بالا اختلاف روایات کو اپنی جگہ رکھتے ہوئے تمام مؤرخین اس واقعہ کے مندرجہ ذیل پہلوؤں پر متفق نظر آتے ہیں:-

۱۔ طرابلس سے صبرائہ پہنچنے میں نہایت تیز رفتاری سے کام لیا گیا

۲۔ یہ پیش قدمی رات میں ہوئی

۳۔ حملہ بھی چھاپہ کی صورت میں عمل میں آیا۔

ملہ الرحمہؒ یہاں اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ تیجانی نے یہ بیان کیا ہے کہ عیساؑ شامی زبیر سواروں کے قاتل تھے۔ ان کے علاوہ کسی کی رعایت میں یہ بات نہیں آئی ہے۔

ملہ ابن اثیر جلد ۴ ص ۱

فتح شروس | جبل نفوسہ کے علاقہ میں شہر شروس بربروں کا ایک عظیم الشان قدیم دار الخلافہ اور اس کے دو پایہ تختوں میں سے ایک تھا۔ اور اس کے ماتحت ۳۰۰۰۰ بستیاں تھیں۔

مسلمان صبراً سے فارغ ہوتے ہی اس کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور اس وقت تک اسی پر پڑاؤ ڈالے رکھا۔ جب تک کہ اُسے فتح نہ کر لیا۔ مؤرخ یہی کچھ بتاتے ہیں۔ اور اس بات پر یہ ضمیمہ ہے کہ آیا اسے صلحا فتح کیا گیا یا بزورِ شمشیر۔

فتح و دان | انگریزوں نے حاص کے دل میں محاصرہ طرابلس کے دوران بار بار یہ اندیشہ پیدا ہوتا تھا کہ کیا کل نفوس اہل طرابلس کی امداد کو نہ پہنچ جائیں۔ اس لئے انہوں نے طرابلس سے غزوات پا کر اس اندیشہ کو بھی صاف کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ اور ٹیسیزن ابی ارطاة کی قیادت میں ایک جمعیّت

۱۵۔ ملازمہ جیل کے دو پایہ تخت تھے، شہر روس اور بھادو

سکہ بلاذری نے کاغذ کا نام ٹیسر اور ابن عبد الحکم اور کوی نے بٹکر لکھا ہے۔۔۔۔۔ فورنل Fournel کو ہن بات میں شک ہے کہ آیا مخلوق دو ان کا کاغذ ٹیسر ہو سکتا تھا یا نہیں۔ اور اس شک کی بنیاد بلاذری کی یہ روایت ہے کہ ٹیسر کا سن پیدا نش سلسلہ ہے اور دو ان کی ہم کا سال ستترہ ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ ہمارا سال کی عمر ہی میں ٹیسر کو فوج کا کاغذ بنا دیا گیا تھا۔۔۔۔۔ یہ بات چونکہ تمام مورخین کے خلاف جاتی ہے۔ اس لئے ہم دو باتوں میں سے ایک کو تسلیم کرنا پڑے گا یا تو بلاذری نے ٹیسر کے سن پیدا نش میں غلطی کی ہے یا پھر باقی مورخین ٹیسر کی قیامت بیان کرنے میں غلطی پر ہیں لیکن عقل اور منطق کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ایک بلاذری کے قول کو بہرہ کے مقابلہ میں مدد دیں اور اس روایت ٹیسر میں ہمارے پاس مورخین کی دیگر روایات بھی ہیں مثلاً:۔۔۔۔۔ ابو الحواسن و انجم ابن سواد

۷۳) کہتا ہے کہ بیت المقدس کی فتح کے بعد عمرؓ نے خطاب نے عمرو بن العاصؓ کو مصر کی طرف روانہ کیا۔ اور فرمایا
انہوں کو ان کے ساتھ کیا اور ان کی حیرت میں یسیر بن ابی الدہاء اور شاربہ بن عذافہ اور عمر بنی عجمی بھی تھے۔

اس روایت سے جادوئی کے بیان کو وہ سن پیدائش کی قطعی واضح ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ مصر کی طرف روانگی تو وہاں کی جہم سے کئی سال پہلے تھی۔ جب مصر کی روانگی کے وقت مصر کی معیت کا ذکر خاص طور پر کیا جا رہا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ قیامت کی عمر کو بہت پہلے پہنچ چکے تھے۔

علاوہ ازیں شہر حضرت محرابہ دہ کے اور میں ان کے جاں باز معاذین میں سے تھے اور میر کو معین اور شہام کی فتوحات میں شرکت کے ساتھ ساتھ انہوں نے خشکی اور تری کی پہلوں میں اوج کی قیادت بھی کی تھی۔ انزلہا کی جنگ میں بھی وہ شرکت تھے۔ وہ ذاتی طور پر ایک ایسے بہادر شخص تھے کہ جن میں بدویانہ شہادت بڑی حد تک پائی جاتی تھی۔ اس رہائی کے علاوہ

صبرانہ سے قابض کی طرف بھی بڑھ سکتے تھے۔ بالخصوص جبکہ صبرانہ اور قابض کی درمیانی مسافت طرابلس اور صبرانہ کی مسافت سے بہت کم تھی۔ انہوں نے صبرانہ کے برخلاف قابض کے لئے اجازت کیوں ضروری سمجھی۔ اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ عمرو بن عبدہ افادات کو اپنی موجودہ طاقت سے بالائے سمجھتے تھے۔ خاص طور پر جبکہ مصر اور یمنہ سے ان کا براہ راست رابطہ پہلے ہی کافی بُد اختیار کر چکا تھا اور وہ اسے اور زیادہ لمبا نہیں کرنا چاہتے تھے۔

ایک رائے اس موقع پر یہ بھی قائم کی جاتی ہے۔ کہ عمرو بن عبدہ کے ہاں سوسوں اور ہزاروں دستوں نے اس قسم کی اطلاعات بہم پہنچائی تھیں۔ کہ صبرانہ کسے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد چر حیروری طرح بیدار ہو چکا ہے۔ اور اس نے نہ صرف یہ کہ سیدک نامی قلعہ میں جو کہ ساحل کی بندی پر واقع ہے۔ اپنی دفاعی تیاریاں مکمل کر لی ہیں بلکہ اس نے اپنی فوجوں کو سرحدات کی ناکر بندی پر بھی تعینات کر دیا ہے۔ ان خبروں کی بنا پر عمرو نے سوچا کہ ہم سرحدات کو اس وقت تک عبور نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ اپنی موجودہ طاقت میں جدید فوج کا اضافہ نہ کر لیں۔ اس لئے انہوں نے خلیفہ سے اجازت بھی طلب کی تھی اور کمک بھی۔

عمروؓ نے جن الفاظ میں خلیفہ سے مدد مانگی تھی وہ یہ تھے :-

”اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں پر طرابلس کو فتح کرا دیا ہے۔ اور اب اگے

افریقا کا قافلہ صرف ۹ دن کے برابر ہے۔ اگر امیر المؤمنین اسے بھی فتح کرنے کا ارادہ

رکھتے ہیں تو کر گزریں.....“

خلیفہ کی رائے لیکن خلیفہ نے ان کی رائے سے اختلاف کیا۔ اور مزید پیش قدمی کے ذریعہ

اسلامی مملکت کی سرحدات کو اتنی زیادہ وسعت دینے سے انکار کر دیا۔ جن کی حفاظت مدینہ کے

دور واز قافلہ سے کرنی مشکل ہو جائے حقیقت تو یہ ہے کہ خلیفہ کا ارادہ فلسطین ہی سے آگے بڑھنے

لے ”تاریخی حقائق کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عمرو بن اعظم مسلمان سواروں کو افریقہ کے علاقوں میں بھیجتے رہتے

تھے۔ جو وہاں چن چن سے مانے اور بال غنیمت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ وہاں کے سیاسی حالات اور اہل افریقہ کی

کیوت کا حقیقی انداز بھی لے سکتے تھے۔

سے سیدک علاقہ مدینہ کا سب سے پہلا قلعہ تھا۔ اور یہ قلعہ اس جنگی شہرہ پر واقع تھا جو سورہ سے لغت تک

پہنچتی تھی چر حیر نے اس قلعہ کو اس لئے منتخب کیا تھا کہ اسے جو خطرہ مدینہ پر مشرق کی طرف سے آ رہا تھا اس کا

انسداد اس بالائی قلعہ سے نشیمن سپہ سالاروں میں بھی کر سکتا تھا اور فرازی علاقوں میں بھی ؟

کا نہیں تھا۔

چنانچہ انہوں نے عمروؓ کو اجازت اور امداد دونوں کے دینے سے انکار کر دیا اور مندرجہ ذیل الفاظ میں انہیں صاف صاف جواب دے دیا کہ

”بالکل نہیں۔ افریقیا افریقیا نہیں بلکہ تفریق کنندہ ہے۔ خود دور افتادہ ہے اور

دوسروں کو بھی دور پھینکنے والا، ہمدشکن اور ہمدشکنی کی تعلیم دینے والا ہے۔ جب تک میں زندہ ہوں کوئی بھی اس پر فوج کشی نہ کرے۔“

ایک روایت کے مطابق حضرت عمروؓ کے الفاظ یہ تھے کہ :-

”افریقیا تفریق کنندہ، تفریق کنندہ، تفریق کنندہ ہے۔ اس پر کوئی فوج کشی

نہ کرے۔“

بلاذری کہتا ہے کہ افریقہ کے متعلق حضرت عمروؓ کو براہ راست بھی کچھ اطلاعات پہنچی تھیں۔

جس سے انہوں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ نہ سہل الحصول ہے اور نہ سہل الوصول ہے۔ اس لئے

انہوں نے عمروؓ کو اس سے روکتے ہوئے لکھ بھیجا تھا کہ :-

”افریقیا افریقہ نہیں بلکہ تفریق کنندہ، ہمدشکنی کرنے اور ہمدشکنی کرانے والا ہے

افریقہ والوں نے ہمیشہ رومیوں کو ان کے درجبات کم ادا کیے ہیں۔ اور ہمدشکیناں

زیادہ کی ہیں۔“

عمروؓ کی دایہ سی | اتفاق کی بات ہے کہ جس وقت خلیفہ کا انکار عمروؓ بن اعاص کو ملا، اسی وقت

متوفی کا بھی ایک مراسلہ ان کے پاس پہنچا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ رومی صلح کے معاہدہ کو

توڑ کر دوبارہ حالات جنگ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان ہردو مراسلات کا لازمی تقاضا ایک ہی تھا

اور عمروؓ نے اسے پورا کیا۔ فوراً مصر کی طرف نکلتے آئے اور حضرت عمروؓ کی خلافت کے اخیر تک

وہیں مقیم رہے۔

حضرت عمروؓ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمروؓ بن اعاص کو مصر کی

ولایت سے معزل کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن ابی مرخ کو مشرفہ میں خالی مصر بنا دیا۔

ساتھ قبل ازیں ہم مدینہ کی تفتیش اس بارے میں لکھ چکے ہیں۔ جو یہ ہے کہ حضرت عمروؓ بن اعاص کی ادارت مصر سے

معزولی شدہ کے اور افریقہ شدہ کے احوال میں ہوںی شدہ غلط ہے (مجاہدانی تھی)

نتیجہ ماخوذہ | منفہ سے شروع ہو کر مہراتہ اور ودان پر ختم ہونے والی تیز رفتار فتوحات میں ہیں سب سے زیادہ کار فرمائی دو عوامل کی نظر آ رہی ہے جنہیں ہم ذیل میں وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں :-

۱۔ ملک اور فوج کی حفاظت | یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ برتہ اور طرابلس دونوں ہی رومیوں کے زیر اقتدار تھے۔ اور اس وقت عمرو بن عاص ہی رومیوں کے دشمن نہیں ایک تھے جن کی فوجوں نے انہیں پہلے فلسطین اور شام سے نکالا۔ اور اس کے بعد مصر کی سرزمین سے اس لئے عمروؓ بجا طبرہ اس بات کا اندیشہ رکھتے تھے۔ کہ دولت خوردہ رومی برتہ اور طرابلس کے مابین سے مصر کی بازیابی کے لئے ہر وقت کوشش کر سکتے ہیں جیسے کہ وہ اسی قسم کی کوشش فلسطین اور شام کے لئے کرتے رہتے تھے۔

اس لئے عمروؓ اپنی فوج اور اپنے ملک کی سلامتی اور حفاظت کی خاطر برتہ اور طرابلس کا کمانڈر نکال دینے میں حق بجانب تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس کار اہم کی انجام دہی میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر کو گوارا نہ کیا۔ اور جلد از جلد مغرب کے علاقہ کو فتح کر کے گولہ مصر اور اسلامی افواج کی حفاظت مکمل کر لی۔ عمروؓ اگرچہ کافی طاقت نہ ہونے کی بنا پر مزید پیش قدمی کوئی احوال جاری نہ رکھ سکے لیکن انہوں نے مسلمانوں کے عزائم میں اس کی طاع یل ضرور ڈال دی۔ چنانچہ وہ وقت کے منظر ہے اور متقبل میں انہوں نے جب بھی موقع پایا اپنی افواج بھیج کر تمام شمالی افریقہ کو آخر کار فتح کر ہی لیا۔ جس طرح عمروؓ کا مغرب کی طرف بڑھنا سلامتی ملک و فوج کے لئے تھا۔ اسی طرح ان کا مزید پیش قدمی کو روک کر مصر کی طرف واپس آنا بھی ملک اور فوج کی سلامتی ہی کی بنا پر تھا۔ اس لئے کہ انہیں رومیوں کی عہد شکنی کے ارادوں کا پتہ چل چکا تھا۔ اور اگر وہ اس وقت مصر کی طرف نہ پلٹتے۔ تو ملک اور فوج کی سلامتی معرض خطر میں پڑ سکتی تھی۔

اسی طرح ودان اور اس کی مضافاتی بستیوں کی تسخیر بھی اسی غرض سے تھی کہ یہ علاقہ جنوب کی طرف تھا۔ اور عمروؓ شمال کی طرف ساحلی علاقہ میں بڑھ رہے تھے۔ اگر ساتھ ہی ساتھ جنوب کی طرف بھی فوجیں بھیجی جاتیں۔ تو اس طرف سے ہر وقت رومی افواج کا خطرہ پیش آ سکتا تھا۔

۲۔ اچانک حملہ اور راند داری | مہراتہ پر عبد اللہ بن زبیر کے حملے نے ہمارے سامنے اس حقیقت کو پوری طرح آشکارا کر دیا ہے کہ عمروؓ کے نزدیک چھاپہ مار حملہ کی کس قدر اہمیت تھی۔ اور وہ اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں اسے کامیابی کی کتنی یقینی ضمانت اور کسی کار گزیر سمجھتے تھے۔

چھاپہ مار حملہ کی اس سے زیادہ مضبوط کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ روایات مسات مسات بتا رہی ہیں کہ مسلمان شہر کے اندر ایسی حالت میں داخل ہوئے جبکہ شہر والے پورے المیزان کے ساتھ اپنے مویشی باہر نکال رہے تھے اور عادت کے مطابق اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ اور اسنے والا علم ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اور پھر اہل شہر اس قدر بدحواس بھی بے خبری ہی کی بنا پر ہوئے کہ وہ وقتی طور پر نہ جنگ کے لئے تیار تھے اور نہ صلح ہی کے لئے۔ اور ایسی بدحواسی کے عالم میں عربوں کے ہاتھوں ایک ایک کر کے سب ہی قتل ہو گئے۔ سوائے ان کے جو کشمکش میں سوار ہو کر مقابلہ کی طرف بھاگ سکے۔

اس میں بھی شک نہیں ہے کہ اس چھاپہ کی کامیابی سراسر موقت تھی اس نبرد میں فوجی سازداری پر جس نے راتوں رات لمبا سفر طے کیا اور دشمن کو اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی۔ یہاں تک کہ میں موقع پر پہنچ گئے اور اپنے منصوبہ میں سو فی صدی کامیابی حاصل کی۔

(۴) علاقہ نوہ کی فتح

عمرؤ نے مصر کو صرف مغرب ہی کی طرف سے محفوظ کرنے پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ جنوب کی طرف سے بھی محفوظ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اور اس غرض کے لئے تافع بعد انقیس فہری کی قیادت میں ایک جمعیت جنوب کی سمت روانہ کر دی۔

۱۔ مسلمانوں کا سب سے بڑا ہتھیار گھوڑے تھے۔

۲۔ اس کے مقابلہ میں اہل نوہ نیز اندازی کے اہل تھے۔

مسلمانوں کے گھوڑے نوہ کے علاقہ میں داخل ہو گئے۔ اور ادھر نوہی زمین انہیں روکنے کے لئے ڈرتے گئیں۔ طرفین میں شدت کا مقابلہ پیش آیا۔ دشمن نے تیروں کی بارش سے مسلمانوں کا کافی نقصان کیا۔ اور مسلمانوں کوئی فتح حاصل نہ کر سکے۔ البتہ جنگ کو طویل دینے میں کامیاب رہے۔ بعض روایات کے مطابق سات سال تک لڑائی جاری رہی۔ اور کسی رعایت کے مطابق عمرؤ کی مصر سے معزولی تک جاری رہی۔ اس کے بعد جب عبداللہ بن سعد ان کی

لے یہ نائن محمد بن عباس کے چچا اور عباس بن علی کے اہل خانہ بھائی تھے۔

تک بلندی کا بیان ہے کہ عرب سات سال تک نوہ میں سے جنگ کرتے رہے۔

(باقی ماثبتہ نگلے صفحہ پر)

جنگِ دہلی مصر بنائے گئے۔ تو انہوں نے نو بیوں سے اس شرط پر صلح کر لی۔ کہ وہ دہلی مصر کو غلاموں کی صورت میں سالانہ جزیہ ادا کیا کریں گے۔ اور اس کے مقابلہ میں عرب دہلی انہیں پارچہ مات اور خوراک کی مقررہ مقدار ادا کر دیا کریں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ صلح فریقین کے درمیان مساویانہ سطح پر عمل میں آئی۔ اسے فاتحانہ صلح نہیں کہا جاسکتا۔

صلحِ نواہ کسی نوعیت کی ہو۔ بہر حال اس سے عمر و کا اصلی مقصد پورا ہو گیا۔ اور وہ اس علاقہ میں دشمن کے خطرہ سے محفوظ ہو گئے۔

یقینہ حاشیہ صفحہ گذشتہ سے ابن الاثیر نے دو ٹوٹی کیا ہے۔ کہ رب فیہوں کے سخت و بار آور
شدید متبول کی سب سے اگر سپا ہوئے ۔
سے حضرت عثمان بن عفان کے عہد میں ۔
سے یعقوبی کہتا ہے کہ صلح کی شرط یہ تھی کہ لوہے والے عامۃ المسلمین کے لئے ۳۶۰ نفر اور خاص دانی کے
لئے ۴۸۰ نفر غلام دیا کریں گے (تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۱۸)

(۶)

عمرو بن عامر کے اصول حرب

جاسوسی	یا	خبرواری	•
بھرتی	یا	یتاری	•
چھاپہ	یا	اچانک فوج کشی	•
حملہ	یا	جارحیت	•
محاصرہ	یا	ناکہ بندی	•
فوج کی سلامتی	یا	حفظ قوی	•
باطنی قوت	یا	کردار	•

جب سے جنگ کی ابتدا ہوئی ہے۔ اسی وقت سے اس کے کچھ اصول اور مفادات بھی چلے آ رہے ہیں۔

اور یہ اصول ایسے پختہ اور ہمہ گیر ہیں کہ سمجھاروں کی تبدیلی تو وقت اور موقع کے ساتھ ساتھ ہوتی رہتی ہے لیکن یہ اصول کسی حال میں تبدیل نہیں ہوتے۔

یہ اصول و مفادات جنگ کے لئے اس قدر ضروری ہیں کہ میدان جنگ کے کسی کمانڈر یا کسی قائد کو بھی ان کا لحاظ رکھنے بغیر ممکن نہیں۔ فتح و نصرت سراسر انہی اصول کے مطابق عمل کرنے پر موقوف ہے۔ قائدان کو متنازعہ زیادہ رہتا ہے گا۔ فتوحات آٹا ہی بڑھ کر اس کا استقبال کریں گی۔

ان اصول و مفادات کی حقیقت کیا ہے اور ان کی تعداد کتنی ہے ؟

اس بار سے میں مورخین کے اقوال مختلف ہیں۔

کلاؤڈ فرنر کے نزدیک ان کی تعداد چار ہے۔ (۱) بھرتی (۲) پیش قدمی اور پھل (۳)

سرعت عمل (۴) چھاپہ دینے کی خبری میں حملہ

ہندرسن (۵) چار میں نقاب کا اضافہ کرتا ہے۔

جوینی کے نزدیک ان کی تعداد پانچ ہے اور وہ یہ ہیں۔ (۱) آندائی کار (۲) تیزی حرکت

(۳) بھرتی و تیاری (۴) حملہ و جارحیت (۵) چھاپہ یعنی بے خبری کا حملہ

فوش اپنی کتاب اصول الحرب میں چار اصول بیان کرتا ہے۔ (۱) تیاری اور بھرتی

(۲) آندائی کار (۳) فوج کی تعلیم یا مودہ بندی (۴) فوج کی حفاظت

چونکہ ہم اس وقت عمر بن العاص کے اصول جنگ کا ذکر کر رہے ہیں۔ اور ہم نے اس کے لئے

اپنی کتاب کا ایک مستقل باب وقت کیا ہے۔ جسے اگر کتاب کا مرکزی حصہ کہہ دیا جائے

تو بے جا نہ ہوگا۔ اور اس میں ہم عمر بن العاص کے اصول جنگ کو جدید روشنی میں پیش کرنا چاہتے ہیں

اس لئے ہم ایک ایک اصول پر مستقل بحث کر کے مثالوں کے ذریعہ اس کی پوری وضاحت کریں گے۔

اور یہ بات ثابت کریں گے کہ عمر بن العاص اگرچہ جدید اصول جنگ سے لیس نہ تھے۔ لیکن جدید اصول جنگ

سے ضرور واقف تھے۔

اور یہ اصول بھی انہوں نے کسی فوجی تعلیم گاہ سے حاصل نہیں کیئے تھے بلکہ اپنی ذہانت اور

اور ذکاوت سے خود انہیں وضع کیا تھا۔ اور پھر اپنے ہی میدانوں میں ان کا تجربہ اور استعمال بھی کیا تھا۔ اور عمر و کی پے در پے اور عظیم الشان کامیابیاں بھی اسی بات کی رہیں منت تھیں کہ انہیں اپنے اصول جنگ پر یقین کامل اور اٹل و صادق حاصل تھا۔

عمر و کے سب سے نمایاں اصول جنگ چار تھے :-

- ۱۔ فوج کی بھرتی اور سامان جنگ کی فراہمی
- ۲۔ چھاپہ مارنا یعنی دشمن کی بے خبری میں اچانک حملہ کر دینا
- ۳۔ حملہ میں پیش قدمی اور پہل کرنا
- ۴۔ حفظ افواج

چونکہ عمر و اپنی تمام فوجی کارروائیوں سے پہلے دشمن کے حالات سے باخبر ہونا ضروری سمجھتے تھے۔ اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ جاسوسی کو نہ صرف یہ کہ داخل اصول کر لیں۔ بلکہ میدان عمل کی طرح اوصاف کتاب میں بھی اول نمبر پر اسی کا بیان کریں۔

عمر و نے اپنے سرکوں میں محاصروں کا طریقہ کثرت سے اختیار کیا ہے۔ اس لئے ہم نے اسے بھی اصول و مبادی کی فہرست میں داخل کر لیا ہے۔

فوج میں اگر اخلاقی کردار اور عزم و اسخ کی تقبیلاتی اور روحانی طاقت نہ ہو تو اس کی عدم موجودگی میں باقی تمام اصول جنگ بیکار اور غیر موثر ثابت ہوتے ہیں۔ اور عمر و بھی ہر قدم پر اس اصول کو پسند کرتے ہیں۔ ساتھ دغہ اور قتال رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس لئے ہم نے باطنی قوی کے بغیر اصول جنگ کی فہرست کو ناقص سمجھا۔

باطنی قوی کو اگرچہ جنگ کے اصول میں شامل کرنا درست نہیں ہے۔ لیکن جنگ میں اس کی اہمیت نہ سب سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اگر ہم عمال جنگ کو دہرا بر حصول میں تقسیم کرنا چاہیں تو جتنا دوزخ تمام مادی عمال کو حاصل ہو گا۔ اتنا ہی دوزخ روحانی اور اخلاقی عمال کو بھی حاصل ہو گا۔ اور ہم یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ میدانِ حرب و ضرب میں جس قدر اہمیت مادی قوتوں کو حاصل ہوتی ہے اتنی ہی اہمیت روحانی قوتوں کو بھی حاصل ہے۔ بلکہ بہت سے قائدین نے تو روحانی قوی کو اولین درجہ عطا کیا ہے۔ اور وہ اس کا اہتمام جنگ سے پہلے اور جنگ کے دوران دونوں حالتوں میں سب سے زیادہ رکھتے تھے۔

ہم نے اس بات کی احتیاط رکھی ہے کہ اصول جنگ بیان کرتے وقت سابق تفصیلی واقعات

کئی تکرار سے کتاب کو غیر ضروری طوالت نہ دیں۔ اس لئے مثالوں کی طرف اجمالی اشارات کر دیئے گئے ہیں۔ اور یہ اشارات ہمارا مقصد واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔

(۱)

جاسوسی

جاسوسی یا اطلاع یابی کا کام اس زمانے میں مستقل جماعتوں اور تنظیموں کے ذریعہ انجام دیا جاتا ہے۔ لیکن عثمانی العاص کے زمانے میں اس کام کو افراد انجام دیتے تھے۔ اطلاع یابی اور دریافت احوال ایک ایسا عمل ہے جسے جنگ کے دوسرے تمام کاموں پر فوقیت حاصل ہے۔

پندرہ سالہ کوئی بھی ہو اس بات پر مجبور ہے کہ اپنے افراد یا اپنے وفد یا منظم جماعتوں کو دشمن کے ملک یا اس کے کیمپ میں خفیہ طریقہ پر بھیلا دے تاکہ وہ دشمن کی نقل و حرکت اور جنگی تفصیلات لاکر اپنے قائد کے سامنے پیش کر دیں۔ مثلاً دشمن کی تعداد کتنی ہے؟ اس کے پاس اسلحہ کیا کیا ہے؟ اور کتنا ہے؟ اس کا نقشہ جنگ کیا ہے؟ اس کے وسائل جنگ اور حملہ جنگ کیا ہیں؟ اس کے حوصلے کتنے بلند ہیں۔ قلعوں، پناہ گاہوں اور مورچوں کی کیا مضبوطی ہے؟ اور اس کے علاوہ ملک کی اندرونی فضا کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

ان حالات و واقعات کی جیسی کچھ تصویر جاسوسوں کے ذریعے قائد کو ملے گی اسی کو سامنے رکھ کر وہ اپنا نقشہ جنگ تیار کرے گا۔

عثمنیوں نے عام قانڈین کی طرح جاسوسی کے شعبہ کو ہر مقام پر پوری اہمیت دی۔ اور اس وقت تک کسی میدان میں قدم نہیں بڑھایا جب تک دشمن کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل نہ کر لیں۔

عثمنیوں کی مسلسل کامیابی کا راز بھی اسی میں تھا کہ وہ پہلے دشمن کے تمام پہلوؤں کو جانچ پڑتال کر کے دیکھ لیتے تھے۔ اور پھر اس کے کمزور پہلو پر ضرب لگاتے تھے۔ اس لئے اپنی ضرب میں کامیاب ہونے لگتے تھے۔

*

جہادین میں عثمانیوں نے اپنے جاسوس بھیج کر دشمن کے محاذ جنگ، اس کی قیادتوں، قلعوں،

پھر یائے نیل کی طغیانی نے نلکہ کی خندق کو پانی سے بھر رکھا ہے
انہی معلومات کی بنیاد پر عمرو نے صوبہ فیوم کے عداہات کو ترتیب دیا تھا۔

*

فیوم کی مشغولیت کے دوران بھی عمرو کے جاسوس دیگر اطراف و اکناف میں جاسوسی کر رہے
تھے۔ حنا کی تیاری کی خبر وہی ملائے تھے جس پر عمرو نے اس کی پیشقدمی کو روکنا ضروری سمجھا تھا۔

*

جن لوگوں نے طرہیں کی تفصیل کے خفیہ شکافت کا پتہ لگایا تھا اور جس کے ذریعہ مسلمان
فوجیں اندر داخل ہوئی تھیں وہ بھی عمرو کے جاسوس ہی تھے۔ جو صبح و شام شہر کے گرد آہستہ
لگاتے رہتے تھے۔

*

تاریخ کے تمام حوالہ جات میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ عمرو نے اپنے جاسوس سواروں کو
اشرافہ میں پھیلا رکھا تھا۔ اور انہی جاسوسوں نے آخر میں انہیں اس بات کی خبر دی تھی کہ صیدیکہ میں
جر پھیرنے والے دستہ تیاری کر رکھی ہے جس کی بنیاد پر انہوں نے اپنی مزید پیش قدمی کے لئے غلط
سے ملگ اور اجازت طلب کی تھی۔

۱۲) بھرتی یا فراہمی

بھرتی سے مراد عام طور پر یہ ہوتی ہے کہ قائلہ فوجی نفوس کی زیادہ سے زیادہ تعداد جمع
کرنے تاکہ اسے دشمن کے مقابلہ میں صفت آرا کر سکے جو جنگ کا اصلی اور مرکزی مقام ہے۔
لیکن ہماری مراد بھرتی سے نفوس، رسد اور اٹھائیوں کا فراہم کرنا ہے۔

عربوں نے فراہمی یا بھرتی کا سبق خود اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا۔ آپ
فوجی بھرتی کا لٹرا اہتمام فرماتے تھے۔ بعد کے مسلم قائدین نے غزوات رسول میں خود شریک ہو کر
اس حربی اصول کی اہمیت کا سبق سیکھا۔

فنون حرب کے شاگردان رسالت میں عمرو بن العاص بھی ایک ہونہار شاگرد تھے۔ ادا انہوں نے
جو کچھ سیکھا تھا اس کا اہتمام وہ جزو ایان سمجھ کر ہمیشہ کرتے رہے۔

*

غزوہ ذات السلاسل میں جب عمرؓ نے اپنی فوج کو دشمن کے مقابلہ میں بہت کم پایا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے عبید بن الجراح کی قیادت میں اچھی خاصی امداد بھیجی۔ یہ امداد کا طلب کرنا اور امداد کا بھیجنا دونوں اس بات کا ثبوت ہیں کہ تعداد یعنی بھرتی کی اہمیت حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عمرؓ میں اعصاب دونوں کی نگاہ میں بہت زیادہ تھی :

✱

بھرتی اور اضافہ تعداد کی اہمیت جنگ یرموک میں بھی واضح ہوئی۔ جب سابق صورت حال یہ تھی کہ مسلمانوں کے دستے جدا جدا مستقل قیادت کے تحت جنگ کرتے تھے۔ مسلمانوں نے باہم مشورہ کیا کہ اسی صورت حال کو باقی رکھا جائے یا بدل دیا جائے۔ تو عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ تمام متفرق دستوں کو یکجا ہو کر ایک ہی قیادت کے تحت جنگ کرنی چاہیے۔ اور ان کی یہ رائے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ کے یہی مطالبہ تھی اور اسی پر عمل کیا گیا۔ اس رائے کا خلاصہ یہ تھا کہ چھوٹی چھوٹی گارڈوں اور جمعیتوں کو بھرتی کے ذریعہ ایک بڑے یونٹ اور بڑی فوج میں تبدیل کر دیا جائے اور دشمن کی بڑی تعداد کا مقابلہ بڑی سے بڑی تعداد کے ساتھ کیا جائے۔ یہ بھی گویا بھرتی اور اضافہ تعداد ہی کی ایک عملی شکل تھی :

✱

جب بھی ضرورت پڑی عمرؓ ہمیشہ خلیفہ سے کمک طلب کرتے رہے۔ اور خلیفہ نے بھی عمرؓ کو مصر روانہ کرتے وقت فرمایا تھا کہ میں تمہیں مدد بھیجتا رہوں گا اور وہ اس وعدے کو پورا بھی کرتے رہے :

✱

مگر لکھ چکے ہیں کہ عمرؓ اندر دین مصر نقل و حرکت کر رہے تھے۔ تو بعض عرب ان کی فوج میں خود آکر شریک ہو جاتے تھے اور وہ ان کو خوش آمدید کہتے تھے :

✱

دافعہ کو م شریک میں جب شریک کی فوج ردیوں کے محاصرہ میں گھر کر خطرہ میں آچکی تھی تو عمرؓ نے امداد بھیج کر ہی ان کی جان بچائی تھی :

✱

صرف ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ عمرؓ نے کمک طلب کی اور حضرت فاروق اعظمؓ نے اس کے بھیجنے سے انکار کیا۔ اور وہی آخری موقع تھا جب عمرؓ ذریعہ کے وسط میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ اور

امیر المومنین اس رائے کے مخالف تھے۔ چنانچہ ان کا ادا دوسے انکار کرنا صرف اس لئے تھا کہ جنگ ہند کو ہی جلائے اور اسلامی افواج مصر واپس آجائیں۔

(۳) چھاپہ یا اچانک حملہ

چھاپہ مارنے کا مطلب یہ ہے کہ دشمن کے تیار ہونے سے پہلے ہی اُس پر چاڑیں۔ حملے کی اس نوعیت کا اثر دشمن پر بہت ہی بڑا پڑتا ہے۔ اس سے دشمن ایسا بدحواس ہو جاتا ہے کہ اُس کی رہی سہی نیاری بھی دم دم ہلک رہ جاتی ہے، حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ اور اُس کا سارا نظم و نسق تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس حملہ آور پر اس کا اثر ہر حیثیت سے اچھا پڑتا ہے۔ وہ میدان پر اُن کی آن میں قابض ہو جاتا ہے جس سے اس کا حوصلہ بلند ہوتا، جوش اور دلولہ بڑھتا اور مزید فتوحات کے لئے راستہ زیادہ کشادہ ہو جاتا ہے۔

چھاپہ کئے یہی دو طرفہ اثرات و نتائج ہیں جنہیں حاصل کرنے کے لئے ہر قائد اس کے موقع تلاش کرتا ہے۔ اور جب بھی کوئی موقع مل جائے تو اسے غنیمت سمجھتا اور اُس سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔ عمروؓ اپنے اکثر معرکوں میں اس موقع کو حاصل کر لے میں کامیاب ہوئے۔ چونکہ وہ اس اصول کی اہمیت کو شعوری طور پر خوب سمجھتے تھے اس لئے اس سے فائدہ اٹھانے میں بھی انہوں نے کوئی کمی نہیں رکھی۔

*

موجودہ قیوم میں ان کی متعدد غارت گراں اور چھاپے اس کی نمایاں مثال ہیں۔ ان چھاپوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے علاقہ میں دشمن پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ اور اس کے بعد وہ عمروؓ کا راستہ روکنے کی ہمت نہ کر سکا۔

*

عمروؓ کے چھاپہ کی دوسری مثال حنا کے مقابلہ میں سامنے آئی۔ جب انہوں نے اس کے کیمپ سے بہت فاصلے پر جا کر اُسے اپنے حلقے سے مطمئن کر دیا۔ اور پھر اچانک پیش قدمی کر کے اُس پر ٹوٹ پڑے اور اُسے بدحواس کر کے اُس کے بہادریوں کو تار کے گھاٹ اُتار دیا۔

*

اس سے بھی زیادہ واضح مثال معرکہ ابو پولیس میں سامنے آئی ہے۔ جب عمروؓ نے اپنے دو دستوں کو

دشمنی سے پوشیدہ کر کے انہیں عین اس وقت ہی ہر سو کرنا زدِ حملہ کرنے کا حکم دیا تھا جب معرکہ کا رزار گرم تھا اور دشمن ہر طرف سے بے خبر صرٹ سامنے کے مقابلہ میں مہلک تھا۔ اور ان کے اس چھا پے کے نتیجہ میں عربوں کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ ہمیشہ کے لئے شکستہ دل ہو گیا :

*

طرابلس کی تسخیر بھی چھا پے ہی کی رہیں منت ہے۔ جب مسلمان فہیل کے ایک پوشیدہ شگاف کے ذریعہ اپنا ملک شہر میں داخل ہوتے اور تکبیر کے نعرہ سے اہل شہر کو ایسی حالت میں بدحاس کر دیا کہ جبکہ وہ اس حملہ کا وہم و گمان بھی نہ رکھتے تھے :

*

قلعہ ابلیس کی تسخیر بھی چھا پے کی بنا پر ہوئی۔ جب زبیر ابن العوام اپنے چند ساتھیوں کی معیت میں میڑمی کے ذریعہ فہیل پر چڑھے۔ اور انہوں نے تکبیروں کی صداؤں سے اہل قلعہ کے دل ہلا کر اس بات کا یقین دلادیا کہ مسلمان قلعہ کے اندر داخل ہو چکے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل قلعہ اس چھا پے سے بدحاس ہوئے اور دل شکستہ ہو گئے اور انہیں صلح کے سوا کوئی دوسرا چارہ کار نظر نہ آیا :

*

طرابلس میں بھی فہیل کے خفیہ شگاف کے ذریعہ مسلمان جاسوسوں کا یا ایک شہر میں داخل ہو کر تکبیر کے غلغلے بلند کرنا اور پھر باقی فوج کا شہر میں داخل ہو جانا چھا پے کی ایک واضح مثال ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل شہر کو اپنی گردنیں پیش کر دینے یا پھر اپنے آپ کو دریا کی موجوں کے حوالے کر دینے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا :

*

ابھی ابھی اہل طرابلس چکے ہیں کہ غزوہ نے طرابلس سے فادخ ہو کر عبدا شہن زنگ کو کس طرح راتوں رات صبرانہ رہا نہ کیا۔ اور پھر وہ کسی غفلت کی حالت میں شہر پر جا پڑے جبکہ وہ چوہاں دروازوں سے اپنے مال مویشی نکال رہے تھے۔ مویشی کیا نکال رہے تھے دشمنوں کو داخل کر رہے تھے۔ اس طرح مسلمانوں نے دشمن کو اس کے بستر پر ہی چالیا اور اتنی ہمت بھی نہ دی کہ وہ آنکھیں مل کر دشمن کو دیکھ بھی سکے چچا نک کہ وہ حوالے کر اس کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہو۔

*

۴) حملہ یا پیش قدمی

یعنی دشمن کے دار سے پہلے ہی اُس پر وار کر دینا۔ اور اُسے پیش قدمی کا موقع دینے بغیر خود اُس کی طرف پیش قدمی کرنا۔ ابھی وہ تلوار کو نیام سے نکال ہی رہا ہو کہ اپنی تلوار کو اُس کی گردن کے بائیں دینا اکثر قائمینِ حرب اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ فتح و نصرت۔ پیش قدمی یعنی اثباتی عمل ہی سے حاصل کی جاسکتی ہے و دفاع یعنی منفی عمل سے نہیں۔

قائمین کی اُس رائے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ کسی ملک کا دفاع بھی اُس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُس میں حملہ کرنے کی طاقت نہ ہو تو سمجھا ہو گا۔ پیش قدمی کی تاثیر ہی کچھ عجیب ہوتی ہے۔ حملہ کا ارادہ ہی توجہ کی ہمت و شجاعت میں کئی گنا اضافہ کر دیتا ہے۔ پیش قدمی صرف قدم ہی آگے نہیں بڑھاتی بلکہ دل کو بھی قدموں کے ساتھ آگے بڑھاتی اور بڑھاتی ہی چلی جاتی ہے۔

نام نہادِ حرب نے ہم سے جی جنگوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اُن میں سے اکثر پیش قدمی کا فیصلہ پیش قدمی کرنے والے فریق ہی کے حق میں ہوتا ہے جس نے پہل کی وہی کامیاب اور کامیاب رہا اور جو دوسرا جھجکا وہ مارا گیا۔

میرٹھ نے اپنی لڑائیوں میں اس اصول کی کہاں تک پابندی کی۔ اس کا اندازہ آپ مندرجہ ذیل تاریخی اشارات سے لگا سکتے ہیں۔

*

جیسا کہ آپ گذشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں غزوہ ذات السلاسل اور پھر میدانِ برموک اور اس کے بعد فلسطین اور شام کے ان تمام معرکوں میں جن کی قیادت اُن کے ہاتھ میں رہی انہوں نے حملہ کرنے میں ہمیشہ پیش قدمی کی۔

*

اس کے بعد مصر کے طویل معرض میں بھی جتنے اہم معرکے پیش آئے۔ اُن میں عمروؓ نے جارحانہ اور

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی طریقہ یہی تھا کہ جب حضورؐ مستحق تھے کہ قحطِ قبیلہ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں یا ارادہ کر رہا ہے تو قبل اس کے کہ وہ ہوشیار ہو حضورؐ اُس پر جا پڑتے تھے اور حضورؐ کا یہ طریقہ ہمیشہ مؤیدِ کامیابی رہا۔ دعوہِ احمدی پرتی

رومیوں نے مدافعت جیٹیت اختیار کی۔ شہر فرما پر حملہ کرنے والے عمروؓ تھے :

*

ام ذہین پر بھی انہوں نے ہی حملہ کیا تھا۔ اس کے بعد صوبہ فیوم کے تمام حصے بھی انہی کی طرف سے کیے گئے۔ یہاں تک کہ ختا کی جمیعت جو حملہ کے ارادے سے نفل و حرکت میں آچکی تھی۔ اس پر بھی آگے بڑھ کر عمروؓ ہی نے حملہ کیا اور اس کا موقع ہی نہ دیا کہ وہ اُن پر حملہ آور ہو سکے :

*

بلو پولیس میں بھی عمروؓ ہی کے حملے سے جنگ شروع ہوئی۔ اور پھر دوسرا جنگ میں بھی سوچے سمجھے منصوبے کے ماتحت پوشیدہ دستوں نے دو طرف سے نازہ دم اور اچانک حملے کیے۔ جن کی تاب نہ لاد کر رومی نہ لاسکے اور شکست کھا گئے :

*

بابلون اور اسکندریہ میں بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ عمروؓ ہی حملہ آور کی پوزیشن میں رہے اور رومیوں کو دفاع سے آگے نہیں بڑھنے دیا :

*

اسکندریہ کے بعد برقہ اور طرابلس کے تمام علاقے میں عمروؓ ہی نے حملے کر کے فتوحات حاصل کیں۔ اور کسی جگہ بھی تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عمروؓ نے مدافعت جیٹیت اختیار کر کے دشمن سے جنگ کی ہو۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عمروؓ ابان کی حد تک جارحیت پر یقین رکھتے تھے۔ اور اُن کے نزدیک پیش قدمی سے بڑھ کر فتح اور نصرت اور کامیابی کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں تھا :

(۵) محاصرہ یا تاکہ بندی

محاصرہ فوجی حرب میں ایک کامیاب اصول شمار کیا جاتا ہے۔ اور کامیاب ہونے کے ساتھ سہل اور کم مشقت بھی ہے۔ اس ذریعے سے جو فتح حاصل ہوتی ہے۔ وہ دیر پا اور مستحکم ہوتی ہے۔ لیکن یہ محاصرہ کنندہ کے لئے جتنا کم مشقت ہے محصور کے لئے اتنا ہی صبر آزما اور کڑی بھی ہے۔ محاصرہ کرنے کی روح جب ایک دفعہ محاصرہ کی قید سے مضطرب ہو جاتی ہے۔ تو پھر وہ مشکل ہی سے دوبارہ بحال ہوتی ہے عمروؓ نے اس حقیقت کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا۔

فتوحاتِ شام کے دوران انہوں نے سب سے پہلے دمشق میں اس کا تجربہ کیا۔ تجربہ کامیاب رہا

تو پھر انہوں نے اس طریقہ کو قریب قریب ہر جگہ استعمال کیا اور اس کے اچھے نتائج سے بہرہ مند ہوتے رہے۔

*

فرما کی تسخیر محاصرہ سے کی گئی
ام دین میں بھی محاصرہ ہی کا ہتھیار استعمال کیا گیا
اس کے بعد بابلیوں کا محاصرہ تو عمر شریف کی تاریخ کا گویا شاہکار تھا۔ جو طویل ہونے کے ساتھ
ساتھ آتا ہمہ گیر بھی تھا۔ کہ اس میں انہوں نے اہل قلعہ پر بھی فوجی امداد کے علاوہ ہر قسم کی رسیدی
امداد کو بھی قطعی طور پر بند کر دیا تھا۔

*

اسکندریہ کا محاصرہ اگرچہ مدد پر فوجی جانب سمندر ہونے کی وجہ سے اُسے مکمل نہیں
کیا جاسکتا تھا۔ پھر بھی محاصرہ کا مقصد پوری طرح حاصل رہا اور خشکی کے محاصروں نے اس کو باقی تمام
علاقہ سے کلیتہً منقطع کر دیا تھا۔ جس نے محاصرہ زدگان کے دلوں کو شکستہ اور حوصلوں کو پست
کرنے میں اپنا پورا اثر دکھایا۔

*

طرابلس میں بھی محاصرہ ہی نے کامیاب کیا جس کی پتلا پڑا نہیں باہر سے نہ فوجی امداد پہنچ سکی
اور نہ رسید ہی۔ اور اس اسیرانہ زندگی نے اُن کے حوصلوں کو اس قدر پست کر دیا تھا۔ کہ چند
نفوس نے اندر داخل ہو کر فوجی کارروائی شروع کر دی اور اہل شہر اُن کا مقابلہ نہ کر سکے۔ یہاں
تک کہ باقی فوج بھی اُن کے ساتھ جا کر ل گئی۔
اور یہ بھی محاصرہ کی زبردست کامیابی تھی کہ سقوط طرابلس کی خبریں سہراتہ تک بھی نہ پہنچ
سکیں۔ اور وہ ایسی بے خبری کے عالم میں دھری گئے کہ شہر تباہ کے سارے دروازے چو پٹ کھلے
تھے اور موشیوں کو چرنے پگھنے کے لئے باہر نکالا جا رہا تھا۔

(۶) حفظ فوج

قائد کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنی فوج کی پوری پوری حفاظت کرے۔ اس
وقت بھی حفاظت کرے۔ جب وہ اپنے کیمپ اور اپنی بارکوں میں ہو اور اُس وقت بھی حفاظت
رکھے جب وہ میدانِ حرب و منرب میں دشمن کے ساتھ گفتگو کرتا ہو رہی ہو۔

تیار کی کے ساتھ اہل قلعہ کی امداد کے لئے روانہ ہو چکا ہے۔ تو انہوں نے اس میں اپنی فوج کے لئے تمام خطرات کا اندازہ لگا لیا۔ اور ضروری سمجھا کہ دشمن کی پیش قدمی کو راستہ میں ہی روک دینا چاہیے۔ چنانچہ بلا تاخیر روانہ ہو گئے۔ ممنوعہ کے قریب دشمن سے جا کر ٹکرائے اور اس کی پیش قدمی کو روک دیا۔

*

اسکندریہ جیسے اہم محاذ پر روانہ ہوئے۔ تو اپنی فوج کے عقب کو محفوظ کرنے کے لئے ایک دستہ بابلون میں چھوڑ گئے۔ جو سراسر محفوظ فوج ہی کی ایک تدبیر تھی۔

*

اسکندریہ جانے کے لئے نیل کے منہ کی کنارے کا انتخاب بھی محفوظ فوج ہی کی پیش نظر کیا گیا تھا۔ اس لئے کہ مشرقی کنارے پر جگہ جگہ ندی تارے راستہ روکتے تھے۔ جن کے عبور کرنے میں غریب گھوڑوں کو دشواری پیش آتی اور وہ راستے ہی میں مضطرب ہو جاتے۔

*

راستے میں اسکندریہ کے قریب قلعہ نقیوس کو دیکھا تو اسے بھی اسی لئے تھخیر کرنا مناسب جانا کہ اگر وہ آزاد رہا تو مسلمان فوج کے لئے عقب سے خطرہ پیدا کر سکتا ہے۔

*

اسکندریہ کے دوران محاصرہ میں محاصرہ کی حالت کا اندازہ لگا کر شیبی مصر کی طرف نقل و حرکت کرنا بھی اسی غرض سے تھا کہ اسکندریہ کے محاصرہ میں اس طرف کے خطرات سے محفوظ ہو جائیں۔

*

پھر جب اسکندریہ سے فراغت ہو گئی تو اس کے بعد رفتہ رفتہ اور طرابلس کا رخ بھی اسی غرض کے لئے کیا گیا تھا۔ کہ مصر اور افواج مصر مغربی مالک کی طرف سے بھی اہم و محفوظ ہو جائیں۔ جہاں رومیوں کا اقتدار بدستور موجود تھا۔ اور اگر خلیفہ عمرؓ انہیں مزید پیش قدمی سے حکماً روک دیتے تو مدینہ یثرباً شمالی افریقہ میں بھی اپنی فتوحات کو جاری رکھتے۔

*

اس کے بعد نوبتوں کے علاقہ کا رخ بھی اسی وجہ سے کیا تھا کہ مصر اور افواج مصر جنوب کے خطرات سے بھی ہمیشہ کے لئے مطمئن ہو جائیں۔

*

حقیقت تو یہ ہے کہ ٹرؤٹ نے حفاظت مصر کے جس نظریہ کی اساس پر طرابلس اور سرزمین
ذوبہ کو فتح کیا تھا۔ اُسی نظریہ کے ماتحت خود مصر کو بھی فتح کیا تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ فلسطین کی فتح
کے بعد رومیوں کی اکثریت مصر کی طرف منتقل ہو گئی تھی۔ اور اُس نے وہاں اپنی طاقت کو مجتمع کرنا
شروع کر دیا تھا۔ اور اندیشہ تھا کہ وہ مصر میں اپنی طاقت بنا کر فلسطین کی بازیابی کی کوشش
کریں گے۔ ٹرؤٹ نے خلیفہ کے سامنے یہی موقف پیش کیا تھا۔ اور عرض کیا تھا۔ کہ فلسطین کا بقا سراسر
مصر کی تسخیر پر موقوف ہے۔ چنانچہ خلیفہ نے انہیں فتح مصر کی اجازت دے کر مصر کی تاریخی فتوحات
کے لئے روانہ کر دیا تھا۔

(۷) باطنی قوت

جنگ میں کامیابی کے جہاں اور بہت سے عوامل اور مسائل ہیں۔ وہاں ایک نہایت اہم
باطنی قوت بھی ہے۔ اور غائر نظر سے دیکھا جائے تو مادی ذرائع بھی اُس وقت تک کارآمد نہیں ہوتے
جب تک ان کے استعمال کرنے کے لئے باطنی قوت تیار نہ ہوں۔

باطنی قوت سے مراد فطرت قلب، ہجرات، اقدام، اور فتح و نصرت کا یقین ہے۔ اور ظاہر ہے
کہ جس فوج کے اندر یہ صفات نہ ہوں گی۔ اُس کی کثرت تعداد، اس کی سلاح پوشی اور اس کی
ہمارت فنون کسی کام بھی نہیں آسکتی۔

تاریخ کی درق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ بہت دفعہ کثیر التعداد فوج میدان جنگ میں
اتریں۔ اور شرمناک ہزیمت کھا کر پسپا ہوئیں۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ — صرف یہ کہ ان میں باطنی
قوت کی کمی تھی۔ — اس کے مقابل میں وہی تاریخ ہمارے سامنے ایسی مثالیں بھی پیش کرتی ہے
جن میں مٹھی بھر جماعت میدان میں آئی اور عظیم الشان کامیابی حاصل کر گئی۔ اس کی وجہ بھی یہی
اور صرف یہی تھی کہ اُس نے اپنی قلب تعداد کو کثرت صفات حسنہ سے پورا کر لیا تھا۔

باطنی قوت سے مراد فوجیوں کی صفات، اُن کے اخلاق، اُن کا حسنِ اعتدال، اُن کی بہادری، اُن
اخلاص، اُن کی قوت برداشت، اُن کا اعتماد، اُن کے ظاہرین کی قدرتِ قیادت ہے۔ اور ان

۱۔ افسوس مؤثر ہے کہ باطنی قوت کا مقصد ہی مادی ذرائع کے لئے ہے۔ حالانکہ وہ اُن کے خلاف ہے۔ باطنی قوت سے مراد طہارت و پاکیزگی
شوق شہادت، اشیاء قربانی اور حق و صداقت کے لئے جان کی بازی لگانا ہے۔ یہی محمد مصطفیٰ (پ) کی

سب سے بڑھ کر اس نصب العین کے ساتھ عقیدت و وابستگی ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے وہ میدان میں اپنی جانیں قربانیوں پر لکھ کر آگئے ہیں۔
کلاؤز فخر کے نزدیک باطنی قوت سے مراد وہ روح ہے جو جنگ کے حرکات و سکنات پر حاوی اور مستط ہو۔

بعض نے باطنی قوت کی اہمیت کو ان الفاظ کے ساتھ واضح کیا ہے کہ ا۔۔۔ ہر شخص کی کامیابی کا اصلی راز اس کی باطنی قوتوں ہی میں پوشیدہ ہوتا ہے۔

عمر بن العاص کی کامیابیوں کا راز بھی اُن کی باطنی صفات ہی میں مضمر تھا۔ اور پھر ان کی صفات عالیہ کے عکس نے ان کی فوج کے ایک ایک سپاہی کو بھی صفات عالیہ کا حامل بنادیا تھا۔ ان کے دل و دماغ کو سکون و سکینت کی بے بہا دولت ملی تھی۔ اُن کے قلب و جگر شجاعت و دلیری کا اور اقدام و عملیت کے فولاد بن گئے تھے۔ اُن کے فکر و دماغ میں کوشش و تدبیر کے طاقتور رطب روشن ہو گئے تھے۔ وہ اگر ایک طرف اپنے دشمن کے لئے محترم قہر و جبروت تھے۔ تو دوسری طرف اپنے ساتھیوں کے لئے سرتاپا رحمت و شفقت بھی تھے۔ اور سب سے بڑی صفت ان میں یہ تھی کہ وہ اپنے نصب العین کی اہمیت و تقدیر میں سب سے زیادہ اشد اور یقین رکھتے تھے۔
عمر بن العاص کی باطنی قوت کا صحیح تعارف خود اپنے الفاظ میں اُس وقت کیا تھا جب قرۃ بن عبیدہ انہیں عرواں کے قلعہ اذنداد سے خوفزدہ کرنا چاہتا تھا۔ جس پر انہوں نے قرۃ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ا۔۔۔

”کیا تو نے مجھے اذنداد عرب سے ڈرانا چاہتا ہے۔ خدا کی قسم اُن عرواں کو اُن کے ساتھ تجھ کو بھی گھوڑے کی ٹاپوں کے نیچے روڈ ڈالوں گا۔ اور نہیری گردن تک پہنچ کر ہی دم لوں گا۔ خواہ تو اپنی گردن کو جنت کی باتھونوں کے نیچے چھپا دے۔“
قرۃ کو جتنے سر کے بھی پیش آئے۔ اُن سب میں قلت کا مقابلہ کثرت کے ساتھ تھا۔ اور اس کے باوجود انہوں نے کامیابی حاصل کی۔ اس کی وجہ صرف یہ ہی تھی کہ اُن کی باطنی قوتیں نہایت ارفع و عالی اور مضبوط و توانا تھیں۔ اور ان قوتوں کو انہوں نے جناب بنی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی سے حاصل کیا تھا۔ اور یہ اصلاً اور نقلاً ہی قوتیں تھیں۔ جن کا مظاہرہ سب سے پہلے میدان بدر میں ہوا تھا۔ جب قریش کی ایک ہزار کی تعداد کو صرف تین سو تیرہ مسلمانوں کی قلت نے فیصلہ کن شکست دی تھی۔

طویل زندگی تہوں کی پرستش اور ان حدود مشاغل میں گذرتی رہی جو ان کے قریبی ماحول سے وابستہ تھے اور وسعت اختیار کرتے تو زیادہ سے زیادہ جزیرہ عرب کے طول و عرض تک پھیل جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اسلام ظاہر ہوا۔ حضرت محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بت پرستی چھوڑ کر ایمان باللہ کی دعوت دی۔ قبائل نے اس دعوت پر لبیک کہا۔ اور ایک ایک کر کے سب ہی اسلام کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اور ایسی نبرد ست قوت بن گئے جس کی شوکت و صولت کو لشکارا نہیں جاسکتا تھا۔

مردوں کو چونکہ دعوت اسلام ہی نے ایک جھنڈے کے نیچے جمع کیا تھا۔ اس لئے ان کا کلہ جامعہ اور ان کا ہدف مقصود آپ سے آپ متعین ہو گیا۔ اور وہ تھا۔ ایمان باللہ کی طرف انسانیت کو دعوت دینا اور اس دعوت کو جزیرہ کی حدود سے باہر نکال کر تمام دنیا میں پھیلا دینا۔ یہ نصب العین انفرادی طور پر ایک مسلمان کا اپنا نصب العین بھی تھا۔ اور اجتماعی طور پر سب کا مشترک فوجی نصب العین بھی بن گیا تھا جس کے ساتھ انہیں ایسی دلہانہ محبت اور عقیدت تھی کہ وہ اس سے اپنی جان، مال اور اولاد سے بھی زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ ان کے ایمان کا کوئی جز، اقلب کا کوئی گوشہ اور روح کی کوئی رمق ایسی نہیں تھی جو اس کے تسلط سے باہر اور اس کے عشق سے خالی ہو۔ اور وہ اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ ہم اسی مقصد کے حاصل کرنے کے لئے پیدا کیے گئے ہیں۔ اور اسی کے راستے میں جان دنیا ہماری حلال موت ہے۔ ہم زندہ رہیں گے تو اسی کے لئے اور مریں گے تو اسی کے راستے میں۔

یہاں تک کہ اس کے راستے میں جان دے دینا بجائے خود ایک محبوب شغل اور پسندیدہ مقصد بن چکا تھا اور وہ اس کی خاطر قربان ہو جانے کو حشمت کا ایک تقیینی فدیہ تصور کرتے تھے۔ یہ جذبات اور تصورات تھے جو باہم ملی کر ان کے اندر ایک ایسی زبردست اور ناقابل تسخیر روحانی طاقت پیدا کر دیتے تھے جو دنیا کے لالچ، عزت و جاد کی حرص اور ایسے ہی دوسرے دنیوی مقاصد سے ان کی نیتوں کو دور اور اور اور فوق الفوق لے جاتے تھے۔ اور وہ اعلا کلمۃ اللہ کے سوا ہر مقصد کو اپنی ہمت عالیہ کے لئے پسٹ اور ذلیل سمجھتے تھے۔

*

عمرؓ کی صفت اخلاص کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں غزوہ ذات السلاسل کے لئے بلا کر فرمایا کہ:-

”اے عمر وہیں تمہیں سپہ سالار بننا کر ایک مہم پر بھیجنا چاہتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ دلوں سے تمہیں سالم و قاتم لوٹائے۔“
 تو اس کے جواب میں انہوں نے عرض کیا:۔
 ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مال کی رغبت کی وجہ سے اسلام میں داخل نہیں ہوا ہوں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا فشار معلوم کرنے کے بعد فرمایا:۔
 ”یہ ٹھیک ہے.... لیکن مرد صالح کو مالِ صالح حاصل کرنا ممنوع نہیں ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبوتِ قضاہ کی طرف سے جہاد مرتدین میں شریک ہونے کے لئے بلاتے ہیں۔ اور اُن کے سامنے کچھ دنیوی زندگی کی ترقیات بھی پیش کرتے ہیں۔ تو عمرؓ اُن کو بھی جن الفاظ کے ساتھ جواب دیتے ہیں وہ یہ ہیں:۔
 ”میں اللہ کے تیروں میں سے ایک تیر ہوں۔ اور آپ اللہ تعالیٰ کے بعد اُن تیروں کے پھینکنے اور اکٹھا کرنے والے ہیں۔ آپ اُن میں سے اس کو منتخب فرمائیے جو ان میں سب سے زیادہ محنت ہو دشمن کے سامنے، سب سے زیادہ نرم ہو اللہ کے سامنے اور دوسروں سے بہتر ہو آپ کے نزدیک۔ پھر آپ اُسے ہر اس نشانہ کی طرف پھینکیں جس کی آپ کو اطلاع ملے۔“

خلیفہ ثانی حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ، انعامِ رضا کو عمرؓ کی امداد کے لئے مصر بھیجنے کے واسطے بلاتے اور کسی دنیوی منصب کی امید دلاتے ہیں۔ تو زبیرؓ بھی عمرؓ کی طرح کامل استغفار پیش کرتے ہیں۔

خلیفہ نے فرمایا تھا کہ:۔ ”زبیر کیا تم مصر کی گورنری قبول کرنا چاہتے ہو؟“
 تو زبیرؓ نے جواب دیا تھا کہ:۔

”مجھے گورنری کا کوئی لالچ نہیں ہے۔ میں صرف اللہ کے راستے میں جہاد اور مسلمانوں کی اساد کے لئے جانے کو تیار ہوں۔“

۲۔ اطاعت اور فرمانبرداری | جنگ میں کامیابی کے لئے دوسری اہم شرط فوج کا وفادارانہ جذبہِ اطاعت

ہے۔ اطاعت تو نظم و ضبط اور ڈسپلن کے خوف سے بھی ہوتی ہے۔ لیکن ایسی اطاعت باطنی قوت کو
پختہ کرنے کے بجائے اٹلا کر دہر کرتی ہے۔ اس لئے ہم جس اطاعت کا باطنی قوت کے تحت ذکر
کر رہے ہیں اس سے مراد خوف کی اطاعت نہیں ہے بلکہ شوق کی اطاعت ہے۔
جس فوج میں شوق کی اطاعت کا کامل جذبہ ہو گا۔ وہ اپنے قائد کے اشارے پر ہر خطے میں
کو جانے کے لئے تیار رہے گی۔
عمرؤ کی ذات میں اطاعت کی صفت بھی اعلیٰ پایے پر موجود تھی۔ اور ان کی اس صفت کا اثر
فوج پر بھی پوری طرح قائم تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرؤ کو ذاتِ اسلام کا حکم دیا تو فوراً اطاعت کی۔ اور تلوار اٹھا کر
ردائہ ہو گئے۔

حضرت ابو بکرؓ نے جہاد و مرتدین کی قیادت سونپی تو فوراً تیار ہو گئے۔
پھر شام و فلسطین کی شرکت جہاد کا حکم ہوا تو سر تسلیم خم کر دیا۔
خلیفہ عمرؓ نے مصر اور شمالی افریقہ کا حکم دیا تو کوئی پس و پیش نہ کی۔
یہاں تک کہ جب وہ مسلسل فتوحات کے جوش میں شمالی افریقہ کی طرف بڑھنے جا رہے تھے۔
اور جب اچانک ان کے سیلابِ عزائم کو خلیفہ نے روک دیا۔ تو انہوں نے اپنی فوجوں کو
ان کے حکم کے بعد ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھنے دیا۔

جب خود قائد میں جذبہ اطاعت اس درجہ موجود ہو۔ تو پھر اس کی فوجوں میں یہ جذبہ
کیا کچھ کم ہو گا۔ اور یہی حقیقت بھی تھی کہ ان کی فوجیں بھی ان کی دالہائے قزاق بردار اور دشمنان
تھیں۔ اور ذاتی مصلحتوں کو جانتی اور فوجی مصلحتوں پر بلا تردد قربان کر دیتی تھیں۔

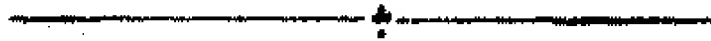
خزائنِ السلاسل میں آپ اس کا نمونہ دیکھ چکے ہیں۔ فوج نے بہادری کے یوہر دکھا
کر طاقتور دشمن کو ہزیمت دی۔ لہذا اس کا دلی اشتیاق یہ تھا کہ بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب
کر کے اس کا کلی استیصال کر دیا جائے۔ لیکن عمرؤ کی مصلحت اس کے خلاف دیکھ رہی تھی۔
چنانچہ انہوں نے فوج کو تعاقب سے روک دیا اور وہ قہراً رک گئی۔

اسی معرکہ میں عمرؤ نے فوج کو حکم دیا کہ آگ و دشمن نہ کریں۔ اور فوج نے اس کی بھی بلاچون و چرا
تعمیل کی۔ حالانکہ موسم نہایت سرد اور صبر آزمائے تھا۔

غرض عمر و فرج کو جو بھی حکم دیتے تھے۔ وہ بلا تردد اس پر عامل ہو جاتی تھی جس کی مثالیں
ہمارے غمخواروں کے صفحہ صفحہ پر آپ خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اطاعت اور حکم برداری جنگ کا جو ہر اصل ہے۔ جس کا ایک فوجی کے
خمیر کے اندر داخل ہو جاتا ضروری ہوتا ہے۔ افواجِ غمخوار کے باطنی قویٰ کو اسی جوہرِ اطاعت نے
مضبوط اور فولاد شکن بنا دیا تھا۔

اور ایک غمخوار ہی پر کیا موقوف ہے۔ عالمِ انسانیت کے جس میدان میں بھی قائدین تھے کسی
قسم کی جنگیں لڑی ہیں۔ ان کے اسباب و عوامل میں اس جوہرِ اطاعت کی کارِ پیدازی سب سے
بڑھ کر رہی ہے۔



باب سوم

عمر و خلفاء کے ساتھ

- ابو بکر صدیق کے ساتھ
- عمر بن الخطاب کے ساتھ
- عثمان بن عفان کے ساتھ
- علی بن ابی طالب کے ساتھ

(۱)

خلیفہ ابو بکرؓ کے ساتھ

”میں تو اسلام کے تیروں میں سے ایک تیر ہوں۔
 اور آپ اللہ تعالیٰ کے بعد ان تیروں کے پھونکنے
 اور جمع کرنے والے ہیں۔ آپ ان میں سے فیض
 تیر کو منتخب فرمائیں جو دشمن کے سامنے سخت
 اللہ کے سامنے نرم اور آپ کے نزدیک فاضل ہو۔
 اس کے بعد آپ کو پورا اختیار ہے۔ کرا سے جس
 تشاد کے لئے چاہیں استعمال فرمائیں۔۔۔۔۔“

عمر بن خطابؓ

ابو بکرؓ سے خطاب کرتے ہوئے

عمر بن العاص اور ابو بکرؓ کی پہلی حربی طاقت غزوہ ذات السلاسل میں ہوئی۔ جب انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امداد طلب کی تھی۔ جس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عبیدہ بن الجراح کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا تھا جس میں حضرت ابو بکرؓ شامل تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس جنگ میں عمرؓ کی شخصیت، ان کی ہمارت، جنگ، اہلیت قیادت، بہرہ دہی اسلام، حفظ افواج اور تحفظ مصالح اسلامیہ وغیرہ بلند پایہ صفات کے علاوہ اپنے مقصد صلی کے ساتھ والہانہ شغف کا بہت قریب سے مطالعہ کیا تھا۔ جس سے ان کی شخصیت کا عروج و ارتقاع ان پر پوری طرح واضح ہو گیا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرم گئے اس حال میں کہ عمر بن العاص کی قیادت سے خوش تھے۔ آپ کے بعد خلافت کی ذمہ داری حضرت ابو بکرؓ کے سپرد ہوئی۔ عمرؓ کو ابو بکرؓ پہلے ہی جانچ کر چکے تھے۔ اور ان کی شخصیت کا سراپا ان کے ذہن میں پوری وضاحت کے ساتھ منقش تھا۔ خلافت کی ابتداء ہی میں جو یہ عرب کو منکر یہ زکوٰۃ کے زبردست فتنہ سے دوچار ہونا پڑا جس سے مسلمانوں کو سخت صدمہ پہنچا اور وہ اپنے درمیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کرنے لگے۔

اس بزرگ دور میں خلیفہ حضرت ابو بکرؓ نے نہایت پامردی اور ثبات قدمی کے ساتھ گڑے ہوئے حالات کا مقابلہ کیا اور صاف صاف اعلان کر دیا کہ: — خدا کی قسم اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا کی جانے والی ایک رسی کو بھی آپ کے بعد ادا کرنے سے انکار کرے گا۔ تو میں اس کے مقابلہ میں تلوار اٹھا لوں گا۔

اس اعلان کے بعد وہ لوگ جو زکوٰۃ ادا کرنے والے تھے ہر قبیلہ سے آ کر آپ کے گرد جمع ہونے شروع ہو گئے۔ اور ان کی مدد سے حضرت ابو بکرؓ نے کجائلی ہمیں، نویمان، بنو بکر اندان سے آ کر ملنے والے لوگوں کو شکست دی اور انہیں اہل حق سے بلا وطن کیا۔

اس کے ساتھ ہی فتنہ اذہراؤ نے سر اٹھایا۔ جس کے لئے خلیفہ نے تمام مسلمانوں کو متعدد (۱۱) محضدوں کے نیچے جمع کر دیا۔ ہر محضدے کا امیر جدا تھا۔ پھر ان سب کو اس ہدایت کے ساتھ روانہ کر دیا کہ راستہ میں بھی طاقتور مسلمانوں کو اپنے ساتھ شامل کرتے رہنا۔

ابھی جھنڈا دل میں سے ایک جھنڈا عمرو بن اسام کا بھی تھا۔ جنہیں شمالی عرب میں تو قضاہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا تھا۔

عمرو نے اپنا فرض منصبی اس حسن و خوبی کے ساتھ پورا کیا کہ خلیفہ ان سے بہت خوش ہوئے اور انہیں ان تمام کامیابیوں میں صفا اعلیٰ کا قائد شمار کرنے لگے۔ انہوں نے اپنے زمانہ خلافت میں کام لیا تھا۔

ابھی عمرو قضاہ ہی میں تھے کہ خلیفہ نے انہیں مندرجہ ذیل پیغام بھیجا۔

”ابو جہد اللہ اگر تم موجودہ منصب پر قانع ہو تو تمہاری مرضی ہے۔ ورنہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں موجودہ ذمہ داری سے فارغ کر کے ایسے منصب پر مامور کرنے کے لئے تیار ہوں جو تمہارے لئے دین اور دنیا دونوں لحاظ سے اس کی بہ نسبت بہتر ہو۔“
اس کا جواب عمرو نے یہ دیا کہ۔

”میں تو اسلام کے تیسروں میں سے ایک تیر ہوں۔ مجھ کے پیچھے دس لاکھ اللہ تعالیٰ کے بعد آپ ہیں۔ آپ ان میں سے ایسے تیر کو منتخب فرمائیں۔ جو دشمن کے ساتھ سخت، اللہ کے سامنے نرم اور آپ کے نزدیک دوسروں سے بہتر ہو۔ اور پھر آپ کو اختیار ہے کہ اُسے جس نشانہ کے لئے چاہیں استعمال کر لیں۔“
اس کے بعد عمرو دوسرے قائدین کے ساتھ فلسطین اور شام کی طرف روانہ کر دیئے گئے جہاں انہیں تیوریک کی قوت سے ہزار افواج کا مقابلہ کرنا تھا۔

لے شمالی جزیرہ کی طرف تہی جھنڈے روانہ کئے گئے تھے باقی آٹھ جھنڈے جنوب کی طرف روانہ ہوئے تھے جی کا ذکر ہم قندھار و تدارک کے ذیل میں کر چکے ہیں۔

لے عمرو قندھار و تدارک کو ختم کرنے کے بعد بھی قضاہ ہی رہے۔

لے دومیوں کی فوج اس طرح تقسیم تھی کہ۔

تیوریک کی فوج (۱۰ ہزار) عمرو کے بالقابل

فیصل بن نعلس کی فوج (۲۰ ہزار) ابو عبیدہ کی صفوں کے سامنے

راقص کی فوج (۲۰ ہزار) شمر جیل کے سامنے

برہہ کی فوج (۱۰ ہزار) یوسف بن یساف کے سامنے

مسلمانوں نے رومیوں کے اس ٹڈی دل کو جو حد و شمار سے باہر تھا دیکھا تو خوف زدہ ہو گئے اور انہوں نے صورت حال کے بارے میں مشورہ طلب کرنے کے لئے ایک قاصد عمرو کی طرف بلا دوسرا خلیفہ ابوبکرؓ کی طرف روانہ کیا۔
عمرو کی رائے تھی کہ مسلمان چھوٹی چھوٹی قیادتوں میں تقسیم ہو کر دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے جواب میں لکھا کہ :-

”میری رائے تو یہ ہے کہ اگر مسلمان ایک قیادت کے تحت ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں تو پھر اس قلت کے باوجود بھی دشمن کا مقابلہ کر کے اسے شکست دے سکتے ہیں۔ اور اگر اسی طرح جداگانہ قیادتوں میں جے رہے تو پھر اس کا مقابلہ مشکل ہے۔“
دوسری طرف خلیفہ ابوبکرؓ کا جواب بھی عمرو کی رائے کے مطابق ہی آیا کہ :-

”سب اکٹھے ہو کر ایک لشکر ہو جاؤ اور دشمن کے ٹڈی دل سے ٹکرا جاؤ۔ تم سب انصار اللہ ہو اس لئے اللہ بھی تمہاری مدد کرے گا تمہارے مقابلہ میں مشرکین اور اللہ تعالیٰ کے نافرمان لوگ ہیں، اور اللہ اپنے نافرمانوں کو کامیاب نہیں کریں گے۔ ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں تمہارے مقابلہ میں ذلیل و رسوا کریں گے۔ اس لئے تم گناہوں سے اپنے دامنوں کو پاک رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد ضرور فرمائے گا۔“
عمرو کی رائے کے ساتھ نہ صرف خلیفہ ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ کی رائے متفق تھی۔ بلکہ خالد بن ولیدؓ کی رائے بھی متفق تھی۔ جو عراق سے آ کر مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوئے۔ اور جب انہوں نے نظم و نسق کی تفریق پر نظر ڈالی تو اس کو پسند نہ کرتے ہوئے اسے ختم کیا اور سب کو ایک ہی قیادت کے تحت جمع کر کے فرمایا :-

”تمہارے لئے یہ بات بہرگز مناسب نہیں ہے کہ ایسے انتشار اور افتراق کے ساتھ اس قوم سے جنگ کرو جو ایک نظام کے ساتھ مربوط اور متحد ہے۔“
مسلمانوں کو ایک قیادت کے تحت ایک لشکر بنانے کے بعد خالد بن ولیدؓ نے ان کی دستہ بندی

۱۔ صحابہ فوجیں مختلف جہتوں کے تحت بالکل ایک دوسرے سے جدا گانہ تھیں جن کے قائد بھی ایک دوسرے سے الگ تھے اور نقشہ رائے جنگ بھی بالکل ایک دوسرے سے جدا۔
۲۔ ایک دستہ ایک ہزار فوج کا تھا

کر کے مندرجہ ذیل عافان کے سپرد کر دیئے۔

قلبی محاذ ابو عبیدہؓ کے لئے مہینہ دولہاں باندہ، عمر فاؤد شریہیل کے لئے ہر مسرہ و بایاں باندہ، یزید بن ابی سفیان کے لئے۔

مسلمان ابھی جنگ یرموک کا ابتدائی نقشہ ہی بنا رہے تھے کہ خالد بن ولیدؓ کو خلیفہ کی وفات اور حضرت عمرؓ کے قتل کی اطلاع پہنچی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے ساتھ ہی وہ سابلطہ بھی ختم ہو گیا۔ جو عمرو بن العاص کو ان کی ذات کے ساتھ حاصل تھا۔ اور یہ سابلطہ وہ تھا جو عمرؓ کی امارت اور ابو بکرؓ کی اطاعت سے شروع ہو کر عمرؓ کی اطاعت اور ابو بکرؓ کی امارت پر ختم ہوا تھا۔

ہر حال جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت عمرؓ بن العاص سے راضی تھے اسی طرح خلیفہ اولؓ بھی اسی حال میں رخصت ہوئے کہ وہ بھی ان سے خوش تھے۔

حضرت عمرؓ ابن الخطابؓ کے ساتھ

نہا جو اس زمانہ کا جس میں عمرؓ ابن العاصؓ، عمرؓ ابن
الخطابؓ کا کارندہ ہے، خدا کی قسم مجھے وہ دن یاد
ہے جب خطابؓ اور اس کا بیٹا عمرؓ دونوں کے سر
پر ایک ایک لکڑی کا گٹھا ہوتا تھا۔ اور وہ اس سے
بس اتنی روزی پیدا کر لیتے تھے جو ان کے بہنوں
بیکر بشکل پہنچتی تھی۔ اور عاصؓ کا یہ مقام تھا کہ پرہیز
کے نہ کارباصؓ تک کو پائے سخاوت سے ٹھکرا دیا
کرتے تھے۔

عمرؓ ابن العاصؓ
ناصر عمرؓ بن عبدالمطلبؓ سے

عمر اور عمرو کے تعلقات کی ابتداء غزوہ ذات السلاسل میں اس طرح ہوئی۔ کہ عمر ابن خطاب اس ملک کے ایک سپاہی تھے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو ابن العاص کے لئے بھیجی تھی۔ عمرو نے اس ملاقات میں ان کی تدبیر و سیاست کو قریب سے دیکھا۔ ان کے سامنے ابو عبیدہ اور عمرو کی وہ باہمی کشمکش بھی آئی جس میں عمرو پوری فوج پر اپنی راجد قیادت چاہتے تھے اور ابو عبیدہ دو قیادتوں کے حق میں تھے۔ اور انہی کے سامنے عمرو اور فوج کی وہ مخالفت بھی سامنے آئی۔ جو ہر بیت خوردہ فوج کے نقاب اور آگ روشن کرنے کے بارے میں پیش آئی تھی۔ ان تمام واقعات نے حضرت عمرؓ کے سامنے عمرو کی تصویر ایک آزمودہ کار اور پُر اعتماد قائد کی حیثیت سے پیش کی تھی۔

عاص اور عمرو | واقعہ تو یہ ہے کہ عمرو اور عمرو کی یہ ملاقات پہلی ملاقات نہیں تھی۔ بلکہ ان کے تعلقات بہت پہلے اس وقت قائم ہو چکے تھے۔ جب حضرت عمرؓ نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا۔ اور اس وقت عمروؓ بدستور اپنے آبائی دین پر تھے۔ جب قریش کو عمرؓ کے اسلام کا علم ہوا تو سب نے مل کر انہیں تکالیف دینے کا ہتھیار لیا تھا۔ اور عمرؓ قریش کے خون سے اپنے گھر میں سکڑ کر بیٹھ رہے تھے ایسے اڑسے وقت میں عمروؓ کے والد عاص نے انہیں اپنی پناہ میں لیا تھا۔

۱۔ حدیث میں عمرؓ نے نبیؐ کو دینے کا قصہ اس طرح بیان کیا ہے کہ اے — جب میرے والد حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ تو انہوں نے کہا کہ قریش میں سب سے زیادہ بہتر طریقہ پر بات کو نقل کرنے والا کون ہے؟ جواب ملا — جمیل بن سمرعی۔ اس پر عمروؓ اس کے پاس پہنچے اور فرمایا: جمیل تمہیں معلوم ہے کہ میں اسلام لا کر دین محمدی میں داخل ہو گیا ہوں؟ اتنا منٹا تھا کہ جمیل مدہ پھیر کر اپنی چادر گھسیٹتا ہوا تیزی کے ساتھ چلا گیا۔ حضرت عمرؓ بھی پیچھے ہولنے وہ مسجدِ حرام کے دروازے پر پہنچا اور بلند آواز سے چلا: اے قریش سن لو! خطاب کا بیٹا عمرؓ بھی بدین ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ فوراً اس کے پیچھے سے اُٹھے۔ جموٹ بکنا ہے۔ میں بدین نہیں ہوا بلکہ اسلام لایا ہوں۔ اور اس بات کی گواہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ میں پھر کیا تھا سب ان پر پل پڑے۔ وہ بھی متقابل پر ڈٹ گئے۔ دوپہر تک ہمارے روتے رہے۔ حضرت عمرؓ اکیلے تھے۔ آخر نکل کر بیٹھ گئے اور سب لوگ انہیں گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت عمرؓ ان سے کہہ رہے تھے کہ: جو تمہارا بیٹا ہے کہ لو میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر تم تین سادھی بھی ہو گئے تو یا تمہارا دین ختم کر کے چھوڑیں گے یا پھر اپنے دین سے تائب ہو جائیں گے (باقی کے صفحہ پر)

حضرت ابو بکرؓ کے وفات پا جانے کے بعد خلافت پر حضرت عمرؓ متکلم ہوئے۔
اس وقت عرب و چین و روم کی شدید جنگیں مشغول تھیں۔ اور ان کے بعض حصوں کی بنیاد
عمر بن العاصؓ کر رہے تھے۔

حضرت عمرؓ کی خلافت شروع ہونے ہی عمرو اسلامی افواج فلسطین اور شام کے علاقوں میں
جنگ کرنے چلے گئے اور وہاں کے جن معرکوں کو بھی شروع کیا۔ اُن میں دشمن کا ایسا قلع فتح کیا جس کو
تاویخ کہیں فراموش نہیں کر سکتی۔

بیت المقدس کے بعد اس علاقہ سے خارج ہونے ہی انہوں نے ایک ایسے ملک کی طرف جھانکا
شروع کر دیا جس میں ان کا تاریخ کے چاند ستارے سب سے زیادہ روشن ہونے والے تھے۔
یہ دریائے نیل کی مملکت تھی جس کی زیارت عمرو اس سے پہلے شام کے ساتھ کر چکے تھے اور
جس نے ان کے دل و دماغ اور عقل و اعصاب پر پوری طرح قابو پا لیا تھا۔

انہوں نے خلیفہ عمرؓ سے اس کے بارے میں مشورہ کیا۔ اور جب انہیں اس طرف مائل نہ دیکھا
تو بات کو زیادہ پسند نہ جانے ہوئے اُن فوائد کو قدر سے تفصیل کے ساتھ پیش کیا جو مصر کی تسخیر کے
بعد عالم اسلام کو ہوتے نظر آتے تھے۔ اور آخر میں یہ بھی کہہ دیا کہ آپ گھبراہٹیں نہیں ہیں اس کے

بقیہ اس مقبولہ صفحہ (۱۰۰) اسی حال میں قریش کا ایک بوڑھا سردار یعنی چنہ اور منکش کرتے پہنچے ہوئے
موقع پر پہنچا اور لوگوں سے پوچھا: یہ کیا بات ہے؟ جواب ملا کہ عمرؓ دین ہو گیا ہے۔ وہ بولا۔ پھر کیا عمرؓ ایک شخص نے
اپنے لئے غصہ کر لیا ہے اب تمہارا کیا مقصد ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ مدی بن کعب کی اولاد اپنے آدمی کا یہ حال نہیں
دیکھے گی۔ مگر ان لوگوں نے اپنے آدمی کی حاجت میں گوارہ نکالی۔ تو پھر سخت فساد برپا ہو گا۔ اللہ کی قسم میں خون سے
بھر جائے گی۔ لہذا اس کا راستہ چھوڑ دو۔

عبداللہؓ مزید کہتے ہیں۔ کہ عمرؓ کے واسطے گھر میں چھپے بیٹھے تھے۔ کہ عاص بن ہاشمؓ اُن کے پاس آئے
یہ قبیلہ بنو مہم کے ہیں۔ جو زمانہ جاہلیت میں ہمارا حلیف تھا۔ اگر مگر عاصؓ چھا: تم کس حال میں بیٹھے ہو؟ تمہارا
کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

عمروؓ یہ سن کر کچھ مطمئن ہو گئے اور عاصؓ ابھر نکل آئے۔ دیکھا کہ لوگ بہت اکٹھے ہو کر چلے جا رہے ہیں۔ عاصؓ
نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ جواب ملا: ابن خطابؓ کی اطلاع پر سی کہ جو بدی ہو گیا ہے۔ عاصؓ نے کہا: عمرؓ دین ہو گیا۔ تو
کیا بڑا۔ لو! وہ ہیں اسے بڑا دیتا ہوں۔ یہ سن کر لوگ منتشر ہو گئے۔

لئے آپ سے بہت بڑی فوج نہیں مانگوں گا۔

خلیفہ کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی۔ تو انہوں نے بھی تسخیر مصر ہی میں باقی مفتوحہ علاقوں کا بچا محسوس کیا۔ اس لئے کہ فلسطین اور شام کے ہزیمت خوردہ رومی مصر میں دوبارہ منظم ہو کر اپنے ملکوں کی بازیابی کے خواب دیکھ سکتے تھے۔ اور اس سے بھی زیادہ فائدہ یہ نظر آیا۔ کہ سرزمین مصر پیداوار کا خرمن ہے۔ اور اس سے بجا طور پر یہ امید کی جاسکتی ہے۔ کہ وہ عالم اسلام کے گزرتہ علاقوں کی بھوک بھی رفع کر سکے گا۔

مصر میں | خلیفہ عمر بن الخطاب کے لئے اب عمرو کو اجازت دینے میں کوئی پس و پیش باقی نہیں رہا تھا۔ چنانچہ اچھی خاصی فوج اور رہبرین العوام جیسے آزمودہ کار قائدانہ کے حوالے کیے اور مصر کی طرف روانہ کر دیا۔ عمرو کی فوجیں حدود مصر میں اتر گئیں۔ کام شروع کر دیا۔ اور لیبو پولیس اور بالیون کے زبردست معرکوں کے بعد مصر اسلندہ کو بھی فتح کر لیا۔

وہ دیکھ کر رومی مصر کے کونے کونے میں عمرو بن العاص کی فوجوں سے شکست کھا کر دولت و رسوائی کے دامن گھسیٹتے ہوئے اب آخری طور پر مصر کی حدود سے نکل چکے ہیں۔ سونے کی بڑی لٹاؤں کے بچل سے اڑ کر عمرو کے بازوئے شہسپاہی پر جا بیٹھی ہے۔ اور وہ قیامت تک انشا اللہ مسلمانوں ہی کے سر پر اپنا سایہ بھائی دیتی ڈالتی رہے گی۔

برقہ اور طرابلس میں | مصر کی حفاظت کے لئے مغرب کی طرف پیش قدمی ضروری تھی۔ اس لئے ہاناخیر وہ دونوں علاقے بھی فتح کر لئے گئے۔

افریقہ کا علاقہ باقی رہ گیا تھا اور عمرو چاہتے تھے کہ ساتھ ساتھ اس کو بھی منادیا جائے۔ اور اس کے لئے انہوں نے خلیفہ عمر سے مزید امداد بھی طلب کر لی تھی۔ لیکن خلیفہ عمر نے جو کہ اسلامی فتوحات کو فلسطین اور شام سے آگے بڑھانا نہیں چاہتے تھے۔ مزید پیش قدمی کی نہ اجازت دی اور نہ اس کے لئے مزید کمک روانہ کی۔ لہذا مولانا چار مصر واپس آکر اپنے جدید دامن خلافت فسطاط میں فروکش ہو گئے۔

مصر کی اصلاح اور خوش حالی | اب عمرو کے لئے سوائے اس کے کوئی کام نہیں رہ گیا تھا۔ کہ وہ مصر کی اندرونی اصلاح اور ترقی کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اس کے باشندوں کو پہلے سے زیادہ خوشحال، منہد اور جدید انتظامات کا آشنا خواں بنائیں۔ اسلامی عدل و مساوات کے مظاہروں سے ان کے دلوں کو مطمئن کریں۔ اوصاف کو ہر قسم کی مذہبی و شہری آزادی عطا کر کے ان کے دل و دماغ سے اس دور استبداد کی تلخی کو محو کر دیں جسے وہ رومیوں کی غلامی میں برداشت کرتے چلے آ رہے تھے۔

عثمان نے مصر پر نہایت نرم مزاجی اور اعتدال کے ساتھ حکومت کی۔ ہر علاقہ کے مقامی شریف اور چودھریوں کو حکومت میں حصہ دار بنایا۔ اور تمام انتظامی معاملات انہی کے مشوروں سے انجام دیتے۔ ان کے بعد ان کے حکم کا یہاں ہے۔

دیہات کے شہر دار اور عسکری اس بات کے پابند تھے کہ ہر سال جمع ہوں۔ اور اپنے اپنے علاقہ کے زرعی حالات کو سامنے رکھ کر خود ہی سرکاری واجبات کا اندازہ پیش کر دیں جس کے مطابق وصولی عمل میں لائی جائے۔

وصولی کے اس طریقہ سے اگر کبھی متفرقہ مقدار سے زیادہ خرچ حاصل ہوتا تو اسے بھی اسی علاقہ کے رفاہ عام کے کاموں پر صرف کر دیا جاتا تھا۔

عثمان نے اہل مصر سے ٹیکسوں کا بوجھ اتار دیا تھا کہ کھنڈ والے یہاں تک کہتے ہیں کہ پورے اہل مصر سے صرف بارہ ہزار دینار وصول ہوتے تھے۔ اور بقول عرب مؤرخین یہ مقدار اس مقدار سے بہت ہی کم تھی۔ جو مسلمانوں سے پہلے متوقس اہل مصر سے وصول کرتا تھا۔ اور جو بیس ہزار دینار تھی۔ اور اس کے علاوہ جن قسم قسم کے ظالمانہ انفرادی اور شخصی ٹیکسوں سے مدہیوں نے اہل مصر کی کمر توڑ رکھی تھی وہ اس کے علاوہ تھے۔ عثمان نے ان سب کو ختم کر کے حد مقرر کر دی۔ کہ کسی کو دو دینار سالانہ سے زیادہ کسی شخص سے کچھ نہیں لیا جائے گا۔ اور نابالغ بچوں، عیال مندوں، عورتوں، اعمیوں اور مسکینوں سے یہ بھی نہیں لیا جائے گا۔

عثمان نے بطریق بنیامین کو خاص طور پر اپنا مشیر بنا لیا تھا۔ اور اس نے بہت سے عظیم مشورے پیش کیے مثلاً:-

۱۔ خرچ اس وقت وصول کیا جائے جب لوگ پیداوار نیا کر چکیں۔

۲۔ پانی کے نالے ہر سال کھدوا کر صاف کرانے جایا کریں۔

۳۔ ہنر کے پلوں کی مرمت اور ان کے تشکاؤں کی درستی بروقت کرائی جایا کرے۔

۴۔ رعایا کے کاموں کی انجام دہی کے لئے بے رحم مال بھی مقنون نہ کیئے جائیں۔

اس بارے میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ عثمان بن العاص نے ولایت مصر کے ابتدائی دور میں اعتدال سے بھی زیادہ نرمی سے کام لیا جس سے ان کا مقصد اہل مصر کو مانوس کرنا تھا۔ لیکن خلیفہ عمرؓ نے جو یہ خرچ کے بارے میں نرمی کو پسند نہیں کیا، اور آخر کار اسی شیخ کے بھارت خلیفہ ابراہیمؓ کے قتل کے بعد شہر پر کشیدگی کے بادل بن کر چھا گئے۔

مصر کا تعارف | اس کشیدگی کی بعد غزوہ کی اس تحریر سے شروع ہوئی جو انہوں نے خلیفہ عمرؓ کو ان کے اس خط کے جواب میں بھیجی تھی جس میں حضرت عمرؓ نے مصر کا تعارف طلب کیا تھا۔ غزوہ نے لکھا۔

”امیر المومنین اخطال اندھرو کا خط وصول ہوا جس میں انہوں نے مصر کا تعارف طلب فرمایا ہے۔۔۔ امیر المومنین کو معلوم ہوا کہ مصر ایک زرخیز قریہ اور سرسبز درخت ہے۔ جس کا طول ایک ماہ اور عرض دس دن ہے۔ سرسبز رنگ کے پہاڑوں اور بھورے رنگ کے رگستانوں کی آغوش میں پڑا ہے۔ زمین وسط میں اس کی بعدل کشی دریا کے نیل کرتا ہے جس کے قطرات خوش تسمنی کے حامل اور سفرو سیاحت کی برکتوں سے پُر ہیں۔ اس کی رفتار اور تند و قامت چاند سورج کی طرح گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ اور اس کے درجہ کے بھی اوقات ہیں۔ اس پر ایک دور ایسا آتا ہے۔ جب وہ اپنی موج میں آکر دوہنے والوں کی لولیاں ہی نہیں بلکہ حوض کے حوض بھر دیتا ہے۔ جوش و خروش اور وجد میں آکر اپنے آپ سے بھی باہر نکل جاتا ہے اور زمین اور پہاڑوں کے چٹنے اس کو عالم وجد میں شائبش دے کر زیادہ سے زیادہ مست کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس مستی کے عالم میں اس کا جوش و خروش تخیل دیدہ ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں اس پاس کے ساحلی دیہات ایک دوسرے سے بالکل کٹ جاتے ہیں۔ اور ملکی کشتیوں کے بغیر ان تک آمد و رفت ممکن ہی نہیں رہتی۔ اس طرح اپنی طبعیاتی کا کمال دکھا لیتا ہے۔ تو پھر خود

۱۔ آسانی کے ساتھ اگلانے والا

۲۔ مبتذل اور شاخوں والا

۳۔ یعنی پیدل پٹھہ والا اسے طوفا ایک ماہ میں اور عرض اس دن میں طے کر سکتا ہے

۴۔ اس کا ساحل ایسے پہاڑ کرتے ہیں جو سیاہی مائل ہیں

۵۔ ایسا رنگ جو صندی اسرخ اور زردی سے غلط ہو۔

۶۔ پسندیدہ محو و رفت والا

۷۔ یعنی اس کے بڑھنے اور گھٹنے کے اوقات غروب

۸۔ یعنی پانی کی زیادتی

ہی کو رو پڑتا اور اگلے پاؤں واپس ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ اپنی سابق حالت کی طرف محدود کر آتا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب اس کے دل ملک خواب تختہ اور اور دل شکستہ حالت میں اپنے گھروں سے نکلتے ہیں۔ زمینوں کے پیٹ چاک کرتے اور اُن میں امیدوں کے بیج ڈالتے ہیں۔ اور اپنے رب سے دعائیں مانگتے ہیں کہ وہ ان کو بالیدگی اور نشوونما عطا کرے۔ جب ان کی دعائیں زمین کے اندر سے برآمد ہو کر کھیتوں کی شکل میں اُبلھاتے اور دیکھنے والوں کے سامنے نظارے پیش کرنے کے قابل ہو جاتی ہیں۔ تو پھر انہیں معمولی شبنم یا بارش ہی کافی ہو جاتی ہے۔

یہ ہے اسے امیر المؤمنین آپ کا مصرعے سفید موتی کہہ لیجئے تب بھی درست ہے۔ اور سیاہ عقیقہ سبز مرمر اور نقشبیں دریاچ کہہ لیجئے۔ سب کچھ درست ہے۔ افسوس کہ اس کی خشکی اور تری میں رتتی دے اس کے باشندوں اور اپنے والوں کو۔ یہ قرار کہے اس کے اہل موالی کو۔ اور توفیق دے اس بات کی کہ اُن کے کمزوروں کی شکایات بہتروں کے خلاف مانسی جائیں۔ اُن کا خرچ قبل از وقت وصول کر کے انہیں پریشان نہ کیا جائے۔ وصولیات کی ایک تہائی رقم اُن کے بچوں اور والوں پر خرچ کی جائے۔

اگر اس کے حکام و عمال نے اس نقشہ پر کام کیا تو وہ دن دور نہیں جب اس کی پیدوار کے ساتھ وصولیات میں بھی دگنا اضافہ ہوگا۔ اول و آخر کی سب توفیق

لے یعنی زمین میں جذب ہو جاتا ہے

لے اسی تیزی کے ساتھ کم ہو جاتا ہے جس تیزی کے ساتھ بڑھاتا تھا۔ جس وقت زمین میں یہ الفاظ آتے ہیں۔ جیسے شہادتیں تیزی کے ساتھ بڑھا اور شدت کے ساتھ بلند ہوتا تھا۔

لے ایک دعا میں ہے کہ اس وقت قوم نکلتی ہے کہ ان کی دلدلیوں میں کھیتاں لگے۔

لے ایک دعا میں یہ الفاظ ہیں۔ یہاں تک کہ جب نمایاں ہو جائے اور بلند ہو جائے۔

لے ایک دعا میں ہے کہ وہ اپنی غنا جہیز کے بچے سے حاصل کرتی ہے۔ اس وقت اس کے دو بچے ہوں گے۔ دودھ

حاصل کرتے ہیں۔ اس کی کہیاں کم ہوتی ہیں یعنی اس کے محصولات بڑھ جاتے ہیں

لے ایک دعا میں یہ ہے کہ آپا تک وہ مہر رنگ کا زبردی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔

مسلم مفسرین نے لکھا ہے کہ۔۔۔ حضرت عمرؓ کے پاس عمروؓ کا خط پہنچا تو پڑھنے کے بعد فرمایا۔
”ابن عباس! اللہ تمہیں خوش رکھے، تم نے تو مصر کا ایسا تعارف کیا دیا۔ جیسے میری
ہیکسوں کے سامنے آگیا ہو؟“

خراج کا قضیہ | خلیفہ عمرؓ کے دل میں عمروؓ نے اعاص کی طرف سے بدگمانیاں شروع ہو گئیں۔
ان بدگمانیوں کا پس منظر یہ تھا کہ عمروؓ نے خراج کی مقدار ایک کروڑ بیس لاکھ دینار وصول کی۔
عدا حوالیکہ مقوقس دو کروڑ دینار وصول کرتا تھا۔ اور اس بارے میں دونوں کے درمیان مراسلات جاری
رہے۔ مگر سے تپہ چلتا ہے کہ غلط فہمی کس حد تک بڑھ چکی تھی۔

ایک مرتبہ خراج پہنچنے میں دیر لگ گئی خلیفہ عمرؓ نے مندرجہ ذیل خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے بندے میرا زمین عمر بن خطاب کی طرف سے عمرو بن

اعاص کے نام۔ السلام علیکم

ابا بعد! میں تمہارے بڑا نادر و فکر مند ہوں۔ تمہاری سر زمین وسیع بھی ہے۔ اور
رفع المرتبہ بھی! شند سے بھی وہاں کے کثیر التعداد مضبوط اور طاقتور تھے۔ فراغ مصر
نا فرمان اور کافر تھے نزدیک! انہوں نے مصر کی زمین پر تو پوری توجہ دے کر اُسے آباد کر رکھا
تھا۔ اب مجھے ایسی زمین کے خراج کی ایسی سست اور کم وصولی پر بہت تعجب ہو رہا
ہے۔ کہ موجودہ خراج سابق حکومتوں کے خراج سے نصف بھی نہیں ہے۔ اور ان سالوں
میں وصول ہو رہا ہے۔ جن میں قحط اور خشک سالی کا بھی کوئی خطرہ پیش نہیں آیا۔
اس بارے میں میں تمہارے متحد و خطوط بھی ارسال کر چکا ہوں۔ اور امید کرتا رہا ہوں
کہ کبھی تو غفلت سے بیدار ہو گے۔ اور کانٹ چھانٹ کے بیرو پر اپورا خراج روانہ
کر دے گے۔ لیکن تم ہو کہ برا بر مند ہائے لنگ پیش کر کے اپنی جگہ مطمئن ہو جاتے ہو۔ تمہارے
عذرات میرے نزدیک حد مست نہیں۔ میں کسی حال میں بھی اس سے کم خراج قبول
کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ جو تم سے پہلے کی حکومتیں وصول کرتی تھیں۔ میری سمجھ
میں نہیں آتا۔ کہ تمہیں میرے خطوط پڑھ کر الحقائق کیوں ہو جاتا ہے۔ اگر تم کافی جلد جلد
کرتے رہنے کے بعد بھی کامیاب نہیں ہو رہے ہو تو تمہارے طریقہ کار میں تباہی ہوئی
چاہیے۔ اور عذر واقعی لامحالہ قبولیت حاصل کر کے رہتا ہے۔ اور اگر تم خراج کی رقم

برباد اور خورد برد کر رہے ہو۔ تو پھر معاملہ تمہاری خواہشات کا تابع نہیں رہے گا۔ میں نے گزشتہ سال تمہاری جانچ پڑتال صرف اس لئے نہیں کی۔ کہ تم آئندہ سال ہوشیار ہو جاؤ گے اور خرارج کو مطلوبہ سطح پر لے آؤ گے۔ لیکن میں جانتا ہوں۔ کہ تمہارے بدینیت اعمال تمہیں کبھی ایسا نہ کرنے دیں گے۔ کیونکہ وہ خیانت کرتے ہیں اور تمہاری پناہ لے کر کہتے ہیں۔ اور یہ سمجھ لو کہ میرے پاس اس کا بھی شافی علاج موجود ہے۔

(ابو عبد اللہ) گھبراؤ نہیں تم سے حق وصول کیا جائے گا اور تمہیں دنیا پر طے گا۔ کیونکہ دریا موعیوں کو اپنی تنہ میں زیادہ عرصہ تک پوشیدہ نہیں رکھ سکتا۔ حق جو کچھ بھی ہے وہ پوری طرح واضح ہے۔ بات مکمل کر سامنے آ چکی ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ کچھ پوشیدہ رہ گیا ہے۔ والسلام

خلیفہ رضی اللہ عنہ نے عمر کو غضب ناک کر دیا۔ اور انہوں نے اپنے اور اپنے عیال پر لگائے جانے والے الزامات کو دور کرتے کے لئے مندرجہ ذیل جواب بھیجا:۔

”بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔ اللہ کے بندے امیر المومنین کی خدمت میں عمرو بن العاص کی طرف سے حمد باری اور سلام مستنون کے بعد۔ امیر المومنین کا خط موصول ہوا جس میں تاخیر خرارج کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے قراۃ سابقہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس بات پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے۔ کہ اسلامی دور کا خرارج ان کے خرارج سے کم کیوں ہے۔ امیر المومنین اس کی وجہ صرف یہ ہے۔ کہ ان کے زمانے میں زمین زیادہ آباد تھی۔ لہذا یہ ان کی کافرانہ اور دنیا پرست زندگی ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ زمین پر اپنی پوری فوج صرف کرتے تھے بخلاف مسلمانوں کے۔ آپ نے جو کہا ہے۔ کہ نہر موجود ہے گردو دھ نہیں دیتی۔ سو عرض ہے کہ جتنا دودھ وہ دے سکتی تھی۔ میں نے اس کا آخری قطرہ تک نکال لیا ہے۔

۱۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اس سرسبز کی تاریخ تقریباً ۱۱۰۰ھ ہے مد فتح العرب مصر ۱۱۰۰ھ

۲۔ احمد بن عمرو بن مسعود کا بیان ہے کہ غزوئی ۱۱۰۰ھ میں مصر کا خرارج نوکر ڈول سے لاکھ دیکار تھا (مطابق انیسویں صدی ۱۱۰۰ھ)

مشرقی کے بیان کے مطابق نوکر ڈول لاکھ تھا

ابن وحید کا بیان ہے کہ اس زمانہ کا دینار اسلامی زمانہ کے دینار سے تین گنا زیادہ قیمت کا تھا۔

آپ کا نہایت نہایت آمیز خط ملا جس میں آپ نے بہت سخت الفاظ میں مجھ پر تنقید کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پس منظر کوئی ایسا جذبہ ہے جسے آپ ظاہر کرنا نہیں چاہتے۔ اور اسی لئے آپ نے مجھے ایسی باتیں لکھی ہیں جو میرے لئے مدد و رجحان شکنی کا باعث ہیں۔ حالانکہ آپ کے شایان شان یہ بات تھی کہ آپ سنجیدہ فیصلہ کن اور پرمغز باتیں کرتے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفہ اہل بیت کے عہد میں بھی عامل سہے ہیں۔ اور بھلا اللہ امانت داری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے اور اپنے پیشواؤں کے حقوق کی حفاظت کرتے چلے آئے ہیں۔ اور اس کے سوا کوئی دوسرا کام ہم نے کسی زمانہ میں نہیں کیا۔ اور اس کی تصدیق آپ خود بھی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ خیانت کے فویل قلموں سے مجھے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ بالخصوص آپ کے اس سلسلہ کے بعد جس میں آپ نے نہ اپنے بھائی کی آمد و باری رکھی ہے اور نہ اس کا لحاظ ہی کیا ہے۔

اے ابن خطاب! اللہ کی قسم جب سے میری طرف الزامات منسوب کیئے گئے ہیں خود اپنے نفس پر شدید غضب ناک ہو رہا ہوں۔ حالانکہ وہ ان سب الزامات سے پاک اور صاف ہے جن کا تعلق اس کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ میرے ذمہ براہ راست جن لوگوں کے حقوق کی حفاظت ہے وہ آپ کے ذمہ نہیں ہے۔ اور حالات یہ ہیں کہ اگر میں شہر کے یہودیوں جیسا بھی سخت گیر ہو جاؤں تب بھی اس مفدا پر زیادتی نہ کر سکوں گا۔

اللہ تعالیٰ آپ کے اور میرے دونوں کے گناہ معاف فرمائے۔

کچھ باتیں میرے علم میں ایسی بھی تھیں جنہیں لکھنا مناسب نہیں سمجھا۔ حالانکہ قلم بے اختیار ان کی طرف پھسلا جا رہا تھا۔ لیکن آپ کا مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا بنایا ہے۔ اور میں اسے کسی حال میں بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ والسلام۔

اس خط و کتابت کے بعد بھی خراج کی آہن دور نہ ہوئی۔ اور فریقین کے مابین براہ کشیدگی بڑھتی چلی گئی۔ تبیہ اور زیدی مراسلات اس کے بعد بھی آتے جاتے رہے۔ اس سلسلہ کا آخری خط جو خلیفہ کی طرف سے عمرو کے نام آیا وہ مندرجہ ذیل تھا۔

”عمر بن الخطاب، کی طرف سے عمرو بن العاص کے نام، السلام علیک۔ حمد برای تعالیٰ۔“

کے بعد..... سخت افسوس ہے کہ میں تمہارے پاس متعدد خطوط تاخیر خراج کے بارے میں لکھ چکا ہوں۔ لیکن تم ہو کہ اُن سب کو گول کر جاتے ہو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں تم سے صرف اسی حال میں راضی ہو سکتا ہوں جب تم اپنے معاملات کو صاف رکھو۔ میں نے تمہیں مصر اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ اُسے تمہارے نفس اور تمہاری قوم کے لئے نعرہ بنا دوں۔ بلکہ اس لئے روانہ کیا تھا کہ مجھے تمہاری ذات سے امید تھی کہ اپنی قابلیت اور حسن تدبیر سے پورا پورا خراج وصول کرو گے۔ دیکھو میرا یہ خط لکھتے ہی فوراً خراج روانہ کر دو۔ اس لئے کہ وہ عام مسلمانوں کا حق ہے۔ اور تم جانتے ہو کہ میرے پاس اُن لوگوں کی کتنی تعداد ہے جن کا انحصار اُمی آمدنی پر ہے۔ والسلام۔

عمرو بن العاص نے اس کا یہ جواب دیا۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ عمر بن خطاب کی خدمت میں عمرو بن عاص کی طرف سے۔ اے ابوبعد۔ امیر المومنین کا خط وصول ہوا۔ جس میں آپ نے تاخیر خراج کی شکایت کرتے ہوئے گمان ظاہر کیا ہے کہ میں حق کے راستے سے منحرف ہو گیا ہوں میں قسم کھا کر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ نے جس مفاد کا ذکر کیا ہے۔ اس سے مجھے قطعاً انکار نہیں ہے تحقیقت تو یہ ہے کہ زمینداروں نے مجھ سے غلہ کی تیاری تک ہمت مانگ رکھی ہے۔ اور میں انہیں ہمت دے چکا ہوں۔ اب ان کے ساتھ نرمی ہی مناسب ہے۔ سختی کی جلتے گی۔ تو پھر وہ اپنی اصلی ضروریات فروخت کر کے خراج ادا کرنے پر مجبور ہوں گے۔ جو کسی طرح بھی تو بہن اخلاق و انصاف نہیں ہے۔“

لیکن خلیفہ عمرؓ کی ہدگانی اس کے بعد بھی عور نہ ہوئی۔ اودا نہیں نے عمروؓ سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ راشد بن معمرؓ سے کسی آدمی کو میرے پاس روانہ کر دو۔ چنانچہ عمروؓ نے ایک قبیلے کو بھیج دیا۔ خلیفہ نے اس سے خراج کے ساتھ حالات دریافت کیے، تو اس قبیلے نے مندرجہ ذیل جواب دیا۔

”اے امیر المومنین تیاری اور آبادی کے بغیر کبھی خراج وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ لیکن آپ کے حکم ایسے ہیں کہ تیاری و تیاری کی کچھ پیدا نہیں کرتے۔ اور جب چیز ان کے سامنے آجاتی ہے اسی کو ہتھیالیتے ہیں۔ اور اسی سختی سے وصول کرتے ہیں

کہ گویا آج کے بعد انہیں پھر کبھی ہم سے کوئی واسطہ ہی نہ پڑے گا۔
 تالیف ثمرہ کے تقسیم خراج کے طریقہ سے بھی تم کو آگاہ کرنا چاہا اور اس سلسلہ میں لکھا کہ۔
 اقبال۔ میرے رجسٹر میں جن آدمیوں کا اندراج ہے۔ ان کے
 لئے بھی اور ان کے علاوہ وہ لوگ جو دینہ سے آکر ہمارے کام میں شریک ہوں۔ یا
 وہ جو تمہارے پاس آئیں یا دوسرے شہروں میں موجود ہوں۔ ان سب کے لئے میں
 نے مخالفت مقرر کر دی ہے۔ تم بھی اس بات کا خیال رکھو کہ جس شخص کا میں نے
 وظیفہ مقرر کر دیا ہے اور وہ تمہارے پاس آ جائے تو تم اُسے اور اُس کے بچوں کو
 مقررہ وظیفہ ادا کر دینا۔ اور جن کا وظیفہ ابھی تک میری طرف سے مقرر نہیں ہو سکا
 اور وہ تمہارے پاس پہنچ جائیں۔ تو تم میرے مقرر کردہ میعاد کے مطابق ان کا وظیفہ
 خود مقرر کر دینا میں نے خود تمہارا جو وظیفہ مقرر کیا ہے۔ وہ دوسرے سب کا دین
 سے زیادہ دو صد دینا رہے۔ تم مسلمانوں کے عامل ہو۔ اور تمہاری ضروریات کی وسعت
 کا مجھے اچھی طرح علم ہے۔ اس لئے میں نے کافی وظیفہ مقرر کیا ہے۔ اب تمہیں چاہیے۔
 کہ خراج کی مقدار بڑھانے کی کوشش کرو۔ اور اس میں سے اپنا مقرر شدہ حق وصول
 کر کے باقی ماندہ میں سے مسلمانوں کے مخالفت اور ضروری اخراجات نکال لو۔ اس
 کے بعد جو بچ جائے اُسے میرے پاس بھیج دو۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ سرزمین مصر
 چونکہ زمین صلح ہے۔ اس لئے اس پر خمس واجب نہیں ہے۔ بلکہ اس کی پیداوار مسلمانوں
 کے لئے فتنے ہے۔ اس میں سے سب سے پہلے ان مسلمانوں کے حقوق ادا کرو جو سرحد
 پر پڑے ہوئے ہیں۔ اور جنہوں نے سب مسلمانوں کو حفاظت کی ذمہ داریوں سے مستثنیٰ
 کر رکھا ہے۔ اس لئے ان کی خدمات کا پورا پورا صلہ انہیں ملنا چاہیے۔ ان کے
 پھستان کے بعد جو کچھ بچے اس کی تقسیم کتاب اللہ کے مصارف میں کرو۔ غرض اس بات
 کو کبھی نہ بھولنا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہارے اعمال کو یقیناً دیکھ رہا ہے تمہاری حفاظت
 میں اہل ذمہ ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ وفائے عہد کی خاص
 طور پر وصیت فرمائی ہے۔ اور اس وصیت میں قبیلوں کا ذکر صراحت کے ساتھ کیا ہے

اور فرمایا ہے کہ: **اِنَّ شَوْصُوَ اِيَّا لَقَبُ طَحَاَنَ كَهْرُؤُمَا وَ رَحْمَا رَقِيْلُوں كے بارے**
 میں نصیحت قبول کرو۔ اس لئے کہ وہ ذی بھی ہیں اور قرابت دار بھی (قرابت داری یہ
 ہے کہ حضرت اسماعیل کی والدہ اُن ہی میں سے تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے یہ بھی فرمایا ہے کہ **مَنْ ظَلَمَ مَعَاهِدًا لَوْ كَفَرَهُ فَوَقَّ طَائِفَتًا مِّنَّا نَحْمِسُهُ**
يَوْمَ الْحَقِيقَةِ یعنی جس شخص نے کسی معاہدہ ذی پر ظلم کیا یا طائفہ سے زیادہ بوجھ
 ڈالا تو میں اس کی طرف سے قیامت کے دن جھگڑا کروں گا۔ اسے عر وین اس بات
 سے ہمیشہ ڈرتے رہو کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے قریبی
 مخالف بنیں جائیں۔

اسے عر و خدا کی قسم! اس امت کی ذمہ داری مجھ پر بہت گراں ہے۔ اور میں
 اپنے آپ میں نقاہت محسوس کرتا ہوں۔ میری بیعت منتشر ہے اور میری ہڈیاں
 کمزور ہو چکی ہیں۔ اور میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس حال میں اٹھائے کہ میں
 کسی پر زیادتی کرنے والا نہ ہوں۔ خدا کی قسم میں ڈرتا ہوں کہ اگر تمہاری سختی سے ایک
 ٹوٹ بھی ضائع ہو گیا تو اس کی بازپس بھی اللہ تعالیٰ مجھ سے کرے گا۔
 خلیفہ عمرؓ نے محض تنبیہات ہی پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ اُن کے خلاف علمی قدم اٹھاتے ہوئے اُن
 کے مال کو تقسیم بھی کر دیا۔
 بلاذری کا بیان ہے کہ:-

”خلیفہ عمرؓ کا معمول تھا کہ جب کسی شخص کو کہیں عامل بنا کر بھیجتے۔ تو ان کی
 موجودہ اوقات ملکیتوں کی فہرست تیار کر کے اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔ پھر اگر وہ مالدار
 اس میں اضافہ دیکھتے تو اس میں سے بھی نصف نصف لے لیتے اور بھی سارا اضافہ
 لے لیتے تھے۔ چنانچہ اسی عادت کے مطابق انہوں نے عر و کو لکھ دیا کہ:-
 ”تمہارے سابقہ عیالوں، برتنوں اور جانوروں میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے تمہارا
 یہ عامل عامل بننے سے پہلے نہیں تھا۔“

۴۴ بلاذری ص ۴۴

۴۵ عر و عین فاروق اعظم کا معمول تھا کہ جب کسی عامل کو کسی جگہ مقرر کر کے بھیجتے تھے۔ تو اس جگہ کے وجوہات متنبی
 داتی لکھ دیا

اس کے جواب میں عمرو نے لکھا کہ ہماری سرزنشی تجارت اور ذرا صفت کا مرکز ہے۔ اہم انہی
فرائض سے مزید دولت پیدا کر لیتے ہیں۔

خلیفہ عمرو نے اس پر لکھا کہ:-

”مجھے بڑے عمال کے بارے میں کافی اطلاعات ملی چکی ہیں۔ اور تمہارا معاملہ ایسے
شخص کا معاملہ معلوم ہوتا ہے جسے حق کی گرفت نے بوکھلا دیا ہو۔ اس لئے مجھے تمہارے
بارے میں شک ہو گیا ہے۔ اور میں محمد بن مسلمہ کو تمہارا مال تقسیم کرنے کے لئے بھیج
رہا ہوں۔ انہیں پوری اطلاعات ہمہ تجارت اور جس جس چیز کا وہ مطالبہ کریں، بلا تردد
پیش کر دو۔ اور اگر وہ سختی سے پیش آئیں تو انہیں معذور سمجھو۔ اس لئے کہ اب پردہ
فاش ہو چکا ہے۔“

عمرو نے خلیفہ کے نشانہ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی۔ ابھی مسلمہ نے مال تقسیم کر لیا۔ نیرنگ
سخت گیری کی کوئی نوبت نہیں آنے دی۔ لیکن خلیفہ رزم کے اس برتاؤ سے عمرو کو بے حد صدمہ ہوا
اور اسی صدمہ میں انہوں نے محمد بن مسلمہ سے کہا:-

”یہ گھڑی بڑی ہی منحوس گھڑی ہے۔ جس میں ابھی عنترہ ہمارے ساتھ یہ معاملہ
کر رہا ہے۔ میرے والد عاص کوئی گڑبے آدمی نہیں تھے۔ ان کا لباس خنز اور
دباج سے کم درجہ کا نہیں ہوتا تھا۔“

ہنفہ حاشیہ صفحہ گزشتہ بکر کے اُسے بتا دیتے تھے کہ ہمیں اُس علاقہ سے اس قدر رقم وصول کرنی ہے۔ اگر کوئی مال
اس مقدار سے زیادہ وصول کرتا تو ہمیں ذرا مقدار تمام کی تمام ملے لیتے اور کبھی تقسیم کر لیتے تھے۔ حضرت عمرو نے شام
میں خالد بن ولید کے پاس ایک عاص بھیج کر حکم دیا تھا کہ وہ اپنے نعت مال سے دست بردار ہو جائیں۔ یعنی
حوالہ جات میں لکھا ہے کہ خالد کے عاص میں اتنی سخت گیری سے کام لیا گیا تھا کہ ان کے جوتے تک کو تقسیم کر کے
پھل جان کو دے دیا گیا تھا اور دوسرا توں ضبط کر لیا گیا تھا۔ حضرت عمرو اپنے حال سے فخر کرتے تھے کہ ہم
نے نہیں دالی بنا کر بھیجا ہے تاجر بنا کر نہیں بھیجا۔

حضرت عمرو کی اپنے حال کے ساتھ اس سخت گیری کا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا کہ ان کے وقار اور حکومت کو ضعف
پہنچایا جائے اس لئے کہ حال اور دالی اپنے اپنے علاقہ کے مطلق امتنان و قرائد تھے اور خود حضرت عمرو بھیہ عقیدات
کے ملک تھے۔ لیکن یہ سب اس شرط کے ساتھ تھا کہ عدل و انصاف سے کام کریں۔

محمد نے اس کا جواب یہ دیا کہ۔

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو ہوش کرو۔ اگر ابن حنفیہ کا زمانہ نہ ہوتا تو تمہاری پوزیشن اس سے آگے نہ بڑھ سکتی کہ گھر کے محن میں ایک بکری باندھ لیتے۔ وہ دودھ دیتی تو تم سنٹے لگتے۔ اور وہ دوتی تو تم بھی اس کے ساتھ لٹ کر رہنے لگتے۔“

اس پر عمروؓ ہلے۔

”مجھ میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ میری بات خلیفہ عمرؓ سے نہ کہنا۔ اس لئے کہ مجالس میں امانت داری ضروری ہے۔“

محمد نے مطمئن کر دیا کہ جب تک عمرؓ زندہ ہیں اس وقت تک میں یہ گفتگو کسی کے سامنے بھی نقل نہیں کروں گا

عمروؓ بن العاص، حضرت عمرؓ کے دور خلافت تک مصر کی گورنری پر قائم اور عدل و انصاف کی بنا پر قبطیوں کے محبوب بنے رہے۔ اندرون ملک بہت سی اصلاحات جاری کیں۔ بیاسی نظم و نسق قائم کیا۔ جگہ جگہ میل کی اندازہ گاڑیں تعمیر کیں۔ حوض بنائے۔ پل تعمیر کئے۔ غرض اہل مصر کے ہر گونہ مفادات کو خود اپنا نصب العین سمجھ کر پورا کیا۔ اور ان کارکنان کی احسان مندی میں اہل مصر بھی پوری طرح اُن کے مطیع اور گرویدہ رہے۔

خلیفہ حضرت عمرؓ اپنے آخری دور میں عمروؓ سے انتہائی طور پر بدظن ہو گئے تھے۔ اور ایسے کئی اقدام کر گئے تھے۔ جن سے اُن کے مصری ذقار کو صدمہ پہنچے۔ جن میں سب سے زیادہ خطرناک اقدام یہ تھا کہ انہوں نے عمروؓ کے منوازی بالائی مصر اور اقلیم فیم کا حاکم اور محفل خراج عبد اللہ بن ابی سرح کو بنا دیا تھا۔

بالآخر خلیفہ دوم حضرت عمرؓ ذی الحجہ ۳۳ھ کے آخری دنوں میں شہید کر دیئے گئے۔ اُن کی شہادت کے ساتھ عمروؓ اور عمروؓ کے باہمی اختلافات کا بھی ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

حضرت عثمان بن عفان کے ساتھ

تقریباً اُس اللہ کے لئے جس نے ہمیں اپنے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے شرف بخشا
اور آپ کے ذریعے ہمیں سید حارامہ دکھایا میں
نے اپنے باپ عامر بن وائل کو بھی دیکھا ہے۔
اور تمہارے باپ عفان کو بھی۔ خدا کی قسم عامر
تمہارے باپ سے زیادہ اشرف تھے۔۔۔۔۔

عمر بن الخطاب
معزولی کے بعد عثمان بن عفان سے

انتخاب عثمان
خلیفہ عمرؓ زخمی کر دیئے گئے تو لوگوں نے عرض کیا: — آپ کسی کو خلیفہ بنا دیجئے تو فرمایا: —

”اگر ابو عبیدہؓ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں اُن کو خلیفہ بنا دیتا۔ اور میرا رب سوال کرتا تو میں کہہ دیتا کہ میں نے تیرے بنی ام کو ان کے بارے میں کہتے سنا تھا کہ وہ اس امت کے امین ہیں۔ اگر سالمؓ ثموالیؓ بن حذیفہؓ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلیفہ بنا دیتا اور میرا رب سوال کرتا تو کہہ دیتا کہ میں نے تیرے بنی اسے سنا تھا کہ سالمؓ سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔“

ایک شخص نے عرض کیا: — میں اس کے لئے عبداللہؓ بن عمرؓ کا نام پیش کرتا ہوں؟ اس پر فرمایا کہ: —

”بھرا بھرا ہونے کی کسی افسوسناک بات کہی۔ اور تیرا اس سے کیا مقصد ہے! کیا میں ایسے شخص کو خلیفہ بنا دوں جو اپنی عورت کی طلاق سے عاجز آگیا۔ میں تمہارے معاملات میں پڑنے کا کوئی لالچ نہیں ہے۔ خود میں نے کون سا قابلِ تعریف کام کیا ہے جو اپنی اولاد کے لئے بھی اس کو پسند کر دوں۔ اگر یہ ذمہ داری خیر تھی تو ہم نے اس کا کافی حصہ پا لیا۔ اور اگر شر تھی تو اس کی ساری برائی عمر منہ کے ذریعے تو بہتر ہے۔ آلِ عمرؓ کی طرف سے بہتر ہے کہ ایک ہی فرد خدا کے حضور میں جواب دہی کر لے۔۔۔۔۔ تم اُن لوگوں کی طرف جاؤ جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ اہلِ جنت ہیں۔۔۔۔۔ جن میں سے ایک سعدؓ بن زیدؓ بن عمروؓ بن نفیلؓ ہیں۔ جہنم میں داخل کرنا نہیں چاہتا۔ باقی چھ یہ ہیں: — جندبؓ بن جحشؓ بن علیؓ اور عثمانؓ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں عبدالرحمنؓ بن اوسؓ اور سعدؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمارؓ اور پھوپھی زاد نہیر بن العوامؓ اور طلحہؓ بن عبیدہؓ اور ابی انیسؓ میں سے کسی کو منتخب کر لیں۔ اور جب کوئی منتخب ہو جائے تو پھر تمہارا فرض ہے کہ پوری طرح اس کی مدد کرو اور اسے تقویت پہنچاؤ۔“

بیم محرم ۳۵ھ ر، نومبر ۶۵۵ء کو عثمان رضی اللہ عنہ اتفاق رائے ہو گیا اور وہ حضرت عمرؓ کے جانشین بنا دیئے گئے۔ مسلمانوں کی تمام ذمہ داری انہوں نے سنبھال لی۔ اور وہ بنی اللہ علیہ وسلم

سکے تیسرے خلیفہ ہو گئے :

حضرت عثمان اور عمرو بن العاص | حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص کی باہمی کشیدگی کا علم تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی اس بنیاد پر قائم تھی کہ اپنے قرابت والوں اور ان لوگوں کو مناصب دہے جن سے رشتہ داری کا رابطہ ہو۔

دوسری پالیسی ان کی یہ تھی کہ محکمہ جنگ اور محکمہ مال کو جدا کر دیا جائے۔
مصر میں جنگ اور خراج دونوں محکمے عمرو بن العاص ہی کے پاس تھے۔ اور اسی بنا پر ان کے اختیارات اور ان کا تسلط مصر میں بہت زیادہ بڑھ گیا تھا۔
عمرو بن العاص کے مشورے تھے۔ اس لئے جلد ہی ان کی سیاست خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ کی سیاست سے منقطع ہو گئی۔ اور باہمی اختلافات پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ عمرو بن العاص صرف امور عربیہ کے والی ہوں۔ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جو خلیفہ سابق کی طرف سے مامور مصر کے حاکم ہیں، امور مال کے متعلق ہو جائیں۔

لیکن عمرو بن العاص نے عبداللہ کو مالیات کا چارج دینے سے انکار کر دیا۔ اور ان دونوں کے درمیان بھی کشمکش شروع ہو گئی۔ اور دونوں اپنی اپنی شکایات خلیفہ کے پاس پہنچانے لگے۔ خلیفہ کا میلان عمرو بن العاص کی بہ نسبت عبداللہ کی طرف زیادہ تھا۔ اس لئے کہ وہ ان کے رضامندی بھائی تھے۔ چنانچہ انہوں نے عمرو کو ولایت مصر کے تمام امور سے معزول کرنے کے حکم دے دیا۔ کہ تمام امور کی کل ذمہ داری عبداللہ ہی کے سپرد کر دی جائے :

معزولی کی تاریخ | مورخین کے درمیان اس معزولی کے سال کی تعیین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ عمرو بن العاص کی معزولی منویل کے اسکندریہ پر قبضہ سے پہلے عمل میں آچکی تھی۔ جب منویل اسکندریہ پر پوری طرح قابض ہونے کے بعد مزید پیش قدمی کرتا ہوا ایشیائی مصر کی طرف بڑھنے لگا یہاں تک کہ قلعہ بابیوں کے قریب پہنچ گیا۔ تو خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو کو بلا کر منویل کی سرکوبی کے لئے دوبارہ مصر روانہ کیا۔

۲۴ مئی ۶۴۱ء

مترجمی ۱۴۶۱ھ و ۲۱۹ء

۱۵ ایک روایت کے مطابق اہل مصر نے جب دیکھا کہ منویل کے مقابلہ میں عرب شکست کھاتے جا رہے ہیں۔ تو
(باقی اگلے صفحہ پر)

ابن اثیر معزولی کا سال ۳۸۵ھ بتاتا ہے۔
طبری کے نزدیک معزولی ۳۸۵ھ میں ہوئی۔ اور اس نے اس کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے
کہ خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص سے دعوئی خراج کا حکم لے کر عبد اللہ کے حوالے کر دیا تھا جس
سے دونوں کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔ عبد اللہ نے خلیفہ کو لکھا کہ: "عمرو نے خراج کی
مقدار بہت کم کر دی ہے۔" عمرو نے لکھا کہ: "عبد اللہ میری تدابیر جنگ کو ناکام بنا رہا ہے۔"
جس پر خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو کو لکھا کہ تم مصر کو چھوڑ کر واپس آ جاؤ۔

نظر میں حسن نے مندرجہ ذیل فرائض کی بنیاد پر طبری کی تائید کی ہے۔
اولاً: یہ کہ خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کو افریقہ کی جنگ پر
۳۸۵ھ میں روانہ کیا ہے اور یہی وہ سال ہے جب رومی اسکندریہ پر قابض ہوئے۔
ثانیاً: یہ کہ عبد اللہ جنگ افریقہ میں کم از کم ایک سال تین ماہ مصروف رہے۔
اس سے کم مدت تیرن قیاس بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ مسلمان اپنے مرکز سے بہت دور
تھے جنہیں آسانی کے ساتھ کمک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اور اس کے بالمقابل رومی افواج کا
سلسلہ مواصلات و امداد و سانی غیر منقطع اور مربوط تھا۔ اس بات کو سامنے رکھتے
ہوئے معقول اندازہ یہی ہے کہ عبد اللہ کی مصر کی طرف واپسی اسی وقت ہوئی۔ جب
خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ ان کے لئے خمس الخمس و پچیسواں حصہ مقرر کیا تھا۔ اور اس کا سال
۳۸۵ھ تھا۔

ثالثاً: یہ کہ طبری کی روایت ہے کہ خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو کو خراج مصر سے
برٹا کر ان کی جگہ عبد اللہ بن سعد کو مقرر کر دیا تھا جس کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے
کے خلاف ہو گئے اور اپنی اپنی شکایات خلیفہ کے پاس بھیجنے لگے۔
ظاہر ہے کہ اس شکوہ شکایت اور پھر خلیفہ کے غور و فکر کے بعد فیصلہ کرنے میں بھی یقیناً
کچھ نہ کچھ وقت ضرور خرچ ہوا ہو گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ابوہریرہ نے خلیفہ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ عمرو کو مصر بھیج دیں تاکہ وہ رومی افواج کا مقابلہ
کریں۔ اس لئے کہ وہ جنگ کے اہل بھی ہیں اور دشمن کے دل پر ان کا رعب بھی ہے چنانچہ خلیفہ نے ان کی خواہش پوری کر دی۔

بناء علیہ ذی القدر حسن الرایم حسن کی رائے ہے کہ عمروؓ کی معزولی روہیوں کے قبضہ اسکھریہ کے بعد سلمہ کے اخیر یا سلمہ کے شروع میں پیش آئی ہے۔ اور یہ رائے اس لئے بھی قابل ترجیح ہے کہ بعد اشدین سعدؓ کے دالی افریقہ کی جنگ کے بعد بنائے گئے۔ اور جب یہ بات ثابت ہے تو پھر یہ رائے قابل قبول نہیں رہتی کہ ان کی معزولی سلمہ یا اس سے پہلے عمل میں آئی ہے۔ معزولی کے بعد اموی خلیفہ اس بارے میں بھی مختلف رائے ہیں۔ کہ معزولی کا زمانہ عمروؓ بن العاص نے کس مقام پر گذرا۔

بعض کا خیال ہے کہ وہ مصری میں رہے یہاں تک کہ منویل کا حملہ پیش آگیا۔ اور خلیفہ نے مصری میں ان کے پاس قیادت سنبھالنے کا حکم بھیج دیا۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ مکے چلے گئے تھے اور خلیفہ کا حکم انہیں وہیں ملتا۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ مدینہ آگئے تھے۔

بعض نے لکھا ہے کہ وہ کچھ عرصہ مدینہ میں قیام کرنے کے بعد فلسطین جا کر گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ لیکن اس دوران میں کبھی مدینہ بھی آجاتے تھے۔

عمروؓ کے ساتھ ایک بات | معزولی کا اثر عمروؓ کے دل و دماغ پر بہت گہرا پڑا۔ اور وہ خلیفہ کے خلاف غم و غصہ بھر گئے۔ اور کہنے والے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ معزولی کے بعد مدینہ آئے اور خلیفہ کی سوتیلی بہن جو ان کے نکاح میں تھی اس کو طلاق دے دی۔

ایک مرتبہ عمروؓ خلیفہ کے پاس اس حال میں پہنچے کہ وہ روٹی کا ایک مینی جُتہ پہنے ہوئے تھے اور ان دونوں کے درمیان مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی :-

عثمانؓ : تمہارے جتہ میں کیا بھرا ہوا ہے ؟

عمروؓ : اس کے اندر عمروؓ بھرا ہوا ہے۔

عثمانؓ : میرا مقصد یہ نہیں ہے۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ روٹی ہے یا کوئی اور چیز ؟ خلیفہ نے بات کو ختم کرتے ہوئے بعد اشدین سعدؓ کے بارے میں سوالات شروع کر دیئے۔

۱۔ ذی القدر حسن الرایم کی رائے۔ بحوالہ تاریخ طوین العاص ص ۲

۲۔ فلسطین میں عمروؓ کا ایک محل تھا جس کا نام دار العثمان تھا

۳۔ طبری جلد ۱ ص ۱۰۹

عثمانؑ نے عبد اللہ کو کس حال میں چھوڑا؟

عمرؓ۔ جس حال میں آپؐ پسند کریں۔

عثمانؑ۔ اس کا کیا مطلب؟

عمرؓ۔ اپنی ذات کے لئے بڑے طاقتور اور اللہ کے لئے بے حد کمزور۔

عثمانؑ نے تو انہیں حکم دیا تھا کہ وہ تمہارے نقش قدم پر چلیں۔

عمرؓ۔ آپؐ نے اس کی طاقت سے باہر حکم دیا۔

طبری کی روایت ہے کہ عمرؓ نے معرولی کے بعد غلیفہ کی بدگوئی شروع کر دی تھی۔ اس لئے

انہوں نے انہیں تنہائی میں بلا کر دریافت کیا۔

عثمانؑ اُسے نابغہ کے بیٹے نیری بزدلی کے گربان میں اتنی جوہیں انحرکس بات نے پیدا

کر دی ہیں۔ کیا تم سال اول ہی سے عامل رہتے نہیں آ رہے تھے۔ اب میری بدگوئی کرتے

پھرتے ہو۔ میرے سامنے کیسے تیور لے کر آئے ہو۔ ادب بیٹھ پھیرتے ہی تمہارے تیور یک دم

کیسے بدل جاتے ہیں۔

عمرؓ۔ عوام الناس اپنے دایلوں کی جو شکایات آپؐ تک پہنچاتے ہیں۔ وہ ایک سر غلط ہیں

اس لئے اے امیر المؤمنین آپؐ کو اپنی رعیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے۔

عثمانؑ۔ میں نے تمہیں تمہارے نقائص اور لوگوں کی کثرت شکایات کے باوجود بھی عامل

بنائے رکھا تھا۔

عمرؓ۔ میں آپؐ سے پہلے عمر بن الخطابؓ کا عامل تھا۔ اور وہ اس حال میں رخصت ہوئے

کہ وہ مجھ سے راضی تھے۔

عثمانؑ۔ اگر میں بھی تم پر ویسی ہی گرفت قائم رکھتا جیسی گرفت عمرؓ رکھتے تھے تو تم سیدھے

رہتے۔ لیکن میں نے تمہارے معاملہ میں نرمی سے کام لیا تو تم زیادہ بھری ہو گئے۔ یقین کر لو کہ مجھ

میرے آہنی تمہارے مقابلہ میں زیادہ تھے۔ اور اس خلافت کے لئے سے پہلے بھی کثرت افزا

میں مجھے تم پر فضیلت حاصل تھی۔

رہے اس ساری گفت گو سے اس غصہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ جو عمرؓ کے دل میں حضرت عثمانؑ اور عبد اللہؓ

بن سعد کی طرف سے پیدا ہو گیا تھا۔

عمروؓ اس بات کو تو چھوڑو۔ اور اس اشد کاشکر کو جس نے ہم سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے عزت و تکریم بخشی۔ اور پھر ان کے ذلیعے سے ہمیں ہدایت کا راستہ دکھایا۔ میری ان آنکھوں نے عاص بن دہل کو بھی دیکھا ہے اور تمہارے باپ عثمان کو بھی ملے۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ عاص تمہارے باپ سے زیادہ باعزت تھے۔ عثمانؓ ہم دونوں کو جاہلیت کی گرفتار بند کر دینی چاہیے۔

عمروؓ عثمان کے خلاف غصہ کے جذبات لئے ہوئے باہر نکل آئے۔

عمروؓ کا یہ غم و غصہ حالات کا ایک طبعی تقاضا تھا۔ کیونکہ مصر کو فتح کر کے اسلامی مملکت میں شامل کرنے والے صرف عمروؓ ہی تھے۔ مصر کا خیال بھی انہوں نے پیدا کیا۔ خلیفہ دوم کو مصر کے لئے تیار کرنے والے بھی وہی تھے اور اس کے بعد علیؓ طور پر اس سے فتح کرنے والے بھی وہی فتح ہو جانے کے بعد اسلامی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنے والے بھی وہی۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے۔ کہ اہلیتِ قیادت کے لحاظ سے بھی وہ عبداللہؓ کی بہ نسبت کہیں زیادہ افضل و اعلیٰ تھے۔ اس لئے مصر کی گورنری کے حق دار سب سے زیادہ وہی تھے۔

اس کے بعد جب فتنہ کمری کا آغاز ہوا۔ اور مستانوں کے رجحانات حضرت عثمانؓ سے برگشتہ ہو کر ناگوار صورت اختیار کرنے لگے تو عثمانؓ رم کو بلا لیا۔ آخر اہی عمروؓ بھی العاص کی ضرورت پیش آئی۔ اور اہم معاملات میں ان کے مشوروں کے بغیر انہیں کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ حضرت عثمانؓ نے ایک دن عمروؓ بن العاص کو بلا کر اسی فتنہ کے بارے میں دریافت کیا۔ عثمانؓ! عمروؓ اس فتنہ کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟

عمروؓ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کے مقابلہ میں ضرورت سے زیادہ نرم و اعتدال سے زیادہ زراخ اور حضرت عمرؓ سے زیادہ فیاض ہو گئے ہیں۔ اس لئے آپ اپنے پیشرہ کی پالیسی پر عمل پیرا ہو جائیں۔ اور سختی کی جگہ سختی سے اور نرمی کی جگہ نرمی سے کام لیں۔ ان لوگوں کے مقابلہ میں جو عوام میں شرم پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں آپ کو سخت گیری سے کام لینا چاہیے۔ لہٰذا ان لوگوں کے ساتھ بلاشبہ نرمی برتنا چاہیے۔ جو عوام کے خیر خواہ ہیں۔ لیکن آپ یہی کہہ رہے ہو کہ لے کر فرار ہو رہے ہیں۔

ایک اور موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے مشورہ لیا اور اس وقت دوسرے لوگ بھی کثیر تعداد میں موجود تھے۔

عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت کے بارے میں کیا کرتا چاہیے؟
عمرؓ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ بنو امیہ کی طرح لوگوں کی گردنوں پر سوار ہو گئے ہیں۔ آپ کو کچھ کہتے ہیں وہی رہہ کہتے ہیں۔ اور آپ طیر طیر ہو گئے ہیں تو وہ بھی طیر طیر ہو گئے ہیں۔ یا استدال پر ایسے بامقصد چھوڑ دیجئے۔ اگر اتنی ہمت نہیں ہے تو پھر اپنے موقف پر ڈٹے رہیے اور آگے قدم بڑھاتے جائیے۔

عثمان رضی اللہ عنہ: تمہارا کیا حال ہے۔ تم پیچھے اپنے گریبان کی بوتلیں تو دیکھو۔ اس کے بعد کوئی بات کرنا تمہارا منہ اس قابل ہے کہ ایسی باتیں کرو؟
عمرؓ خاموش ہو گئے اور جب باقی سب لوگ چلے گئے تو بولے:-

عمرؓ: ہمیں نہیں اسے امیر المومنین۔ خدا کی قسم آپ کا احترام تو میرے دل میں میری اس گفتگو کے برخلاف بہت زیادہ ہے۔ لیکن میں نے وہ باتیں اس لئے کہی تھیں کہ دروازے پر بہت سے لوگ جمع ہیں۔ اور آپ نے ہم کو مشورہ کے لئے بلایا ہے تو میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی بات اُن کے کھٹکھٹانے تک پہنچا دوں۔ اور اس کے نتیجے میں آپ کے لئے کوئی بہتر صورت پیدا کر لوں یا شر کو آپ کی ذات تک پہنچنے سے روک سکوں۔

خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ جب ان کا اختلاف بہت شدت اختیار کر گیا تو انہوں نے مدینہ چھوڑ کر طسلیں میں قیام اختیار کر لیا۔ اور اُنے اہل اہم واقعات کا اسی جگہ انتظار کرتے رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ کی تاریخ سے یہ بات ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو دوسرے بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں ترجیح دی۔ اور ان کی مصیبتوں پر ذرا دھیان نہ دیا۔ جو مخلصین کی طروت سے ان کے گوش گزار کی جاتی رہیں۔ خلافت سے دستبردار کے لئے اخیر وقت تک تیار نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ قتلہ کبریٰ شباب پر پہنچ کر بالآخر ان کی شہادت پر منتج ہوا۔
ڈاکٹر محمد اسعد طلحہ کا بیان ہے کہ:-

”لوگوں کو عثمانی رضی اللہ عنہ کے خلاف سب سے زیادہ ابھارنے والی بات یہ تھی کہ انہوں نے ان بڑے بڑے صحابیوں کو جنہیں حضرت عمرؓ نے مناصب سپرد کر

رکھے تھے ماحول کر کے ان کی جگہ ایسے آدمیوں کو مقرر کر دیا تھا جو نشانہ طعن تھے۔ اس
ذیل میں نمایاں مثالیں دو ہیں۔ پہلی صوفی ابو موسیٰ اشعرنی کی معزولی اور بعد ازاں عمر
کی تقرری ۱۲۰۱ھ مصر سے عمر بن العاص کی معزولی اور بعد ازاں سعد کی تقرری۔
شہادت عثمان امین سے کچھ لوگ فلسطین پہنچے تو عمرو نے خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں حال دریافت
کیا اس میں سے ایک نے جواب دیا کہ میں انہیں سخت محاصرہ میں چھوڑ آیا ہوں۔
اس پر عمرو نے فرمایا کہ

انا عبد اللہ۔ قد يضرب العبد المسكاة في النار في الدنيا واليوم الآخر
ادھنوں کی قطار اس وقت ہوا خارج کر لی ہے جب داغ کا لولا بھٹی میں پڑتا ہے
اس کے بعد پھر دوسرے دفعہ عمرو سے ملے جس کے ساتھ ان کے دو بیٹے عمر اور عبد اللہ اور ایک
اور شخص سلام بن روح جذاہلی بھی تھے۔ تو عمرو نے ان سے بھی دریافت کیا کہ اس شخص کا کیا بنا؟
تو ان میں سے ایک نے جواب دیا کہ اسے شہید کر دیئے گئے۔
یہ سن کر عمرو بولے کہ

”میں اللہ کا بندہ ہوں۔ جب کسی زخم کو کھینچتا ہوں۔ تو اس سے خون نکال کر
چھوڑتا ہوں۔ میں اس شخص کے لئے اس بات کا زیادہ حریص تھا کہ وہ کسی پہاڑ کی
چوٹی پر اپنی بکریاں چرا یا کرتا۔“

(۴)

علیؑ اور معاویہؓ کے ساتھ

”اے معاویہ خدا کی قسم آپ اور علی دونوں باہم
 اور نیک کے دو طرفہ وزن کی طرح ہیں مگر ایک طرف
 آپ میں علی کی سحر، سبقت فی الاسلام، جمع
 رسول، جہاد فی سبیل اللہ، عقل و ادراک اور
 علم و فضل نہیں ہے۔ تو دوسری طرف آپ کے بھی
 کچھ امتیازی خصائص ہیں۔ اسی لیے بتائیے کہ اگر میں
 علی رضی اللہ عنہ کے مقابل میں آپ کا ساتھ دوں۔ تو آپ
 میرے لئے کیا کریں گے؟“

عمر بن العاص

معاویہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرتے ہوئے

ثالثی تک

معاوی لا اعطیک دینا و لعمائل
 به متک دینا الخ نظرین کیف تصنع
 فان تعطی محمداً فارحم بصفقة

انخذت بها شیخا یضر دینفع
 اسے معاویہ میں اپنی اطاعت آپ کے حوالے
 نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ آپ کی طرف سے اس
 (۱) کا کوئی بدلہ نہ پاؤں۔ اب آپ خود سوچ لیں کہ
 آپ کو کیا کرنا ہے۔

اگر آپ مجھے مصروفے سکتے ہیں تو میں اپنے
 آپ کو بھی اس سودے میں نفع یا بسمجھوں گا
 (۲) اور آپ بھی مصروفے کر ایک ایسے بوڑھے کو
 حاصل کر لیں گے۔ جو نفع اور نقصان دونوں کی
 قدرت رکھتا ہے۔

طہر بن العاص

ثالثی سے پہلے معاویہ سے بات کرتے ہوئے

حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہما پر حملہ کرنے والے مسلمانوں کا خیال تھا کہ وہ تمام مشکلات جنہوں نے عہد عثمانی میں امت اسلامیہ کو ہر چار طرف سے گھیر لیا تھا قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ختم ہو جائیں گی۔ لیکن عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہوتا تھا کہ مشکلات کا ایک تیا دور پہلے سے بھی زیادہ خوفناک طریقہ سے شروع ہو گیا اور قتلوں کا دہوازہ بڑی شدت کے ساتھ کھل گیا۔

مسلمانوں نے حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لئے پسند کیا۔ اور ۱۲ ذی الحجہ ۳۵ھ کو جمعہ کے دن ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی گئی۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد انصاری اور ہاجرین کے کچھ لوگ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کیا اور عوام لوگوں کے لئے کسی امام کا ہونا ضروری ہے۔ اور آپ موجودہ لوگوں میں سب سے زیادہ افضل ہیں۔

علیؓ رضی اللہ عنہ مجھے تمہاری امارت کی کوئی ضرورت نہیں۔ کسی اور شخص کو منتخب کر لو جس کی بیعت میں بھی کر لوں گا۔

عوام! ہم تو آپ کے سوا کسی کو پسند نہیں کرتے۔۔۔۔۔ ہمارے نزدیک تو آپ سے زیادہ کوئی بھی خلافت کا حق دار نہیں ہے۔ آپ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ قربت رکھنے والے ہیں۔ علیؓ رضی اللہ عنہ ایسا نہ کرو میں امیر غنیمت سے زیادہ وزیر رہنے کو پسند کرتا ہوں۔

عوام! خدا کی قسم ہم آپ کو ہرگز نہ چھوڑیں گے جب تک کہ آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت نہ کر لیں۔

اس پر آپ نے ان کی بات مان لی۔ اور انہیں مسجد نبوی میں لے جا کر بیعت خلافت لے لی۔ مسلمانوں کی تقسیم | حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ خلافت حاصل کر کے ابھی آرام سے بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ مسلمان مختلف الرے ہو کر گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور ہر ایک اپنی اپنی بولی بولنے لگا۔ راء تمام میں بنو امیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کھڑا کر دیا۔ اور قاتلین کو قتل پر ابھارنے کا غلط الزام حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ پر ڈالنے لگے۔ یہ قاتلین کا ایک گروہ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کی تائید میں کھڑا ہو گیا۔ اور اسے پیش کی کہ علیؓ رضی اللہ عنہ کی خلافت

کو بڑا دشمن بنا دیا جائے۔

(۴) تیسرے فریق کا موقف یہ تھا کہ خلافت کا انتظام اسی صورت سے کیا جائے جس صورت سے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تھا۔ اس فریق کی نمائندگی طلحہؓ اور زبیرؓ کر رہے تھے جن کے ساتھ حضرت عائشہؓ بھی تھیں۔ اور یہ تینوں پہلے تو دباؤ کے ماتحت حضرت علیؓ کی بیعت میں داخل ہو گئے تھے۔ پھر اس کے بعد بیعت توڑ دی تھی۔

(۵) ایک چوتھا فریق ایسا بھی تھا جو بیعت سے کنارہ کشی اختیار کر کے گوشہ نشینی اختیار کر چکا تھا۔ اور اس نے خلافت اسلامیہ کے بیاہ و سفید سے اپنی دلچسپی کو بالکل ختم کر دیا تھا۔ طبری عبد اللہ بن الحسن سے نقل کرتا ہے کہ:-

”تمام انصار اور ہاجرین نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی تھی لیکن بعض مقتدر صحابہ ایسے بھی تھے جنہوں نے بیعت سے انکار کیا تھا۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:-

عبد اللہ بن عمرؓ، حسان بن ثابتؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، کعب بن مالکؓ، مسلمہ بن مخلدؓ، ابوسعید خدریؓ، محمد بن مسلمہؓ، عثمان بن بشیرؓ، قدام بن مظعونؓ، زید بن ثابتؓ، دافع بن خویجؓ، اسامہ بن زیدؓ، فضالہ بن عبیدؓ، عبد اللہ بن سلامؓ، مغیرہ بن شعبہؓ اور صہیب بن سنانؓ۔

عمرو کا موقف | اس میں شک نہیں کہ عمروؓ نے امیر المومنین عثمانؓ کی شہادت سے خوشی محسوس کی۔ اور اسی وجہ سے وہ اس گروہ میں شامل نہیں ہوئے جو قتل عثمانؓ پر غضب ناک تھا۔ بلکہ غیر جانبداری کے ساتھ حالات کا مطالعہ کرنے اور کسی ٹھوس نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے رہے۔ تاکہ وہ اپنے آئندہ اقدام کے لئے کوئی واضح پروگرام تیار کرنے کے بعد میدانِ عمل میں آئیں۔ عمروؓ کے لئے اس موقف میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ کہ وہ سعد بن وقاصؓ وغیرہ کی طرح سیاسیات

میں حدیثِ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی طاہرہ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ جیسے مقدس اور محترم صحابیوں کے متعلق جن کو اسی دنیا میں جنتی ہونے کی خوش خبری مل چکی تھی، اس قسم کا الزام قبول کرنے کے لئے دل پر گراؤ نہ دیتے تھے۔

ملاحظہ فرمائیے یہاں یہ ہے ضروری نہیں کہ مترجم اذعانِ کلام بھی اس سے متفق ہوں (عمر احمد پالی پتی)

سے کنارہ کش ہو کر بیٹھ جائیں۔

انہوں نے اپنی وکالت انجیر اور سیبائی سوچ بوجھ سے زیرِ دم، طلحہ رنہ اور سیدہ عائشہ رنہ کے موقوف کے بارے میں اس بات کا اندازہ لگایا تھا کہ وہ بہت کمزور اور جلد مضمحل ہو جانے والا ہے۔ اور اس کی حمایت کرنے والا فریق بھائے خود اتنا کمزور ہے کہ حضرت علی رنہ کا مقابلہ کر کے اس کی خلافت کو ختم کرنے اور اس کے بجائے حضرت ابوبکر رنہ جیسی خلافت تلام کرنے کی طاقت نہیں رکھنا۔ اور ان کا یہ گمان آگے چل کر درست بھی نکلا۔ جب اس فریق نے جنگ جمل میں شکست کھائی۔ طلحہ رنہ اور زیرِ رنہ شہید کیے گئے اور سیدہ عائشہ رنہ کو عزت و تکریم کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیا گیا۔

عمو، حضرت علی رنہ کے ساتھ شریک ہونے میں اس لئے متردد تھے کہ انہیں حضرت علی رنہ کی اس مزاجی خصوصیت کا علم تھا کہ وہ ملکی معاملات میں اپنی ذات کے علاوہ کسی دوسرے پر بھروسہ کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اور جہاں تک ہو سکتا دوسروں میں کو اپنی رائے کا تابع کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور انہیں ان سے اس بات کی ہرگز امید نہیں تھی کہ وہ ابوبکر رنہ و عمر رنہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہاں تک کی قیادت فرمائی پر رکھیں گے۔

عمو کا یہ توقف اس وجہ سے بھی تھا کہ ہمیشہ سے ان کی عادت اور مزاج طبعی میں یہ بات شامل تھی کہ وہ اس وقت تک کسی کام میں بھی قدم آگے نہ بڑھاتے تھے جب تک کہ انہیں ہمارے و قرآن کے فدیہ اپنی کامیابی کا یقین نہ ہو جاتا تھا۔ ان کی زندگی کی تفصیلات اس بات کی واضح طور پر تائید کرتی ہیں۔ مثلاً وہ اسلام ہی میں اس وقت داخل ہوئے جب انہیں یقین ہو گیا کہ حالات کا پانسہ اب محکم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کی طرف پلٹنا جا رہا ہے۔ اور انہوں نے جو دورِ رنہ بد حال ہے۔ ان کے اسطعم کے باب میں ہم اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے حبشہ کی ہجرت اسی لئے کی تھی کہ وہ وہاں بیٹھے ہو اکا رنہ دیکھتے رہیں اور جس طرف کا پڑا جھکتا دکھائی دے اسی طرف اپنا وزن بھی ڈال دیں۔

چنانچہ آج بھی وہ اسی ذہن کے مطابق رنہ سے دور بیٹھے ہوئے بیعت علی رنہ کی پیروی کی جا چکے ہیں۔

طلحہ رنہ، زیرِ رنہ اور سیدہ عائشہ رنہ کے فریق کے درمیان میں سے نکل جانے کے بعد میدان میں حضرت علی رنہ اور حضرت معاویہ رنہ کے دو فریق باقی رہ گئے۔ جن میں حضرت معاویہ رنہ نمودار

کی تائید کی کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہما شہم کی۔ اور یہ دونوں قبیلے زمانہ جاہلیت ہی سے ایک دوسرے کے دشمن چلے آ رہے تھے۔ اور اسلام نے دشمنی کی آگ ان کے درمیان بھڑکا دی تھی۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہما اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما پر اپنا اثر ظاہر ہو رہا تھا اور پڑتے مناقشات ایک ایک کر کے دونوں کے سامنے آ رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے بھائی کو قتل کیا تھا۔ اور ان کے باپ کے ساتھ متعدد مناقشات پر جنگ کی تھی۔ اور تازہ سبب یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی طرف سے شام کے فرماں روا ہونے کے ساتھ ان کے قریبی رشتہ دار بھی تھے۔ اس لئے انہی پر یہ فرض بھی عائد ہوتا تھا کہ خون عثمان کا مطالبہ کر لیں۔

ابن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما نے عمرو کی طرف نظر دوڑائی۔ اور انہیں اپنی مدد کے لئے دعوت دی جسے عمرو نے غم خوردہ جذبات نے لیکر کہا۔ دونوں ایک دوسرے کے حلیف اور ساتھی بن گئے اور قصاص عثمان کا مطالبہ استحقاق کر لیا۔ اور اسے مزید جنگی حضرت علی رضی اللہ عنہما کے اس طریقہ عمل سے ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہما صرف یہ کہ قتل قتل کو مانتے رہے بلکہ انہوں نے ان کا قاتل کو اپنا دو گار بنالیا۔ اور مزید یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کو شام سے معزول کرنے کا حکم بھی صادر فرما دیا۔

مشورہ | جنگ جمل میں کامیاب ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہما کو فریادیں آ رہی تھیں اور دلوں سے ایک قاصد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ میرے ہاتھ پر سب مہاجرین و انصار نے بیعت کر لی ہے۔ اس لئے تم بھی اگر بیعت کر لو۔ طلحہ رضی اللہ عنہما، زبیر رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے میرے مقابلے میں خرچ کیا تھا اس لئے میں نے ان سے جنگ کی۔ اب تم آؤ اور میری حالت میں داخل ہو جاؤ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہما کے مسئلہ کا متن یہ ہے۔

..... اما بعد عوام الناس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو خود شہید کیا ہے۔ مجھ سے کوئی مشورہ نہیں لیا۔ پھر انہوں نے باجم مشورہ کر کے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ اب جب میرا یہ خط تمہیں ملے تو تم لوگوں سے میرے لئے بیعت لو اور شرفائے شام کا ایک وفد میرے پاس بھیجو۔

۱۔ صنعت کے اس نسل اور بے بنیاد اہتمام میں کوئی صداقت نہیں۔ آپس کے اختلافات کو اس قسم کے سر ملوہ دینا صنعت کا بہت بڑی جرات ہے (محمد امجدانی رحمہ اللہ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ خط پڑھنے کے بعد لپیٹ کر رکھ دیا اور اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاصد جریر ابن عبد اللہ جب بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جواب کا تقاضا کرتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ انہیں مندرجہ ذیل اشعار سناتے :-

(۱) ادراد امت حصن اخذت بیدی	حمیاض و ساقشب المجزل دلہر ما
(۲) فی جاد کمر و ابنکم اذ کان مقتله	شعاع مشیت الاصل غواللما
(۳) اعیاء المحسود بھاد السیدون منہم	یوجد لها غیوفا مولی ولا حکما

ترجمہ :- (۱) قلعہ کے استحکام کی طرح مبرو سکون سے کام لو اور اگر زیادہ ہی جلدی ہے تو پھر میری طرف سے ایسی شدید جنگ کا نچوڑ لے جاؤ جو چھوٹے موٹے رندھن کے ساتھ بڑے بڑے فیسحوں بلیقوں کو بھی جلا کر خاکستر کر دے۔

(۲) وہ جنگ جو تمہارے بیٹوں، پوتوں کے ساتھ ساتھ تمہارے پردیسیوں کو بھی نہ چھوڑے اور جو اتنی شدید اور خوفناک ہو جو نہ لغول اور کنپٹیوں کو بڑھاپے تک پہنچا دے۔

(۳) اور پھر اس جنگ کا نتیجہ یہ ہو کہ حاسد اور سردار سب اس کے مقابلہ سے عاجز آجائیں اور آخر کار انہیں ہماری ہی سواری اور تالشی کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس بارے میں بھی مشورے کے لئے اپنے سابق مشیر عمر بنی السامی کی طرف منوجہ ہوئے۔

لے حمیرہ اسی سال ایمان لائے جس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ وہ خود کہا کرتے تھے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے چالیس دن پہلے اسلام قبول کیا اور ان چالیس دنوں میں نہ آپ نے اندر آنے سے روکا اور نہ ایسا ہی ہوا کہ مجھے دیکھا ہوا وہ قسم نہ فرمایا ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی کلاع اور ذی ربیعہ میں ان کو اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ اور یہ اتنے خوبصورت تھے کہ حضرت عمرؓ ان کو اس امت یا وصفت کفر یا کرتے تھے۔ اور وہ خود بھی اپنے بارے میں کہتے تھے کہ میں جاہلیت میں بھی سواد ہی رہا اور اسلام میں بھی نہ اخیر میں کو نہ جا پہنچے تھے اور سلسلہ صبر میں وہیں وفات پائی۔ ان کے بارے میں یہ شعر بھی کہا گیا ہے :-

لولا حمیرہ ہلکت یحییٰ	نعم الفتی و بعثت القبیلة
اگر حمیرہ نہ ہوتے تو قبیلہ یحییٰ ہلاک ہو جاتا	جو ان اچھا ہے لیکن قبیلہ برا

ایک روایت کے مطابق عتبہ بن ابی سفیان نے معاویہ رض کو مشورہ لینے کی رائے دی تھی چنانچہ انہوں نے عمرو کو مندرجہ ذیل مراسلہ بھیجا :-

..... اے ابوبکر! علی رض اور طلحہ رض وزیر کا معاملہ جس انجام تک پہنچا۔ اس کی اطلاع تمہارے پاس پہنچ چکی ہوگی۔ اب علی رض کی بیعت کے لئے جریر بن عبد اللہ آئے ہوئے ہیں۔ اور میں نے اپنا مشورہ تمہارے مشورہ پر موقوف رکھا ہوا ہے۔ اللہ کا نام لے کر فوراً مجھ سے اکر طاقات کر دو۔

عمروؓ نے اپنے دونوں بیٹوں عبد اللہ اور محمد کو بلا کر حضرت معاویہ رض کا خط سنا دیا۔ اور اس کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔ جس پر عبد اللہ کا مشورہ یہ تھا :-

”بوڑھے آبا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا۔ اس حال میں کہ وہ آپ سے راضی تھے۔ ان کے بعد حضرت ابوبکر رض اور عمرو رض بھی اسی حال میں سدھارے کہ آپ سے خوش تھے۔ اب آپ کے لئے یہ بات ہرگز مناسب نہیں کہ اپنے دین کو اس قلیل دنیا کے حوالے کر دیں۔ جو آپ کو معاویہ رض کا ہاتھ دینے سے حاصل ہو جائے گی۔“

اس کے برخلاف محمد کا مشورہ یہ تھا کہ :-

”اس کام میں جلدی کیجئے اور روم بننے کی بجائے سرنبنے کی کوشش کیجئے۔“

۱؎ دوسری روایت میں یہ ہے کہ ”آجاذ اس ارے میں تم سے بناؤ اور خیالات کرنا ہے۔“

۲؎ یعقوبی جلد ۱ صفحہ ۴۱۵

۳؎ ایک روایت کے مطابق عبد اللہ کے الفاظ یہ تھے :- ”اگر کچھ کرنا ہی ہے تو علی رض کے لئے کرو۔ جس کے جواب میں عمروؓ نے فرمایا: میری اس تجویز پسند ہے۔ اگر میں علی رض کو مدد دیتا ہوں تو وہ مجھے اس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں دیں گے۔ اگر میں بھی عام مسلمانوں میں سے ایک ہوں۔ اور اگر معاویہ کو مددوں کا تودہ مجھے ہر چیز میں اپنالیں گے۔ اس پر عبد اللہ نے عرض کیا: میری رائے تو یہ ہے کہ آپ مگر بیٹے دیکھیں اللہ اسی میں آپ کے دین کی حفاظت ہے۔ لیکہ اس کے برخلاف محمد نے کہا کہ آپ دمرت عرب کے شرار میں سے ایک ہیں بلکہ عرب کی کچی میں یہ کوئی رائے نہیں ہے کہ عرب اپنا سب سے بڑا مسئلہ حل کر رہے ہیں اور آپ کسی مقام پر نظر نہ کریں۔ اس کے بعد عمروؓ نے دونوں کو خطاب کر کے فرمایا: ”عبد اللہ تم نے ایسا مشورہ دیا۔ جو میری آخرت کے لئے بہتر ہے لیکہ اے محمد تم نے وہ مشورہ پیش کیا جس پر میری آئندہ عزت اور شہرت کا انحصار ہے۔“

عمو نے دونوں کے مشورے سن کر جو جواب دیا وہ مندرجہ ذیل اشعار کی صورت میں تھا:-

- | | |
|---------------------------------|-------------------------------|
| (۱) تطاول لیلی للنجوم الطوارق | و خوف اللتی تجلو وجوه العوائق |
| (۲) فان ابن هند سالتی ان اورد | وتلك التي فیها نبات البسائق |
| (۳) وقد قال عبد الله قولا تعلقت | به النفس ان لم يعتقلنی عوائق |
| (۴) ومخاله فیہ اخوه محمدا | وانی لصلب العود عند الحقائق |

ترجمہ: ۱، میری ساری رات ستارگان صبح کے استعارہ اور اس جنگ کی سوچ بچار میں بیت گئی جس میں کہو صوں کی آزمائش ہوتی ہے اور چہروں پر پالش کیا جاتا ہے۔

(۲) ہاں ہاں ابن ہند نے مجھے ملاقات کے لئے بلایا ہے۔ اور میں خوب جانتا ہوں کہ اس ملاقات کے پردے میں کیسی کیسی حسین دختران ہلاکت چھپی بیٹھی ہیں۔

(۳) عبد اللہ نے جو مشورہ دیا ہے وہ بلاشبہ دل پر ہر ہے۔ لیکن موانع کی زنجیریں مجھے جکڑ کر کسی دوسری ہی سمت لے جانا چاہتی ہیں۔

(۴) محمد نے عبد اللہ کے خلاف مشورہ دے کر مجھے ایسی آزمائش کے لئے تیار کیا ہے جس کے لئے میری کمر مضبوط اور جوصلے بلند ہیں۔

عمرو شام میں | بالآخر عمرو نے شام کی طرف کوچ کر دیا۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کر کے مشورہ دیا کہ حضرت علیؓ کی بیعت قبول نہ کریں۔ اور خون عثمان کی بنیاد پر شامی فوج کے ساتھ ان سے جنگ کریں۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے گورنر تھے اور اپنی سلامت روی اور پسندیدہ برتاؤ کی بنا پر رعایا کے دلوں میں گھر کر چکے تھے۔ اس لئے شام کی افواج جاں نثاری کے لئے ان کے اشارے پر چلے گئے۔

لیبن وین | حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو سے کہا: "عمرو! تم بڑھاؤ اور بیعت کر لو" تو عمرو نے جواب دیا:-

"ہاں ہاں ضرور، لیکن پہلے یہ بات سن لو کہ میں اپنی اطاعت اس وقت تک دینے کے لئے تیار نہیں ہوں جب تک کہ تمہاری دنیا میں سے کچھ حصہ دے لیں۔" اس پر حضرت معاویہ بولے: "مصر تمہارے لئے یہ غمال ہے" اس پر عمرو نے مندرجہ ذیل اشعار پیش کئے:-

- | | |
|--------------------------------|----------------------------|
| (۱) معاوی لا اعطیک دنیا ولعالم | به منك دینا فانظر کیف تصنع |
|--------------------------------|----------------------------|

(۱) فان تعطی محراباً فادعہ بصفقة اخذت بها شیئاً یضر و ینفع
ترجمہ: لا اسے معاویہ میں اپنی اطاعت آپ کے حوالے نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ آپ کی طرف سے اس کا کوئی بدلہ نہ پاؤں آپ خود سوچ لیں کہ آپ کو کیا کرنا چاہیے۔
(۲) اگر آپ مجھے مصروفے سکتے ہیں تو میں اپنے آپ کو بھی اس سودے میں نفع مند سمجھوں گا۔
اور آپ بھی مصروفے کر ایک ایسے بڑے کو حاصل کر لیں گے۔ جو نفع اور نقصان دونوں کی قدرت رکھتا ہے۔

ایک روایت میں دونوں کی گفتگو کا متن مندرجہ ذیل بیان کیا گیا ہے:-
”اے معاویہ خدا کی قسم آپ اور حضرت علی رضہ دونوں باہم ادنٹ کے دو طرفہ دن کی طرح ہیں۔ اگر ایک طرف آپ میں حضرت علی رضہ کی پھرت، سبقت، صحبت، جہاد، سمجھ اور علم نہیں ہے تو دوسری طرف آپ کے بھی کچھ اتنی بازی خصوصیات ہیں اب یہ بتائیے کہ اگر میں حضرت علی رضہ کے مقابلہ میں آپ کا ساتھ دوں۔ تو آپ میرے لئے کیا کریں گے؟“

اس کے جواب میں حضرت معاویہ رضہ نے فرمایا:-
”مصر کی حکومت دے دوں گا۔“

عمرؓ نے اس کے بعد حضرت معاویہ رضہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حضرت معاویہ رضہ نے مصر کی حکومت کا وعدہ دے دیا۔

حضرت علی رضہ کے قاصد تحریر نے واپس جا کر کہہ دیا کہ حضرت معاویہ رضہ نے بیعت سے انکار کر دیا ہے۔ اور وہ جنگ پر تیار ہیں۔ شام کی فوجیں ان کے تابع فرمان ہیں۔ انہوں نے حضرت عثمان رضہ کے خون آلودہ کرتے اور توجہ عثمان رضہ کی کٹی ہوئی انگلیوں کا مظاہرہ منبر پر کر کے عوام کو قصاص پر آمادہ کر لیا ہے۔ اور سب اس بات پر متعلق ہیں کہ حضرت عثمان رضہ کے خون کی ذمہ داری سراسر حضرت علی رضہ کے سر ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے قاتلین عثمان کو ناشی

۱۔ ایک روایت میں ہے کہ جب چیرہ رضہ کو معاویہ رضہ کے پاس ویراگ لگی تو حضرت علی رضہ نے انہیں مندرجہ ذیل تنبیہ بھیجی:-

”جو نبی نہیں میری بہ تحریر نے تو معاویہ کو مجھ پر کہہ دو وہ باتوں میں سے ایک کا جلد فیصلہ کر لے۔ آنا متہ جنگ یا فائدہ بخش اطاعت۔ اگر جنگ پسند کرے تو اسے چھوڑ کر واپس آجاؤ اور اگر اطاعت کرے تو بیعت کر لے۔“

پناہ میں لے رکھا ہے۔

صفین | حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس موقف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف غضب ناک کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گردن جھکانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور ۵ شوال ۴۰ھ کو ۹ ہزار فوج کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف تفل و حرکت شروع کر دی۔ اُدھر سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ۵ ہزار شاہی فوج بھی حرکت میں آ گئی۔ اور دریدے فرات کے ایک ایسے ساحلی مقام پر فروکش ہو گئی۔ جہاں سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کو پانی حاصل کرنے سے روک دیا۔

عمروؓ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیتے ہوئے کہا: "حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی قسے ہزار فوج جن کے کاندھوں پر تلواریں چمک رہی ہیں۔ پیاس کے سربے سے نہیں مریں گے۔ ان کا راستہ چھوڑ دو۔ ہم بھی پانی پئیں اور وہ بھی۔"

لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمروؓ کے مشورے کو نہ بکتے ہوئے رو کر دیا کہ: "ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم ان سب کو اسی طرح پیاسا مرنے چاہیئے جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پیاسے جان دی ہے۔"

پانی کی اس بندش سے غضب ناک ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک سپاہی نے مندرجہ ذیل اشعار کہے تھے:

۱) ایمنعتا القوم ماء الغمام	۲) وفینا الرمالح وفینا المححف
۳) ونینا علی له صولة	۴) اذا خونوا الردی لم یخفف
۵) ونحن غداة لقینا الزبید	۶) وطلحة خضنا غمارا التلف
۷) فمابنا امی اسد الحمرین	۸) ومالت الیوم شاة النیحف

ترجمہ (۱) یہ لوگ آج ہمارا پانی بند کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے پاس تیر بھی ہیں اور تیر انداز بھی

(۲) ہمارے درمیان علیؓ کی وہ صولت بھی جیسے بڑی سے بڑی ہلاکت بھی خوفزدہ نہیں کر سکتی

(۳) ہم کل زہیر اور طلحہ کے مقابلہ میں بھی موت کے سمندر میں غوطہ زنی کر چکے ہیں

(۴) اے جھاڑی کے شیر و اکل غم ہمارا حال دیکھ چکے ہو۔ اور آج اسے ٹیلہ کی بکری تو بھی ہیں آزمائے گی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مانعین آپ کے مقابلہ میں ابتداء سے بھیج کر ان سے

پانی کا راستہ صاف کر دیا۔ اور خود اس پر قابض ہو گئے۔ لوگوں نے رد عمل کے طور پر پیالہ کہ معاویہؓ کا پانی بند کر دیں لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا کہ پانی اللہ کی ایک عمومی نعمت ہے جس سے کسی بھی فرد بشر کو محروم نہیں کرنا چاہیئے۔

چنانچہ انہوں نے معاویہؓ کے ساتھیوں سے چشم پوشی کی۔ اگرچہ اس درباریوں سے حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے ناگہاری محسوس کی لیکن حضرت علیؓ نے ان کی کوئی پروا نہیں کی۔

حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے پاس مفارقت بھیجی کہ پیش آمدہ صورت حال کے ختم کرنے اور مسلمانوں کو افتراق سے بچانے اور دوبارہ متحد کرنے کے لئے گفت و شنید کا آغاز ہونا چاہیئے۔
صلح گفت و شنید شروع ہو گئی۔

سب سے پہلے جس بات پر اتفاق ہوا وہ یہ تھی کہ محرم شہدہ کے اخیر تک جنگ و فتوت رکھی جائے۔

اس کے علاوہ جن مناقشات پر روداد ہوئی اس کا کوئی بھی فیصلہ کن نتیجہ برآمد نہ ہوا۔
صلح کی مدت ختم ہوتے ہی صفر شہدہ کے پہلے دن جنگ کا آغاز کر دیا گیا۔ حضرت علیؓ کی صفوں سے روزانہ ایک بہادر نکلتا اور حضرت معاویہؓ کا بہادر اس کا مقابلہ کرتا۔ لیکن اس میں خاندانِ علیؓ نے جو جنگ حضرت علیؓ سے زیادہ دیر تک پسند نہ کرتے ہوئے گھمسان کا ارادہ کر لیا اور اپنے بہادریوں کو ان الفاظ کے ساتھ حملہ کے لئے تیار کر لیا کہ زیادہ دیر تک ان لوگوں کو اپنی اجتماعی فکر سے نہیں بچا سکتے۔

جنگ حضرت علیؓ کی فوج نے حملہ میں پیش قدمی کی اور حضرت معاویہؓ کی فوجوں نے بے حد نقصان اٹھایا۔ جنگ کئی دن تک جاری رہی جس کے دوران عمار بن یاسر بھی قتل ہوئے۔ آخر حضرت علیؓ نے اپنے بہادریوں نے ایک ایسا بھرپور حملہ کیا کہ حضرت معاویہؓ کی فوجیں شکست کھا گئیں۔

ایک روایت کے مطابق خود حضرت معاویہؓ نے بھی فرار کا ارادہ کر لیا تھا لیکن فوراً ہی انہیں ابن اٹناہ کے یہ شعر یاد آ گئے۔

واخذني الحمد بالثمن الذي

ابت لي همتي والي بلائي

یہ جیسا کہ ان سے روایت کیے گئے ہیں۔

۲۔ دوسرے حوالہ جات میں مندرجہ ذیل اشعار ہیں۔

واقدا می علی البطل المشیر

ابت لي عفتي والي سلائي

واخذني الحمد بالثمن الذي

واعطاني على المسكود مالي

(۱۲) واجتثای علی المکرمہ نفسی
(۱۳) وقولی کلما جثأت وجاشت
(۱۴) لادفع من ماثراً صالحات
وضرباً حامۃ البطل المشیم
حکایتی تحدی او تستدلی
واحی حد عن عمرہی صلیم
توجہ میری ہمت اور میری آزمودہ کاری کو یہ بات ہرگز پسند نہیں ہے۔ کہ میں سستی فہرت اور معذرت کی تعریف حاصل کرتا پیروں۔

(۱۵) میرے نفس کا شہداء اور خطرات کی طرف اقدام کرنا اور بڑے بڑے محتاط بہادریوں کی کھوپڑیوں پر ضرب لگانا اور
(۱۶) جب میری ہمت اپنے اندر خوش مارنے لگے تو اس کو یہ کہہ کر محاذ پر جانے رکھنا کہ تجھے تعریف بھی اسی جگہ کرنی ہے اور استراحت بھی یہیں کرنی ہے۔
(۱۷) یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ میں سب سے پہلے شریف زادیوں کی آبرو کو بچاؤں۔ اور پھر اس کے بعد اپنی عزت کو محفوظ کروں۔
فتح و نصرت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کھڑی تھی۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اہل شام کی طرف رخ کر کے چلا رہے تھے۔

”اللہ کا خوف کرو، عزت و حرمت اور عزتوں اور بیٹیوں کے بارے میں۔“
عمرؓ کی تدبیر اپنی فوجوں کو خطرے میں گھرا ہوا دیکھ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مشیر عمروؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:-

”ابن الحاص ہم تو ہلاک ہو گئے۔ اب تم اپنی پوشیدہ قوتوں کو حرکت میں لاؤ۔“
عمرؓ نے اپنے داغ کو کر دیا اور اس کی گہرائی میں کوئی ایسی تدبیر ڈھونڈنے لگے۔ جس سے معاویہؓ کا رخ بدلا جاسکے اور حضرت معاویہؓ کو شکست سے بچایا جاسکے۔ آخر عرب کے اس مشہور مدبر نے ایک تدبیر کی پناہ لی۔ اور پھر اس کی روشنی میں ایک ایسا منصوبہ تیار کر لیا جس سے حالات کا رخ یکایک بدل گیا۔ عمروؓ نے شامیوں کے لشکر میں چھٹا شروع کیا کہ:-
”اے لوگو! جس شخص کے پاس تم میں سے کلام اللہ کے اجزا ہوں۔ وہ ان کو اپنے نیزے پر بلند کرے۔“

مصاحف نیزوں پر اٹھاتے گئے اور حضرت معاویہؓ کے لشکر سے یہ آوازیں بلند ہونے لگیں کہ:-
”یہ اللہ کی کتاب فصیل ہے پاس سے اور تمہارے درمیان“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے بھی اس اُداد کو سنا تو انہوں نے بھی اس نعرے کا جواب دیا کہ:

”ہم کتاب اللہ کے فیصلے کا استقبال کرتے ہیں۔“

وتزوج فتنہ | اس طرح عمرو اس محبت اور شدت کو کوڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ جو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صفوں میں پائی جاتی تھی۔ اور گویا انہوں نے اس فتح کو ان سے دودھ کر دیا۔ جو ان کے بالکل قریب آچکی تھی۔ سچ پوچھا جائے تو انہوں نے اپنی تدبیر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صفوں میں اعتقاد پیدا کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس زبردست قریب کو بھانپ گئے اور اپنے سالاروں سے اس کا ذکر کیا۔ لیکن انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اتفاق نہیں کیا۔ اور ان کے محاذ کا ایک حصہ اشتر کی قیادت میں بدرجہ جنگ کرتا رہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے انہیں مجبور کیا کہ پورے محاذ پر جنگ بند کر جائیے۔ اور ان کے مجبور کرنے سے اشتر کے پاس جنگ بندی کا پروانہ بھیج دیا گیا۔ لیکن اشتر نے یہ کہتے ہوئے حکم ماننے سے انکار کر دیا کہ:

”یہ وقت نہیں ہے کہ آپ مجھے میرے مقام سے ہٹائیں۔ مجھے امید ہے کہ بہت جلد فتح ہونے والی ہے اس لئے ذرا میرے کام لیجئے۔“

عوام الناس جو ش میں آچکے تھے اس لئے انہوں نے مطالبہ میں زیادہ شدت اختیار کرتے ہوئے کہا کہ:

”خدا کی قسم آپ نے اشتر کے پاس جنگ بند کرنے کا نہیں بلکہ جنگ جاری رکھنے کا حکم بھیجا ہے۔ اس کو فوراً اپنے پاس بلائیے۔ ورنہ ہم آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔“

پھر ایک قاصد اشتر کے پاس روانہ کیا اور قاصد سے کہا:

”اشتر سے جا کر بات کہنا کہ فتنہ پیدا ہو چکا ہے۔ اور تمہیں علی رضی اللہ عنہ نے فوراً بلایا ہے۔“

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشعث بن قیس کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ان کا مقصد معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ جس کا جواب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ ملا کہ:

”ہم اور تم دونوں کو کتاب اللہ کے حکم کی طرف پلٹ جانا چاہیئے۔ آپ اپنے میں سے ایک ایسا آدمی بھیجیں جو سب کی طرف سے نمائندہ ہو۔ اور ہم بھی انہی ایک

نماذہ بھیج دیں۔ پھر ان دونوں کو اختیار دے دیں۔ کہ وہ اللہ کی کتاب کے موافق راہ عمل نکال لیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پیشکش کو قبول کر لیا۔ اہل شام نے اپنی طرف سے عمرو بن العاص کو نماذہ دینا لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج نے ابو موسیٰ اشعری کو پسند کیا۔ اور سب نے کہا: ہم ابو موسیٰ سے راضی ہیں۔

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ بذات خود ابو موسیٰ کو مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ اور انہوں نے اپنی فوج سے کہہ بھی دیا تھا کہ:

”تم اس سے پہلے میری نافرمانی کر چکے ہو اب اس بار سے میں تو نافرمانی نہ کرو۔“
لیکن جب فوج نے ابو موسیٰ ہی پر اصرار کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجبور ہو کر خاموشی اختیار کر لی۔
ابو موسیٰ اشعری | عبد اللہ بن قیس بن سلیم اشعری مین میں پیدا ہوئے۔ اور ظہور اسلام کے وقت مکہ آکر اسلام لے آئے تھے۔ علم و فضل میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ابن عبد البر نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ: ”کان علامۃ نسابة“ یعنی وہ بڑے پائے کے عالم اور نسب دان تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ کو معزول کر کے ان کی جگہ ان کو بصرہ کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔ جہاں وہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ تک رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس بنا پر مخوف تھے۔ کہ انہوں نے ان کو منصب سے معزول کر دیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا میلان ابو موسیٰ کی طرف اس لئے نہیں تھا کہ ان کے انداز سے کے مطابق وہ ایک وینڈلہ آدمی بے شک تھے۔ لیکن سیاست میں انہیں ورک نہیں تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ جنگی چالوں کا جواب دینے کی ان میں استعداد ہی نہیں ہے۔ اور یقیناً یہ اپنی ذمہ داری میں شکست کھا جائیں گے۔ — دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معتمد علیہ بھی نہیں تھے۔ اس لئے کہ جب اہل کوفہ ان کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خروج کرنے کے بارے میں مشورہ طلب کرنے گئے تھے تو انہوں نے انہیں ایسا کرنے سے روکتے ہوئے مشورہ دیا تھا کہ:—

”آخرت کا راستہ تو یہ ہے کہ تم خروج نہ کرو اور دنیا کا راستہ یہ ہے کہ خروج کرو۔“
اور یہ بھی کہا تھا کہ:—

”خدا کی قسم عثمان کی بیعت میری گردن میں ہے۔ اگر میں نے ان کے لئے قتال

نہیں کیا تو کسی اور کے لئے بھی قتال نہیں کرنا چاہیئے جب تک عثمان رض کے قاتلوں سے
جہم فراغت نہ پالیں اور جہاں کہیں بھی وہ ہیں انہیں کیفرِ کردار تک نہ پہنچادیں۔
ابو موسیٰ اشعری طہا بھی قتلوں سے گریزاں تھے اور انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا تھا:-
”تم تکلف اس میں داخل نہ ہو۔ اس لئے کہ یہ ایک اندھا قند ہے جس میں
سونے والا مہاگنے والے سے، جاگنے والا میٹھنے والے سے، میٹھنے والا کھڑا ہونے
والے سے، اور کھڑا ہونے والا سوار ہونے والے سے بہتر ہے۔ لہذا تم عربی درخت کی
جڑیں ہی جاؤ۔ تلواروں کو نیام میں ڈال لو، نیزوں کو زمین میں گاڑ دو۔ کمانوں کے پتے
آلودہ مظلوم کو پناہ دو۔ مجبور کی حمایت کرو۔ یہاں تک کہ قسبہ ایک طرف اور قسبہ
بدر طرف ہو جائے۔“

عمروؓ اور ابو موسیٰؓ اگلے ہوئے اور متعدد اجتماعات کے بعد ۵۰ ہجری ۳۳ھ کو معاہدہ تحکیم رشتہ
ترتیب پا گیا جس کا متن یہ ہے:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ معاہدہ ہے جس پر علی بن ابی طالب اور
معاویہ رض بن ابی سفیان متفق ہوئے ہیں۔ علی رض کا فیصلہ نافذ ہے تمام اہل کفر اور ان
لوگوں پر جو مسلمانوں میں سے علی رض کے مددگار ہیں اور معاویہ رض کا فیصلہ نافذ ہے اہل شام
اور ان لوگوں پر جو مسلمانوں میں سے معاویہ رض کے مددگار ہیں۔ ہم تسلیم کریں گے اللہ عز و
جل کے حکم کو جو اس کی کتاب میں ہے۔ اور اس کے سوا کسی کو اپنے درمیان وخیل نہ ہونے
دیں گے۔ پس ایک اللہ کی کتاب ہی خانہ سے خانہ تک ہمارے درمیان حکم ہوگی ہم
ہر اس چیز کو باقی رکھیں گے جس کو اس نے باقی رکھا ہے اور اس کو ختم کر دیں
گے جس کو اس نے ختم کیا ہے۔ ہمارے ہر دو نشان یعنی ابو موسیٰ اشعری، عہد اللہ
بن قیس اور عمرو بن اسامی قرشی جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں گے۔ اس پر عمل کریں
گے۔ اور جو کتاب اللہ میں نہ پائیں گے اس کے بارے میں مذمت رسول اللہ سے
فیصلہ کریں گے۔ ہر دو نشان نے فریقین دعلی رض اور معاویہ رض، اور ان کی قوتوں
اور مقبر لوگوں سے یہ عہد لے رکھا ہے کہ وہ دونوں اپنی جاتوں اور اہل و عیال کے

اعتبار سے امن اور حفاظت میں ہیں اور امت مسلمہ ان کی مددگار ہے اس فریق کے مقابلہ میں جس کے خلاف یہ فیصلہ صادر کریں۔ فریقین کے تمام مسلمان اللہ کو گواہ بتاتے ہیں کہ جو کچھ اس معاہدہ میں لکھا گیا ہے وہ درست ہے۔ اور اس تحریر کو عملاً جاری کرتا فریقین کے تمام مسلمانوں کا فرض ہے۔ امن، استقامت اور متحارب ڈال دینا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اور جہاں کہیں بھی وہ جائے اس کے جان مال اہل اولاد حاضر اور غائب سب کچھ امن اور حفاظت میں ہے۔ عبد اللہ بن عباس اور عمر بن العاص پر بھی اللہ تعالیٰ کا عہد اور وثاق ہے کہ وہ امت کے اس قضیہ کا فیصلہ اس طرح کریں جس کی روش سے فریقین دوبارہ کسی جنگ اور تفریق میں مبتلا نہ ہوں۔ الا یہ کہ وہ کھلم کھلا اس فیصلہ کی نافرمانی پر ازمانیں فیصلہ کرنے کی مدت ماہ رمضان تک ہے۔ اور اگر دونوں ثالث اس مدت میں بھی مزید اضافہ کی ضرورت سمجھیں تو ہر دو کی رضامندی کے بعد انہیں مدت کے بڑھانے کا بھی اختیار ہوگا۔ اور اگر فیصلہ کرنے سے پہلے دونوں میں سے کوئی وفات پا جائے گا۔ تو فریق متعلق کے امیر کو اس کی جگہ دوسرا ثالث پیش کرنے کی اجازت ہوگی۔ اور ضروری ہے کہ وہ عادل اور انصاف پسند ہو۔ فیصلہ جس جگہ بیٹھ کر کیا جائے گا وہ کوفہ اور شام کے درمیان کا کوئی مقام ہوگا۔ اور اگر وہ دونوں پسند کریں گے تو وہ لوگ بھی وہاں جا سکتے ہیں جہیں اُن کی طرف سے اجازت مل جائے۔ دونوں ثالث اس بات کے مجاز ہوں گے کہ جن لوگوں کو بھی وہ پسند کریں انہیں بطور گواہ بلا لیں اور ان کی گواہی اس عہد نامے پر ثبت کرالیں۔ اور یہ گواہ اس فریق کے خلاف معین و مددگار ہوں گے جو اس عہد کی خلاف ورزی کرے گا یا اس کے اندر کوئی کجی داخل کرنے کی کوشش کرے گا۔

اے اللہ ہم تجھ سے بھی اس دشمن کے خلاف مدد مانگتے ہیں۔ جو اس معاہدے کی بے حرمتی کرتا چاہے۔

دس فقرے | مذکورہ بالا دستاویز مندرجہ ذیل دس اہم فقروں پر مشتمل ہے۔

۱۔ نزاع کے فریقین حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ۔ اول الذکر کے ساتھ اہل کوفہ ہیں اور ثانی الذکر کے ساتھ اہل شام

۲۔ فریقین پہلے کتاب اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کے بعد سنت پر

- ۳۔ ابو موسیٰ اشعری فریقِ علیؑ کی نمائندگی کرتے ہیں اور عمرؓ بن العاص فریقِ معاویہؓ کی
۴۔ دونوں نمائندے اپنی جان اور مال کی طرف سے پوری طرح امن و حفاظت میں ہیں۔
۵۔ رشتہ لڑائی فیصلہ کی تکمیل تک فریقین کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہوگی۔
۶۔ گواہ بلانے کا حق تینوں کو دے دیا گیا۔
۷۔ صلح کی مدت رمضان المبارک تک ہے جسے تین سال بڑھا بھی سکتے ہیں۔
۸۔ ایک سال تک کے مرجع پر متعلقہ فریق کا امیر دوسرا ثالث مقرر کرے گا۔
۹۔ فیصلہ کی جگہ کو فد اور شام کے درمیان ہوگی۔
۱۰۔ قرارداد و تحریری ہوگی جس پر گواہان دستخط کریں گے اور پھر اس کے نافذ کرنے کی ذمہ داری
سب پر ہوگی۔

یہ بات بھی مقرر کر دی گئی کہ فیصلہ کا مقام دومۃ الجندل ہو گا۔
وفود حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ نے مقامِ محکم کی طرف اپنی جانب سے چار سو آدمی روانہ کر دیئے۔ اور ان پر
نزیح بن ہانی حارثی اور عبد اللہ بن عباس کو قائد بنادیا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ ان کے ساتھ روانہ ہو گئے۔
دوسری طرف حضرت معاویہؓ رضی اللہ عنہ نے بھی چار سو شامیوں کے ساتھ عمرؓ بن العاص کو روانہ کر دیا۔
مقامِ محکم پر پہنچ کر عبد اللہ بن عباسؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو مندرجہ ذیل باتیں سمجھا گئیں :-
حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ آپ کو حکم دیتا ہوں چاہتے تھے۔ اس لئے کہ آپ سے زیادہ
افضل آدمی دوسرے موجود تھے۔ لیکن عوام الناس نے آپ ہی پر اصرار کیا۔ اور میرا
خیال ہے کہ یہ ان کے لئے بہت بُرا ہوا۔ اس لئے کہ عرب کا سب سے بڑا بدترک
ہو شیخ شخص تمہارے مقابلہ پر ہے۔ اگر تم کوئی بات بھی یاد نہ رکھ سکو تو اتنی بات
ضرور یاد رکھنا کہ حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کی بیعت میں وہ لوگ شامل ہیں جنہوں نے ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ
عمرؓ رضی اللہ عنہ عثمانؓ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔ اور حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ میں کوئی نقص ایسا نہیں ہے جو
منصبِ خلافت کے منافی ہو۔ دوسری طرف معاویہؓ رضی اللہ عنہ میں کوئی صفت ایسی نہیں ہے
جو اسے منصبِ خلافت سے قریب کرتی ہو۔

حضرت معاویہؓ رضی اللہ عنہ نے اپنے ثالث عمرؓ بن العاص سے جو کچھ کہا وہ یہ تھا :-
اے ابو عبد اللہ! عراق نے حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کو ابو موسیٰ کی نمائندگی پر مجبور کیا
ہے۔ اور میں اور ذیل شام تم پر راضی ہیں۔ اور تمہارے ساتھ جس شخص کو ملایا گیا ہے

وہ زبان کا دسانا دہرائے کا کوتاہ ہے۔ اس لئے ضروری بات کرنا اور اپنی ساری رائے اُس کے سامنے نہ اُگل دینا۔

مسعودی کا بیان ہے کہ بعض اہم اور غیر جانبدار صحابہ مثلاً سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، منیر بن شعبہ وغیرہ بھی عمرو بن العاص سے مل چکے تھے۔

عبداللہ بن عباس اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی باتوں سے مندرجہ ذیل وضاحتیں نکلتی ہیں :-
۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ذات خود ابو موسیٰ اشعری کی نمائندگی پر خوش نہیں تھے۔ بلکہ انہیں ساتھیوں کی طرف سے مجبور کیا گیا تھا۔

۲۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اہل شام عمرو بن العاص پر راضی تھے۔

۳۔ عمرو بن العاص اور حضرت معاویہ دونوں اس بات پر اتفاق کر چکے تھے کہ ابو موسیٰ یسعی معاملات میں بھولے اور سادہ لوح ہیں اس لئے انہیں کسی پھال میں پھنسانا چاہیئے۔

۴۔ کثیر التعداد صحابہ معیت علی رضی اللہ عنہ میں شامل نہیں تھے۔ اور ان کی عدم شمولیت کا اثر عوام کے دلوں پر تھا۔

۵۔ عبداللہ بن عباس کی بروقت گفتگو نے ابو موسیٰ کو دلی مدد پہنچایا تھا جس کی بنا پر ان کے اخلاص اور حمایت علی رضی اللہ عنہ کے جذبات سرور پر گئے تھے۔ اور اس کے برخلاف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی باتوں نے عمرو کے اخلاص اور حمایت و نصرت کے جذبات کو اور زیادہ مضبوط کر دیا تھا۔
یحکم ثالثی فیصلہ | دونوں حکم (ثالث) رمضان ۳۰ھ میں جمع ہو گئے۔

اجتماع کی کارروائی عمرو بن عاص کی اُس گفتگو سے شروع ہوئی جس کے ایک ایک فقرے میں ایک ایک پھند تھا ابو موسیٰ کو پھنسانے اور اپنے سوچے سمجھے منصوبے کی طرف لانے کے لئے۔

عمرو بن العاص - ابو موسیٰ سب سے پہلے ہم اس بات کا فیصلہ کر لیں کہ اہل وفا کی حمایت کریں گے ان کی وفاداری کی بنا پر۔ اور اہل غداری کی مخالفت کریں گے ان کی غداری کی بنا پر۔ کیا یہ بات درست ہے ابو موسیٰ ؟

ابو موسیٰ (جدو شناس کے بعد مسلمانوں کے موجودہ افتراق کا شکوہ کرتے ہوئے)

اے عمرو! یہ بات بھنی چاہیئے جس کے ذریعہ موجودہ تفریق ختم ہو کر مسلمانوں کے دل آپس میں جڑ جائیں اور ان کے درمیان دوبارہ الفت و صحبت پیدا ہو جائے۔

عمر بن الخطاب کی بشارت کے ساتھ ابو موسیٰ کی ہمدردی حاصل کرتے ہوئے،
ابو موسیٰ یہی بات ہونی چاہیے۔ اللہ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

جدید کلام شروع کرتے ہوئے،

اگر ہم وہانی بات چیت کریں گے تو عین ممکن ہے کہ بات کے آخری حصہ تک پہنچتے پہنچتے
اس کا پہلا حصہ فراموش ہو جائے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہم اپنی گفتگو کو ضبط و تحریر میں لانے میں
ابو موسیٰ نے عمر کی اس رائے کو پسند کیا۔ اور عمرو نے کاغذ منگوا یا اور کاتب کو بلا لیا یہ کاتب
عمرو کا غلام تھا جسے عمرو نے مخاطب کر کے فرمایا:-

”لکھنا شروع کر اور تو یہی جہاں گواہ بھی ہے اور دیکھنا کوئی ایسی بات نہ لکھنا
جسے ہم دونوں تسلیم نہ کریں۔ منکلم بات کرنے کے بعد دوسرے ساتھی سے تسلیم کرانے کا
اگر وہ تسلیم کرے اور لکھنے کا حکم دے دے تو لکھنا۔ اور اگر منکر کرے تو نہ لکھنا۔“
اس کے بعد عمرو نے بات شروع کی اور کاتب لکھنے لگا:-

”بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ وہ فیصلہ ہے جس پر عبد اللہ بن قیس اور عمرو
بن العاص اتفاق کر رہے ہیں۔ اور یہ فیصلہ اس حال میں کیا جا رہا ہے کہ دونوں گواہی
دیتے ہیں کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے
بندے اور رسول ہیں جنہیں اس نے ہدایت اور رہنمائی اس لئے دے کر بھیجا ہے۔ کہ وہ
اسے تمام ادیان پر غالب کر دیں۔ خواہ یہ بات مشرکین کو کیسی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ ہم
گواہی دیتے ہیں کہ ابوبکر خلیفہ رسول اللہ، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کا حق
ادار کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی روح کو قبض کر لیا۔“

یہاں تک کی گفتگو پر ابو موسیٰ نے اظہار اتفاق کیا اور غلام سے کہا کہ نہ لکھ۔ پھر اس کے بعد
عمرو نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہی فقرے کہے اور ابو موسیٰ نے ان سے بھی اتفاق کرتے ہوئے
غلام کو حکم دیا کہ نہ لکھ۔ عمرو نے اس کے بعد کہا:-

خلیفہ عمرہ کے بعد مسلمانوں کے اجماع اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی مجلس شوریٰ کی مرضی سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت پر بٹھایا گیا اور وہ مومن تھے۔
اس موقع پر پہنچ کر ابو موسیٰ نے عمرو کو ٹوکا اور فرمایا:-
ابو موسیٰ! خدا کی قسم یہ بات وہ نہیں ہے جس کے لئے ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

عمر بن العاص جواب دیتے ہوئے،

خدا کی قسم دوسوڑوں میں سے ایک ہی ہو سکتی ہے یا وہ مومن تھے یا کافر۔
ابو موسیٰؓ۔ عمرو سے اتفاق اور کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے "لکھ۔"

عمر بن العاص۔ اب فرمائیے کہ عثمان رضی اللہ عنہ ظالم کی حیثیت سے قتل ہوئے یا مظلوم کی حیثیت سے؟
ابو موسیٰؓ۔ مظلوم کی حیثیت سے۔

عمروؓ۔ پھر کیا اللہ تعالیٰ نے مظلوم کے ولی کو مطالبہ خون کا حق نہیں دیا ہے؟
ابو موسیٰؓ۔ ہاں دیا ہے۔

عمروؓ۔ کیا آپ کے علم میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ عثمان رضی اللہ عنہ کا کوئی دوسرا ولی ہے؟
ابو موسیٰؓ۔ نہیں۔

عمروؓ۔ اچھا تو پھر ہم اس بات پر شہادت پیش کرتے ہیں۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علیؓ نے شہید کرایا ہے۔

ابو موسیٰؓ۔ اسلام میں جو عادت نہ ہونا مقصود نہ ہو چکا۔ اب ہم جو جمع ہوئے ہیں تو خالص اللہ کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اس لئے ایسی بات کرو جس سے اللہ تعالیٰ امت مجاہدہ کی اصلاح فرمائے عمروؓ۔ وہ کیا ہے؟

ابو موسیٰؓ۔ تم جانتے ہو کہ جس طرح اہل عراق معاویہ کو کبھی پسند نہیں کریں گے۔ اسی طرح اہل شام علی کو کبھی پسند نہیں کریں گے۔ پھر ہم کیوں نہ ان دونوں کو معزول کر کے عبد اللہ بن عمرؓ کو خلیفہ بنالیں۔

عمروؓ کی ہوشیاری | عمروؓ کی ہوشیاری چھلانگ لگا کر فیصلہ کے قریب پہنچ گئی۔ اور انہوں نے ابو موسیٰؓ کی تصدیق اذنا پند کرنے میں پوری چابکدستی سے کام لیا لیکن عبد اللہ کے نام پر اعتراض کرتے ہوئے دوسرے متعذر نام گنوائے شروع کر دیئے جن سے ابو موسیٰ متفق نہیں ہوئے اب عمروؓ نے اپنا آخری تیر پھینکتے ہوئے ابو موسیٰؓ پر سولہ مار دیا۔

عمروؓ۔ آپ کی لبتی کیا رائے ہے؟

ابو موسیٰؓ۔ میری رائے تو یہ ہے کہ ان دونوں کو معزول کر دیں۔ اور اس کے بعد مسلمانوں کو اختیار دے دیں کہ وہ جس شخص کو پسند کریں اسے شہابی کے ذریعہ خلیفہ بنالیں۔

عمروؓ۔ بس رائے تو یہ ہے جو آپ نے اب پیش فرمائی ہے۔ اٹھو ابو موسیٰؓ اور لوگوں کے

سامنے اعلان کر دو کہ ہاری داسے ایک بات پر متفق ہو چکی ہے۔
 ابو موسیٰ (حاضرین سے) میری اور عمرو کی داسے ایک ایسی بات پر متفق ہو چکی ہے جس کے
 نتیجے میں ہمیں امید ہے کہ اشد عود جبل اس امت کے معاملے کو درست قرار میں لے گئے۔
 عمرو: ٹھیک ہے..... ابو موسیٰ اب اہلی بات کہہ دیجئے۔
 ابو موسیٰ: حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی معزولی کا فیصلہ لوگوں کو سنا دینے کے لئے کھڑے
 ہو گئے۔ ادھر عبداللہ بن عباس بھی عمرو کی سازش کو بھانپ گئے اور چلا کر بولے:۔
 افسوس تم پر اسے ابو موسیٰ خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ عمرو نے تمہیں چکے دیا ہے
 اگر تم دونوں کسی بات پر متفق ہو گئے ہو تو اُسے آگے کرو۔ تاکہ پہلے وہ بات کرے۔ اس
 کے بعد تم کرنا۔ اس لئے کہ عمرو بہت ہوشیار آدمی ہے اور یہی ممکن ہے کہ خلوت میں
 تم دونوں کے اہلین جو فیصلہ ہو چکا ہو منظر عام پر آکر عمرو اس سے صاف انکار کر دے۔
 لیکن ابو موسیٰ اشعری نے عبداللہ کی بات کو کوئی وزن نہیں دیا اور کھڑے ہو کر حسب ذیل اعلان
 کرنا شروع کر دیا:۔

اُسے لوگو! ہم نے اس امت کے معاملہ پر غور و خوض کیا۔ اور اس کے بعد ہم
 دونوں اس نتیجے پر پہنچے کہ امت کی شیرازہ بندی اسی فیصلہ میں ہے۔ جس پر ہم
 دونوں متفق ہو گئے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ علی اور معاویہ دونوں کو معزول کر دیں اور
 اس کے بعد خلیفہ کے انتخاب کو امت کی اپنی صواب دید پر چھوڑ دیں۔ وہ جس کو
 پسند کرے اُسے خلیفہ بنا لے۔ اس لئے میں نے علی اور معاویہ دونوں کو معزول کر دیا ہے
 اب تم اپنے لئے جس شخص کو خلافت کے منصب کا اہل سمجھو اُسے اپنا خلیفہ بنا لو۔
 ابو موسیٰؓ کے بعد عمرو بن العاص کھڑے ہوئے اور مجددِ دُشنام کے بعد لوگوں سے منہ جھڑیل خطاب کیا:۔
 اس شخص نے مجھ سے وہ بات کہی جو تم نے بھی سُنی لی۔ اور اس نے اپنے

۱۔ عمر ابن العاص اور ابو موسیٰ اشعری کی باہمی گفتگو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عثمانؓ بحالتِ مظلومی شہید کیے
 گئے اور یہ کہ تنہا معاویہؓ ہی عثمانؓ دم کے خون کا مطالبہ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

۲۔ مسعودی کا بیان ہے کہ لوگوں نے زانی خطاب نہیں کیا بلکہ بخواری فیصلہ لکھا تھا جس میں علیؓ اور معاویہؓ کو معزولی کیا تھا۔
 اس شرط پر کہ مسلمان اپنا خلیفہ خود منتخب کریں (جلد ۱ ص ۱۲)

ساتھی کو معزول کر دیا۔ اور میں بھی اس کے ساتھی کو معزول کرنا ہوں میرا کہ اس نے اسے معزول کیا ہے۔ لیکن اپنے ساتھی معاویہ کو یہیں قائم رکھتا ہوں۔ اس لئے کہ وہ عثمانؓ بن عفان کے ولی اور اُن کے خون کے دعویدار ہیں اور حکومت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ ابو موسیٰ یہ سنتے ہی جوش میں آگئے۔ اور اب انہیں وہ جاں نظر آیا جو عمروؓ نے اُن کے پھنسانے کے لئے بچھایا تھا۔ آپس میں ٹوٹو میں ہوئے لگی۔ لیکن معاویہ حتم ہو چکا تھا۔ اور ابو موسیٰ کے لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہا تھا کہ وہ عام الناس کو ان کے حال پر چھوڑ کر اپنی سواری پر بیٹھیں اور میدان سے نکلے کی۔ اور لیں۔

اس حکیمانہ فتنی کے جو اہم نتائج نکلے۔ ان کا اندازہ مندرجہ ذیل نکات سے لگایا جاسکتا ہے:-
۱۔ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں دوبارہ تلوار اٹھانے کا ارادہ کیا۔ لیکن ان کی فوج نے انکار کر دیا۔ اور آپس میں مختلف رائے ہو گئے۔ اور انہی کی صفوں میں سے خوارج کی ایک نئی جماعت نکل آئی۔

۲۔ اہل شام نے حضرت معاویہؓ کے حق میں فحشی کے نعرے بلند کیے۔ اور وہ ان کے گرد زیادہ مضبوطی کے ساتھ جمع ہو گئے۔

۳۔ نجد امویہ عباسی، ابو موسیٰ کے بارے میں کہتے ہیں:-

- | | | |
|-----|-----------------------------|-------------------------|
| ۱۱۔ | ابا موسیٰ بلیت وکنت شجیفا | تقریب الحفوف مخزون اللہ |
| ۱۲۔ | وما عمرو من صفات لیا بن قیس | فسیا بللہ من شینیمانی |
| ۱۳۔ | فامسیت العشیة ۱۱۵ عند ابرا | ضعیف الرکن منکوب العنان |
| ۱۴۔ | تعض السکن من تدمر و ملذا | یرد علیک عضدک للبنا |

مترجمہ: ۱۱۔ ابو موسیٰ تم بڑھے، نالائق عفو اور عطاء زبان تھے اس لئے زخم کھا گئے۔

۱۲۔ اے ابن قیس، عمرو کی صفات و خصوصیات تم کہاں سے لاتے۔ اے یمن کے بڑھے بس اللہ ہی پیرا بھلا کرے۔

۱۳۔ اس شام تم مجھے معذور اور ضعیف القویٰ نظر آ رہے تھے۔ اور بالآخر تمہیں اپنی باگ ہوڑنے ہی بن پڑی۔

۱۴۔ تم بے شک غرور و غلامت سے اپنی ہتھیاریں اور اٹھیلیاں کاٹ رہے تھے۔ لیکن بعد از وقت پچھتا نے سے کبھی کبھی بنا بھی ہے۔

۳۳۔ عمرو نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو ترکامیاب کر دیا۔ لیکن اسلام کے سینے میں ہمیشہ کے لئے خنجر گھوسپ دیا کہ مسلمانوں میں سے ایک جدید فرقہ نکل آیا۔ جس کا منصب العین ہی بغض علی و معاویہ قرار پا گیا۔
(۴) عمرو معاویہ رضی اللہ عنہ کے دائیں بازو اور مشیر نمبر ایک قرار پا گئے ۔

سلہ سہنت کا حضرت عمرو بن العاص پر یہ ایک ایسا الوام ہے جس میں حقیقت کو بالکل دخل نہیں۔ خوارج کا گردہ اپنا کجروانی کی بدلت عمل میں آتا۔ نہ کہ عمرو بن العاص کی اس کارروائی کی وجہ سے اس کی بنا پڑی۔ اپنے خبث باطنی کے باعث خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ سے علیحدہ ہو گئے اور اللہ کو برا بھلا کہنے لگے۔ بے چارے عمرو بن العاص کا اس میں کوئی قصور نہیں (محمد احسان پانی پتی)

وفات تک

”اے اللہ تو نے حکم دیا اور ہم نے نافرمانی کی
تو نے گناہ سے منع فرمایا اور ہم اس کا ارتکاب
کرتے رہے۔ یہ حال رہا اس شخص کا جو آج تیری
پناہ میں آنا چاہتا ہے۔ اگر معاف کر دے تو تو
غفور اور رحیم ہے۔ اور اگر مواخذہ کرنا چاہے
تو میں اس کا سزاوار ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اے اللہ
کوئی طاقتور نہیں جس سے مدد طلب کروں۔ کوئی
بے قصور نہیں جس کے سامنے عذر پیش کروں۔
تیرے سوا کوئی کبریا ئی اور مغفرت والا نظر نہیں
آتا۔ اس لئے تجھ ہی سے مغفرت چاہتا ہوں۔
اور تیری ہی طرف لوٹ رہا ہوں۔“

عمر بن العاص

موت کے بستر پر اپنے پروردگار سے

بارہ برس بعد حضرت علی رضی نے خلیفہ ہو کر محمد بن ابی بکر کو مصر کا والی بنا دیا تھا۔
 یحکم کے بعد حضرت معاویہ رضی نے دو شخصوں کو جو قتل عثمان رضی سے رنجیدہ اور مصر میں مقیم تھے لکھ
 بھیجا کہ تم دونوں مصر کی حکومت سنبھال لو۔ انہوں نے حضرت معاویہ رضی سے مدد طلب کی تو حضرت
 معاویہ رضی نے ۶ ہزار کا ایک لشکر عمرو بن العاص کی سرکردگی میں مصر روانہ کر دیا۔ تاکہ وہ وہاں پہنچ
 کر علی رضی کے مقرر کردہ حاکم کو مصر سے نکال دے اور اسے شام کے ساتھ ملا دے۔
 ۳۵ھ میں عمرو بن العاص کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور ۴۱ سال کے بعد مصر کی حدود میں پھر دوبارہ
 داخل ہو گئے۔ اور محمد بن ابی بکر کو حسب ذیل مراسلہ بھیج دیا:۔

..... اما بعد اے ابو بکر رضی کے بیٹے! اپنی جان کی حفاظت چاہتے ہو۔
 تو میرا راستہ صاف کر دو۔ میں بھی یہ بات پسند نہیں کرتا کہ میرا چنگل تم پر پڑے۔ اس
 سرزمین کے لوگ تم سے برگشتہ، تمہاری حکومت سے ناخوش اور تمہاری اطاعت پر
 شرمندہ ہیں۔ اگر بات بگڑ گئی تو وہ خود تمہیں ہمارے حوالے کر دیں گے۔ اس لئے بہتری
 اسی میں ہے کہ تم مصر سے نکل جاؤ اور میری نصیحت قبول کر لو۔ والسلام
 مصر کہ منشأ محمد بن ابی بکر نے مراسلہ کا کوئی جواب نہیں دیا اور جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔ فریقین شہر
 منشأ میں صف آرا ہوئے۔ لیکن اس کی فوج عمرو کے حملہ کی تاب نہ لا کر شکست کھا گئی۔ اور اس کا
 اکثر حصہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ لیکن خود محمد بن ابی بکر بھاگنے میں کامیاب ہو گیا جس کا تعاقب

ملا اور ہے کہ یہ شخص امام مظلوم حضرت عثمان رضی کی شہادت میں سب سے پیش پیش تھا یہی سب سے پہلے خلیفہ رسول اللہ کے
 گھر میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ داخل ہوا تھا۔ بعد ازاں نے میرا میں عثمان غنی رضی کی واپسی قتل کے بعد سے پکڑ لی تھی (ملاحظہ فرمائیے)
 سچے یحوی نے منشا کھا ہے۔

علی ابی بکر نے اپنے خط میں منشأ لکھا ہے۔ یہ کہا ہے کہ اس نام کے کئی گاؤں تھے جو میں سب سے زیادہ وٹے
 اور چشمہ منشأ، انجم منشأ، بکار، العیزہ، منشأ، قمرہ، راحونہ، منشأ، سیوط اور منشأ عام تھے۔ علی بعلک ہی
 نے یہ بھی کہا ہے کہ مقابل منشأ عام پیش آیا تھا۔ جو صوبہ دنیلیہ کا ایک گاؤں تھا۔ اسے کہیں کے مرکز
 میں جو صوبہ کے ساحل پر واقع تھا۔

معاویہ بن جندب نے کیا اور اسے پکڑ کر قتل کر دیا۔

عمرو فسطاط پہنچ گئے۔ جہاں انہیں صفحہ شہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حکم پہنچ گیا کہ تمہیں مصر کا حاکم بنایا جاتا ہے۔ اور مصر میں اس شرط پر دے دیا گیا ہے کہ فوج کا خرچ تمہارے ذمہ ہوگا۔ اور پھر اس کے بعد جو کچھ بچے گا اس کے مالک تم خود ہو گے۔

پہلو کی لیکن یہ موت زیادہ دیر تک باقی نہ رہ سکا۔ حالانکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام اور مصر سب کچھ دلانے والے عمرو بن العاص ہی تھے۔

شاید اس کا پس منظر یہ ہو کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طاقت اور ہوشیاری کا اندازہ لگانے کے بعد اس بات سے خائف ہو گئے ہوں کہ عمرو بھی نہ کبھی دمشق پر ضرور ہاتھ مایل گئے چنانچہ انہوں نے اسی اندیشہ کی پیش بندی کے لئے ایک مراسلہ بھیجا جس میں یہ فقرہ تھا۔
”بشرطیکہ کوئی اطاعت کو نہ توڑے“

عمرو نے اس فقرے کی تہ کو، سنج کر حجاب میں لکھ بھیجا کہ۔
”بشرطیکہ کوئی اطاعت شرط کو نہ توڑے“

خلیفہ اموی اور دالی مصر کے درمیان کشیدگی پیدا ہو گئی۔ لیکن معاویہ بن جندب نے مصلحت کر کے ان کی باہمی صلح کرادی۔
ابن عساکر کی روایت ہے کہ۔

جب خلافت تھا ہوا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مل گئی۔ تو انہوں نے عمرو کے لئے مہر کو زیادہ سمجھا۔ دوسری طرف عمرو مصر کو اپنے لئے کم سمجھے بیٹھے تھے۔ اس لئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سب کچھ دلوانے والے وہی تھے۔ اور انہیں خیال تھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو مصر کے ساتھ شام بھی میسرے والے کر دینا چاہیے۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسا نہ کیا تو ان کے دل میں ناگواری پیدا ہو گئی۔ اور دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے۔ اور ایسا معلوم ہونے لگا۔ کہ اب ان دونوں کے درمیان کسی قیمت پر بھی مفاہمت نہ ہو سکے گی۔ لیکن ابھی معاملہ مد سے تجاوز نہ ہوا تھا کہ بعض دانشمندوں نے دونوں کے درمیان پھر مصالحت کرادی اور مشورہ دیا۔ کہ باہمی صلح نامہ کو تحریری شکل میں لے آؤ کہ پھر دوبارہ کوئی جھگڑا نہ پیدا ہو۔

چنانچہ دونوں کے درمیان بہ نسبت شہادت یہ معاہدہ طے پا گیا کہ حکومت مصر سات سال کے لئے عمرو بن العاص کے ہاتھ میں رہے گی اور عمروؓ حضرت معاویہ کے مطیع و فرمانبردار رہیں گے۔

اس معاہدہ پر بھی عمروؓ اور حضرت معاویہ رضہ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکے۔ اور عمروؓ کے دل میں برابر یہ خواہش ابھرتی رہی کہ انہیں مصر اور شام دونوں ملنے چاہئیں۔ اور دوسری طرف حضرت معاویہ رضہ مصر کو بھی عمروؓ کے استحقاق سے بہت زیادہ سمجھتے رہے۔ یہاں ہی نفرت بڑھتی اور فریقین کے اعصاب پر اثر انداز ہوتی رہی۔

ایک مرتبہ کاؤکر بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضہ نے اپنے اہل و عیال سے سوال کیا کہ سب سے زیادہ حیرت انگیز کیا چیز ہے؟ یزید نے جواب دیا: یہ بادل جو آسمان اور زمین کے درمیان بلا سنون اور بلا بندش قائم ہے۔ دوسرے نے کہا: وہ حصہ جسے جاہل و صول کر کے اعداء محرومی جو عاقل کے حصہ میں تھے۔ تیسرے نے جواب دیا: وہ شے جس کی مثال دوسری نہ مل سکے۔ عمرو بن العاص بولے: سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ باطل پرست حق پرست پر غالب آجائے۔ اس پر حضرت معاویہ رضہ نے کہا: یوں نہیں بلکہ سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ انسان کو وہ سب کچھ مل جائے جس کا وہ مستحق نہ ہو۔ اور وہ پھر بھی بے خوف نہ رہے۔ حضرت معاویہ رضہ کے اس سوال اور پھر عمروؓ کے مندرجہ بالا جواب اور حضرت معاویہ رضہ کے جواب الجواب سے صاف ظاہر ہے کہ دونوں ایک دوسرے پر تفریض اور باتلہ سے کر رہے ہیں۔ عمروؓ باطل پرست سے معاویہ اور حق پرست سے علی سراد لے رہے ہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں معاویہ رضہ مصر کا طعنہ دے رہے ہیں۔ عمروؓ کو بطور اگوتہ دیا گیا تھا۔

ایسے کو قلعیا حضرت معاویہ رضہ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص کو کوؤ کا گورز بنا دیا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ نے حضرت معاویہ رضہ سے یہ بات کہہ کر انہیں معزول کروا دیا۔ تم نے باپ کو مصر دے دیا اور بیٹے کو کوؤ۔ اب تم گویا شیر کے دو جیلوں کے درمیان آچکے ہو۔ حضرت معاویہ رضہ نے عبداللہ کو معزول کر کے ان کی جگہ مغیرہ کو مقرر کر دیا۔ عمروؓ کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت معاویہ رضہ سے مل کر پوچھا: کیا آپ نے مغیرہ کو کوؤ کے خرچ پر مقرر کیا ہے؟ حضرت معاویہ رضہ نے اثبات میں جواب دیا۔ جس پر عمروؓ نے کہا کہ وہ سارا خرچ خود کھا جائے گا اور تمہیں کچھ بھی نہ دے گا۔ خرچ پر کسی ایسے آدمی کو مقرر کرو جو آپ سے ڈرتا اور خوف کھاتا ہو۔ یہ بات سن کر حضرت معاویہ رضہ نے انہیں خرچ سے ہٹا کر نماز پر مقرر کر دیا۔ پھر عمروؓ مغیرہ سے ملے اور پوچھا کہ کیا تم

نے عبد اللہ کے خلاف ایسراہوئینس کو مشورہ دیا تھا؟ وہ بولے۔ ”اے عمروؓ نے جواب دیا۔ جیسی
کرتی رہی بھرتی۔“

عمروؓ کی وفات | عمرو بن العاص وفات پا گئے۔
موت کی تاریخ عید الفطر ۳۷ھ تھی۔

موت سے تین سال پہلے رمضان ۳۵ھ میں تین خارجی اس بات پر اتفاق کر کے نکلے
تھے کہ ہم میں سے ایک علی رضہ کو دوسرا معاویہ رضہ کو اور تیسرا عمروؓ کو قتل کرے گا۔ چنانچہ ابن ہشام
حضرت علی رضہ کے قتل میں کامیاب ہو گیا۔ حضرت معاویہ رضہ کا قاتل ہمت ہار گیا۔ اور عمروؓ کے قاتل نے
دھوکہ میں ان کی بجائے خارجہ بن عذافہ قاضی مصر کو قتل کر دیا۔ جو قتل کے دن عمروؓ کی عزالت کی وجہ
سے ان کی جگہ نماز پڑھا رہے تھے۔ جب قاتل کو عمروؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ کہہ رہا تھا کہ میں
نے عمروؓ کا ارادہ کیا لیکن اللہ نے خارجہ کا ارادہ کر لیا۔ اتنا کہہ کر وہ دوڑا۔ عمروؓ نے پوچھا۔
”اتنا بڑا کام کرنے نکلا اور اب موت کو سامنے دیکھ کر بزدلی کے ٹسوے بہانے بیچے گیا یہ کیا بات
ہے؟“ قاتل نے جواب دیا۔ ”خدا کی قسم میں موت سے ڈر کر نہیں دوڑ رہا ہوں بلکہ اس
صدر میں رو رہا ہوں کہ میرے دونوں ساتھی تو علی رضہ اور معاویہ رضہ کے قتل میں کامیاب ہو جائیں
گے اور میں ناکام رہ گیا۔“ عمروؓ نے اس کی گردن مارنے کا حکم دیا اور نیش کو سولی پر لٹکا دیا۔
لیکن وہی عمروؓ جو ۳۷ھ میں اس طرح موت کے چنگل سے بچ سکے تھے۔ تین سال بعد آخر کار
اس کے حوالے ہو کر ہی رہے۔

ابن عساکر کی روایت ہے کہ:-

”ہم عمرو بن العاص کے پاس ان کی وفات کے وقت گئے تو انہوں نے دیوار کی
طرف منہ کیا اور دیر تک روتے رہے۔ اس پر ان کے بیٹے نے کہا: آپ کیوں رو
رہے ہیں؟ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ یہ بشارتیں نہیں دے رکھی ہیں؟ یہ سن کر
انہوں نے اپنا منہ ان کی طرف کیا اور فرمایا: ”میرے پاس بڑی سے بڑی کوئی امید ہے تو
بس یہ ہے: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ۔“ باقی میری علی زندگی
تین حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک حصہ میں میں اپنے آپ کو صحابہ کا سب سے بڑا دشمن
اور اس بات کا حریف پاتا ہوں کہ موقع پا کر ان کا کام تمام کر دوں۔ اگر میں عمر کے ہر حصہ
میں مرجاؤں تو یقیناً سب بدمعاشوں میں جاؤں گا۔ اسی کے بعد میری زندگی کا دوسرا شروع

ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں اسلام کی محبت ڈال دی اور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشرف باسلام ہونے کے لئے حاضر ہوا۔ اور میں نے عرض کیا کہ ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں بیعت کر لوں۔ آپ نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے ایسا ہاتھ کیسے لیا۔ اور عرض کیا کہ پہلے ایک شرط کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ میرے پچھلے تمام قصور معاف فرمادیں جس پر آپ نے فرمایا کہ یہ تو تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام پچھلی تمام آلودگیوں کو صاف کر دیتا ہے۔ اور اسی طرح ہجرت اور حج بھی گزشتہ تمام گناہوں کو محو کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد میں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ اس وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ میری نگاہ میں کوئی دوسرا صاحب عظمت و جلال نہیں تھا۔ اور اگر مجھ سے کہا جاتا تھا کہ نبی کی تعریف کرو۔ تو میری زبان بے واسطہ کی بنا پر یاد آتی تھی۔ یہاں تک کہ میں غایت ادب کی بنا پر آپ کے چہرہ مبارک کو نظر بھر کر دیکھ بھی نہ سکتا تھا۔ اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو یقیناً سیدھا جنت میں جاتا۔ پھر اس کے بعد تیسرا دور آیا جس میں میں حاکم اردو بنایا گیا۔ اب مجھے کچھ خبر نہیں ہے کہ اس دور میں ہماری کیا حالتیں رہیں۔

عمر نے اپنے بیٹوں کو مندرجہ ذیل وصیتیں کیں۔

میں مرحاؤں تو مجھ پر نوحہ نہ کرنا۔۔۔۔۔ جب قبر میں اتار دو تو جلدی جلدی مٹی بھر دینا۔ اس لئے کہ میری دائیں کروٹ بھی مٹی کی ویسی ہی حق فار ہے جیسی بائیں کروٹ ہے۔ میری قبر میں تپھر اور مٹی نہ رکھنا پھر جب دفن سے فارغ ہو جاؤ تو میری قبر کے پاس اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ مجھے اپنے رب کے پیچھے ہونے کا مدول سے سوال و جواب کرنے میں تمہاری موجودگی سے مہربان رہے گا۔

انہوں نے اپنے بیٹوں سے یہ بھی کہا کہ۔۔۔ اے میرے بیٹو اللہ کے معاملے میں میری کیا مدد کر سکتے ہو۔ بیٹوں نے جواب دیا۔ "ابا جان! اگر قبلاً مقابلہ موت کے سوا کسی اور سے ہوتا تو ہم اپنی جائیں آپ کی امداد میں قرآن کر دیتے۔ پھر کہا۔ "مجھے تمہارا دے کر بٹھا دو۔ پھر قبلاً رہو کر کہا۔ اے اللہ تو نے حکم دیا اور ہم نے نافرمانی کی۔ تو نے گناہ سے منع کیا۔ لیکن ہم اس کا ارتکاب کرتے رہے۔ یہ حال رہا اس شخص کا جو آج میری پناہ میں آنا چاہتا ہے۔ اگر تو اسے معاف کر دے تو یہی میری شان ہے۔ اور اگر کڑا لپکا ہے تو میں اسی کا سزاوار ہوں۔

اے امیر کوئی طاقتور نہیں جس سے مدو طلب کروں۔ کوئی صاحبِ عظمت نہیں جس سے تصور معاف کراؤں۔ تیرے سوا مجھے کوئی کیریائی کا مالک اور پردہ پوش نظر نہیں آتا۔ اس لئے تجھ ہی سے منعوت چاہتا ہوں۔ اور تیری طرف ہی پلٹ کر آ رہا ہوں۔ اس کے بعد لا الہ الا اللہ لا الہ الا اللہ کی تکرار کرتے رہے اور اسی تکرار میں ان کی جان نکل گئی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حالتِ نزاع میں ان کے بیٹے نے اُن سے کہا:-
”ابا جان آپ ہمارے سامنے یہ بات فرمایا کرتے تھے کہ کاش میں کسی ایسے عاقل و موثمن سے اس کی حالتِ نزاع میں ملاقات کرتا جو مجھے یہ بتا سکا کہ ہاں کئی کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ ابا جان آپ ہی ایسے آدمی ہیں اور میں آپ ہی سے یہ پوچھتا ہوں کہ ہم سے موت کی کیفیت بیان فرمادیں۔“

اس پر عروٹے جواب دیا:-

”بیٹا رے بیٹے خدا کی قسم ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے آسمان نے زمین کو ڈھانپ لیا ہے۔ اور میں سوئی کے تانکے سے سانس لے رہا ہوں۔ اور موت ایک کانٹوں بھری شاخ ہے جو میرے اندر پاؤں سے لے کر ستر تک کھینچی جا رہی ہے۔“
اس کے بعد یہ شعر پڑھا

لیستق کنت قبل ما قد سدا لی فی سہودیں الجبال ارعی السوسولا
توجہ دے:- یعنی کاش میں اس سے پہلے جو مجھے اس وقت پیش آ رہا ہے۔ کسی پہاڑ کی چوٹی پر پہاڑی کرے چرایا کرتا۔

مرنے کے بعد عروٹے نے ترکہ میں تین سو پچیس سونے کی اشرفیاں، بیس لاکھ چاندی کے درہم، مقامِ ربط کی مشہور جائیداد جس کی قیمت دس ہزار درہم تھی اور اس کے علاوہ مصر کے متعدد مکانات چھوڑے

ایک روایت کے مطابق انہوں نے اپنے ترکہ میں ستر ہزار دینار چھوڑے جنہیں انہوں نے

لے لیا تھا۔ یہ سارے ترکہ میں ان کے انگوٹوں کی ٹٹیاں تھیں جن میں ایک لاکھ کھڑکیں لی ہوئی تھیں۔ اور ہر کھڑکی کی قیمت ایک درہم تھی۔

لے یہ روایت دہری کی ہے اور کتاب الجیوان میں درج ہے
لے پیار میل کی کمال کو کہتے ہیں جن میں دو ادب دفن آجاتا تھا

موت سے پہلے نکال کر کہا تھا کہ ان کا مالک کون بننا چاہتا ہے؟ تو ان کے دونوں بیٹوں نے ان کے لینے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر جب اس کی اطلاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے کہا اس مال کے حق دار ہم ہیں۔ اس لئے کہ تمہارے باپ نے اسے دشمن کے مقابل میں خرچ کرنے کے لئے جمع کیا تھا۔ اور یہ کہ گڑا سے بیت المال میں داخل کر لیا۔

عمرو بن العاص سفح المقلم ہیں دفن کیے گئے۔

قبر کے مقام میں اختلاف ہے۔

ایک قول کے مطابق ان کی قبر امام شافعی کی قبر کے مغرب میں واقع ہے۔

بعض اس قبر کو عمرو کے محلے کے قاضی فیس کی بتاتے ہیں۔

دوسرے قول کے مطابق عمرو اور عقبہ ابن عامر دونوں ایک ہی قبر میں دفن ہیں۔

تیسرے قول کے مطابق عمرو عقبہ اور ابو بصرہ غفاری تینوں کی قبر ایک ہی ہے۔

یہ تھا عمرو کی زندگی کا آخری باب جو مسلسل غزوہ و جہاد اور قتل و قاتل میں بسر ہوئی۔

عمرو ہی پر کیا موقوف ہے ہر انسان کی زندگی کا خاتمہ الہا ہی ہے۔

عمرو کے بارے میں ایک شاعر نے کہا ہے

(۱) العثمان الذی ہر اختلفت حروفہ علی غمہ السہمی تجہلہ مصر

(۲) فلم یضن عنہ حزمہ ولا حنیاطہ ولا جمعة لما استجیم له الدھر

(۳) وامن مقبلا بالصراء وفضللت مکاتبا عنہ واموالہ الدھر

ترجمہ: ۱۔ اے عثمان! کیا تم نے نہیں دیکھا۔ زمانے کی گردش نے اس عمرو سہمی کو بھی اپنی گرفت سے نہیں بچھنے دیا۔

جس کے سامنے مصر جیسی سرزمین باج گزاری تھی۔

(۲) اُسے تقدیر کے اہل فیصلے نے اس کی حزم و احتیاط ہی بچا سکی اور نہ اس کی کھجست و تدبیر۔

(۳) آخر کار اسے اپنے ہی ہم قتل و فراست اور کثرتِ اموال کے علی الرغم چیل میڈاں ہی کو اپنا وطن مانو

اور آخری اقامت گاہ بنا تا پڑا۔

باب پہلوا

عمرو اور قیادت

- قیادت کے معنی
- ایمان
- قائد کی شخصیت
- فوج کا انتظام
- سیاست و سیاست

قیادت کے معنی

فنِ حرب خواہ کتنا ہی ترقی کر جائے اور اسلحہ جنگ خواہ کیسی ہی جدت اختیار کریں، ہر حال میں اُن کا انتظام و انصرام انسان ہی کے ہاتھ کا محتاج رہے گا۔

جو فوج بھی کسی میدان میں فتح و نصرت حاصل کرنے کے لئے کبھی نکلے گی اُسے دیگر عوامل کے ساتھ سب سے اہم اور سب سے بڑے عامل قیادت یعنی رہنمائی سے ہمیشہ واسطہ پڑتا رہے گا۔ جس کے بغیر نہ فوج لڑ سکتی ہے اور نہ کسی میدان میں اُسے فتح حاصل کر سکتی ہے۔

جو شخص بھی کسی میدان جنگ کی قیادت سنبھالنے کی حوصلہ کرے گا اُسے قدم قدم پر ملکہ قیادت، صفات قیادت اور قدرت قیادت کی ضرورت پیش آئے گی۔

آئیے اب ہم یہ معلوم کریں کہ قیادت کی تعریف کیا ہے۔ جنگ کے بعض ماہرین خصوصی کے نزدیک قیادت انسان کی طبیعت اور اس کے مزاج کے ساتھ معاملہ کرنے کا نام ہے۔

بعض کے نزدیک انسانوں کی جماعت پر بحث و تمحیص، ہدایت و ارشاد اور رغبت و توجہ کے ذریعے اثر ڈالنے اور پھر اس اثر کو کام میں لاکر انہیں ایک معین راستے اور مقررہ منزل کی طرف اتحاد و اتفاق اور اطاعت و اعتماد کے ساتھ چلانے کا نام قیادت ہے۔ جسے مختصر عبارت میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ — قیادت اُس فن کا نام ہے جس کے ذریعے انسانوں کو کسی معینہ منزل کی چلنے کے لیے آمادہ اور تیار کیا جاتا ہے۔

قیادت اگرچہ کوئی ایسا فن نہیں ہے جسے احاطہ نظر میں لایا جاسکے۔ لیکن اس کے اثرات اور نتائج کے ذریعے اُسے احاطہ علم میں ضم کر لیا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ اس کا رابطہ سراسر قوائے مصنوعیہ مثلاً رغبت و شوق، شعور و احساس، مقصد و مدنی اور فرد و جماعت کے عقلی احساسات اور ذہنی کیفیات کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جسے پیشانی کی آنکھوں سے دیکھا جاسکے۔

قیادت کا مرتبہ و مقام عواہل حرب میں سب سے زیادہ بلند ہے۔ یہاں تک کہ میدان جنگ میں فتح و نصرت حاصل کرنے کے لیے فوجوں کو جمع کرنا بھی اتنا زیادہ مفید ثابت نہیں ہوتا جتنا مفید اچھی قیادت کا فراہم کرنا ہوتا ہے۔

جنگ کے لیے قیادت جتنی ضروری ہے۔ اتنی ہی قیادت کے لئے قابلیت اور لیاقت ضروری ہے۔ لیاقت سے مراد قائد کی روح۔ اس کے اندرونی قوتی اس کا تجربہ اور اس کا فوج کے ساتھ ایسا رابطہ اور برتاؤ ہے جس کے نتیجہ میں فوج کا ایک ایک سپاہی اپنی جان کو خوشی کے ساتھ قربان کر دینے کے لیے پیش کرے

کامیاب قیادت کی جدید مثال نپولین کی قیادت ہے جس نے بے سرو سامان فوج کو بے کر دیکھتے ہی دیکھتے اُلب کے پہاڑوں کو عبور کر کے اٹلی اور لمبارڈیا کی سرزمین پر جھڑا گاڑ دینے میں کامیابی حاصل کی بلکہ

اور قدیم مثال حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قیادت ہے۔ جنہوں نے بدر کے میدان میں کثیر المتعدا و قرشی کو مٹھی بھر مسلمانوں کے ذریعہ شکست دے کر اعلیٰ ترین قیادت کا نمونہ پیش کیا۔

قائد جس قسم کا ہوتا ہے فوج بھی اُسی قسم کی ہو جاتی ہے۔ اگر کسی فوج کو کارساز اور لائق قائد مسیر آجاتا ہے تو اس کی قوت میں اس کی تعداد سے کئی گنا زیادہ اضافہ ہو جایا کرتا ہے۔

قیادت یا رہنمائی فوجی زندگی ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اس کی ضرورت زندگی کے دیگر شعبوں میں بھی پیش آتی ہے۔ اور ہر شعبہ میں یہ اپنا اثر فیصلہ کن حد تک رکھتی ہے۔

قیادت کے علم اور استعداد کے بارے میں بھی اہل علم کے درمیان کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ استعداد سب لوگوں میں نہیں ہوتی اور جن میں ہوتی ہے وہ بھی

لے نپولین کے پاس بے سرو سامان فوج تو تھی مگر جس وقت جنرل نادروخاں پیرس سے افغانستان آیا تو اس کے ساتھ تو کوئی بھی متعین نہ تھا مگر وہ اپنی الوانعزمی کی بدولت آخر کار تمام افغانستان کا مطلق افغان بادشاہ بن گیا۔ مگر اسے کیا کیجئے کہ ہمارے ذہنوں پر خواہ وہ پاکستان کے ادیب ہوں یا مسر کے انشا پرداز برٹری یورپ کا الیاء عرب مٹھا ہوا ہے کہ اُن کو جب کوئی مثال دینی ہوتی ہے تو اُن کے سامنے اُس وقت بھی کسی یرمین کی تصویر آتی ہے اور مسلمانوں کے کارناموں کو وہ یکسر بھول جاتے ہیں۔ (محمد احمد بانی تہی)

پیدائشی ہوتی ہے جسے کسب اور کوشش سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

بعض دوسرے اس کے خلاف یہ کہتے ہیں کہ یہ استعداد انسانیت کے جوہر اصلی میں داخل ہے اور کم و بیش ہر شخص میں پائی جاتی ہے۔

جب یہ بات پایہ ثبوت اور حد تجربہ کو پہنچ چکی ہے کہ فوج قائد کی صفات اس کے سلوک اور اس کے نمونہ کردار سے غایت درجہ اثر قبول کرتی ہے تو پھر ہر قائد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر قیادت کی بہترین اور اعلیٰ ترین صفات پیدا کرے تاکہ وہ اپنے مقصد میں زیادہ سے زیادہ کامیاب اور فائز الہام ہو سکے۔

قیادت کی ضروری اور لازمی صفات کے بارے میں بھی اگرچہ اقوال مختلف ہیں لیکن مندرجہ ذیل صفات پر تقریباً سب ہی کا اتفاق پایا جاتا ہے۔

- (۱) یقین و ایمان (۲) بھروسہ و اعتماد (۳) نظم و ضبط (۴) مقابلہ اور تضاد (۵) حفظ افواج
- (۶) حقائق کا مقابلہ (۷) قدرت و قابلیت (۸) شخصیت و رجحانیت (۹) شجاعت و دلیری
- (۱۰) درست اندازہ (۱۱) تدبیر و حیلہ اور (۱۲) ایثار ذات

ہم چونکہ اس باب میں عمرہ کی قیادت سے بحث کر رہے ہیں اس لئے مندرجہ بالا صفات کے آئینہ میں عمرہ کی قیادت کو دکھانا چاہتے ہیں۔ جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ وہ صفات کیا تھیں جنہوں نے عمرہ کی شخصیت کو تاریخِ حرب کے اعلیٰ مقام پر پہنچا کر ہمیشہ کے لئے نمونہ تقلید بنا دیا ہے۔

(۱) ایمان

عربوں کا عارض جزیرہ عرب میں پیدا ہوئے۔ جہاں بتوں کی پرستش کی جاتی تھی۔ اور آبادی چھوٹے چھوٹے قبیلوں میں تقسیم تھی۔ جن کے درمیان اگر کوئی رباط و تعلق تھا تو وہ محبت کے بجائے عداوت کا اور انصاف کے بجائے زبردستی کا تھا۔ ایسی صورت حال میں دعوتِ محمدی نے ظاہر ہو کر انہیں اخوت و محبت اور عدل و مساوات کی طرف بلایا اور ان پر یہی عادات سے نفرت دلائی شروع کی جن کی فراںِ روانی تمام جزیرہ عرب پر قائم تھی۔ اور ایک قدم اس سے بھی آگے بڑھ کر اس دین کو بھی نشانہ تنقید بنایا جو سارے جزیرے کا دین تھا اور اس کے بجائے ایک نیا دین پیش کر دیا۔

جزیرے کی اکثریت نئے دین کے مقابلہ میں غم بھٹنک کر کھڑی ہو گئی اور تلوار سونت کر میدان میں نکل آئی۔ نئے داعیوں کو نشانہ ظلم و ستم بنانا شروع کر دیا۔ جس سے تنگ آکر وہ لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

کیا حبشہ عرب سے دور تھا.....؟ اور کیا عربوں کے گھٹنوں میں اتنا دم خم نہیں تھا کہ وہ بھاگنے والوں کا نقاب حبشہ تک کر سکتے؟ تھا، اور ضرور تھا اور صرف اس لیے تھا کہ ان کے درمیان ایسے مواقع کے لیے ایک اقدام پسند بہادر موجود تھا جو خاص کا بیٹا اور عمر کے نام سے مشہور تھا۔ اس تمہید سے ہم یہ بات نکالنا چاہتے ہیں کہ عمر نے دعوتِ اسلامیہ کے مقابلہ میں اندرونِ جزیرہ اور بیرونِ جزیرہ دونوں جگہ ایسی شدید جنگ لڑی جس میں صلح کے لیے کوئی لچک موجود نہیں تھی۔ بیرونِ جزیرہ کا ثبوت اُس کا وہ قول ہے جو اُس نے نجاشی سے کہا تھا: ”یہ لوگ ایک انوکھا دین بنا کر کھڑے ہوئے ہیں۔ جسے نہ ہم جانتے ہیں اور نہ آپ۔ اور اس دین کا اصل بانی ایک مجھوٹا آدمی ہے جو اپنے آپ کو خدا کا رسول کہتا ہے کچھ بیوقوف قسم کے لوگ اس کے ساتھ مل گئے ہیں۔ دن گزرتے گئے اور دینِ قوم محمد و سنت اختیار کرنا اور قریش کے بہادروں کو شکست پر شکست دیتا چلا گیا۔ عمرو بھی اپنی حد تک ایک دینِ جدید کی کامیابی کو دیکھتے رہے۔ اور بالآخر اُس

مقام تک پہنچ گئے جس پر کھڑے ہو کر وہ خود بول اُٹھے کہ :-

”بات کھل کر سامنے آگئی ہے اور میرے دل میں اسلام گھر کرتا جا رہا ہے“
اور انہی کی صلائے بازگشت تھی جو اُن کے دوست نجاشی کی زبان سے بھی اس طرح سنائی
دے رہی تھی کہ :-

”عمرؓ محمدؐ کی تابعداری اختیار کر لو۔ اس لیے کہ خدا کی قسم وہ حق پر ہیں اور یقیناً وہ اپنے مخالفین
پر اُسی طرح غلبہ پاتے چلے جائیں گے جس طرح حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور افواج فرعون پر
غلبہ پایا تھا۔“

عمرؓ اس مرحلہ پر پہنچنے کے بعد اپنے ضمیر کے تقاضے کو زیادہ دیر تک دبا نہیں سکتے تھے
چنانچہ وہ ایمان لے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اعلان اسلام کرتے
وقت اپنی سابقہ غلطیوں کی معافی کا بھی اطمینان کر لیا

ایمان لانے کے بعد عمرؓ مسلمانوں میں بھی صدارت ہی کے مقام پر فائز ہوئے۔ اور چرنکان
کا ایمان خود رسالتاب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں بھی ایک مضبوط اور راسخ ایمان تھا اس
لیے حضورؐ نے انہیں ایک ایسی مہم کے لیے دعوت دی جس کے نتیجے میں مالی کثیر کی اُمید تھی۔
تو عمرؓ نے اپنے اخلاص ایمانی ہی سے مجبور ہو کر حضورؐ پر فور سے عرض کیا تھا کہ :-

”میرے آقا! میں نے مال کے لالچ اور دنیا کی طمع میں اسلام قبول نہیں کیا۔ بلکہ اُسے حق اور
صداقت سمجھ کر قبول کیا ہے۔“

اس باب میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں کہ وہ عمرؓ کا ایمان ہی تھا جس نے انہیں ذات المسلمین
میں اعداد اسلام کے مقابلہ میں تلوار کھینچ کر میدان میں نکل آنے پر آمادہ کیا تھا۔
وہ بھی ایمان ہی کا شعلہ تھا جس نے انہیں عہدِ صدیق میں فتنہ ارتداد کے مقابلہ میں سرکوب
کر دیا تھا۔

فلسطین کے جماد میں بھی اُن کی جاں بازی اور قیادت افواج ایمان ہی کے تقاضوں کو
پورا کرنے کے لیے تھی۔

پھر عہدِ قاروقی میں مصر کا تاریک راستہ بھی انہیں ان کی مشعل ایمانی ہی نے ان کے سامنے
روشن کیا تھا

اور مصر کے بعد برقا طرابلس، انور اور شمال افریقیا کی دور دراز سرزمین کو بھی اُن کے ایمان اور یقین حکم

کے مقابل میں ہی نے اُن کے لیے نزدیک تر بنا دیا تھا۔
 بہر حال عمرؓ کا ایمان قوی اور ناقابل شکست تھا اور اس میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہے
 کہ ان کی افواج نے بھی ان کی قوتِ ایمانی کا پورا پورا عکس قبول کیا تھا۔ اور جو عظیم الشان فتوحات
 ان کو حاصل ہوئیں ان میں قوتِ ایمانی نے پورا پورا کردار ادا کیا۔
 ایمان کی جڑ اور اس کا تہہ مضبوط ہو جانے کے بعد پھر اُس تہے سے جو شاخ بھی نکلتی ہے وہ
 مضبوط اور شاداب ہی ہوتی ہے۔ عمرؓ کا ایمان بالذہن ایک ایسی مضبوط جڑ تھی جس سے ہر قدم
 پر جزوی مقاصد کے لیے ایمان کی شاداب شاخیں نکلتی اور کامیابی کے برگ و بار لاتی رہیں۔ اور جو
 مقصد جو تہ پورا ہو کر اور جو محاذ بھی ان کے سامنے آیا اس پر وہ پورے بھر دے پورے عزم
 پوری جدوجہد، اُپسے اخلاص، پوری شجاعت اور بھرپور ایمان و یقان کے ساتھ جم گئے۔ اور
 آخری مقصد ہمیشہ ایک ہی رکھا اور وہ تھا اشاعتِ اسلام اور شہادت فی سبیل اللہ

(۲) شخصیت

شخصیت کی کوئی جامع اور منطقی تعریف کرنا تو مشکل ہے۔ البتہ اس کا لغارت ان الفاظ میں کرایا جاسکتا ہے :-
 بعض کے نزدیک شخصیت ان صفات کے مجموعہ کا نام ہے جن کے ذریعہ ایک فرد دوسرے فرد سے امتیاز حاصل کرتا ہے۔
 بعض کے نزدیک شخصیت ان جسمانی، عقلی اور اخلاقی صفات کے مجموعہ کا نام ہے جن سے کوئی انسان متصف ہو۔
 بعض کے نزدیک شخصیت ان امتیازات کے مجموعہ کا نام ہے جن کی بنیاد پر افراد کے بیان فرق کیا جاتا ہے۔
 شخصیت کے کچھ اجزاء اولیٰ ہیں اور کچھ اجزاء ثانوی۔
 شخصیت کے اجزائے اولیٰ وہ نسبتی صفات اور نسبتی قویٰ ہیں جو اپنی نوعیت اور اپنی مقدار کے اعتبار سے افراد کے درمیان گھٹتے بڑھتے اور مختلف ہوتے رہے ہیں۔ اور ان کے گھٹنے بڑھنے ہی سے شخصیات ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہوتی ہیں۔
 شخصیت کے اجزائے ثانوی وہ عوامل ہیں جو باہر سے اس کے اندر داخل ہوتے اور اس کی تکوین تشکیل میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ان عوامل میں بھی کچھ فطری ہوتے ہیں کچھ موروثی اور کچھ کسبی و اکتسابی۔ جو موقوف ہیں حالات و ماحول اور خصوصی تجربات پر۔
 شخصیت کے انہی اجزائے اولیٰ و ثانوی کی روشنی میں ہم عمر ثوبن عاص کی ذات و صفات کو دیکھنا اور دکھانا چاہتے ہیں۔

۱۔ بھروسہ | اعتماد علی النفس شخصیت کے بنانے اور اس کو بچنے کرنے کا سب سے بڑا عامل ہے۔ جس شخصیت میں خود اعتمادی پیدا ہو گئی اُس کے ہر عمل میں جان پڑ گئی اور اس کا ہر اقدام کامیابی کی منزل

تک پہنچ گیا۔

بھروسہ پیدا ہوتا ہے فزہ کی قدرت و طاقت سے۔ اور جس شخص کو خود اعتمادی کی طاقت حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ ہر صورت حال کا مقابلہ اطمینان قلب اور یقین نصرت کے ساتھ کرتا ہے۔ عمرو کو اس صفت کا کتنا حصہ ملا تھا۔ اور انہیں اپنی ذات پر کس قدر بھروسہ اور اعتماد حاصل تھا، اس کا اندازہ ان کی جنگوں اور دیگر کارناموں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

عمرو ذات السلاسل میں اپنی فوج کو ترتیب دے رہے تھے کہ اُن تک وہ امداد پہنچ گئی جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عبیدہ کی قیادت میں روانہ کیا تھا۔ ان ابو عبیدہ نے جب اس بات کا اظہار کیا کہ فوج کی عمومی قیادت بھی ان ہی کے حوالے کر دی جائے تو عمرو نے ان کی خواہش کو رد کر دیا اور اس رو کی وجہ یہ تھی کہ عمرو کو اپنی ذات پر پورا بھروسہ تھا کہ وہ دشمن کا مقابلہ کرنے کی پوری اہلیت رکھتے ہیں۔ اور فرائض قیادت ادا کرنے میں ابو عبیدہ سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ چنانچہ قیادت کا فیصلہ عمرو ہی کے حق میں رہا۔

دوسرے موقع پر عمرو امد قرہ بن سیرہ کے مابین ملاقات ہوتی ہے جس میں قرہ عمرو کو ان کے جہاد مرتدین و منکرین زکوٰۃ کے موقف سے کچھ کمزور کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:-

”عرب تمہارے ٹمکیں گزار بن کر زندگی گزارنا ہرگز گوارا نہ کریں گے۔ اس لیے اگر تم انہیں زکوٰۃ کی معافی دے دو تو اس کے بعد وہ تمہارے مطیع و متقاد بن جائیں گے۔“

تو اس کا جواب عمرو نے یہ دیا تھا کہ:-

”میں تجھے اس وقت جہنم کے کنارے پر دیکھ رہا ہوں اور اس حال میں دیکھ رہا ہوں کہ تو اور تیری جماعت اس کے اندر گر جانے کے لئے تیار کھڑی ہے۔“

اس کے بعد عمرو کا اعتماد نفس اُسے مزید جھنجھوڑتا ہے:-

”کیا تو نہیں عربوں سے ڈرانے کی کوشش کرتا ہے۔ مَن لے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اُن کو اصران کے ساتھ تجھ کو بھی گھوڑے کی ٹاپوں سے پامل کر کے رکھ دوں گا۔“ عمرو کا یقین ذات اس سے بھی آگے بڑھ کر کہتا ہے:-

”اے میری تیری گردن دلوچ کر دی رہوں گا، خواہ تو اس کے آگے جنات کی بارڈر ہی کیوں نہ کھڑی کر دے۔“

یہ یوں کہ موقع پر بھی عمرو کا اعتماد ذات ہی تھا جس نے پورے بھروسے کے

ساتھ مسلمانوں کی انفرادی قیادتوں کو اپنے پر اعتماد شہرے سے ایک قیادت میں تبدیل کیا تھا اور پھر اس خوفناک جنگ میں فتح میں حاصل کر کے گویا ایک بہترین عملی دلیل اپنی رائے کی اصابت پر قائم کر دی تھی۔

ارطوبون روم کے مقابلہ میں نکلنے کی جرأت عمرؓ کو بھی نہ کرتے اگر انہیں اعتماد اور بھروسے کی لازوال طاقت حاصل نہ ہوتی، اور پھر اس طاقت میں مزید شعلہ سامانی خلیفہ عمرؓ کا یہ قول پیدا نہ کہ دیتا کہ :-

”ہم نے بھی ارطوبون روم کے مقابلہ میں اپنا ارطوبون عرب بھیج دیا ہے۔“
جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عمرؓ ارطوبون روم کے بھرے دربار میں بذات خود سفیر بن کر گئے اور اپنی شخصیت کو پوشیدہ رکھتے ہوئے کامیاب جاسوسی کر آئے۔ اور ارطوبون کی آنکھوں میں ایسی دھول جھونک آئے جس کے بعد اُس نے خود اپنی زبان انفعال سے اس بات کا اعتراف کیا کہ ”عمرد یقیناً سادھی دنیا سے زیادہ چالاک اور شہیار شخص ہے۔“

اسی اعتماد علی النفس اور یقین ذات کا حیرت انگیز مظاہرہ اسکندریہ میں محصور ہو جانے کے وقت ہوا۔ جب رومی اسکندریہ میں مہرے چار مسلمان تھے جن میں سے ایک خود عمرو تھے۔ اور طے پایا تھا کہ تم میں کا ایک ہمارے پہلوان کا مقابلہ کرے، اگر وہ غالب آجائے گا تو صبح کو رہا کر دیا جائے گا۔ اور مغلوب ہو گیا تو چاروں گرفتار ہو جائیں گے۔ تو رومی پہلوان کے مقابلہ میں سب سے پہلے عمرؓ ہی نے پڑھنے کا ادا وہ کیا تھا۔

غرضیکہ اپنی ذات پر بھروسہ تعمیر شخصیت کا ایک اہم عامل ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو قائد اپنی ذات پر بھروسہ کرے گا اس کی فتح بھی اُس پر یقیناً بھروسہ کرے گی اور جو قائد خود اپنے اوپر بھروسہ نہیں کرتا اُسے اس بات کی کبھی امید نہ کرنی چاہیے کہ دوسرے اُس پر بھروسہ کریں گے۔

عمرؓ کے اعتماد ذات کی جو مثالیں ہم نے اوپر پیش کی ہیں انہی کی یہ برکت تھی کہ فوج اور قوم صاف کو عمرؓ پر بھروسہ تھا۔

اگر عمرؓ مصر کی طرف رعبت دلاتے ہوئے اپنے پورے اعتماد نفس کا ثبوت نہ دیتے تو یقیناً حضرت عمروؓ مصر کی انجمن میں کبھی نہ پڑتے۔

اس کے بعد جب عبداللہ بن ابی سرح کے دور میں منویل نے دوبارہ اسکندریہ کی دہلی اور

مصر کی بازیابی کے لئے فتوحات شروع کر دی تھیں تو اہل مصر کو اگر عمرو پر بھروسہ نہ ہوتا تو وہ حضرت عثمانؓ سے عمرو کو بھیجنے کا مطالبہ نہ کرتے۔
چونکہ عمروؓ خود اپنی ذات پر اعتماد کامل رکھتے تھے اس لیے قوم کو بھی ان پر پورا پورا اعتماد تھا۔ اور اسی اعتماد کی بنا پر انہوں نے دوبارہ مصر پہنچ کر منویل کو مصر سے مار کھجایا تھا۔

(۲) **مشکل پسندی** | اس بات پر بھی علمائے نفس کا اتفاق ہے کہ فرد قوی وہی ہے جو ذمہ داریوں کا متلاشی رہے اور فرد ضعیف وہ ہے جو ہمیشہ ذمہ داریوں سے جی چڑائے۔ اور اس طرح ذرا اختیار کرے جیسے خرگاہ درندوں سے ذرا اختیار کیا جاتا ہے۔
ذمہ داری کی تلاش اور ان کو قبول کرنا فرد کے اندر قیادت کی صلاحیت، کارپردازی کی قدرت، اعتماد علی النفس، یقین محکم، جرأت و اقدام، پیش قدمی اور تعاون کی صفات کو پرورش کر کے اُسے بڑے بڑے کام کر جانے کے قابل بناتا ہے۔
حضرت ابو بکرؓ نے جب منکرین نذوقہ اور مرتدین سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا تو اُس وقت عمرو بن العاص فقہاء نہیں مقیم تھے۔ خلیفہ نے اُن کے پاس پیغام بھیجا کہ:-
”اے ابو عبد اللہ میں تمہیں ایسے کام کے لئے فارغ کرنا چاہتا ہوں جو تمہاری معاش اور معاد دونوں کے لئے بہتر ہو گا۔“

پھر اس پر استدراک کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-
”اے یہ کہ تم اپنے لیے اسی حال کو پسند کر د جس پر تم اس وقت ہو۔“
حالانکہ خلیفہ کا یہ استدراک عمروؓ جیسے شخص کے لئے بے محل اور خلافت واقعہ تھا۔ اس لیے کہ عمروؓ کے پاس سے یہ فرض ہی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ کسی بھی ذمہ داری سے جان چڑا سکتے ہیں۔ چنانچہ عمروؓ کی طرف سے خلیفہ کے پاس اسی قسم کا جواب آیا بھی۔ جس میں انہوں نے عرض کیا:-
..... آپ ان میں سے ایسے تیر کو منتخب فرمائیں جو دشمن کے سامنے سخت نہیں،
خدا کے سامنے نرم ترین اور آپ کے نزدیک افضل ترین ہو۔ اور پھر اُسے جس سمت چاہیں پھینکیں۔۔۔۔۔“

عمروؓ کے کاندھوں پر مرکز خلافت کی طرف سے ڈالی گئی ذمہ داریاں بظاہر اُس وقت ختم ہو جاتی ہیں جب انہوں نے خلیفہ حضرت عمرؓ کو بیت المقدس کا چارج دلوادیا تھا۔

لیکن ذمہ داریاں اُس شخص کی نسبت ابھی ختم نہیں ہوئی تھیں جو ایک اہم شخصیت بننے کی طبع بنی
 ڈال رہا تھا۔ اور جسے تاریخ کے درختاں اُغٹ پر ابھی بہت سے چاند اور ستارے روشن
 کرنے تھے۔ اُس کے اعصاب طبعی سے بھی بڑی اور کھٹن ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کے لیے
 انگڑائیاں لے رہے تھے۔ اور بالآخر انہوں نے خلیفہ عمرؓ کو ایک ایسے پرخطر اقدام پر تیار
 کر ہی لیا جس کے بارے میں وہ کبھی سوچنے کے لیے بھی تیار نہیں تھے۔ اور مشکل پسندی کی انتہا
 کر دی۔ جب خلیفہ سے صرف چار ہزار فوج لے کر مصر حبشی وسیع مملکت پر چڑھ دوڑے۔

مصر کے حاصل کر لینے کے بعد بھی ان کی مشکل پسندی کی پیاس نہ بجھی تو برقر اور طرابلس کی طرف
 بڑھ گئے۔ وہ اس سے بھی آگے بڑھ جاتے اگر خلیفہ عمرؓ انہیں آگے بڑھنے سے نہ روک دیتے۔

مشکل پسندی یا تلاش ذمہ داری کی صفت کو دو اور صفات سے نہایت گہرا ربط ہے جن میں
 سے ایک پختگی ارادہ ہے اور دوسری ثبات قدمی ہے۔ جو فرد بھی مشکل پسند یا ذمہ داری کو دعوت
 دینے والا ہوتا ہے وہ لازمی طور پر مضبوط ارادے کا مالک اور پھر اس ارادے کی تکمیل کے لیے
 اسباب و ذرائع اور حالات و مواقع کی فراہمی پر ثابت قدم اور مستقل مزاج بھی رہتا ہے۔

عمرؓ کی تمام صبر آزما اور طویل جنگوں میں اُن کے سامنے اپنے آقا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ
 ارادہ قوی اور وہ استقلال مزاج نورۃ تقلید رہا جس کا ثبوت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے جزیرہ عرب میں دین جدید کی دعوت کے دوران پیش کیا تھا کہ ایک طرف اہل عرب اور
 بالخصوص قریش کا شدید ترین دباؤ تھا اور دوسری طرف فرد واحد کا آہنی عزم اور کہہ سکن استقلال
 جس نے بالآخر فتح حاصل کی اور جزیرہ عرب پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا جھنڈا لٹکا کر چھوڑا۔

اور عمرؓ بن العاص اپنے اقدامات میں بنی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ ارشاد گرامی بھی ہر جگہ اپنے
 سامنے رکھتے تھے جو آپ نے اپنے چچا سے فرمایا تھا کہ :-

”چچا اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دیں گے

تو میں اس کام کو ہرگز نہ چھوڑوں گا۔“

اور تاریخ اسلام ہمیں یقین دلاتی ہے کہ عمرؓ کے کانوں میں حضور کا یہ قول برابر گونجتا رہا۔ ہمیں یاد
 ہے کہ عمرؓ کے سامنے فتوحات کے مددہ ان میں مصر کے حاکم نے گرانقدر مال پیش کیا تھا اور مطالبہ
 کیا تھا کہ وہ مصر سے واپس چلے جائیں تو انہوں نے اس مال کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے نہایت
 کر دیا تھا کہ ہم مال کے لیے نہیں، اسلام اور صرف اسلام کے لیے لڑنے آئے ہیں اور ہمساری

قدر و قیمت اُس سے بہت وراہ الہیہ جو مصر کے حکمران سمجھتے ہیں۔
 عمرو کا مصر سے بھی آگے مغرب کی طرف بڑھ جانا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ ان کو شکل لپیڑی
 قبول خطرات اوتار اوہ اور مستقل مزاجی کی صفات کس پیمانہ پر حاصل تھیں اور ان کی شخصیت کی
 تعمیر میں ان صفات کا کتنا اہم حصہ تھا۔

(۳) عملی نمونہ | فوج اپنے قائد سے بھی متاثر ہوتی ہے۔ وہ اس کے نقش قدم پر چلتی اور اُسے ہلکام
 میں اپنے سامنے ایک مثالی نمونہ بنا کر رکھتی ہے۔ ایسا نمونہ جس میں سرتاپا خوبیاں ہی خوبیاں نظر
 آئیں اور عیب ایک بھی دکھائی نہ دے۔ اور پھر اس کی تقلید بھی اس حد تک کرتی ہے، کہ
 کہنے والے کے اس قول کو سچ کر دکھاتی ہے کہ:-
 ”حیياتنا ولسی فوج“

قائد کے لینے نہایت ضروری ہے کہ وہ اپنی اُس فوج کے لیے جس سے قدم قدم پر قوت
 قدرت، شجاعت، اقدام اور قربانی کی امید رکھتا ہے اور اپنے ایک اشارہ اور پروتہ تک
 سے کھیل جانے کا آرزو مند ہے، ضروری ہے کہ وہ خود بھی اُن کے سامنے ایک کامل نمونہ تقلید
 بنے۔ جس کے نقش قدم پر چل کر وہ بھی اس کی آرزوؤں کی تکمیل کریں۔

تہذیب و فاضل السلاسل میں مسلمانوں کے عمر و سوسائٹی کی روشن کرنے کی اجازت ملے گی تو اجازت
 نہ ملی۔ جس پر اُن کو غصہ آیا۔ اور واپسی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے اس بات کی
 شکایت بھی کر دی اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے جواب طلب کیا تو عمرو نے
 عرض کیا:-

”مجھے اندیشہ تھا کہ آگ کی روشنی سے دشمن ہماری قسبت تعداد کا صحیح اندازہ
 لگانے کا اور اس کے حوصلے بلند ہو جائیں گے۔“

پھر مزید عرض کیا کہ:-

”یا رسول اللہ خود میں بھی تو اُس کشتی میں سوار تھا اور سردی کا احساس سب
 لوگوں کی طرح کر رہا تھا۔“

مزید عرض کیا کہ:-

”میرا دل بھی یہی چاہتا تھا کہ آگ کی روشنی کے ہاتھ پاؤں گرم کر دیں۔“

عمرو کے آخر الذکر ہر دو فقرہ سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ عمرو اپنی فوج کے ہر سرد و گرم میں اُن کے ساتھ رہتے اور اُن کے لئے علی نمونہ بنتے تھے۔ جس سے فوج پر مطلوبہ عمل آسان ہو جاتا تھا۔

اجنادین میں باوجود اس کے کہ وہ فوج کے قائد تھے باوجود اس کے کہ وہ دوسرے لوگوں کو جاسوس بنا کر دشمن کے کیپ میں بھیج سکتے تھے۔ اور باوجود اس کے کہ جاسوس بن کر جانے میں خود ان کی جان کا خطرہ تھا۔ پھر بھی بذاتِ خود دشمن کے کیپ میں پہنچ گئے اور اپنے اس عمل سے ثابت کر دیا کہ تمہارا قائد صرف حکم ہی دینے والا نہیں ہے بلکہ تمہارے سارے کاموں میں برابر کا شریک اور ایک اچھا نمونہ عمل بھی ہے۔

(۴) دور بینی | قائد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حالات کا اندازہ دور تک لگا سکے۔ اور اپنے احکام کے نتائج، اپنے فیصلوں کے اثرات، اپنے منصوبوں کے طول و عرض اور اپنے جائزوں کی رسائی کو حال کی روشنی میں دیکھنے کے ساتھ ساتھ مستقبل کی روشنی میں بھی دیکھے۔ اس دور بینی اور وعدہ اندیشی میں حقیقی ضمانت ہوتی ہے اُس کے اقدامات کی کامیابی اور نفع و حرکت کی فتح مندی کے لیے۔

یرموک میں عمروؓ نے جس وقت مسلمانوں کی متفرق فوج کو اتحاد کی لڑی میں پرو کر وحدت قیادت کا مظاہرہ کیا تھا تو اُس وقت اُن کے سامنے صرف یرموک ہی نہیں تھا بلکہ وہ یرموک کے بعد ہرمیدان میں اس کی ضرورت کو پہلے میدانوں سے زیادہ محسوس کر رہے تھے۔ اور اتنی دُور دیکھ رہے تھے جتنی دُور عام قائدین کی نگاہ دُور ہی نہیں سکتی۔ اور یہی وجہ تھی کہ مسلمان ایک بار یرموک میں متحد ہو جانے کے بعد پھر تمام اور فلسطین کے تمام معرکوں میں متحد ہی رہے۔

مصر میں ام ذہین کی تسخیر کے بعد ہی عمروؓ نے دُور اور بہت دُور بابلون میں اپنے آنے والے مؤقف کو دیکھ کر اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کے لیے ہمیں نیل کے اتار کا طویل انتظار کے ساتھ ساتھ مزید فوجی امداد کی بھی ضرورت پیش آئے گی۔ چنانچہ انہوں نے قبل از وقت ہی خلیفہ کو امداد کے لیے لکھ دیا تھا۔ اور طویل انتظار کے وقفہ کو استعمال کرنے کے لیے بھی انہوں نے منصوبہ بنالیا تھا اور اس منصوبہ کے مطابق بذاتِ خود فوج لے کر صوبہ فیم کے رومیوں کو ہراساں کرنے اور ان کے قومی کو مضحک کرنے کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔

پھر جونہی زبیر کی کمک مصر میں داخل ہوئی تو اُس سے ملنے میں جلدی کرنا بھی اسی دور بینی اور وقتِ نظر کا تقاضا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رومی ہمارے اور اس ملک کے درمیان حائل ہو کر اُسے ہمارے لیے بے سود بنا دیں

بابلیوں کے محاصرہ کے دوران بھی جب انہیں تھیوڈور کی نقل و حرکت کا علم ہوا تو ان کی دُور بینی نے مشورہ دیا کہ اُسے قلعہ تک آنے سے پہلے دُور ہی کسی جگہ روک دیا جائے۔ چنانچہ عمرو بلا تاخیر بذاتِ خود اس کے مقابلہ پر بھی سمند تک پہنچ گئے اور اس کے حوصلے کو لپٹ کر دیا۔

اسکندریہ کے محاصرہ کو لمبا ہوتے دیکھ کر بھی عمرو نے ازراہ دُور بینی ضمنی فتوحات کا منصوبہ بنایا اور فاضل طاقت کو لے کر پورے ایک سال تک کرین، دمنہور، سخا، طوخ، دسیس اور دمياط وغیرہ علاقوں کی طرف کام کرتے رہے

بلائی مصر کے لیے حذافہ کی مہمات بھیجنے اور اُسے حذافہ کے ہاتھ سے فتح کرانے میں بھی عمرو کی دُور بینی ہی کار فرما تھی۔ اس لیے کہ اس علاقہ کے رومیوں سے کسی نہ کسی وقت حضرات پیش آ سکتے تھے۔

اسکندریہ سے جب خود قیصر پیغامِ صلح لے کر عمرؓ کے پاس پہنچا تو عمروؓ کی دُور بینی ہی نے اس کا باعثِ استقبال کرایا اور یہ الفاظ عمرؓ کی زبان سے کہلوائے کہ:-

”آپ نے خود تشریف لا کر ہمارے اوپر بہت بڑا احسان کیا ہے۔“
اور عمرؓ نے اپنے اس استقبال کا فوری ردِ عمل بھی دیکھ لیا کہ قیصر سس نے اپنے مقام سے گر کر یہاں تک کہہ دیا کہ:-

”اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ زمین عطا کر دی ہے اس لیے آج کے بعد رومیوں سے کسی جنگ کا ارادہ نہ کریں۔“

بنیامین کو روپوشی سے نکال کر اس کے منصب پر بحال کرنا بھی عمروؓ کی دُور بینی ہی کا تقاضا تھا۔ اور ان کی دُور سس نگاہیں اُن فوائد کو پہلے ہی دیکھ رہی تھیں جن کا ظہور بعد میں ہوا۔

یہاں تک کہ جب منوبل نے دوبارہ اسکندریہ پر قبضہ کیا تو اس وقت اُس نے رومیوں کا کاماتہ نہیں دیا اور اس کی اخلاقی ہمدردی باقی بدستور مسلمانوں کے ساتھ رہی۔

صبرانہ کے بعد عمروؓ چاہتے تو شمالِ افریقہ کی طرف بدستور پیش قدمی جاری رکھتے۔ لیکن وہ بغیر سوچے سمجھے کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ اہم حجب انہوں نے دُور بینی کی نگاہ سے معاملہ پر غور کیا تو آگے

بڑھنے سے پہلے خلیفہ سے اجازت اور مدد طلب کر لی

(۵) قوت فیصلہ | قوت فیصلہ سے مراد ہے پیش آمدہ معاملات میں جلد فیصلہ کرنا، اس فیصلہ کے نافذ کرنے کے لیے پوری طاقت سے احکام جاری کرنا اور پھر فوراً ان احکام پر عمل کرانا اور ان احکام کا موثر عمل میں پوری حکمت تدبیر اور عوامل کی جانچ پڑتال کا لحاظ رکھنا۔

ہم نے ابھی ابھی عمرؓ کی دور بینی کے بیان میں جو مثالیں ذکر کی ہیں وہیں مثالیں عمرؓ کی قوت فیصلہ کا نمونہ بھی پیش کرتی ہیں۔ مثلاً:-

۱۔ مصر میں زبیر کی ملک کے ساتھ عمرؓ کا فوراً جا کر مل جانا۔

۲۔ محاصرہ اسکندریہ کے دوران نشیبی مصر کی طرف پیش قدمیاں

۳۔ محاصرہ بابلین کے دوران سمود کے مقام پر تھبوڈہ کی پیش قدمی کو روکنا وغیرہ۔

لیکن قوت فیصلہ کا ذکر کرتے ہوئے اگر ہم ذات السلاسل کے دو واقعات کی طرف اشارہ نہ کریں تو مضمون تشنہ رہ جائے گا۔

۱۷۔ پہلا واقعہ وہ ہے جو ابو عبیدہؓ کے ساتھ پیش آیا، جب انہوں نے اعداد لاکر فوج کی عمومی قیادت

سنبھالنی چاہی۔ تو اسے پوری قوت فیصلہ کے ساتھ عمرؓ نے رد کر دیا۔ اس کا صحیح اندازہ آپ

کو ان دونوں کی اُس گفتگو سے ہو گا جسے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

عمرؓ۔ یہاں فوج کا یقیناً ایک ہی امیر اور ایک ہی امام ہو گا۔ وہ نہیں ہو سکتے۔

ابو عبیدہؓ۔ عمرو! اختلاف نہ کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی ہے کہ ہم اختلاف

نہ کرنا۔

عمرؓ۔ لیکن اگر میں آپ کی بات نہ مانوں تو اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

آپ کو کیا طریقہ عمل اختیار کرنے کا حکم دیا ہے؟

ابو عبیدہؓ۔ یہی کہ میں تمہاری اطاعت کروں

عمرؓ۔ بس تو پھر میں آپ کی بات ماننے سے انکار کرتا ہوں۔ امامت عمرؓ کے موا کسی دوسرے

کی نہیں ہو سکتی۔

(۱۸) دوسرا واقعہ آگ روشن کرنے کا ہے۔ مسلمانوں نے ابوبکرؓ کو ان کے پاس آگ کی مالعت کے

بارے میں بات کرنے کے لئے بھیجا اور انہوں نے سفارش کی تو عمرؓ نے اُن کی بات مفتا تک

گوارا د کی اور دو ٹوک فیصلہ سنا دیا کہ :-
 جو کوئی بھی آگ جلانے کا اُسے اُسی کی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔
 اسی طرح فوج نے شکست خوردہ دشمن کے تعاقب پر اعلان کیا اور کہا کہ ہم اُن کا پیچھا کر کے
 ان کا خاتمہ کر دیں اور اُن کے ساز و سامان پر قبضہ کر لیں۔ — تو اس مرحلہ پر بھی عمرو کی قریب
 فیصلہ ہی نے انہیں یہ کہہ کر خاموش کیا تھا کہ :-

”بس میرا حکم یہی ہے جو میں جسے چکا ہوں۔ اور اس کے بعد جو بھی ان کے تعاقب میں
 جائے گا سخت سزا کا مستوجب ہو گا۔“

عمرو کی یہی قوت فیصلہ تھی جس نے فوج کے درمیان مطلوبہ نظم و ضبط قائم رکھا اور جس کے
 نتیجے میں فوج نے ہر میدان میں اُن کی پوری اطاعت کر کے دشمن پر ہر جگہ کامیابی اور فتح پائی
 حاصل کی۔

۱۶۔ بے نفسی | کامیاب فرد پر متبادل کیفیات اور متفاد احساسات وارد ہوتے ہیں۔ اور اس
 لیے اس کی صفات متعین کرنے میں علامتے نفس کے مابین بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔
 بعض کا خیال ہے کہ کامیاب فرد اپنی زندگی اور اپنے تصرفات میں مبالغہ پسند اور متکبر
 ہوتا ہے اور اپنے علاوہ ہر شخص کو مرتبے اور حیثیت میں اپنے سے کم سمجھتا ہے۔
 حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ کامیاب فرد کے اطوار پر تواضع اور انکساری غالب ہوتی
 ہے۔ اس لیے کہ اس کی حقیقت لوگوں پر خود بخود واضح ہو جاتی ہے اور وہ خود اس کی شاخوالی
 کرنے لگتے ہیں۔ اور جب دوسرے لوگ اس کی کار سازی، قدرت و طاقت اور توفیق و کامیابی کا تذکرہ
 کرتے ہیں تو پھر اُسے تکبر اور عجز کے ذریعہ اپنی شخصیت کو منوانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔
 اس حقیقت کا قریب قریب سب اعتراف کرتے ہیں کہ خاموشی علی ہی کامیابی کا راستہ ہے اور
 تصنع اور بناوٹ ناکامی کی دلیل

ہر قائد اور رہنما کی طرح حربی قائد کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ متواضع اور دھیمہ ہو۔ اور جہاں
 تک ہر سکے اپنے بارے میں مبالغہ آرائی سے پرہیز کرے۔ اس لیے کہ اپنی فن کاری، اپنے کارناموں
 اور اپنے تصرفات کو خود اپنی ہی زبان سے بیان کرنے کی بہ نسبت زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ اُس
 کے کارنامے، اُس کی مہارت فن اور اس کی کار پڑائیاں اس کی تعریف اور توصیف کریں (مشک

آمنت کہ خود بید نہ کہ عطار بگوید

ہم عمر بڑی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو صاف نظر آ جاتا ہے کہ باوجود عظیم الشان فتوحات اور کامیابیوں کے ان کے اندر غرور اور تکبر کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ اور اس کے بجائے تواضع اور انکساری ضرورت سے بھی زیادہ پائی جاتی تھی۔ انہوں نے اپنی مہارت جنگ اور فتوحات کا تذکرہ اپنی زبان سے اتنا نہیں کیا جتنا دوسرے لوگوں نے اور خود تاریخ سننے کیا۔ جزیرہ عرب کا بچہ بچہ عمر کا تذکرہ اسلام کے ایک عظیم المرتبہ فاتح کی حیثیت سے کرتا تھا۔ اور سحر اور حوالی مصر کا ایک ایک فرد انہیں قائم سیف سے زیادہ قائم اخلاق اور قائم تواضع کی حیثیت سے جانتا تھا۔

ام ذہین میں عربوں اور رومیوں کے درمیان نہایت صبر آزما اور بازو شکن جنگ ہوئی اور اس میں مسلمان ایسے نکلے کہ عمر بڑے اکثر سامعینوں نے تو بہت تک ہار دی اور جنگ بند کر دینے کا خیال دل میں لائے گئے۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے تو ان میں سے عین اس وقت جبکہ وہ فوج کی ہمت بڑھا رہے تھے، اٹھ کر صاف صاف کہہ دیا تھا کہ "انا لہم نخلق من حديد" (ہم کوئی لوہے کے تو بنے ہوئے نہیں ہیں) جس پر عمر بڑے اس کو تھپڑ کتے ہوئے کہا تھا۔ اسکت اٹھا اٹھ کلب یعنی خاموش رہا اور کہنے لگا "اس پر اس شخص نے فی الفور جواب دیا تو امنت امیر الکلاب یعنی راز اور تم کتوں کے امیر ہو۔" لیکن عمر بڑے کے تھل اور بردباری نے اس شخص سے اعراض کیا۔ حالانکہ فوجی نظر و ضبط کی رو سے اس شخص پر کئی سنگین و فحاشیات عائد ہوتی تھیں اور عمر بڑے کو اختیار تھا کہ اُسے قائد کی حکم عدولی، قائد کی توہین اور اپنے فرض میں کوتاہی کی پاداش میں عبرت ناک سزا دیتے۔ تاکہ باقی فوج اُس کے بڑے قول کے اثر سے متاثر نہ ہو۔ لیکن عمر بڑے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ اُسے اُس کے حالی پر چھوڑ کر اپنی فوج کی طرف متوجہ ہو گئے اور بدستور انہیں ترغیب جہاد دیتے رہے اور فرمایا کہ "تقد مواخیکم نیص الله" یعنی آگے بڑھو اللہ کی مدد تمہارے ہی دست و بازو بن کر نازل ہوگی۔

۱۔ محمد فوج مؤلف کتاب عمر بن العاص کی حیات میں جو کچھ چاہیں لکھیں۔ لیکن اگر یہ روایت صحیح ہے تو ان پر طے گا کہ عمر بن العاص میں اخلاق اور تہذیب کی بڑی کمی تھی۔ کسی شخص کی عزت نفس کا خیال نہ کرتے ہوئے اُسے کتن کہہ دینا یقیناً حد درجہ کی بد اخلاقی تھی۔ اور اگر وہ سپاہی فاروق اعظم کی عدالت میں اپنی اس توہین کا دعویٰ کر دیتا تو کبیر عمر بن العاص کو سپاہی کی تحقیر کرنے کا سزا آتا۔ (محمد احمد بانی تہی)

امیر فتح نے اپنی کتاب "حیات خلفائے محمد" میں یہ بات واضح کی ہے کہ یہ عمرؓ نے جب شہر (اسکندریہ) کے حاکم کے سامنے بلند پایہ اور بہادرانہ گفتگو کی جسے حاکم نے انہیں سردار سمجھ کر قتل کا حکم دے دیا تو دربان نے اُن کے چہرے پر پتھر مارنے ہوئے کہا کہ خاموش رہ، ادا کئے اپنے سرداروں کے سامنے زبان چلاتا ہے.....

کیا امیر فتح کی اس روایت کو سامنے رکھتے ہوئے عمرؓ کی تواضع اور انکساری کی انتہا میں کوئی شبہ باقی رہ جاتا ہے؟ سردی شہنشاہی کا خاکہ کر کے مصر جیسی عظیم الشان مملکت کا فاتح اعظم اپنے ایک ادنیٰ سپاہی کے ہاتھ سے اپنے چہرے پر طانچہ گوارا کرتا اگالیاں کھاتا اور کتے کا خطاب سنتا ہے۔ لیکن نہ رنجیدہ ہوتا ہے اور نہ تشریف رو۔ صرف اس لیے کہ اس ظاہر و بدکلامی کے پہلو میں اچھے نتائج نظر آرہے تھے جن کے حصول پر عمرؓ اپنے رب کے شکر گزار تھے اور اُن نتائج کے راستہ میں جو رنج اور تکلیف پیش آرہی تھی اُس کا گوارا کرنا اُن کے لیے آسان ہو گیا تھا۔

تواضع کا کمال تو اُس وقت ہے جب کسی قائد کو تادم تادم فتح نصیب ہوئی ہو اور اس کا خون گرم اُسے اس بات پر مجبور کر رہا ہو کہ اپنی بڑائی اور کارپردازی پر فخر کرے۔ لیکن وہ اُس وقت بھی تواضع سے کام لے۔ اسکندریہ کی فتح کے فوراً بعد جب عمرؓ نے بطریق بنی امین کو روپوشی سے نکال کر بلایا اور اُسے ملاقات کی دعوت دی تو عمرؓ مجلس ملاقات میں سب لوگوں کے سامنے انتہائی تواضع اور انکساری کے ساتھ حاضر ہوئے اور بنی امین کے متعلق جو کچھ فرمایا وہ بھی فروتنی اور تواضع ہی کا آئینہ دار تھا۔ فرمایا تھا:-

"میں نے ان تمام شہروں میں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے فتح فرمایا ہے ان جیسی کوئی مذہبی شخصیت نہیں دیکھی۔"

غور کیجئے اس فقرے پر۔ عمرؓ نے ایک فاتح کی حیثیت سے خود اپنی ذات کے متعلق بات شروع نہیں کی بلکہ دوسرے شخص کے بارے میں کی۔ اور اپنی تعریف کرنے کے بجائے اُس شخص کی تعریف کی جسے رومیوں نے جلالِ وطن اور ذلیل کیا تھا۔ عمرؓ کی اس تواضع اور بے نفسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ قبیلوں نے انہیں حکمران اور فاتح کے بجائے رحمت کا فرشتہ اور نجات کا دیوتا سمجھا۔ اور

روزِ اول ہی سے ان کے قلوبِ عمرہ کے مسخر ہو گئے۔ جیسے کہ سادیریس نے اپنے مندرجہ ذیل قول میں اس کا اعتراف بھی کیا ہے:-

مصر دلمے عمرہ سے ایسے خوش پڑے جیسے لکڑی کا بچہ اُس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کی سی ماں کا دودھ پینے کے لیے کھول دی جائے۔

(۲) محبت اور وفاداری | عسکری زندگی کے لوازمات اور اس کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد محبت اور وفاداری ہے جسے حسبِ مراتب ہر فرد میں پایا جانا چاہیے۔ خاص طور پر قائد میں اس کی موجودگی سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اگر قائد میں اپنے سے اوپر والے سرداروں اور نیچے والے متبعین دونوں کے لیے بیک وقت محبت اور وفاداری موجود ہو تو یقیناً اس کی محبت کا عکس اس کی رعایا اور متبعین پر پڑے گا اور اس کی محبت کے ردِ عمل کے طور پر وہ بھی اُس سے محبت اور وفاداری کرنے لگیں گے۔

سردار اور امیر کی فرماں برداری ہر مسلمان پر اُس کے دین کی رو سے بھی واجب کی گئی ہے جیسے کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ:-

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا السُّلْطَانَ وَأُذِی الْأَمْرِ مِنْكُمْ (اللہ اور رسول اور اپنے صاحبِ امر کی اطاعت کرو) اسی بنا پر مسلمان اس اطاعت اور کولاء کو دینی اور بنیادی حیثیت دیتے ہیں۔ اور چونکہ عمرہ بن عباس پر جوش اور کچے مسلمان تھے اس لیے وہ اسس بنیادی تعلیم پر مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا اور اپنے سرداروں کے محب اور وفادار رہے۔

خلیفہ اول حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی محبت و اطاعت انہوں نے ہمیشہ کی۔ فتنہ ارتداد کے لیے بلایا تو فوراً حاضر ہو گئے۔ فلسطین اور شام بھیجا چاہا تو کوئی پس و پیش نہیں کی۔ فلسطین کی فوج کا قائد بنا دیا تو اس پر بھی راضی ہو گئے۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر ابن الخطابؓ کی اطاعت بھی ہر قدم پر کرتے رہے۔ ان کے احکام کے ماتحت مصر کا چہرہ اور مصر سے آگے برقرار طر امیں سب فتح کیا۔ اور پھر جب عین جوش اقدام کی حالت میں انہیں روک دیا گیا تو فوراً روک بھی گئے۔

شام کی متفرق قیادتوں کے زمانہ میں بھی انہیں جن دوسرے قائدین کے ماتحت کام کرنا پڑا۔ اس میں بھی انہوں نے کامل اطاعت و کولاء کا ثروت پیش کیا۔ یرموک کے میدان میں وہ خالد ابن ولید کے شخص اطاعت شعار تھے۔ دمشق اور نخل وغیرہ میں انہوں نے ابو عبیدہ کے ساتھ پوری وفاداری کا ثبوت

پیش کیا۔ اور ان دونوں قائدوں کی مخلصانہ وفاداری اس حال میں کرتے رہے کہ وہ خود قدر و منزلت اور اہمیت و قیادت میں ان سے کسی طرح کم نہ تھے بلکہ چونکہ عمرو بن خود وفاداری کا عنصر بدرجہ اتم موجود تھا اور وہ اپنے خلفاء کے پورے وفادار تھے۔ اس لیے اس کا عکس اور پرتو ان کے ماتحتوں پر بھی پڑتا تھا کہ وہ ان کے سچے وفادار اور اطاعت شعار بن کر رہے۔ اور اپنے قائد کے اخلاقی رنگ میں پوری طرح رنگے گئے۔

(۸) کارپردازی | فوجی زبان میں کارپردازی سے مراد اس بات کی قابلیت ہے کہ پیش آمدہ عمل یا مہم میں کم سے کم وقت اور کم سے کم محنت و مشقت خرچ کر کے اُسے کامیابی کی منزل تک پہنچا دیا جائے کارساز یا کارپردازی شخصیت کی تعمیر کا ایک اہم عنصر اور میدان جنگ کا ایک بنیادی عامل ہے اور جس قائد میں کارپردازی کی صفت پائی جاتی ہے وہ ہر خطرے کا مقابلہ جرأت کے ساتھ اور مشکل کا ازالہ مہمت کے ساتھ کر لیتا ہے اس لیے کہ اس کی کارپردازانہ صلاحیتیں اس کی حکمت و تدبیر اور قوت و مقدرت کو اجاگر کرتی اور اس قابل بنادیتی ہیں کہ وہ بھروسے اور اعتماد کے ساتھ اپنے مقصد تک پہنچ جاتا ہے۔

عمر بن العاص کی شخصیت کو اس جوہر کا بھی اتنا وافر حصہ ملا تھا کہ وہ قبل الاسلام ہی کارپردازی میں سرب المثل اور نمونہ قلب رہ چکے تھے۔ دور جاہلیت کے لوگ بھی جن کاموں کو اپنی مہمت سے بالا سمجھتے تھے ان کو عمرو کے ذمہ ڈال دیتے تھے۔

مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو ان کے لیے حبشہ میں ان کا تقابض کرنا ایک بہت بڑی مہم تھا۔ اور اس مہم کے لیے انہیں تمام عرب میں عمر بن العاص کے علاوہ کوئی دوسرا کارپرداز نظر نہیں آیا۔ انہوں نے عمروؓ ہی کو حبشہ بھیجا۔ جس نے نجاشی پر پورا زور ڈالا اور ہر روز ایک نئی سے نئی شیر شکن جست لگاتا اور نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف دبوچنے کی کوشش کرتا رہا پھر جب وہ اسلام لے آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کارپردازانہ قدرت و قابلیت

سے عمر بن العاص کی بلند شخصیت کا ایک کردار یہ بھی ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے ان کو وہایت مصر سے معزول کر دیا تو نہایت خاموشی کے ساتھ ہرج و مرج سے بچے آئے۔ حالانکہ اگر چاہتے تو مصریوں کی حمایت کے بل بوتے پر حکم عدولی کو کے مطاعت کے لئے ایک عظیم فتنہ برپا کر سکتے تھے (محمد احمد پانی پتی)

کا اندازہ لگا کر سر تہ ذات السلاسل میں بھیجا۔ پھر سماع کے مہندم کرنے کا کام بھی انہی سے لیا۔ اس کے بعد مملکت ایران کی تسخیر بھی ان ہی کے ہاتھوں سے کرائی۔

خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ نے ان کی کارپردازی کا مشاہدہ کیا تو اپنے دور کا سب سے بڑا کام یعنی اندرونی فتنوں کا انسداد انہی کے سپرد کیا اور اس کے بعد بیرونی فتوحات کے لیے غلطین اور شام روانہ کیا۔

ان کے بعد دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ بھی اگر ان کی کارپردازی کے قدر دان نہ ہوتے تو انہیں مصر، بصرہ اور طرابلس پر لشکر کشی کی کبھی اجازت نہ دیتے۔

عمرؓ کی کارپردازانہ صلاحیتوں کا پورا پورا ظہور اُس وقت ہوا جب وہ مصر کو فتح کرنے کے بعد اس کے حکمران بنے اور اُس کے طویل و عرض میں انصاف، مساوات، محبت اور اخوت کے ڈنکے بجا دیئے اور مصر والوں کو ایک ایسا خوش حالی کا دور دورہ دکھا دیا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔

حضرت عثمانؓ نے اس نازک وقت میں جب رومیوں نے دوبارہ اسکندریہ پر قبضہ کر لیا تھا ہر طرف نظر دوڑانے کے بعد آخر عمرؓ ہی کی کارپردازی پر بھروسہ کیا اور انہیں رومیوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے دوبارہ مصر بھیجا۔

یہاں تک کہ اُس سب سے بڑے قضیہ کو بھی عمرؓ ہی کی کارپردازی نے ایک طرف کیا جو شہادت عثمانؓ کے بعد عالم اسلام کو پیش آیا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے اُس نازک جھلے پر عمرؓ کی کارپردازی ہی میں اپنے اُس خواب کی تعمیر دیکھی جو وہ حکومت کے بارے میں دیکھ رہے تھے۔

عمرؤبن العاص نے اس سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ حضرت معاویہؓ کو مشورہ دیا بلکہ میدان میں ان کے دوش بدوش جنگ بھی لڑی۔ اور عین اُس وقت جب حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ کو شکست دینے ہی والے تھے۔ عمرؓ نے ایک زبردست تدبیر اختیار کر کے حالات کا رخ شکست سے فتح کی صورت میں تبدیل کر دیا۔ اور حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت ہو جانے کے باوجود ان کی خلافت کا خاتمہ کر کے حضرت معاویہ کی خلافت قائم کرادی۔

۱۔ میں نے یہ بات عام طور سے دیکھی ہے کہ مصر کے قریباً تمام مسلمان مورخ اور مصنف اپنی تحریرات اور تصنیفات میں نہایت آواز جھیل ہوتے ہیں۔ اور حفظ مراتب کا خیال قطعاً نہیں کرتے (باقی اگلے صفحہ پر)

(۳) فوج کا انتظام

گذشتہ اوراق میں ہم یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ قیادت انسانی طبیعت کے ساتھ سازگار کرنے کا فوجی ہم یہ بھی کہ چکے ہیں کہ فوج موت و حیات کے میدان میں ظاہری سنجیدگی کے ساتھ بہت سے معنوی سنجیدگی لے کر اترتی ہے اور وہ ان سب کو اپنی آخری حد تک استعمال کر کے جس طرح بھی ہو سکے فتح و نصرت حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتی ہے۔

اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی کہ چکے ہیں کہ میدان میں اترنے اور میدان میں سنجیدگی کو استعمال کرنے سے بھی پہلے کچھ ایسے محرکات ہوتے ہیں جو فوج کو میدان کی طرف دھکیلنے اور اسے اپنی جان کی قربانی پیش کر دینے پر آمادہ کر دیتے ہیں۔

ان محرکات اور ترغیبات میں سب سے زیادہ اہمیت اس ربط و تعلق کو ہے جو قائد کو اپنی فوج کے ساتھ حاصل ہوتا ہے اور اس کے رد عمل میں فوج بھی اپنے قائد کے ساتھ مربوط ہو جاتی ہے۔ قائد اور اس کی فوج کے مابین اچھا رابطہ اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب قائد فوج کی ہر طرح

رہنمائی کا شیوہ اختیار کرتے ہوئے صرف یہ بلکہ آزاد خیالی کے جوش میں واقعات سے بھی اعراض کر جاتے ہیں۔ ایسی ہی صورت یہاں پیش آئی۔ نہ محمد فوج نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ذاتی مرتبہ اور علو شان کا لحاظ کیا اور نہ اس بات کا خیال کیا کہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں یہ واقعات کے خلاف ہے۔ حضرت علیؑ کی خلافت سے عروبن العاص کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ واقعہ حکیم کے بعد بنی خلیفہ رہے اور کوئی ان کی خلافت کا خاتمہ نہیں کر سکا۔ ان کے بعد ان کے محترم فرزند حضرت امام حسن علیہ السلام چھ ماہ تک سربراہ آئے خلافت رہے اور بالآخر اپنی مرضی سے بعض اختلاف سے بچنے کے لئے سلطنت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی۔ پس حضرت عروبن العاص نے خلافت کا خاتمہ کس طرح کیا؟

پھر یہ بھی محمد فوج کا سخت مخالط ہے کہ وہ حضرت معاویہ کی سلطنت کو خلافت قرار دیتا ہے۔ حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ حضرت معاویہ کی حکومت میں خلافت کی کوئی بات بھی نہ تھی۔ بلکہ وہ ایک عظیم الشان فرمانروا اور مسلمانوں کے سب سے پہلے بادشاہ ضرور تھے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے فوجی قابلیت اور سیاست کے ساتھ بادشاہت کی (معاویہ پانی تھا)

خبر گیری کرے، اس پر مہربان اور شفیق ہو، اس کی حفاظت میں کوئی کسر اٹھانے رکھے اور اس کے ساتھ ہر معاملہ میں مہد روانہ روید اختیار کرے۔

فوج جب اپنے قائد کو اپنے اوپر مہربان دیکھتی ہے تو اسے اپنی انتہائی خوش بختی تصور کرتی ہے اور پھر اس کا بدلہ وہ بھی اپنی طرف سے قائد کی وفاداری کی صورت میں ادا کرتی اور اس کے اشارہ اور پرہان قربان کرنے کے لیے تیار رہتی ہے۔

عسکری قائدین نے ہر زمانے میں سپاہ پروری کو اپنا اولین فریضہ تصور کیا ہے۔ سقراط کہتا ہے کہ: "قائد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بات کا ہر وقت جائزہ لیتا رہے کہ وہ اپنی فوج کی حربی اور شخصی ضروریات کو کس حد تک پورا کر رہا ہے اور کس جذبہ کے ساتھ پورا کر رہا ہے؟"

مارشل سلیم اپنے قائدین کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: "اُسے قائدین سپاہ میں نہیں متاری قیادت ہی کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ نہ کھاؤ، نہ پیو، نہ بیٹھو، نہ اٹھو یہاں تک کہ کسی درخت کا سہارا لے کر کھڑے بھی نہ ہو جب تک کہ تم اس قسم کے حالات نہ پیدا کرو کہ تماری فوج تم سے پہلے بربت ہو کر نئے کے قابل ہو جائے۔"

مورگنری کہتا ہے کہ: "اگر تم نے انسانیت کے جذبات لطیفہ کو پس پشت ڈال دیا تو یقین کر لو کہ تم کبھی کامیاب جرنیل نہیں بن سکتے۔"

ان ہر دو قائدین کے اقوال سے فوج کے انتظام کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے اور اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ قائد کا تعلق اپنی فوج کے ساتھ جتنا زیادہ گہرا اور مضبوط ہو گا، ویسے ہی تعلق فوج کو اپنے قائد کے ساتھ ہو گا۔

عمر بن العاص نے بھی سلمان فوج کی قیادت سنبھالی تو انہوں نے بھی انہیں مختلف میدانوں میں اتارا اور کامیابی کی منزل تک پہنچایا۔

یہ کامیابیوں ہی اتفاقیہ طور پر حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے پیچھے اسباب و عوامل کی کار فرمائی تھی اور منجملہ ان عوامل کے ایک اہم عامل وہ رابطہ اور تعلق بھی تھا جو عمرو کو اپنی فوج کے ساتھ تھا۔ ہم اس رابطہ کو مندرجہ ذیل تین حصوں پر تقسیم کر کے ہر ایک کی ضروری وضاحت کرتے ہیں۔

۱۔ فوج کی ضروریات پوری کرنا۔ ۲۔ فوج کی سلامتی اور حفاظت کا خیال کرنا۔

۳۔ چھوٹے قائدین پر بھروسہ کرنا۔

ضررہ یا ت فوج | مصر میں عمرو بن العاص کی حکومت قائم اور مستحکم ہو گئی تو انہوں نے فوج کی ضروریات زندگی کے بارے میں سوچنا شروع کیا

خیفہ ثانی حضرت عمرؓ کی بالیسی یہ تھی کہ فوجیوں کو ان علاقوں میں جن میں وہ جہاد کرتے ہیں زمین کی ملکیت کے حقوق نہ دیئے جائیں۔ تاکہ وہ یکسو ہو کر مصروف جہاد رہیں۔ اور ان کی تو جہات دوسری طرف مبذول نہ ہوں۔

لیکن عمروؓ نے استحکام مصر کے بعد فوج کو ملکیت زمین کے حقوق عطا کر دیئے۔ اور اس سے ان کا مقصد فوج کی حوصلہ افزائی کرنا اور ان کی حسن کارکردگی کا بدلہ دینا تھا۔ چنانچہ فسطاط کی آباد کاری کے وقت انہوں نے شہر کی نقشہ کشی اور قطعہ بندی کا کام اپنے چار فوجیوں کے سپرد کرتے ہوئے اس بات کی تاکید کی تھی کہ اس شہر کے قطعات اراضی کو بلا استثناء سب عربوں کے درمیان تقسیم کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے شہر کے اندر اپنی اپنی مرضی کے مکانات تعمیر کئے۔ جن میں ہر قسم کے بلند و پست مکانات تھے۔ حضرت زبیرؓ کے مکان میں وہ تاریخی میسر بھی محفوظ رکھی جس کے ذریعے وہ بابلین کی تفصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ اور خارجہ بن حذافہ نے اپنے مکان پر اتنا ادبچا بالا خانہ تعمیر کیا تھا جس سے وہ سارے شہر کا نظارہ کر سکتے تھے۔

عمروؓ نے رہائشی زمین کے ساتھ ساتھ زرعی زمین کے حقوق ملکیت بھی فوج کو عطا کئے اور عام اہل مصر کی شرائط ان پر عائد کیں۔ چنانچہ وہ اپنی زمینوں کا خراج بھی مساویانہ طریقہ پر ادا کرتے رہے۔

اس کے علاوہ فوج کو خراج کی آمدنی سے وظائف بھی ملتے تھے۔

متعلقہ علاقہ پر فوج کی تین روز کی مہمانی بھی عائد کر دی گئی تھی۔

جو زمین ہر گاؤں کے رفاہ عامہ کے لیے مخصوص کی جاتی تھی۔ اس میں بھی فوج کے حقوق شامل کر دیئے گئے تھے۔ فوج کے لیے ایک مسجد کی بھی ضرورت تھی۔ عمروؓ نے فسطاط میں اُسے بھی تعمیر کرا دیا۔

فوج کے نہانے دھونے کی ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے بہت سے حمام بھی بنوائے۔ یہاں تک کہ ان کے دفن کے لیے ایک قبرستان بھی مقرر کر دیا جس میں خود عمروؓ بن العاص اور چار دوسرے صحابہ کرام دفن ہوئے۔

غرض یہ کہ فوج کی کوئی ادنیٰ اعلیٰ ضرورت ایسی نہیں تھی جو عمرو کے سامنے آئی ہو اور انہوں نے اس کو پورا نہ کیا ہو۔

عمرؓ کی اس سپاہ پر درسی کی شہرت یہاں تک ہوئی کہ رومیوں کی فوجیں بھی اُن کے حسن سلوک کو دیکھ کر اس بات کی آرزو کرنے لگی تھیں کہ کاشش ہماری جرنیل بھی عمرؓ ہی جیسے سپاہ پرور ہو جائیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اُن کے تحت الشعور میں اپنے فائدہ کی نفرت اور عمرؓ کی محبت پیدا ہو جاتی تھی اور ان کی وفاداری کو مضحک کر دیتی تھی۔

بابلیوں کے محاصرہ میں مقتولین نے اپنے جاسوسوں کو مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا تو اُن کے سردار نے جو مسلمات بہم پہنچائیں وہ یہ تھیں:-

ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا جن میں زندگی کی بجائے موت کی اور بڑائی کے بجائے خاکساری کی طرف رغبت ہے۔ ان میں سے کسی کو بھی دنیا کا نہ لالچ ہے نہ حرص۔ یہ لوگ زمین پر بیٹھ جاتے اور گھٹنوں پر رکھ کر کھا لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا سردار بھی ان ہی جیسا ہے۔ اُن میں بلند اور پست کا بھی کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اور نہ ہی اُن کے آقاؤں کو غلاموں سے پہچاننا جاسکتا ہے۔

یہ صورت حال تھی جس میں رومیوں نے عربوں کا مشاہدہ کیا۔ اور اس مشاہدہ میں بھی سب سے زیادہ اہمیت رومی سردار کے اس جملہ کو حاصل تھی کہ اُن کا تو سردار بھی بالکل امن ہی جیسا ہے۔ عمروؓ کے ہاتھ سے دشمن کی طرف سے اس شہادت کا پیش ہونا اس بات کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہے کہ عمرؓ کو اپنی فوج سے کتنی محبت تھی۔

اور یہ محبت اس لیے تھی کہ وہ جو کچھ اپنی ذات کے لیے پسند کرتے تھے وہی اپنی فوج کے لیے بھی پسند کرتے تھے۔ جو حال قائم کا تھا وہی حال ہر فوجی کا بھی تھا۔ جو کچھ وہ پہنتا تھا وہی وہ پہنتے تھے۔ جو کچھ وہ کھاتا تھا وہی وہ کھاتے تھے۔ جس زمین پر وہ بیٹھتا تھا اس پر وہ بھی بیٹھتے تھے۔

ایسی جامع اور کلی مساوات کو دیکھ کر رومی اپنے دلوں میں اس بات کی کیا کچھ تنائیں نہ رکھتے ہوں گے کہ اے کاش اُن کے جرنیل بھی اُن کے ساتھ عمرؓ ہی جیسا برتاؤ کریں۔ مقتولین نے اپنی فوج کے انہی تاثرات کا مقابلہ عمرؓ کی فوج کے ساتھ کرنے کے بعد تو یہ بات کہی تھی کہ:-

اُس ذات کی قسم جس کی قسم کھائی جاتی ہے، اگر یہ عرب پہلوؤں سے بھی ٹکرا جائیں گے تو انہیں بھی اپنی جگہ سے ہٹا کر چھوڑیں گے۔ کسی انسان کے لیے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ان کا مقابلہ کرے؟

نیز :- خدا کی قسم یہ عرب اپنی قلت اور بے سرو سامانی کے باوجود ہماری کثرت اور سلاح پوشی سے زیادہ طاقتور اور شدید ہیں۔ ان میں کا ایک ایک فرد ہمارے سو سوا افراد کے برابر ہے۔ اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ لوگ موت کو زندگی سے زیادہ پسند کرتے ہیں اور ان میں سے جو بھی ایک دفعہ آگے قدم بڑھا دیتا ہے پھر اس کے بعد پیچھے ہٹنا جانتا ہی نہیں ہے۔ گھر سے نکلتے ہیں تو وطن اور بیوی بچوں کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر نکلتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے اجرِ عظیم کی امید رکھتے ہیں۔

فوج کی سلامتی | فوج کی پردریش کے ساتھ ساتھ اُس کی سلامتی اور حفاظت بھی نہایت ضروری ہے اور اس کے اچھے نتائج خصوصیت کے ساتھ اس وقت ظاہر ہوتے ہیں جب دشمن کے مقابلہ میں بڑے سربیکار یا کسی اور مقام پر مصروف کار ہو۔ ایسے مواقع پر اگر قائد اُن کی حفاظت پیش نظر رکھے گا تو اس سے اُن کی وفاداری و اطاعت شعاری میں اضافہ اور اُن کی باطنی قوتوں میں ترقی ہوگی۔ اور وہ ہر اُس خطرے میں ہمالیہ و پیش نکل جائیں گے جس کا حکم اُن کے قائد کی طرف سے ملے گا۔ اس لیے کہ انہیں اس بات کا یقین کامل ہو چکا ہے کہ اُن کا قائد اُن کی سلامتی کا پوری طرح ذمہ دار اور اُن سے زیادہ خواہشمند ہے اور وہ انہیں ہلاکت میں کبھی نہیں ڈالے گا۔

عمر بن العاص اپنی فوج کی سلامتی کا پورا انتظام کرتے تھے اور اس انتظام نے اُن کی فوج اور چھوٹے قائدین کو اُن کے ساتھ پوری طرح مربوط اور پُر اعتماد بنا دیا تھا۔ ذات السلاسل میں عمرؓ نے اپنی فوج کو آگ روشن کرنے اور دشمن کے تعاقب میں جانے سے اس لیے روک دیا تھا کہ یہ مددوں باقی سلامتی فوج کے منافی تھیں۔

اسی ذات السلاسل میں سلامتی فوج کی خاطر عمرؓ فوجی نقل و حرکت رات کے وقت کرتے تھے دن کے وقت چھپ جاتے تھے۔

یروشلم میں عمرو کا متفرق افواج کو کھینچ کر نابھی سلامتی فوج ہی کے جذبہ کے ماتحت تھا۔ اس لیے کہ رومی افواج جداگانہ قیادتوں کو ایک ایک کر کے آسانی کے ساتھ شکست دے سکتی اور ان کا خاکہ کر سکتی تھیں۔

سلامتی فوج کی مثالیں مصر کی فتوحات میں بھی کافی ملتی ہیں۔ بابلیوں کے محاصرہ میں تھیودور کی نقل و حرکت کی خبر پاتے ہی عمرو کافی الفور اس کی طرف بڑھتا اور مقام سمند میں اُس کے ساتھ ٹکرا جاتا اور پھر اپنی فوجوں کو واپس بابلیوں لے آتا بھی سلامتی فوج ہی کی ایک عمدہ مثال ہے۔ اسکندریہ کی طرف روانہ ہوتے وقت فوج کے ایک دستہ کو بابلیوں میں تعینات کرنا بھی اسی بنا پر تھا کہ ایسا نہ ہو کہ اسکندریہ میں لڑنے والی فوج کو کسی عقبی حملے سے سلامتی حاصل ہو جائے۔

اسی طرح اسکندریہ کے قریب قلعة نفیس کی فتح بھی فوج کے عقب کو سلامت رکھنے ہی کے لیے تھی۔

اس کے بعد محاصرہ اسکندریہ کے دوران شمالی مصر کی فتوحات بھی اسی لیے تھیں کہ اسکندریہ کی فوجوں کو اُس طرف کے متوقع خطرات سے محفوظ کر دیا جائے۔

(۳) چھوٹے قائد میدان میں ایک قائد ساری فوج کو لڑانے کے لیے کبھی کافی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ اُس کے ماتحت بہت سے چھوٹے قائد اور نائب ہوں۔ جو فوج کے ہر حصے کو بڑے قائد کے ساتھ مربوط رکھنے کا ذریعہ بنیں۔ اور قائد کے احکام فوجوں تک اور فوجیوں کے حالات قائد تک پہنچاتے رہیں اور ان چھوٹے قائدین یا نائبین کا بھی پُر اعتماد، چڑا اعتماد، اور بڑے قائد کا انتہائی طور پر مخلص و وفادار ہونا ضروری ہے۔

چھوٹے قائدین میں مذکورہ بالا صفات اُس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب بڑا قائد ان پر بھروسہ کرے اور انہیں اپنے اپنے حلقہ بائے نیابت میں خود اپنی برابر اختیارات عطا کرے۔

قائد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے نائبین کے اندر قیادت کی وہ تمام صفات پیدا کرنے کی کوشش کرے جن کا ایک بڑے قائد میں ہونا ضروری ہے۔ تاکہ وہ چھوٹے سے بڑے بن سکیں۔ اور تاریخ میں قیادت کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچ سکیں اور اسے چاہیے کہ اُن کے اندر بیدار مغزئی، دجاہت و شخصیت، ہمت و شجاعت، حزم و احتیاط، بھروسہ اور اعتماد

مخلی دُبر دباری، تواضع و انکساری، معنویتِ کردار، اقدام اور پیشِ خوش خلقی، دُپاک بازی، اذہانت و لائالی، عدل و مساوات، اخلاص و وفاداری، فرج کے ساتھ ہم خیالی و ہم کاری، نرم خوئی اور بے لوثی و بغیر ہمتی کی صفات پیدا کرے۔

عمر و کلاس و ذمہ داری کا پورا احساس تھا۔ اور انہوں نے اپنے نائبین کی مطلوبہ تربیت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔

یہی وجہ تھی کہ عمرو کے چھوٹے قائد بہادر اور شجاع ہونے کے علاوہ اخلاص، ایمان، قوت اور اقدام کی صفات میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ اور ہر معرکہ میں عمرو کے دست و بازو اور پرعتماد معاون ثابت ہوتے تھے۔

حضرت عمروؓ نے ان کے اس خصوصی مقام و مرتبہ کو اپنے مندرجہ ذیل فقرے میں ظاہر فرمایا تھا۔
 "میں تمہاری مدد چاہتا ہوں جو مجھے کر رہا ہوں جس کے ہر سزائی دستے کا سردار ایک ایسا بہادر شخص ہے جو اکیلا ہزار جوانوں کا آسانی سے مقابلہ کر سکتا ہے"
 اس سے مراد زبیر، مقداد، عبادہ اور خارجہ بن حذافہ ہیں۔ عمروؓ نے ان چھوٹے قائدین کے سپرد بہت سی مہمات کیں جن میں انہوں نے خاطر خواہ کامیابیاں حاصل کیں اور ہم آئندہ سطور میں ان کا نام بنام ذکر کرتے ہیں۔



(۱) علقمہ بن حکیم

مسروق الحلی

ابو ایوب مالکی

عمروؓ اپنی فوج کو فلسطین لے کر پہنچے تو دیکھا کہ مقابلہ پر اربابوں کی فوجیں ہیں۔ انہوں نے حالات کی نزاکت کا غائر نظر سے جائزہ لیا۔ اور تفصیلات سے واقف ہو کر نقشہ جنگ اس طرح بنایا کہ دشمن پر یکبارگی تین طرف سے حملہ کیا جائے۔ اور یہ بات ناممکن تھی کہ ہر طرفہ حملہ کی قیادت ایک ہی قائد کر سکے۔ اس لیے انہوں نے ہر محاذ کے لیے جداگانہ قائد مقرر کر کے ان کے نقشہ ہائے جنگ الگ بنا دیئے۔

علقمہ بن حکیم اور مسروق علیؓ کو ایلیا کی طرف اور ابو ایوب مالکی کو رملہ کی طرف روانہ کر دیا اور خود بقیہ فوج لے کر اجنادین پہنچ گئے۔

(ب) خسار جثہ بن حذافہ

مصر کے ہلیو پولیس میں بھی عمروؓ نے فوج کا ایک دستہ خارجہ کی قیادت میں اُمّ ذنین کی جانب اس غرض کے لیے روانہ کر دیا تھا کہ جب دشمن ہمارے مقابلہ میں پوری طرح مشغول ہو تو دوسری طرف سے تازہ دم اور اچانک حملہ کر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جس کا نتیجہ نہایت بہتر نمودار ہوا اسکندریہ کی طرف روانہ ہوتے وقت بھی عمروؓ نے بابلون میں ایک حفاظتی دستہ تعینات کیا تھا۔ جس کی قیادت خارجہ کے سپرد تھی۔

بلاذری کی رائے کے مطابق عمروؓ نے فتح اسکندریہ کے بعد انہی خارجہ کو مقامات فیوم، اشمونین، انجم اور بشروات وغیرہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ جنہیں انہوں نے فسطاط کی شرائط پر ضلحا فتح کیا تھا۔

(ج) عبادہ بن صامت

جب مقوقس نے باہمی گفت و شنید کے لیے عمروؓ سے سفارت طلب کی تھی تو انہوں نے دس آدمیوں کی سفارت عبادہ کی قیادت میں روانہ کی۔ جن کے کاسے رنگ کو دیکھ کر مقوقس نے نفرت کی ادکسی دوسرے آدمی کے آگے بڑھ کر بات کرنے کی درخواست کی تو تمام اہل وفد نے یک زبان ہو کر اُن کے ہاتھ میں لہا تھا کہ ۱۔

”یہی کالا آدمی علم و فضل اور عقل و رائے میں ہم سے افضل اور ہمارا سردار ہے“ اس کے بعد جب انہوں نے مقوقس سے بات کی تو اس کا ایک ایک لفظ قوت و شوکت اور حیانتِ ایبانی سے لبریز تھا۔ اور اُس نے مقوقس کو اس درجہ مرعوب کر دیا تھا کہ نہ صرف یہ کہ اُس کا دل بیٹھ گیا بلکہ اُس کا اپنی افواج پر بھی اعتماد منترزل ہو گیا تھا۔ یہ بھی عجیب حسن اتفاق تھا کہ عبادہؓ کی گفتگو ہو ہو وہی گفتگو تھی جو اجنادین میں خود عمروؓ بن عاص نے مقوقس سے کی تھی۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عمروؓ بن العاص اپنے چھوٹے قائدین کو فوجی حرب کے ساتھ ساتھ دشمن سے بات چیت کرنے کا ڈھنگ بھی سکھاتے تھے۔

(د) ذبیثہ بن العاص

ذبیثہ اُس امدادی فوج کے قائد تھے جو مصر پر حملے کے وقت عمروؓ کے ساتھ بابلون کے مصر میں آکر ملے تھے۔ اس لیے بابلون کی تسخیر میں اُن کی کارپردازی کو بڑا دخل ہے۔

یہ وہی زہیر ہیں جو اپنی جان کو سنبھالی پر رکھ کر سیرطھی کے ذریعہ فصیل پر چڑھ گئے تھے۔ اور
پھر نہایت جرات کے ساتھ قلعہ کا دروازہ کھول دیا تھا۔

(ھ) شریک مالک بن ناعمہ

مقبوہ دور کی فوج نقیوس میں شکست کھا کر اسکندریہ کی طرف بھاگی تو اس کا پیچھا دبانے
کے لیے مسلمانوں کی فوج روانہ کی گئی جس کی قیادت شریک کے سپرد تھی۔ رومی طر زوش کے
قریب خیمہ زن ہو کر شریک کے مقابلہ پر تیار ہو گئے۔ اور تین دن کی لڑائی کے بعد جب رومی
مسلمانوں کا محاصرہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو شریک نے اپنے ایک ماتحت قائد مالک بن ناعمہ کو ہمراہ
توڑ کر عمرو کے پاس امداد طلبی کے لیے دوڑا دیا۔ چنانچہ وہ صبار فزاری کے ساتھ تازہ ملک لے کر
پہنچ گئے۔ جس کے بعد مسلمان حصار توڑ کر خطرے سے باہر ہو گئے۔

(و) دسار احصے

دردان عمرؓ کے غلام تھے، لیکن ترقی کر کے قیادت کے منصب پر فائز ہو گئے تھے۔
انہوں نے کریون میں مسلمانوں کی قیادت کی اور عبداللہ بن عمرو بن العاص انہی کی قیادت کے
ماتحت زخمی ہوئے۔ اور جب انہوں نے زخم کی وجہ سے آرام کی اجازت چاہی تو دردان قائد
نے انہیں آرام کی بھی اجازت نہیں دی تھی اور فرمایا تھا کہ :-
”آرام تو تمہارے آگے کی طرف ہے پیچھے کی طرف نہیں۔“

اسکندریہ میں جب عمرؓ بن العاص رومیوں کے درمیان محصور ہو گئے تھے۔ اس وقت بھی وہ
دردان ہی تھے جنہوں نے حاکم شہر کے امداد قتل کو بجا نہ کر عمرؓ کے چہرے پر تھپڑ رسید کیا
تھا اور گالیوں سے کرآن کی جان بچاتی تھی۔ اور کہا تھا کہ :-

”او کتے چپ رہ۔ اپنے سرداروں کے سامنے لب لب کر تا ہے!“

(س) مسلمہ بن مخلد

انہوں نے بھی عمرؓ کی جان اس وقت بچائی تھی جب وہ پہلی دفعہ اسکندریہ میں محصور ہوئے
تھے اور حاکم اسکندریہ نے اپنے سپہان سے مقابلہ کرنے کی شرط لگائی تھی اور جب ان کا پلوان نکلا
تھا تو عمرؓ خود اس پر چھپنا ہی چاہتے تھے کہ فوراً مسلمہ نے اپنے آپ کو پیش کرتے ہوئے انہیں روکا تھا
اور کہا تھا کہ :-

عمرو دوسری غلطی کر رہے ہو۔ اپنے ساتھیوں سے پہلے ہی بکھر چکے ہوئے ہو۔
 حالانکہ تم ان کے امیر ہو۔ مسلمانوں کا نظام تمہاری فائز کے ساتھ وابستہ ہے،
 ان کے دل تمہارے اندر اٹکے ہوئے ہیں اور وہ سوچ رہے ہیں کہ نہ معلوم ان کا کیا
 حشر ہوا ہو گا۔ اور دوسری غلطی یہ کرنا چاہتے ہو کہ اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش
 کر رہے ہو۔ اگر قتل ہو گئے تو اس سے مسلمانوں پر جانتے ہو کتنی بڑی مصیبت نازل
 ہو جائے گی۔ پھر جاؤ، تمہارا مزار میں پورا کیئے دیتا ہوں۔
 چنانچہ مسلمہ رومی ہسلوان کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور اپنے ساتھیوں کو صبح سالم
 قلعہ سے باہر نکال لائے۔

(س) عبد اللہ بن حذافہ سہمی

عمر بن دھب الجہمی

عقبہ بن عامر جہنی

اسکندریہ کے فتح ہو جانے کے بعد عمرو نے ان تینوں کو مستقل ہمت پر قائم بنا کر بھیج دیا تھا۔
 عبد اللہ بن حذافہ کو عین عیش کی طرف روانہ کیا تھا۔ عمیر کو تنیس، دمياط، قوزہ، ادیمیر، شطا اور وقتہ
 اور بوسیر وغیرہ کی طرف اور عقبہ کو ربقول، بلاذری، قشیری، دیہات کی طرف

(ص) عقبہ بن فافح

برقہ اور طرابلس کی فتوحات میں عمرو نے ان سے بڑا کام لیا تھا۔ انہیں برقہ، زویلہ اور ان
 کے مضافاتی علاقوں کی طرف بھیج دیا تھا۔ جنہیں انہوں نے فتح کیا۔ اور پھر عمرو کی طرف سے وہی
 اس علاقہ کے امیر بھی بنا دیئے گئے۔ جہاں وہ سب تک امیر رہے۔

رطل عبد اللہ بن شریل

طرابلس پر قبضہ حاصل ہوتے ہی عمرو بن العاص نے ان کو راتوں رات صبرانہ روانہ کیا تھا۔
 جسے انہوں نے علی الصبح فتح کیا۔ اور اس حالت میں فتح کیا کہ اہل شہر ان کے حملہ سے قطعاً
 بے خبر اور اپنے روزمرہ مشاغل میں مصروف تھے۔

(ح) بلس بن ابی امرطاس

شمالی افریقہ کے شہر وداں کو انہوں نے فتح کیا جو شمال افریقہ کی سب سے آخری فتح تھی۔

مذکورہ بالا تمام مثالوں سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ عمرؓ اور ان کے چھوٹے قارئین میں کتنا سچا تعامل اور اشتراک عمل تھا اور ان کے اخلاص ہی کی یہ برکت تھی کہ اپنے اپنے موقع پر عمرؓ نے انہیں بڑی قیادت سنبھالنے کے مواقع پوری فراخ دلی کے ساتھ عطا کیے۔

ان کے اس اخلاص اور تعاون کے مختلف اسباب میں سے بڑا سبب یہ تھا کہ عمرؓ ان کو نمایاں شان اہمیت دیتے، ان پر پورا بھروسہ کرتے، ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے اور مسادیا نہ برتاؤ کرتے تھے۔ جس نے ان کے اخلاص کو اس حد تک بڑھا دیا تھا جس کا اندازہ مسلمہ بن محمدؓ کے اس قول سے ہوتا ہے کہ:-

”آپ امیر ہیں۔ مسلمانوں کا نظم آپ سے وابستہ اور ان کے دل آپ کی دانت میں اٹکے ہوئے ہیں۔“

شاید عمرؓ کا یہ برتاؤ خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ کی اُمن نصیحت کا نتیجہ تھا جو انہوں نے عمرؓ کو اُس وقت لکھ کر بھیجی تھی جب وہ نسطرین کے راستے میں تھے۔ اور وہ یہ نصیحت تھی:-

”عزیز سمجھ لو اے عمرؓ! تمہارے ساتھ بد دالے مہاجرین اور انصار ہیں۔ ان کے احترام اور حقوق میں کوئی کمی نہ آنے پائے۔ ان پر حکومت جتنا نے کی کوشش نہ کرنا اور تمہارے دل میں یہ شیطانی غور بھی دخل انداز نہ ہونے پائے۔ کہ ابو بکرؓ نے ان سے افضل سمجھ کر قائد بنا یا ہے۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ صحبت اور نشست و برخاست رکھنا، زمانہ جاہلیت کی یاد کو ان کے درمیان زندہ نہ ہونے دینا۔ کیونکہ اس سے ان کی باہمی رہائشیں عود کر آئیں گی۔ نیز اپنے شکریوں کو قرآن کی تلاوت کی بہت تاکید کرتے رہنا۔“

(۴) سیاست اور فہم فراست

سیاست اور ذہانت کا رابطہ تاریخِ حرب کے ساتھ نہایت گہرا اور مضبوط ہے۔ بلکہ سیاست ذہانت اور ہشیاری کے ساتھ مل کر قائد کی شخصیت کی تکمیل کرتی ہیں۔

دیر قائد کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ اُسے سیاست، ہوشیاری، معاملہ فہمی اور حسن سلوک کی قوتیں وافر مقدار میں حاصل ہوں۔ اور وہ ان قوتوں کو کام میں لا کر اپنی مہمات اور ذمہ داریوں کو کامیاب بنائے۔

یہ صفات نہ صرف اس کی فوجی کامیابی کی ضمانت ہوتی ہیں بلکہ عامۃ الناس کے دلوں کو بھی اس کی طرف مائل کرتی اور اس کی قدر و منزلت اور اُلفت و محبت پر مجبور کرتی ہیں۔ باوجود اس کے کہ اُن عامۃ الناس کے درمیان خود اُس کے جانی دشمن بھی موجود ہوتے ہیں۔

ابھی کل کی بات ہے کہ دوسری عالمی جنگ کے خاتمہ کے بعد حلیفوں نے ۱۹۴۵ء میں جوہیمانہ اور نظامانہ برتاؤ مفتوح اقوام کے ساتھ کیا وہ نصرتِ قبیح اور بدسلوکی کی انتہائی خوشام آک مثال تھا۔ جس پر عالم انسانیت جھٹنے بھی خون کے آنسو بہائے کم ہے۔ اُن کی درندگی اور سفاکی صرف میدان میں لڑنے والوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں رہی بلکہ وہ لوگ بھی اُن کے وحشیانہ مظالم سے شہنچ سکے جو اُن کی تابع فرمان رعایا بن چکے تھے۔ ان کے ان ظلموں سے جو نہ سیاست کا تقاضا تھے اور نہ دانشمندی اور حسن تصرف کا، تمام عالم انسانی کی رائے عامہ ان ظالم حلیفوں کے خلاف ہو گئی۔ اور وہ انسانی ضمیر کی لعنت و لعارت کا ہدف بن گئے۔ اور اپنے کرتوت کی وجہ سے اگرچہ وہ بظاہر زمین پر فاتح نظر آتے تھے لیکن جہاں تک میدانِ اخلاق اور محاذِ انسانیت کا تعلق ہے وہ دونوں جگہ شرمناک شکست کھا گئے۔ وہ انسانی شرف سے پھیل کر پری طرح زلت و رسوائی کے غار میں گرے۔ اور یہ زلت ان کے ساتھ تاریخِ انسانی کی بقا تک چھٹی اور نسل در نسل تک اُن کے سروں پر پھٹکار کے بادل برساتی رہے گی۔

اب جبکہ ہم قائدینِ حرب کی سیاست پر عمومی بحث کر رہے ہیں اور عمر و فوج کی سیاست کے بارے میں خصوصی گفتگو کرنے والے ہیں، سب سے پہلے ضروری ہے کہ ہم اس بلند اور

افضل ترین انسانی موقت کا تذکرہ کریں جسے رسول انسانیت، قائدِ خنین و خندق، فاتح بدر و مکہ نے فتحِ عظیم کے بعد اختیار کیا تھا۔ مقابلہ پر اسلام اور مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ جو آج آخری شکست کھا کر اپنے اپنے گھروں میں گھسے ہوئے اس لمحہ کا انتظار کر رہے تھے جس میں انہیں خوف تھا کہ ستم کشیدہ فاتح اعظم وہی پیالہ انہیں بھی پلانے والے ہیں جو ان کے ہاتھوں خود پیتے رہے اور یہی خوفناک برتاؤ ان کے ساتھ کرنے والے ہیں جو ان کی طرف سے زندگی بھر ان کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ اور عنقریب کوئی ایسا حکم صادر ہونے والا ہے جس کے نتیجہ میں وہ سب ظالم اور قاتل تلوار کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے۔ لیکن اس کے برخلاف رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو حکم آیا وہ عفوِ کریم اور لطفِ عظیم کی شان لیے ہوئے تھا۔ حضورؐ نے فرمایا اذہبوا فانتم الطلقاء۔ رہاؤ جاؤ آج تم سب آزاد ہو

رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ احسانِ عظیم دیکھ کر صرف قریش ہی کے دل مسخ نہیں ہوئے بلکہ خود مسلمانوں کی آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں جب انہوں نے دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کا ایک ایسا مثالی نمونہ دیکھا تھا جسے تاریخ نے اس سے پہلے کبھی دیکھا اور نہ بعد میں۔ اور اس نمونہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب ساتھیوں اور خادموں نے یقیناً وہ سبق حاصل کیا جسے انہوں نے نبیؐ کے بعد اپنے اپنے دورِ حکومت میں دہرایا۔

عمر بن عاص سیاست اور معاملہ فہمی کی اہمیت کو اعداد کے بارے میں ہمیشہ ملحوظِ نظر رکھتے تھے اور لمبا اوقات اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں صرف سیاست و دانائی ہی کی بنا پر ایسی حیرت انگیز کامیابی حاصل کر لیتے تھے جس کا حصول تلوار سے بھی ممکن نہ ہوتا تھا۔ عمروؓ نے سیاست اور دانائی کے ساتھ اپنے چالاک دشمنوں کے لیے ایک تیسری صفت ہوشیاری کا بھی اہتمام کر لیا تھا۔ اور اس صفت میں بھی وہ اپنے سب ہم عصروں پر سبقت لے گئے تھے۔ حتیٰ کہ ارطہون روم سے بھی آگے بڑھ گئے تھے۔ جس کی عیاری رومیوں کے درمیان ضرب المثل بن چکی تھی۔ یہاں تک کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی فسرما دیا تھا کہ :

”ہم نے بھی ارطہون روم کے مقابلہ میں اپنا ارطہون عرب بھیج دیا ہے۔“
چنانچہ ارطہون عرب ہی ارطہون روم کے مقابلہ میں کامیاب ہوئے اور اس حد تک کامیاب ہوئے کہ خود ارطہون روم سے مندرجہ ذیل سندِ امتیاز حاصل کر آئے۔

تعجب ہے کہ یہ شخص مجھے بھی دھوکہ دے گیا ہے۔ یہ تو سماوی دنیا سے زیادہ
چالاک نکلا!

قریش زمانہ جاہلیت ہی میں عمرو کی سیاست اور ہوشیاری سے واقف ہو چکے تھے۔
اور اسی لیے وہ اپنی سخت المحبوں میں اُن کے پاس امداد طلبی کے لیے آتے تھے۔
سب سے بڑی المحب قریش کو اُن مسلمانوں کے بارے میں پیش آتی تھی جو اُن کے ظلم و ستم
عاجز آکر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ جہاں انہیں نجاشی کے زیر سایہ امن و اطمینان
میسر آ گیا تھا۔ بسین قریش نے پیچھے پیچھے عمرو کو بھیج دیا جس نے نجاشی پر مسلمانوں کی دہلیز
کے لیے پورا دباؤ ڈالتے ہوئے کہا کہ:-

ہمارے بھائی بندوں کی ایک جماعت ہمارے اور آپ کے دین سے منحرف
ہو کر آپ کے ملک میں پناہ گزیں ہو گئی ہے۔ اور ایک ایسے دین کا دعویٰ کرتی ہے
جسے نہ ہمارے باپ دادا جانتے اور نہ آپ کے۔ شرفائے قریش نے ہم لوگوں
کو آپ کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ آپ ہمارے بحر مول کو ہمارے حوالے
کر دیں۔

اس کے بعد جب نجاشی نے مسلمانوں کو درد دررد بات کرنے اور اُن کے دین کے بارے
میں معلومات حاصل کرنے کے لیے دربار میں بلایا اور جعفر بن عبد المطلب درباری مسجد سے
کی بجائے صوف سلام کے اندر داخل ہو گئے تو عمرو کی چالاکی نے اس موقع سے پورا فائدہ
اٹھاتے ہوئے کہا:-

بادشاہ سلامت آپ نے دیکھ لیا کہ یہ لوگ آپ کے مقابلہ میں بھی کیسے معزور و متکبر
ہیں۔ آپ کے سامنے آداب سلطانی بجالانا بھی انہوں نے پسند نہیں کیا۔
اس پر حضرت جعفر نے فوراً جواب دیا کہ:-

ہمارے دین میں اللہ عز و جل کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔
عمرو بن العاص پھر بولا:-

سہ۔ مصنف کو یہاں سہو ہو گیا ہے۔ یا بے خیالی میں اس کے قلم سے نکل گیا۔ صحیح نام
ابو طالب ہے (محمد احمد پانی پتی)

بادشاہ مملکت یہ لوگ ابن مریم کے بارے میں بھی آپ کے عقیدہ کی مخالفت کرتے ہیں اور انہیں خدا کا پیلا تسلیم نہیں کرتے۔
 اس سے عمرو کا مقصد نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا تھا۔ لیکن جعفر نے اُس کے اس ارادے کو کبھی ناکام بنا دیا۔ اور نجاشی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔
 ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نہی عقیدہ رکھتے ہیں جو ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کی روح اور اس کا کلمہ وحکم ہیں جسے اُس نے کنواری مریم پر نازل فرمایا۔



زمانہ جاہلیت میں عمرو کی ہوشیاری کی دوسری مثال یہ ہے کہ عمرو کے دفتر نجاشی کا ایک ساتھی عمار بن ولید بھی تھا جو نہایت خرد و بصورت اور عورتوں کا پسندیدہ نوجوان تھا۔ عمرو کے ساتھ اس کی بیوی بھی ہم سفر تھی۔ عمار نے اُس کے ساتھ دل لگی کی باتیں شروع کر دیں اور اُس کے قریب پہنچ کر فوسے کا طلبگار ہوا۔ عمرو کو یہ بات سخت ناگوار گری مگر عمار نے ارادہ کر لیا کہ عمرو کا کٹا درمیان سے نکال کر اس کی بیوی کے ساتھ مسترت کی گھڑیاں گزار دی جائیں۔ اور یہ سوچتے ہی عمرو کو کشتی سے نیچے پانی میں دھکا دے دیا۔ عمار کا خیال تھا کہ اُسے تیرنا نہیں آتا ہو گا۔ عمرو نے موقع کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے اُس وقت تو غصہ پی لیا لیکن دل میں یہ بات ضرور ٹھان لی کہ اُسے اینٹ کا جواب پتھر سے ضرور دینا ہے اور یہی ہوا بھی، جلشہ پہنچ کر عمرو نے عمار کو عکہ نجاشی کے ساتھ معاشقہ کی ترغیب دی اور وہ اس تک پہنچنے میں یہاں تک کامیاب ہو گیا کہ عکہ نے اُسے مخصوص شاہی تیل تحفہ کے طور پر فوسے دیا۔ دوسری طرف عمرو نے نجاشی کو بھی صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ نجاشی نے ایک جادوگر کو بلایا جس نے عمار کے سوراخ ذکر میں جادو کا منتر پھونک کر کوئی ایسی دوا اس کے اندر داخل کر دی جس کے اثر سے عمارہ پاگل اور مضبوط الحواس ہو گیا اور اسی حالت میں مر گیا۔

زمانہ اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو کی سیاسی اور تبلیغی صلاحیتوں کا اعزاز لگایا تو ان صلاحیتوں سے ریاست عمان کے فرمانرواؤں تک دعوت اسلام پہنچانے میں کام لیا۔ عمرو تن تنہا بغیر کسی ہتھیار کے عمان پہنچ گئے۔ ریاست کے حکمران دو بجائی تھے۔ چھوٹے کا نام عباد تھا جو اپنے بڑے بھائی جعفر کے مقابلہ میں زیادہ خوش اخلاق تھا۔ اس یلئے عمرو

کی میاست اور ہشیاری نے دعوتِ اسلامی کے لیے پہلے اُسی کو تاکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ ذیل پیغام اُس کے سامنے رکھ دیا۔

”میں تم دونوں بھائیوں کو اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ دونوں اسلام لے آؤ اور محفوظ ہو جاؤ۔ بلاشبہ میں تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“
 چھوٹے بھائی نے دعوتِ اسلامی کو قبول کر لیا۔ جعفر باقی رہ گیا تھا۔ اس کے ساتھ بھی عمروؓ نے پوری سیاست و تدبیر اور حکمت و دانائی سے کام لیتے ہوئے پہلے تو اُسے یوں کہہ کر ڈبا کہ:

”اگر تو ایمان نہ لایا اور اُس رسول کی پیروی قبول نہ کی تو یقین کر لے اُس کے ساتھ
 تجھے اور تیرے ساتھیوں کو ہمارے رکھ دیں گے۔“
 پھر اُسے کچھ لالچ سے نرم کرنے کی کوشش کی اور کہا:-

”..... دیکھو ایمان لانا ہی بہتر ہے۔ اس طرح تم اپنی قوم کے حاکم بھی بنے رہو گے
 اور انہیں جنگ کی تباہی اور بربادی سے بھی بچاؤ گے۔“
 نرمی سے کام چلتا نہ دیکھا تو پھر سختی اختیار کر لی اور کہنے لگے:-

”تیرا علاقہ مسلمانوں کے اُن نیزوں کی پہنچ سے کچھ دور نہیں جن کے خوف سے کفار
 کا پتہ پانی ہوتا ہے اور وہ بلا کسی مزاحمت کے دشمن کے قلب و جگر میں پروت
 کر دیئے جاتے ہیں۔“
 اس کے بعد پھر ایک ٹھنڈی ہوا دی اور کہا:-

”میں سراسر تمہاری بھلائی اور تمہارے فائدے کا مشورہ پیش کر رہا ہوں۔ اسے
 قبول کرنے میں پس و پیش نہ کرو۔“

آخر کار عمروؓ کی یہ سیاست و دانائی کا میاب رہی اور ان دونوں بھائیوں نے اسلام
 قبول کر لیا۔



اجتہادین میں عمروؓ نے خود ارطون کے کہپ میں پہنچ کر اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں
 ارطون بھی بھانپ گیا کہ ایسی باتیں کرنے والا مسلمانوں کا قائد عمروؓ ہی ہو سکتا ہے۔ اور پھر
 انہیں سازشی طور پر قتل کرا دینے کا منصوبہ بنا لیا۔ ایک طرف عمروؓ کو تحفے دے کر مطمئن اور خوش کر دیا
 اور دوسری طرف چوکیدار مل کو خفیہ پیغام بھیج دیا کہ دیکھنا یہ شخص تمہارے ہاتھوں سے بچ کر نہ جانے پائے۔

عمر کے کالوں میں بھی کسی کہنے والے کی یہ بات پہنچ گئی کہ خیریت کے ساتھ داخل ہو گئے ہو لیکن خیریت کے ساتھ نکلنا مشکل ہے۔ اور حسب انہوں نے موقع کی نزاکت کا اندازہ کر لیا اور عیاری کا مقابلہ عیاری کے سوا ممکن نظر نہ آیا تو فوراً ارطوبوں کے پاس واپس پہنچ گئے اور اس کے عطا کردہ تحفہ جات ہی کو وسیلہ نجات بنا تے ہوئے لوٹے۔

جناب میری غیرت یہ بات ہرگز گوارا نہیں کرتی کہ میں ایسے بیش قیمت تحائف لیا لے کر چلا جاؤں۔ اور میرے بھائی جو سب میرے ہی جیسے ہیں اور تعداد میں دس ہیں ان تحائف سے محروم رہیں۔ میں جناب سے اُن کے لیے بھی تحائف مانگنے آیا ہوں تاکہ جناب کا احسان عام ہو جائے۔

اور اس کے بعد عمرؓ نے ارطوبوں سے وعدہ کر لیا کہ میں ان دسوں کو بھی جناب کی خدمت میں حاضر کرتا ہوں تاکہ وہ بھی بذاتِ خود اپنی زبان سے آپ کی فیاضی کا شکریہ ادا کر جائیں۔ ارطوبوں کو لالچ آیا کہ ہم ایک کے قتل پر کیوں اکتفا کریں پورے دس کو کیوں نہ قتل کریں اس لیے اس نے چکیداروں کو دوسرا حکم اس مضمون کا بھیج دیا کہ اس شخص کو سلامتی کے ساتھ جانے دیا جائے۔ عمرؓ صحیح سالم واپس آ گئے اور ان کی سیاست اور چالاکی ارطوبوں کو حکم دینے میں کامیاب ہو گئی۔

★

فتوحاتِ مصر کے دوران میں بہت سے مواقع پر عمرؓ کو اپنی سیاست اقدیر اور ہوشیاری سے کام لینا پڑا۔

★

اسکندریہ کی شرائطِ صلح طے کرنے کے لئے مقوقس بذاتِ خود عمرؓ کے پاس بائیسون پہنچا تو عمرؓ نے بطور سیاست اُس کا شایانِ شان استقبال کیا۔ اور فرمایا:-

”آپ نے بذاتِ خود تشریف لاکر ہمیں بہت ممنون فرمایا ہے“

جس کے جواب میں مقوقس کو بھی اپنے موقف سے نیچے گر کر کہنا پڑا کہ:-

”بلاشکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ سرزمین عطا فرمادی ہے لہذا اس کے بعد درمیبوں کے خلاف کسی جنگ کا ارادہ نہ کرنا۔“

★

سب سے بڑا سیاسی حربہ جو عمرؓ نے مصر میں استعمال کیا وہ بطریق بنیامین کو آزادی عطا کر کے اُسے دوبارہ اس کے دینی منصب پر فائز کرنا تھا۔ جس سے اہل مصر کے قلوب کی بارگی مسخر ہو گئے اور ایک لمحہ کے اندر اُن کا وہ تمام خوف و ہراس جاتا رہا جو سیاسی انقلاب کے بعد کافی عرصہ تک مفتوح اقوام میں باقی رہا تھا۔ عمرؓ نے بنیامین کی ذات سے اور زیادہ فائدہ اُس وقت اٹھایا جب اس کے مشوروں کو ملکی انتظامات میں بھی خیل کر لیا اور جو بھی اصلاحات جاری کیں اُس کے مشورے کے بعد جاری کیں۔ جس سے اہل مصر کے دل عمرؓ کی طرف اور بھی زیادہ مائل ہو گئے۔

مصر میں عمرؓ کی دوسری کارگر سیاست یہ رہی کہ انہوں نے اہل مصر کو پوری پوری دینی اور فکری آزادی عطا کی۔ جس کے بعد روم اور مصر کے عقائد مختلف مذاہب کا آزادانہ مطالعہ اُن کے درمیان موازنہ کرنے لگے۔ اور اس بحث و تحقیق کا خوشگوار نتیجہ یہ نکلا کہ جب انہیں مسیحیت کا دائرہ اندرونی تفریقات سے پر نظر آیا تو وہ سوچ سمجھ کر پوری قوت ایمانی کے ساتھ اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے جس میں کسی قسم کا باہمی فرقہ دارانہ نزاع موجود نہ تھا۔

یہ بھی عمرؓ کی ایک دوسری سیاست ہی تھی کہ انہوں نے فوج کو ملکیت زمین کا حق تو دیا لیکن شرائط ملکیت میں اہل مصر سے زیادہ کوئی امتیاز اور استثناء عطا نہیں کیا۔ اس لیے کہ وہ اپنے سیاسی شعور کی بنا پر اس بات کو خوب جانتے تھے کہ اگر مسلمانوں کو ذرا بھی فوقیت دی گئی تو اس سے اہل مصر کے قلوب میں حسد کی آگ مشتعل ہو جائے گی۔



نظام محصولات میں بھی عمرؓ نے بڑی نرمی سے کام لیا اور محصولوں کو جتنا بھی ہلکا کرنا ممکن تھا۔ ہلکا کر دیا۔ محصول کی مقدار مقرر کرنے کے بجائے اُسے پیداوار کی قلت و کثرت کا تابع بنا دیا۔ اور اس کے بعد بھی مزید سہولت یہ دے دی کہ جو علاقے قحط سال وغیرہ آفات کا شکار ہو جائیں انہیں خراج سے کلیتہً مستثنیٰ کر دیا جائے۔



عربوں میں کسی بارے میں بھی ایک دفعہ یہ صاف جواب دینے کے لہجہ کہ:-
اسی جہاں نہ رسم کو اسلام کے دور میں کسی طرح بھی زندہ نہیں رکھا جاسکتا۔۔۔۔۔
جب اہل مصر کو برابر مضطرب دکھیا تو خلیفہ عمرؓ سے مشورہ کر کے اُن کی دل جہی کے لئے خلیفہ کا بھیجا ہوا پیغام دریا میں ڈال دیا جس کی عبارت یہ تھی کہ:-

اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کے نام - اما بعد
اے نیل اگر تو اپنی طرف سے روناں ہوتا ہے تو روناں نہ ہو۔ اور اگر تجھے روناں دینے
والا اللہ واحد و قہار ہے تو ہم اللہ واحد و قہار سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ تجھے
جاری کرے۔"



اہل مصر کے متعلق ہم یہ بات کہنے میں حتی بجانب ہیں کہ رومیوں نے اپنے دور حکومت میں مدبرانہ
سیاست سے ہر گز کام نہیں لیا جس کی بنا پر وہ اُن سے برگشتہ تھے۔ اور جب اُن تک اسلامی حکومت
کے عدل و مساوات کی خبریں پہنچتی تھیں تو اُن کا ذہنی اور قلبی میلان اسلام کے نظام جدید کی طرف
ہونے لگتا تھا۔ اسی حال میں حبیب انیس معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے مصر کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ہے تو
انہوں نے اپنی خواہش پر آمادہ ہونے کی تعمیل اسی میں دیکھی کہ رومیوں کا عذاب اُن کے سر سے دور ہو۔ اور
اسلام کا ابر رحمت اُن پر سایہ فگن ہو جائے۔ اس لیے مسلمانوں کے مقابلہ میں انہوں نے رومیوں کی کوئی
امداد و اعانت نہیں کی۔



حضرت عثمان کے قتل اور حضرت علیؓ کی بیعت پر جو قضیہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اُس کے فرو کرنے میں
بھی عمرؓ و بن العاص کی تدبیر و سیاست نے اہم کردار ادا کیا۔ اس نزاع کے فریق تین تھے۔

۱۔ حضرت علیؓ اور اہل عراق

۲۔ حضرت زبیرؓ، طلحہؓ و سیدہ عائشہ صدیقہؓ

۳۔ حضرت معاویہؓ اور اہل شام

عمرؓ نے اپنا موقف متعین کرنے کے لیے تینوں پر نظر ڈالی اور اپنی سیاسی بصیرت اور تجربہ کی
بنا پر اندازہ لگا لیا کہ زبیرؓ اور طلحہؓ کا موقف اور اس کی حمایت کرنے والی جماعت دونوں کمزور ہیں۔ جس میں
حضرت علیؓ کے مقابلہ میں ٹھیرنے کی طاقت دکھائی نہیں دیتی۔

اب باقی رہے علیؓ اور معاویہؓ

جہاں تک علیؓ کا تعلق ہے وہ اپنے سوا کسی دوسرے پر نہ اعتماد کرتے ہیں اور نہ اس کی رائے
تسلیم کرتے ہیں۔ اس لیے اُن کے ساتھ رہنے میں یہ قیاحت ہے کہ مجھے اُن کا محض ایک تابع مہمل
ہن کر رہنا پڑے گا۔

عمر ابھی اسی شعل پہنچ میں تھے کہ حسن اتفاق سے ان کے پاس حضرت معاویہؓ کی طرف سے مشورہ طلبی کا خط آگیا جسے پڑھ کر انہوں نے اپنے بیٹوں کو مشورہ کے لیے بلایا۔

عبداللہؓ نے حضرت علیؓ کے ساتھ مل جانے کا مشورہ دیا جسے عمرؓ نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ علیؓ کے ساتھ مل جانے کے بعد میری حیثیت ایک معمولی فرد سے آگے نہ بڑھ سکے گی۔ لیکن معاویہ مجھے ہر معاملہ میں اپنا شریک بنالیں گے۔

اس کے برخلاف محمدؐ نے یہ مشورہ دیا کہ: ”آپ کو فوراً حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچ جانا اور دم بننے کے بجائے سر بننا چاہیئے“

عمرؓ نے محمدؐ کی بات کو ترجیح دیتے ہوئے مصر کی شرط پر حضرت معاویہؓ کی اطاعت اختیار کر لی اور شہادت عثمانؓ کو نبیا و بنا کر حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار کرتے ہوئے حوین عثمانؓ کا مطالبہ پیش کر دیا۔ جیسا کہ عمرؓ نے معاویہؓ کو مشورہ دیا تھا۔

صغین میں جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت علیؓ کی کامیابی اور حضرت معاویہؓ کی شکست کے آثار نظر آنے لگے اور قریب تھا کہ حضرت معاویہؓ میدان سے فرار اختیار کر جائیں کہ عمرؓ کی سیاست حرکت میں آگئی اور ان کے حکم سے شامیوں نے قرآن کریم کے نسخے نیز ول پر حلق کر کے نعرے لگانے شروع کر دیئے کہ:۔

”یہ اللہ عزوجل کی کتاب حکم ہے ہمارے اور تمہارے درمیان“

جس کا جواب حضرت علیؓ کی فوج نے بھی یہی دیا کہ:۔

”ہم کتاب اللہ کے فیصلے پر راضی ہیں“

تفصیل خلافت میں سیاست عمرؓ کی یہ فصل اول تھی جس نے حضرت علیؓ کی خلافت کو مکمل ہوتے ہوتے روک دیا۔

اس کے بعد سیاست عمرؓ کی فصل ثانی قضیہ ثنائی سے شروع ہو کر حضرت معاویہؓ کی تکمیل خلافت پر اس طرح تمام ہوئی کہ عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو سیاسی داؤ پیچ میں لاکر پہلے اس بات پر متفق کیا کہ ہم دونوں معاویہؓ اور علیؓ کو معزول کر دیں۔ اور پھر اس کے بعد ان کی زبان سے حضرت علیؓ کی معزول کا اعلان کرنا کہ خود معاویہؓ کی برقراری کا اعلان کر دیا۔

اس کے بعد سیاست عمرؓ کی فصل ثالث نے اس بات سے تکمیل پائی کہ حضرت علیؓ کی فوج ان سے جدا ہو کر آپس کے اختلاف کا شکار ہو گئی۔ اور ان ہی کے اندر سے خوارج کا ایک نیا فرقہ ظہور پزیر

ہو گیا جس کے تین افراد علی، معاویہ اور عمرو بن العاص کے قتل کے لیے نکل کھڑے ہوئے جن میں سے قاتل علی کا صیاب ہو گیا، معاویہ کا قاتل ہمت ہار بیٹھا اور عمرو کے قاتل نے شبہ میں دوسرے کو قتل کر دیا۔

حضرت معاویہ نے عمرو کی سیاست سے غائدہ کہ پورا پورا اٹھالیا اور انہیں اپنا بات و مشیر اور رازدار بھی بنا لیا لیکن ان کے دل میں اس بات کا کھٹکا حضور ہاکہ میری سلطنت کا بقا و قیام سراسر عمرو کی کارپروازی کا رہنمائی ہے۔ اور عمرو کی نیت بدل بھی سکتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ عمرو کے دل میں مصر کے ساتھ شام کا بھی لالچ پیدا ہوا اور دوسری طرف معاویہ نے مصر کو بھی ان کے حق سے زیادہ سمجھا اور طرہی بکے درمیان کشیدگی شروع ہو گئی اور عمرو کی وفات تک باقی رہی۔



جوں جوں میں عمرو بن العاص مصر کے حاکم تھے اُسی زمانہ میں حضرت معاویہ نے ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرو کو کوفہ کا والی بنا دیا تھا۔ مغیرہ نے حضرت معاویہ سے یہ کہہ کر انہیں برطرف کر دیا کہ اب قلاب شیر کے دو جھڑوں کے درمیان آگئے ہیں۔ اس پر حضرت معاویہ نے عبداللہ کو معزول کر کے حضرت مغیرہ کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔

عمرو کو علم ہوا تو وہ بھی انتقام لینے کے لئے حضرت معاویہ کے پاس پہنچ گئے اور صیامت سے کام لیتے ہوئے عرض کیا کہ:-

”آپ نے کوفہ کے خراج پر ایسے شخص کو مقرر کیا ہے جو سب کچھ خود ہی سضم کر جائیگا اور آپ کو کچھ نہ دے گا۔“

اور ساتھ ساتھ یہ مشورہ بھی دیا کہ:-

”کسی ایسے شخص کو خراج پر مقرر کیجئے جو آپ کا لحاظ کرتا اور آپ سے ڈرتا ہو۔“
حضرت معاویہ نے عمرو کے مشورے کے مطابق مغیرہ کو محکمہ خراج سے محکمہ نماز کی طرف منتقل کر دیا۔ اس کے بعد عمرو بات جتانے کے لئے مغیرہ سے بھی ملے اور تقریباً اُن سے کہا۔
”یہ آپ کی اُس حرکت کا جواب تھا“

ختم شد

ماخذ كتاب

بترتيب حروف تهجي

نمبر شمار	نام كتاب	نام مؤلف
١	ابن العاص	عباس محمود العقاد
٢	اشهر مشاهير الاسلام في المغرب والسياسة	سفيق العظم
٣	الاصابه في معرفة الصحابه	ابن حجر العسقلاني
٤	الاعلاق النفسية	احمد بن عمر بن سستاده
٥	البيان المغرب في اخبار المغرب	ابن العذاسري المراكشي
٦	الجندى المجيد	ابراهيم فراج واحد شقوت
٧	المخطط	المقرئ نزي
٨	الرحلة التيجانية	ابو محمد عبد الله التيجاني
٩	السيرة الحلبية	علي بن ابراهيم المقلبي نور الدين بن بون الدين الحلي
١٠	الصدائق البربر	دكتور محمد حسين هيكيل وزير معارف مصر
١١	العبود لولون المبتدأ والخبر	ابن خلدون
١٢	العقربية العسكرية في غزوات المصطفى	محمد فرج
١٣	الفاسدق عمر	عباس محمود العقاد
١٤	الفتوحات الاسلامية	احمد بن السيد نعيمى وحلان
١٥	القضاة والولاة	الكندى
١٦	القيادة	عبد التواب هديب والسيد محمود شاكي
١٧	النار يخ الكامل	ابى الحسن علي بن ابى الكرم محمد المعروف به
		ابن الاثير الجنى سري

نمبر شمار	نام کتاب	نام مؤلف
١٨	الکامل فی اللغة	المبرد
١٩	المسالك والممالك	ابن عبيد الله البکری
٢٠	المحارص	ابن کتیبه
٢١	النجوم الساهرة فی ملوک مصر القاهرة	ابو المحاسن
٢٢	بلوغ الاسراب فی معرفة احوال العرب	محمد و شکری الالوسی
٢٣	تاریخ ابن صالح الاسرمی	ابو صالح
٢٤	تاریخ الامم والملوک	محمد بن جریر الطبری
٢٥	تاریخ الامة العربیه (الخلفاء الراشدین)	محمد اسعد لیس
٢٦	تاریخ الفتوح العربی فی لیبیا	الظاهر النواوی الطرابلسی
٢٧	تاریخ یعقوبی	احمد بن یعقوب بن جعفر
٢٨	تاریخ دمشق	ابن عساکر
٢٩	تاریخ عمرو بن العاص	ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن پی ایچ ڈی
٣٠	جبابرة حرب	محمد قراج
٣١	حسن المحاضرة فی تاریخ مصر القاهرة	السیوطی
٣٢	دلیان حنا النقیوسی	حنا النقیوس
٣٣	سیر البطسارک	سادیس الاشموئینی
٣٤	سيف الله خالد	محمد قراج
٣٥	عماد بن العاص فاتح مصر	عبد السلام العشری
٣٦	فتوح البلدان	احمد بن یحیی البلاذری
٣٧	فتوح الشام	الواقدي
٣٨	فتوح العرب للمغرب	حسین رؤف
٣٩	فتوح مصر	الواقدي
٤٠	فتوح مصر والمغرب والاندلس	عبد الرحمن بن عبد الحکم

نمبر شمار	نام کتاب	نام مؤلف
٢١	مروج الذهب و معادن الجواهر	ابو الحسن علي بن علي المسعودي
٢٢	مسابك الممالك	ابراهيم بن محمد الاصطخري
٢٣	معجم البلدان	ياقوت الحموي
٢٤	نهاية الاسباب في فنون الادب	التويري
٢٥	The Arab Conquest of Egypt	Alfred Butler
٢٦	The history of decline and fall of the Roman Empire.	Gibbon
٢٧	A history of the lives Successors of Mohamed	Ruing
٢٨	L. Afrique Byzantine	Diehl
٢٩	Les Berberes	Fournel
٣٠	L. Afrique du Nord	Capitel

مولانا عبد الباقی ندوی

سابق پروفیسر فلسفہ و دینیات لکھنؤ یونیورسٹی کی

چار معرکتہ الار تصنیفات

تجدید دین کا مسل

جس میں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی دینی و دنیوی ہر طرح کی فلاح و صلاح کا دار پورا پورا مسلمان ہونے پر ہے جس کے لئے ہماری دینی کوتاہیوں اور بیماریوں کی ایسی آسان اور کارگر تدبیریں بتلا دی گئی ہیں کہ پورا پورا مسلمان بن جانا ہر شخص کے لئے بالکل اپنے اختیار میں ہے اور محرومی کا بجز محرومی کے کوئی بندر نہیں رہ جاتا جس قدم اٹھا کر چل پڑنا ہے۔ (بڑی سائز) ۷۰ صفحات قیمت ۱۰ روپے پچھتر پیسے

تجدید تصوف و مملکت

جس میں تصوف کے متعلق ہر قسم کی علمی و عملی غلط فہمیاں اور غلط فہمیاں کو دور کر کے بتلایا گیا ہے کہ حقیقی تصوف دراصل کمال

اسلام اور کمال ایمان کے سوا کچھ نہیں اور بے صوفی بنے اسلام کی دنیوی و اخروی انفرادی اور اجتماعی برکات و ثمرات کا حاصل ہونا عملاً ناممکن ہے۔ (بڑی سائز) ۶۰ صفحات قیمت ۱۰ روپے پچھتر پیسے

تجدید معاشیات

جس میں معاشیات کے زہید انظریوں اور نعروں سے مرعوب ہونے بغیر خالص اسلامی و ایمانی تعلیمات کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے

کہ رزق و معاش کا مسئلہ دراصل کوئی مسئلہ نہیں جو فرد یا سماج و مسلمان ہی نہیں غیر مسلمان بھی ان تعلیمات پر کم زیادہ جتنا بھی عمل کرے جائے گا اتنا ہی انشاء اللہ دن رات کے معاشی و فتنہ کی جہنم سے دنیا ہی میں اپنے کو ضرور بچالے گا۔ قیمت ۱۰ روپے پچھتر پیسے

تجدید تعلیم و تبلیغ

خاص اسلامی بنیاد پر بہترین قوم (خیر امت) بنانے کی تعلیمی و تبلیغی تجدید

طور پر بہترین مسلمان اور کامل انسان بنانے کا یہ تعلیمی و تبلیغی نظام نسلی و قومی قومیتوں اور سیاسی و معاشی خیال پرستیوں و آئینہ بالوجہ کی جہنم سے دنیا کو نجات دلا سکتا ہے۔ (بڑی سائز) ۶۰ صفحات قیمت ۱۰ روپے پچھتر پیسے

وہ کتابیں جنکے بغیر کوئی لائبریری مکمل نہیں کہلا سکتی

- ① لائبریری میں مصنفہ کبیرل جان ترجمہ دینا
- ② تاج فیروز شاہی شمس سرخ عقیق ۸/۲۵
- ③ مائتہ المکیری محمد ساقی مستعد خان ۹/۷۵
- ④ شاہجہاں کے ایام امیری ڈاکٹر برنیر کاسفر نامہ
- ⑤ اور عہد اور نگریب مترجمہ خلیفہ محمد حسین ۱۲/۱
- ⑥ حضرت عثمان و حضرت علی ڈاکٹر طحی ۱۲/۱
- ⑦ اردو ترجمہ علامہ عبدالحمید النہانی
- ⑧ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت فاروق عظیم
- ⑨ ڈاکٹر طحی محمد ترجمہ شاہ حسن عطاء ایم اے
- ⑩ سفر نامہ ابن بطوطہ دو حصے مکمل ۱۸/۱
- ⑪ مترجمہ احمد بیفری
- ⑫ زاد المعاد دو حصے حضرت حافظ ابن قیم ۲۰/۸۲
- ⑬ مترجمہ آرکھسرتیس احمد صفری
- ⑭ فقہ الاسلام مصنفہ حسین احمد الخلیف ۱۱/۱
- ⑮ مترجمہ پروفیسر رشید احمد ارشد
- ⑯ سیاست نظام الملک طوسی مع متن ۱۲/۱
- ⑰ مترجمہ شاہ حسن عطاء ایم اے
- ⑱ البراکہ مولانا عبدالرزاق کاپوری ۱۲/۱
- ⑲ نظام الملک طوسی مولانا عبدالرزاق کاپوری ۱۲/۱
- ⑳ تاجدار دو عالم عبدالرحمن عزام بے ۳/۵۰
- ㉑ تاریخ اسلام تین جلدوں میں مکمل ۳۹/۱
- ㉒ مصنف مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی
- ㉓ حضرت عمر ابن العاص محمد احمد پانی پتی ۱۲/۱
- ㉔ آئینہ حقیقت نما ۱۲/۱
- ㉕ مصنف مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی
- ㉖ حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی ۲۱/۱
- ㉗ مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم
- ㉘ ادب المفرد کتاب مذکی حضرت امام بخاری ۷/۱
- ㉙ اردو ترجمہ مولانا عبدالقدوس ہاشمی
- ㉚ سفینۃ الاولیاء شہزادہ دارا شکوہ ۹/۷۵
- ㉛ صحابیات علامہ نیاز فتحپوری ۹/۱
- ㉜ تجدید دین کامل مولانا عبدالباری ندوی ۹/۷۵
- ㉝ تجدید تصوف سلوک مولانا عبدالباری ندوی ۸/۷۵
- ㉞ تجدید معاشیات مولانا عبدالباری ندوی ۹/۷۵
- ㉟ تجدید تعلیم و تبلیغ مولانا عبدالباری ندوی ۶/۱
- ㊱ فلسفہ عجم علامہ اقبال ۴/۱
- ㊲ اسلامی معاشیات مولانا مناظر احسن گیلانی ۱۲/۱
- ㊳ الدین الیقیم مولانا مناظر احسن گیلانی ۳/۲۵
- ㊴ حضرت ابو ذر غفاری مولانا مناظر احسن گیلانی ۶/۲۵
- ㊵ تذکرہ شاہ ولی اللہ مولانا مناظر احسن گیلانی ۶/۱
- ㊶ مکاتیب امام غزالی احمد غزالی ۲/۷۵
- ㊷ داستان کربلا عبدالرحمن صدیقی ۳/۷۵
- ㊸ مقالات جمال الدین افغانی ۳/۲۵

فیس اکید بی بلا سسل سنریت کراچی